READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر کے ہر فرد کے لیے

ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی

فروری 2017

نگران اعلیٰ
معراج رسول

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

مایہ ناز قلم کاروں کی خوب صورت تحریریں

مہ پارہ صفدر اور صفدر ہمدانی بنے پاکیزہ کے مہمان

ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد



رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

پاکیزہ کے مہمان
ماہ پارہ صفدر اور صفدر ہمدانی

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789

نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

رانا اے حمید 0323-2895528

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرسالانہ (اندرونِ ملک) 800 روپے ...... جلد 44 شمارہ 11 فروری 2017ء

ماڈل: نسا جبیں میک اپ: روز بیوٹی پارلر فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

اداریہ

سلسلے وار ناول

منی ناول

ناولٹ

افسانے

خصوصی مضامین

مستقل عنوانات

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

اسے آپ شوبازی سمجھ لیں، دریا دلی کہہ لیں...... یا رحم دلی کا نام دے دیں۔ بعض لوگ بادشاہوں کے انداز میں اپنے حلقۂ احباب میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ ہر ایک کے لیے ہر قسم کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

وہ تفریح، لطف اور اپنی بڑائی کی خاطر...... اپنی اوقات سے زیادہ دوستوں پر پیسہ خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ سب احباب ان کی تعریف کریں۔

اگر ایسے لوگوں سے مالی مدد کی درخواست کی جائے تو وہ بھی اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چاہے انہیں اس کے لیے کسی سے قرض ہی کیوں نہیں لینا پڑ جائے۔ اس طرح وہ خود کو کسی بادشاہ یا ملکہ سے کم نہیں سمجھا کرتے۔ جن کا فرض ہوتا ہے کہ لوگوں کی پریشانیاں حل کی جائیں۔ ایسے لوگ اگر مالی طور پر کسی کی مدد نہ کر سکیں تو ان کا رویہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے بے قرار رہے گا کہ ہر چیز ان کے قابو میں ہے اور وہ ہر مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں...... ایسے لوگ جو اپنے آپ کو اپنی اوقات یا اپنی صلاحیت سے زیادہ پوز کرتے ہوں وہ نفسیاتی عوارض کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ انہیں زیادہ امتحانوں میں نہ ڈالا جائے ورنہ ان کی اپنی زندگی ہمیشہ عذابوں سے دوچار رہے گی...... یوں بھی یہ ایک انتہائی نامناسب بات ہے کہ اگر ہم کسی کی مالی حیثیت جانتے ہوئے بھی اس سے ایسی استدعا کر دیں جس کی وجہ سے اسے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑ جائیں۔ ایک اچھا دوست کبھی اپنے دوست کو نہ امتحان میں ڈالتا ہے اور نہ ہی اسے کسی پریشانی میں مبتلا کرتا ہے۔ یاد رکھیں سب سے بڑی ذات صرف اللہ کی ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔ اور وہ ہمیشہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو لوگوں کے لیے آسانیاں فراہم کریں...... نا کہ پریشانیاں...... اس لیے آج آپ سے یہی کہنا ہے کہ اپنے دوستوں کو پریشان نہ کریں کہ اللہ نہ کرے کہ کبھی ایسا وقت آجائے کہ وہ آپ کو دیکھ کر راستہ بدل دیں۔

اس لیے یہ محبت کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے دوستوں کو اچھی طرح جانیں اور ان کا خیال از خود رکھیں۔

مدیرہ
انجم انصار

اور تمہارے پروردگار کی (ہر) بات سچائی اور انصاف میں کامل ہے کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہ ہی (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے (۱۱۵) اور (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دنیا کے اکثر (لوگ ایسے ہیں کہ ان) لوگوں کے کہنے پر اگر تم چلو تو وہ تمہیں اللہ کے (بتائے ہوئے) راستے سے بہکا دیں وہ لوگ (تو) صرف (اپنے ناپاک) خیال کی پیروی کرتے ہیں اور سراسر جھوٹ بولتے ہیں (۱۱۶) بے شک تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) وہی خوب جانتا ہے (۱۱۷) پس اگر تم اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو اس میں سے کھاؤ (۱۱۸) اور جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کے کھانے میں تم کو کیا (عذر) ہے حالانکہ جو کچھ تم پر حرام کیا ہے بے شک اس نے صاف، صاف تم سے بیان کر دیا مگر جس چیز پر تم مجبور کیے جاؤ اور بے شک اکثر بے علم اپنی خواہشوں کے موافق (لوگوں کو) بہکا دیتے ہیں (اور) بے شک حد سے باہر نکل جانے والوں کو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے (۱۱۹) اور (اے مومنو!) ظاہری اور باطنی گناہ (دونوں کو بالکل) چھوڑ دو بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ اپنے (برے) اعمال کا بدلہ جلد پائیں گے (۱۲۰) اور جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ بے شک یہ (کھانا) گناہ ہے اور شیاطین تو بے شک اپنے دوستوں (یعنی کافروں) کے دل میں وسوسہ ڈالا ہی کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑے (کیا) کریں اور اگر تم ان کے کہنے پر عمل کرو گے تو بے شک ضرور تم (بھی) مشرک ہو (جاؤ گے) (۱۲۱) کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کو (قرآن کی) روشنی دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں (راہ ہدایت پر) چلتا ہے اس کی مثل ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں اسی طرح کافروں کے لیے ان کے (ناپاک) اعمال آراستہ کر دیے گئے ہیں (۱۲۲) اور (جس طرح مکہ کے بڑے، بڑے سردار کافر ہیں) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے سرداروں کو گناہ گار بنایا تا کہ وہ اس (بستی) میں فساد (پیدا) کریں حالانکہ جس قدر فساد کرتے ہیں وہ اپنے ہی حق میں (برا کرتے ہیں) اور نہیں سمجھتے (۱۲۳) اور جب ان کے سامنے کوئی معجزہ (نبی کی تصدیق کے لیے) آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم (اس معجزے سے) ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم کو (خود) کوئی ویسی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی (حالانکہ) اللہ اپنی پیغمبری (کی) جس (شخص کے دل میں) جگہ بناتا ہے اس کو خوب جان (لیتا) ہے عنقریب (ان) مجرموں کو ان کی فساد انگیزی کی سزا بھی بڑی ذلت اور سخت عذاب ہوگا (۱۲۴)

سورۂ انعام آیت نمبر ۱۱۵ تا ۱۲۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْبَشِیْرِ وَ النَّذِیْرِ ط

افضل الانبیا ختمی مرتبت سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام البشیر بھی ہے۔ جس کے مفہوم خوشخبری و بشارت دینے کے ہیں۔

1۔**القرآن**: 1۔ ترجمہ: ”بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرسنانے والا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔“ (سورہ بقرہ، آیت 119)

2۔ ترجمہ: ”اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑا فضل ہے۔“ (سورۂ احزاب آیت 47)

2۔**الحدیث**: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ نے میری امت کی بھول چوک اور وہ تمام باتیں معاف کر دی ہیں جو ان سے جبراً کرائی جائیں۔“ (صحیحین)

3۔**الوائے**: 1۔ گوئٹے نے جو کہا ہے کہ انسانی دماغ نظام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔ کتنی سچی بات کہی ہے اس لیے کہ جتنے نظام ہائے تمدن انسانیت کے ایوانوں میں پیش کیے جائیں گے ان کی کسوٹی ہمیشہ کے لیے اگر کچھ ہوگی تو وہ نظام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور کچھ نہیں۔ میں گوئٹے سے پوری طرح متفق اس لیے ہوں کہ محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام براہ راست، بلاواسطہ بہشت کا پیغام ہے اور قرآن کریم نے بہشت کی جو حسین تصویر کشی کی ہے وہ دل بہلانے کا سامان نہیں، اٹل حقیقت ہے اور یہ تصویر ہمیں اس لیے دکھائی گئی ہے تاکہ اپنی زمینی زندگی کو اپنے معاشرے کو اسی سانچے میں ڈھالیں جہاں صرف فوز و فلاح ہے، وہ زندگی جہاں نہ خوف ہے نہ غم......

(تھامس کارلائل ہیروانیڈ ہیروز شپ)

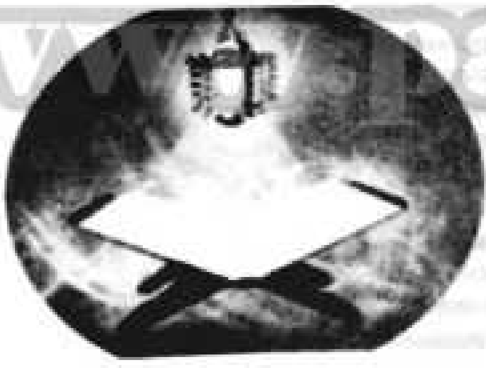
2۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نبی تھے جو دنیائے جہاں کو دعوت حق دینے کے لیے مبعوث ہوئے اور نبی بھی ایسے کہ ہستی باری تعالیٰ کی پرنور وحدانیت کی ایک بشارت تھے۔

(جے۔ ایچ لیکی... اتھارٹی ان ریلیجز)

4۔**الفضائل**: 1۔ ہر نماز کے بعد 100 مرتبہ اس اسم مبارک بشیر کا ورد کرنے والا قبر کی تاریکی سے بچا رہے گا۔ قیامت کے دن خوشی حاصل ہوگی اور خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

2۔ روزانہ نماز مغرب کے بعد 100 مرتبہ اس اسم پاک بشیر کو پڑھنے والے کو کبھی بڑا غم نہ پہنچے گا۔ قلب مطمئن ہوگا۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتباس



اللہ اور اس کا نور



قرآن پاک سے عشق کی پُر نور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

باب اول

پیارے قارئین......السلام علیکم رحمتہ اللہ

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ قرآن حکیم کے ہم پر مندرجہ ذیل حقوق ہیں۔

1۔قرآن حکیم کو پڑھنا۔2۔اس کو سمجھنا۔3۔اس پر عمل کرنا۔4۔قرآن حکیم کے علم کو دوسروں تک پہنچانا۔

میں نے بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے قرآن حکیم کے حقوق کو پورا کرنے کی کوشش کی۔قرآن حکیم پڑھا، اسے اپنے علم کے مطابق سمجھا بھی۔اس کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کی اور اس میں لکھی خوب صورت باتیں مضامین کے ذریعے لوگوں تک پہنچانے میں مصروف ہوں۔

میں نے اپنی پوری زندگی جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کا سفر قرآن حکیم کو پڑھتے اور لکھتے گزارا......میں نے 40 سال کے عرصے میں 17 قرآن حکیم کتابت کیے جو مختلف جامعات میں رکھے گئے۔قومی عجائب گھر کراچی اور ترکی کے میوزیم میں بھی میرے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام پاک موجود ہے۔جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔

قارئین! میں کوئی عالم نہیں ہوں اور نہ ہی میں نے مذہبی تعلیم کی کوئی ڈگری حاصل کی ہے۔دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت، کرم اور مدد

قرآن حکیم، اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ایک مظہر

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایسا مظہر ہے جس کی مثال اس کائنات میں نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

”یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔“

(سورۂ بقرہ آیت 2)

کوئی دنیا کی کتاب ایسی نہیں جو چیلنج کرے کہ اس

میں کوئی شک نہیں...... ہر کتاب میں، پی ایچ ڈی کی ہر تھیسس میں کمی بیشی کی گنجائش بھی ہوتی ہے اور کسی نہ کسی امر پر اختلافِ رائے بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ میں الم کے بعد دوسری آیت ہے۔ یعنی یہ کتاب شروع ہی اس دعوے کے ساتھ ہو رہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔

لیکن جس وقت کتاب نازل ہو رہی تھی لوگوں کے دل شک وشبہ میں پڑے ہوئے تھے اور وہ اس بات پر یقین نہ کرتے تھے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

''کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنالاؤ اور اللہ کے سوا اور جو، جو...... (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلالو اگر تم سچے ہو۔'' (سورۂ ہود آیت 11)

اس کے بعد یہ بھی فرمایا۔

''اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں تو اس کے مانند ایک ہی سورۂ بنالاؤ اور اپنے سارے ہمنواؤں کو بلالو...... ایک اللہ کو چھوڑ کر، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھادو۔'' (سورۂ بقرہ آیت 23) پھر اسی سورۂ کی اگلی آیت (آیت نمبر 24) میں فرمایا۔

سورۂ طور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو اس شان کا کلام بنالائیں۔'' (آیات 34,33)

ان آیات سے یہ بات ظاہر اور واضح ہوگئی کہ اس جیسا کلام بنانا کسی انسان کے بس میں نہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ پورے قرآن پاک میں ایک خاص حسابی نظام پایا جاتا ہے۔ اس طرح کہ آپ نہ تو کوئی آیت اپنی جگہ سے ہٹا سکتے ہیں نہ کوئی لفظ اور نہ کوئی حرف...... بلکہ سورتیں جس انداز میں ترتیب دی گئی ہیں ان کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جاسکتا...... بعض سورتیں بڑی ہیں اور بعض بے حد چھوٹی...... اور پھر ان سب کو ایک خاص ترتیب اور ایک خاص فارمولے کے تحت رکھا گیا ہے۔

ہمارے پاس جو کلام پاک موجود ہے وہ بالکل اسی طرح اور اسی حالت میں ہے جیسا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سامنے تمام آیات اور سورتوں کو ترتیب دلوایا تھا۔ جب کوئی سورۂ نازل ہوتی تو آپ بتاتے کہ اس سورۂ کو فلاں جگہ رکھو...... بعد میں کتابی صورت میں

ہوتی ہے جو بندے کو سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو نور عطا کرتا ہے، اسی نور سے دنیا میں روشنی پھیلتی ہے اور اچھائی و نیکی کی کرنیں ہر جانب بکھر جاتی ہیں۔

مجھ ناچیز اور گناہ گار کو بھی اللہ تعالیٰ نے نور عطا کیا جس کی روشنی میں، میں دور تک بھاگتی چلی گئی۔

آج کل میری صحت خراب ہے مگر مجھے اسی کتاب (قرآن حکیم) سے سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے دنیا کی محبت کو نکال پھینکا اور خوشی ہے کہ اس نے مجھے فقیری کی دولت سے مالا مال کیا۔ اللہ جل جلالہ اور اس کا نور کے اس سلسلے میں جو مضامین آپ پڑھیں گے ان میں تحقیقی اور معلوماتی مضامین شامل ہیں، یہ مضامین صرف اور صرف قرآن حکیم ہی کے حوالے سے لکھے گئے ہیں، میں نے کسی کتاب یا کمپیوٹر سے مدد نہیں لی ہے، جتنا بھی تحقیقی کام ہے وہ میری ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے۔ امید ہے یہ سلسلہ آپ کو پسند آئے گا اور آپ اس سے بہت سے فوائد حاصل کرسکیں گے۔ (انشاءاللہ)

اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں اور بری بخشش کی خصوصی دعا ضرور کریں۔

آپ کی خیرخواہ...... ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

''لیکن اگر ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہیں کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

اس آیت میں یہ بھی کہہ دیا گیا کہ تم ایسا نہیں کرسکو گے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اس کو شکل دی۔

ایک حسابی نظام تو وہ ہے جو آیات، الفاظ اور حروف کا ہے۔ اس کو میں یہاں مختصراً بیان کروں گی جو ابھی تک شاید کسی کو معلوم نہیں۔

یہاں حسابی نظام یہ ہے کہ قرآن پاک میں جتنی بھی

سورتیں حروفِ مقطعات سے شروع ہوتی ہیں (حٰم، الم، ق) وغیرہ۔ ان سورتوں میں یہ حروف جتنی بار بھی آئے ہیں وہ 19 سے پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں۔
مثلاً سورۂ ق میں ق 57 بار آیا ہے۔ (3x19)
تمام 921x19=17499
تمام م 620x19=11780
تمام م 457x19=8683
جیسا کہ میں نے اوپر لکھا کہ میں اس نظام کی زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گی کیونکہ یہ بات اب سب کو معلوم ہے۔ اس کا پورا چارٹ ہے۔ قرآن حکیم کی 29 سورتیں حروفِ مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ حروفِ مقطعات 14 ہیں اور ان کے سیٹ بھی 14 ہی ہیں۔
میں نے لفظ یا حرف کو ہٹانے کی بات بھی کی تھی۔ اس کی وضاحت کے لیے یہ لکھ دوں کہ قرآنِ پاک میں قومِ لوط کا ذکر 13 مرتبہ آیا ہے۔ ہر جگہ قوم لوط کہا گیا لیکن سورۂ ق میں ''اخوانِ لوط'' لکھا گیا۔ اگر یہاں بھی قوم لوط لکھا جاتا تو ایک ق زیادہ ہو جاتا اور 19 کی تقسیم غلط ہو جاتی۔
اسی طرح سورۂ اعراف المص سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں ایک لفظ ہے بصطۃ۔ عربی لغت کی رو سے س سے لکھا جانا چاہیے لیکن وحیِ الٰہی کے مطابق اسے ''ص'' سے لکھا جاتا ہے۔ اگر اسے ''ص'' سے نہ لکھا جاتا تو ایک ص کم پڑ جاتا اور اس طرح 19 کی تقسیم غلط ہو جاتی۔
یہ ایک ایسا عجیب و غریب حسابی نظام ہے کہ عقل دنگ ہے۔ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اس طرح کی کوئی کتاب لکھے، جس میں ایسا نظام موجود ہو۔
اب میں اس بات کی طرف آ رہی ہوں کہ جس نے مجھے یہ مضمون لکھنے پر مجبور کیا۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ بعض سورتیں بہت چھوٹی ہیں اور بعض بہت بڑی۔ پھر ان کو جس ترتیب سے قرآن حکیم میں رکھا گیا ہے، اس کی وجہ کسی انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔
میں یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ قرآن حکیم کے اندر سات منزلیں ہیں اور ہر منزل میں سورتوں کی تعداد مخصوص ہے اور ان کی ترتیب ایک خاص فارمولے کے تحت کی گئی ہے۔ اس میں ایک خاص منطق ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر کوئی بات منکشف کر دیتا ہے۔ مثلاً مجھ جیسی ایک ناچیز ہستی پر ان سورتوں کے بارے میں ایک فارمولا منکشف ہوا۔ وہ پیشِ خدمت ہے۔
پورے قرآن حکیم میں 114 سورتیں ہیں اور 7 منزلیں ہیں۔ پہلی منزل سورۂ نساء پر ختم ہوتی ہے جو کہ قرآن حکیم کی چوتھی سورۃ ہے۔ دوسری منزل سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہے۔ جو کہ قرآن پاک کی نویں سورۃ ہے۔ تیسری منزل سورۂ نحل پر ختم ہوتی ہے جو کہ قرآن پاک کی 16ویں سورۃ ہے۔ چوتھی منزل سورۂ فرقان پر جو کہ 25 ویں سورۃ ہے۔ پانچویں منزل سورۂ یٰسین پر جو کہ 36 ویں سورۃ ہے اور چھٹی منزل سورۂ حجرات پر جو کہ 49 سورۃ ہے، ختم ہوتی ہے جبکہ آخری منزل ناس پر ختم ہوتی ہے (114ویں سورۃ)
اس تمام بات کو ایک آسان فارمولے سے ظاہر کیا جا سکتا ہے جو اللہ کے حکم سے ایک رات میرے ذہن میں آیا۔

منزل	کون سی سورۃ پر ختم ہوتی ہے	فارمولا
پہلی	چوتھی سورۃ پر	2^2
دوسری	نویں سورۃ پر	3^2
تیسری	16ویں سورۃ	4^2
چوتھی	25ویں سورۃ	5^2
پانچویں	36ویں سورۃ پر	6^2
چھٹی	49ویں سورۃ پر	7^2
ساتویں	114ویں سورۃ پر	

اس میں کسی فارمولے کی ضرورت نہیں۔ ساتویں منزل میں کسی فارمولے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ آخری سورۃ (114 ویں) پر ختم ہوتی ہے۔
آپ اوپر کے چارٹ کو دیکھیں کہ تمام سورتوں کو منزلوں کے اندر کسی حساب کے تحت رکھا گیا ہے۔ پہلی منزل میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی 3 سورتیں بہت بڑی ہیں۔ اس طرح کل 4 سورتیں ہیں۔ اگر شروع میں کوئی چھوٹی سورۃ رکھ دی جاتی تو یہ فارمولا نہیں بن سکتا تھا۔ یعنی اگر شروع میں کچھ چھوٹی سورتیں ہوتیں تو منزل چھوٹی سی ہو جاتی اور اگر زیادہ تعداد میں رکھی جاتیں تو فارمولا غلط ہو جاتا اور اس کا یاد کر لینا کتنا آسان ہے اور یہ بے حد عام فہم ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونا قرار پایا۔ اس کے علاوہ بھی نہ جانے کتنی باتیں ہوں گی جو بھی ہمیں معلوم

نہیں۔ لیکن گزرتے وقت کے ساتھ منکشف ہوتی رہیں گی۔ (انشاء اللہ)

آخر میں بس یہی کہوں گی کہ پوری کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ اس میں اپنی جگہ سے کچھ بھی نہیں ہٹایا جاسکتا۔ نہ سورہ کو نہ آیت کو نہ ہی کسی لفظ کو..... حتیٰ کہ نہ ہی کسی حرف کو اور نہ ہی اعراب کو..... اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کی مثال بنانا ناممکن ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔ ''ہم نے اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (سورۂ حجر آیت 9)

بے شک یہ کتاب آج بھی اپنے زیر، زبر کے ساتھ محفوظ ہے اور تاقیامت محفوظ رہے گی۔

قرآن حکیم کے حروف مقطعات

قرآن پاک کی بعض سورتیں کچھ مخصوص حروف سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً الم، حم وغیرہ..... ان الفاظ کے مطالب اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیے۔ کسی شخص کو یہ علم نہیں کہ ان حروف کا کیا مطلب ہے۔ اس لیے اپنی جانب سے ان کے معنی مطلب قیاس کرنا گناہ ہے۔

زیر نظر مضمون میں، میں حروف مقطعات کے بارے میں مکمل معلومات دینا چاہ رہی ہوں جو کہ عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتیں۔

کل حروف 14 ہیں۔ اور ان کے کل 14 سیٹ ہیں۔

حروف: ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی۔

ان حروف سے بننے والے کل 14 سیٹ ہیں جن کی پانچ اقسام ہیں۔

یک حرفی: یہ صرف ایک حرف سے بنے ہیں، مثلاً ن، ص، ق۔

دو حرفی: ان میں دو حروف ہوتے ہیں۔ مثلاً حٰم، طٰس، طٰہٰ، یٰس۔

سہ حرفی: ان میں تین حروف ہوتے ہیں۔ مثلاً الم، طسم، الر.....

چہار حرفی: ان میں چار حروف ہیں۔ مثلاً المر، المص۔

پنج حرفی: ان میں پانچ حروف ہیں۔ مثلاً کھیعص، حٰم عسق۔

قرآن حکیم کی کل 29 سورتیں ان حروف سے شروع ہوتی ہیں۔

الم سے شروع ہونے والی سورتیں۔

سورۂ بقرہ، آلِ عمران، سورۂ عنکبوت، سورۂ روم، سورۂ لقمان، سورۂ سجدہ

المر: سورۂ رعد

المص: سورۂ اعراف

الر: سورۂ یونس، سورۂ ہود، سورۂ یوسف، سورۂ ابراہیم، سورۂ حجر۔

حم: سورۂ مومن، حم سجدہ، سورۂ زخرف، سورۂ دخان، سورۂ جاثیہ، سورۂ احقاف۔

حم عسق: سورۂ شوریٰ۔

طٰس: سورۂ نمل

طسم: سورۂ شعراء، سورۂ قصص

طٰہٰ: سورۂ طٰہٰ

یٰس: سورۂ یٰسین

ص: سورۂ ص

ق: سورۂ ق

ن: سورۂ قلم

کھیعص: سورۂ مریم۔

الم..... کل 6 سورتوں کی ابتدا میں آیا ہے۔

حم..... کل 6 سورتوں کی ابتدا میں آیا ہے۔

الر..... کل 5 سورتوں کی ابتدا میں آیا ہے۔

طسم..... کل 2 سورتوں کی ابتدا میں آیا ہے۔

باقی سب ایک، ایک بار آئے ہیں۔

سب سے آخر میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 7 کا ترجمہ لکھ رہی ہوں۔

''وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتا لگائیں۔ حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ان گناہوں سے دور رکھے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ (آمین)

(جاری ہے)



قسط 13

ہم گم شدہ محبت کے

انجم انصار

انسان نہ کچھ کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے، یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے، یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہوجائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلا وا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر



لوگ منتظر ہی رہے کہ ہمیں بکھرتا دیکھیں
ہم ضبط کرتے، کرتے پتھر کے ہو گئے

"کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟" عامر کے جملے سن کر میں واقعی دہل سی گئی تھی...... اور مساموں سے پسینہ کسی بارش کی طرح بہنے لگا تھا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" اس نے لاتعلقی سے اپنے کاندھے اچکائے۔

"ابھی تو کہا ہے آپ نے...... اگر ندیم خان کسی حادثے کا شکار ہوجاتے ہیں؟" میں نے اس کا ہی جملہ دُہرایا۔

"میری اتنی سی بات بڑی دل پر لگ گئی۔" وہ تمسخر سے ہنسا۔ "یہ ذرا سی بات نہیں ہے، ندیم میری زندگی ہیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں...... زندگی واقعات اور حادثات کا ہی تو نام ہے جیسے پہلے میں تمہاری زندگی تھا تب تمہیں میرے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا ناں......" وہ عجیب انداز سے کہہ رہا تھا۔

"وقت گزرا...... اور تم حادثاتی طور پر ندیم سے جا ملیں...... پھر ندیم خان تمہاری زندگی بن گیا...... اور اب کل کیا ہونے والا ہے، کسی کو بھی نہیں پتا...... مگر مجھے یہ یقین ہے کہ تم میرے ہی پاس آؤ گی۔ اور جب میں تمہاری زندگی بن جاؤں گا تو تمہیں بھی میرے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔"

"میرے ساتھ ایسا برا کبھی نہیں ہوگا۔" میرا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

"یہی جملے...... میں اپنے لیے بھی کہتا ہوں...... تو تم مسکراتی تک نہیں ہو۔"

"پلیز عامر چلے جاؤ، تمہاری باتیں سن کر میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ چلے جاؤ، میں تمہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔"

اب میں اپنے آنسو سمیٹے وہاں سے ہٹ چکی تھی۔ میں اپنے آنسو اس کے سامنے نہیں بہانا چاہتی تھی۔ اور پھر وہ تھوڑی دیر اور امی اور خالہ کو کلسانے کے بعد چلا گیا تھا۔

"بعض لوگوں کو سیدھی بات، پتا نہیں کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔" امی تاسف بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"بعض لوگ جوتے کے ہوتے ہیں۔ انہیں ان کی طرح ہی ڈیل کیا جائے تو وہ سمجھا کرتے ہیں......" خالہ کو غصہ آرہا تھا۔

"یہ عامر پہلے تو ایسا نہیں تھا...... اب تو کرمنل سی شخصیت ہوگئی ہے اس کی...... باتیں کیسی عجیب، عجیب کر رہا تھا۔" اس کے جانے کے بعد امی بڑبڑا رہی تھیں۔

"پرانی باتیں، پرانی ہی رہتی ہیں ان کو نیا نہیں کہا جاسکتا...... پتا نہیں کیوں وہ اپنی ہر پرانی بات کو آج کی بات کیوں سمجھ رہا ہے۔" خالہ نے کہا۔ "یہ بات اس کو سمجھنی ہوگی۔"

"میرا تو دل چاہ رہا ہے ہم لوگ یہاں سے کسی اور جگہ چلے جائیں...... عامر نے تو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔" امی نے کہا۔

"آپا یہ کسی مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کریں...... ندیم کی فیملی جو پہلے خوشامدوں کے ساتھ ہمارے ہاں آتی تھی، وہ بھی آہستہ، آہستہ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ حد سے زیادہ محتاط ہونا بھی...... تو بزدلی ہی لگا کرتی ہے۔ ارے بھئی سادگی سے شادی کر کے چلے جاؤ، کوئی کیا کرسکتا ہے۔" امی نے کہا۔

''ہاں اگر...... وہ پاگل خودکشی بھی کرلیتا ہے تو ہماری بلا سے...... اکثر ڈرپوک لوگ یہ کرلیا کرتے ہیں۔'' خالہ نے کہا۔

''ایسا صرف وہ ڈرانے کے لیے کررہا ہے۔ ایسی باتیں سن کر لوگ دھونس میں آجائیں گے۔ اور خاص کر یہ اکیلی خواتین تو ڈر ہی جائیں گی۔''

امی اور خالہ کی آوازیں...... میرے کمرے میں آرہی تھیں تب میرا دل چاہا کہ عامر کے چہرے پر تھپڑ مار کر کہوں...... ہر جگہ صرف...... زمین کی وکالت نہیں چلتی جب کوئی فیصلہ آسمان سے اترتا ہے...... تو وہی پورا ہوا کرتا ہے۔ تم سے شادی ہونا ہوتی...... تو تم اتنے لمبے عرصے کے لیے کبھی غائب نہ ہوئے ہوتے۔ اب میں صرف ندیم کی ہوں...... صرف ندیم کی...... مگر یہ سب سوچتے ہوئے بھی...... میرا دل...... میرے دماغ کی باتوں پر نفی کی ضرب لگا رہا تھا۔

اور میں اس کی ہر ضرب پر اذیت سی محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

سہما سہما ڈرا سا رہتا ہے
جانے کیوں جی بھرا سا رہتا ہے

ان دنوں مجھے بات، بات پر رونا آرہا تھا...... استری کرتے ہوئے دوپٹا جل گیا...... اور میں نے رو،رو کر آنکھیں سجالیں۔ ہاتھ سے گلاس ٹوٹ گیا...... اور میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے......

''صبو کیا بات ہے...... کیوں ذرا، ذرا سی باتوں پر آنسو بہانے لگتی ہو......'' امی نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں امی...... بعض دفعہ بے وجہ بھی تو رونا آجاتا ہے۔'' میں نے اپنے سامنے اپنی ڈائری رکھ لی...... میرا لہجہ اکتاہٹ بھرا تھا اور پھر ڈائری کا صفحہ پھاڑ ڈالا...... جس پر لکھا تھا۔

تم جو ہوتے تو زندگی ہم سے
تلخ لہجے میں بات کیوں کرتی

میرے آنسو اب گولہ بن کر میرے حلق میں اٹک رہے تھے۔ مگر میں اپنی ہی لکھی ہوئی سطریں اشکبار آنکھوں سے پڑھ رہی تھی۔

''باپ اور بھائی کی ضرورت زندگی میں ہمیشہ پڑتی ہے...... کتنی خوش نصیب ہوتی ہیں وہ بیٹیاں جن کے سر پر ان کے والد کا شفقت بھرا سایہ ہوتا ہے اور کتنی بختوں والی ہوتی ہیں وہ بہنیں، جن کا سائبان ان کے بھائی ہوا کرتے ہیں۔ اور جن گھروں میں مرد نہیں ہوتے...... ان کے دروازے اگر بند بھی ہوں تو وہ دوسروں کو کھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ تو ایسے گھروں میں دستک دینا بھی ضروری نہیں سمجھا کرتے۔''

یہی وجہ تو تھی...... کہ عامر کا جب دل چاہتا وہ منہ اٹھا کر چلا آتا باوجود اس کے کہ وہ ہمیشہ دھتکارا جاتا۔ اس سے کوئی سیدھے منہ بات نہ کرتا...... مگر شاید اسے کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ ایسی چکنی مٹی کا بنا ہوگا...... ایسا تو میں نے کبھی نہ سوچا تھا اور ایک دن جب امی، خالہ کے ساتھ اپنے بینک کے کام سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ اور گیٹ بھی بند نہ تھا وہ یک دم گھر میں آگیا...... کہ میں دھک سے رہ گئی۔

''صبا...... چاہے تم ہر روز میرے وجود کی نفی کرتی رہو...... مگر ایک دن تمہیں مجھے تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔''

''زبردستی ہے تمہاری؟'' میں نے تلملا کر کہا تھا۔

''بالکل ہے......'' وہ ڈھٹائی سے ہنس کر بولا۔

''ہر شخص اپنی چیز کو اپنا ہی کہا کرتا ہے......تو پھر میں کیوں نہ کہوں......''
''تم مجھے......کوئی چیز سمجھتے ہو۔'' میرے لہجے میں حقارت اور نفرت تھی۔
''صبو رانی......میں تو تمہیں پتا نہیں کیا کچھ سمجھا کرتا تھا۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''اب کیا کریں......تم اپنی ویلیو خود ہی گرا رہی ہو۔''
''پھر دفعان کیوں نہیں ہو جاتے یہاں سے......جبکہ جان بھی گئے ہو کہ میں تمہیں دیکھنا تک نہیں چاہتی۔ اپنی اوقات کیوں نہیں سمجھ لیتے......کہ اب مجھے تم سے محبت تو کیا انسیت تک نہیں ہے۔''
''اچھا یہ تم کہہ رہی ہو......یا......ندیم خان نے اپنے جملے تمہارے منہ میں ٹھونس دیے ہیں۔''
''تم یہ سمجھ کیوں نہیں لیتے......کہ میں اب وہ ناسمجھ بچی نہیں رہی جو ہر پسند آنے والی چیز کو اپنی محبت سمجھ لیتی تھی۔''
''صبو......تم نفرت بھرے کتنے ہی ٹریلر دکھا دو......مگر تمہیں آنا تو میرے گھر میں ہی ہے اور تمہارا یہ جھوٹا خواب بھی کبھی پورا نہیں ہوگا......کہ ندیم خان تم سے ہی شادی کرے گا۔ ڈرپوک شخص جو کھل کر محبت نہ کر سکے......وہ تم سے شادی کرنے کے قابل ہی......کہاں ہے......'' اب وہ تمسخر بھری ہنسی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔
''میری بات بے شک......تم لکھ کر رکھ لو......کہ تمہیں صرف میرے ہی پاس آنا ہے۔''
''عامر اب اگر یہاں آئندہ تم نے قدم بھی رکھا ناں تو میں پولیس کو کال کر لوں گی کہ یہ شخص مجھے تنگ کر رہا ہے۔'' اس کی بکواس سن کر غصے سے میں نے کہا۔
''چلو یہ شوق بھی پورا کر لو......'' وہ پھر ہنس کر بولا۔ ''میرے پاس وہ سارے جوابات ہیں جو مجھے دینے ہوں گے، اس لیے میرا پولیس بھی کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ بلکہ الٹا تم سے یہ کہے گی......کہ آپ لوگ آپس میں صلح کر لیں۔''
''میری تم سے دوستی ہے نہ لڑائی......ایک انجان شخص سے میں کیوں صلح کروں گی......''
''مگر میں تو یہ ثابت کر سکتا ہوں......میری دلہن لڑ جھگڑ کر میکے بیٹھی ہے۔ اور رخصتی کے لیے تیار ہی نہیں ہو رہی ہے۔''
''عامر......اب ایسی بھی اندھیر نہیں مچی ہوئی......کہ تم کوئی جعلی نکاح نامہ پیش کرو گے......''
''اور اگر پیش کر دیا تو......؟''
''پھر بھی میں تم سے نمٹ سکتی ہوں......کوئی جاہل لڑکی نہیں ہوں جو تمہاری گیدڑ بھبکیوں میں آ جاؤں گی۔''
''مجھے تو اس وقت کا انتظار ہے جب ندیم خان خود مجھ سے کہے گا کہ میں تم سے جلد شادی کر لوں۔''
''یہ خرافات تم کہیں اور جا کر بکو......ندیم کو شاید تم کبھی پہچان ہی نہ سکو......بس نکلو میرے گھر سے فوراً نکلو......'' میں اتنے زور سے چیخی کہ خود مجھے اپنی آواز اجنبی سی لگی۔
عامر نے حیرت سے مجھے دیکھا۔
''صبو......تمہاری طبیعت خراب ہے شاید......آنکھیں کتنی سرخ ہو رہی ہیں......'' وہ مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔
''ہاں تمہیں دیکھ کر......ان میں آگ بھڑکنے لگتی ہے، اسی لیے یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ۔''
اس نے کاندھے اچکائے......کچھ سوچا......اور پھر نکل گیا۔
اور میں نے تیزی سے بیرونی گیٹ تو کیا داخلی دروازہ بھی مقفل کر دیا۔
اس وقت میری حالت ایسی تھی جیسے میں میلوں کا سفر کر کے کہیں سے آئی ہوں۔
میں نے ڈائری کے اس صفحے پر ایک نظر ڈالی اور اس کا گولا سا بنا کر ڈسٹ بن میں ڈالا تھا۔
منفی سوچ اور منفی رویوں کے ساتھ مثبت زندگی کا گزارنا ناممکن ہوا کرتا ہے مگر میں یہ بات عامر کو کسی صورت نہیں سمجھا سکتی تھی۔

خالہ نے ایک بار کہا تھا.....لڑ جھگڑ کر کبھی کسی کو قائل نہیں کیا جا سکتا.....اسے نرمی سے سمجھاؤ گی تو وہ یقیناً بات کو سمجھ لے گا.....اور جب ایک شب اس کی ٹیلیفون کال کو بادلِ ناخواستہ میں نے ریسیو کرلیا.....تو اسے بڑی نرمی سے سمجھانے کی ٹھانی.....اسے وہ سب باتیں یاد دلائیں جو وہ میری خوشی کے لیے سوچا کرتا تھا.....ایک گھنٹے تک وہ میری ہر بات بڑی خاموشی سے سنتا رہا.....اور جب میری بات ختم ہوئی تو وہ دھیمے سے ہنسا اور بولا۔

''پیاری صبو.....آج دل بھر کر تمہاری آواز سنی ہے میں نے.....تمہارے لہجے میں مزید خوب صورتی آگئی ہے، بات کرتی ہو تو ایسا لگتا ہے کہ.....

نکھر گئے ہیں گلاب سارے

''میں نے جو اتنی دیر.....اپنا دماغ خالی کیا.....تمہاری سمجھ میں کیا کچھ نہیں آیا؟''

''ناراض کیوں ہوتی ہو.....تمہاری ایک، ایک بات سمجھ میں آگئی ہے۔''

''اللہ کا شکر تم سمجھے تو.....''میں نے ایک گہری سانس لی۔

تب وہ ہنسا اور پھر بولا۔

''تمہاری بات لمبی ہے۔

مثالیں ہیں

دلیلیں ہیں.....

ہماری بات چھوٹی ہے.....

ہمیں تم سے محبت ہے.....''

تب جھنجلا کر میں نے ہی فون کاٹ دیا۔

☆☆☆

کریم گھر آیا تو طیش میں تھا.....وہ سیدھا راحیلہ کے کمرے میں آیا اور بولا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا.....تمہاری بہن واقعی ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ وہ تو اسلام آباد میں ٹریننگ کا کہہ کر گئی تھی ناں.....''

''تو پھر کیا ہوا.....؟اس کا فون آیا تھا.....امی، ابو کے آنے سے ایک دن قبل وہ گھر پہنچ جائے گی.....''

راحیلہ نے جلدی سے اسے بتایا۔

''وہ جھوٹی لڑکی کہیں نہیں گئی.....آج میں نے خود اسے دیکھ لیا.....حارث کے ساتھ ہوٹل میں ڈنر کر رہی تھی۔ اور کوئی فیشن ایبل عورت بھی اس کے ساتھ تھی۔''

''ہوسکتا ہے کوئی اور ہو.....''راحیلہ نے کہا۔

''نہیں، وہ تمہاری بہن ہی تھی.....دونوں ایک دوسرے کے منہ میں نوالے دے رہے تھے۔ اور وہ عورت ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔''

''آپ دیکھ لیجیے گا.....شہلا کی شادی حارث سے ہی ہوگی.....وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ کہہ چکا ہے۔''

راحیلہ کھسیا کر بات بنا رہی تھی۔

''حارث اور شہلا کی کلاس میں زمین آسمان کا فرق ہے.....اور وہ اپنے گھر کا اکلوتا لڑکا بھلا کیوں شہلا سے شادی کرنے لگا.....ایسے لوگ اس قسم کی لڑکیوں کے ساتھ وقت تو ضرور گزار لیا کرتے ہیں مگر شادی نہیں کیا کرتے.....''

''تو میں کیا کروں...... آپ یہ سب مجھے کیوں سنا رہے ہیں؟''

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خالہ کے آجانے کے بعد انہیں یہ بات ضرور بتانی ہوگی کہ شہلا وہ نہیں ہے، جو نظر آتی ہے...... وہ تو بگڑی ہوئی لڑکی ہے اور ایسی لڑکیوں سے کوئی بھی شریف لڑکا شادی نہیں کرتا۔''

اُدھر شہلا کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ کریم اسے اور حارث کو ڈنر کرتے دیکھ چکا ہے...... اور قصداً نظر انداز کر کے گیا ہے...... اس لیے...... اس نے راحیلہ کے موبائل پر میسج بھیج دیا تھا۔

''راحیلہ میں کراچی آگئی ہوں...... آفس کے گروپ کے ساتھ ہوں، کل صبح گھر آجاؤں گی...... آج شب حارث نے ڈنر کروایا...... بہت اچھا لگا...... باقی باتیں گھر آنے پر ہوں گی...... ٹریننگ کے اختتام کے ساتھ میں اپنی جاب بھی چھوڑ رہی ہوں...... کہ اب گھر پر ہی رہنا مجھے اچھا لگے گا۔''

راحیلہ نے بلند آواز میں موبائل میسج پڑھا تو کریم کھسیا سا گیا۔

''لوگ آنے سے پہلے اپنے پروگرام بتاتے ہیں، تمہاری بہنا آنے کے بعد بتا رہی ہے۔''

''بتا تو دیا ناں...... چھپا تو نہیں رہی وہ۔''

''مگر اپنی جاب کیوں چھوڑ رہی ہے...... اتنی اچھی تنخواہ اسے کسی اسکول میں تو نہیں مل سکتی ناں......؟''

''اس کا دل بھر گیا ہوگا...... موڈی تو وہ ہے ہی......''

''میرا تو خیال ہے، آفس والوں نے نکال دیا ہوگا۔ اتنا بن ٹھن کر آفس جانے والی لڑکیوں کو کون پسند کرتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے نکال دیا ہو۔'' راحیلہ نے بات بڑھانی مناسب نہیں سمجھی۔

''اب گھر میں رہے گی...... تو تم اپنی زچگی کے دن وہیں گزارنا......''

''وہ کیوں بھلا......؟''

''بڑی بہن ہے، تمہاری خدمت تو کرے گی ناں...... ساری عمر تم نے ہی سب کی خدمتیں کی ہیں...... کبھی کوئی خدمت تم بھی تو کروانا......''

''مجھے تو اپنے گھر میں مزہ آتا ہے...... میرا بچہ اپنے گھر میں آئے گا، مجھے کیا ضرورت پڑی کہ میں اپنا وقت کہیں اور جا کر کاٹوں۔''

''ارے پگلی...... وہ تمہارا میکا ہے، وہاں جا کر رہنا تمہارا اپنا حق ہے، وہ کوئی شہلا کا گھر تو نہیں ہے۔''

''مجھے سب معلوم ہے مگر مجھے اسی گھر سے دلچسپی ہے۔''

''راحیلہ کبھی، کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ تمہیں کسی سے لینا ہی نہیں آتا...... صرف دینا ہی آتا ہے، تم تو خدمت ہی کرنے کے لیے بنی ہو۔'' کریم اس کو ترحم سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کریم صرف خدمتیں ہی نہیں......'' اس کا دل تڑپ اٹھا...... اور پھر وہ سنبھلی۔ ''بات صرف خدمتوں کی ہی نہیں ہے۔'' راحیلہ بولی۔

''کیا کوئی اور بات بھی ہے؟'' کریم نے تجسس سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا اور گلوگیر لہجے میں بولی۔

''کچھ لوگوں کے حصے میں صرف چاہتیں بانٹنے کا کام ہوتا ہے، وصولنے کا نہیں۔''

تب کریم اسے دکھ بھری نظروں سے دیکھنے لگا...... کہ واقعی وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

نہ تو شہلا نے بتایا تھا...... کہ اس ڈنر میں اس کے ساتھ اس کی ساس بھی موجود تھیں۔
اور نہ ہی کریم کو یہ اندازہ ہوا تھا...... ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی خوب صورت خاتون حارث کی ماں ہوں گی...... دیکھنے میں وہ بڑی ایکٹوسی تھیں۔
آج حارث نے اپنی ماں سے پہلی مرتبہ شہلا کو ملوایا تھا۔
انہیں دیکھ کر شہلا قدرے نروس بھی ہو رہی تھی۔
''تم نے ہی حارث کی سالگرہ پر ڈھیر سارے گفٹس بھیجے تھے ناں؟'' انہوں نے اس سے محبت سے پوچھا تھا۔
''جی......'' وہ کھسیا کر بولی۔ ''اور ان کی زبردست ڈانٹ بھی کھائی تھی۔'' تب حارث ہنس پڑا تھا۔
''ارے بیٹا...... یہ حارث سمجھ رہا تھا کہ اماں کو کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ ورنہ میں تو اسی وقت سمجھ گئی تھی...... جب یہ سب گفٹس ڈاک سے وصول کر کے میں نے حارث کے کمرے میں رکھے تھے۔''
''مگر امی...... آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا تو نہیں تھا؟'' حارث اپنا کان کھجاتے ہوئے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔
''اس وقت تم خود ہی گومگو کیفیت میں تھے۔ اور میں چاہتی تھی کہ تم جو بھی فیصلہ کرو خود ہی یکسوئی سے کرو۔''
''امی، بس فیصلے کی گھڑی کو یہاں تک لانے میں اس لڑکی نے اپنی زندگی تک داؤ پر لگادی۔''
''بیٹا...... اگر ساجد تم پر گولی چلا دیتا تو......؟ اس طرح کے سائیکی لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''
''ہاں، یہ سب اللہ کا کرم ہی ہے...... کہ ہر معاملہ خود ہی ٹھیک ہوتا چلا گیا...... حارث کی جاب پر لگا ہوا داغ بھی خود ہی مٹ گیا...... اور اللہ نے جہاں انہیں سرخرو کیا...... وہاں مجھ پر بھی کوئی گزند نہیں آنے دی۔''
''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے...... اس نے تم دونوں کو ہی اپنا حفاظت میں رکھا...... اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری امی پرسوں آ رہی ہیں ناں......؟''
''جی......'' شہلا نے دھیمے سے کہا۔
''جس دن وہ آئیں گی، میں مبارک باد دینے تو آؤں گی...... مگر کیا اچھا ہو...... اگر آج ہی ان سے تم میری فون پر بھی بات کرادو......''
''جی...... ابھی کرا دیتی ہوں میں بات......'' شہلا نے نمبر ملاتے ہوئے کہا۔ ''ویسے امی غائبانہ طور پر آپ کو جانتی بھی ہیں۔''
حارث کی والدہ نے جب ان سے بات کی تو وہ بھی انہیں پہچان گئیں۔
حارث کو وہ دیکھ ہی چکی تھیں...... بلکہ انہیں تو ان کی آمد کا انتظار بھی تھا۔
''بس بہن...... آپ کے آتے ہی ہم سادگی سے نکاح کر کے اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جائیں گے۔''
''آپ مجھے تھوڑی سی مہلت تو دیجیے گا...... اگر میں نے اس قدر سادگی سے شہلا کو بیاہ دیا...... تو میرے خاندان والے ہی مجھے باتیں سنائیں گے...... سوتیلی بیٹی کو خالی ہاتھ اس کی سسرال روانہ کر دیا۔''
''جب آپ کی بیٹی اور اس کی سسرال والے جانتے ہیں کہ آپ کتنی اچھی ماں ہیں...... اور آپ کی محبتوں پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا...... تو آپ کو کسی کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ شادی تو سادگی سے ہی ہو گی...... اور آپ کے آنے پر فوراً ہی......''
''جیسی آپ کی مرضی......'' انہوں نے اپنی دلی خوشی چھپاتے ہوئے کہا۔
اور حارث کو اپنی ماں کا چہرہ دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی بات مان لی گئی ہے۔

تب اس نے شہلا کی طرف محبت سے دیکھا۔۔اور وہ شرما سی گئی۔

☆☆☆

ہمارے گھر میں صفائی کرنے والی ملازمہ ہمیشہ سے صبح سویرے لے آیا کرتی تھی اور گھر کی صفائی کے بعد تھوڑا بہت اوپر کا کام کر کے جلد چلی جایا کرتی تھی...... امی اور خالہ آج صبح فجر کی نماز کے بعد سوگئی تھیں......تو میں نے اسے کپڑے دھونے سے منع کر دیا کہ کہیں واشنگ مشین کے چلنے کی آواز سے ان کی آنکھ نہ کھل جائے۔

غالباً اس وقت صبح کے آٹھ یا پونے آٹھ کا عمل ہوگا...... جب ملازمہ کام کر کے جانے کو نکلی...... اس سے قبل کہ میں دروازہ لاکڈ کرتی عامر تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔

''کیا آپ دروازے کے باہر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کب دروازہ کھلے اور آپ اندر داخل ہوں......''

''ہاں اب کیا کہوں...... جن کے لیے میرے دل کے دروازے برسوں سے کھلے ہوئے ہیں...... انہوں نے اپنے گھر کے دروازے مجھ پر بند کر دیے ہیں۔''

''عامر، آپ کو سیدھی بات سمجھ میں نہیں آتی کیا......؟''

''میری اپنی زندگی کے راستے ٹیڑھے، میڑھے سے ہیں...... مجھے تو سیدھی راہ سمجھ میں نہیں آتی......تو پھر سیدھی بات کیسے سمجھ میں آئے گی۔'' وہ اپنی بات کو تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''پلیز...... اب آپ یہاں نہ آئیں...... میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تم نے اپنے ہاتھ کا کڑا اتار دیا ہے تو یہ مت سمجھو کہ تم اس محبت کے دائرے سے باہر آگئی ہو......''

''ایک منٹ......'' اور پھر میں جیولری بکس اٹھا کر لے آئی...... جو اس نے منگنی کے موقع پر مجھے دیا تھا۔

''پلیز...... اسے لے جائیں...... ان زیورات کو میں کبھی نہیں پہنوں گی...... کبھی نہیں۔'' میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں پہنوگی؟'' اس کے لہجے میں چاہت رچی ہوئی تھی۔

''میرے لیے یہ اب زیور نہیں ہیں...... بلکہ سانپ، بچھو ہیں...... پلیز ان کو واپس لے جائیں۔''

''صبا...... کیسی دل دکھانے والی باتیں کرنے لگی ہو تم...... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' اسے جیسے رنج سا ہوا۔

''مشہور بہت ہے میرے الفاظ کی تاثر
ایک سوہنی مگر مجھ سے منائی نہیں جاتی''

پہلے جیولری بکس کو اور پھر مجھے گہری نظروں سے دیکھ کر وہ بڑے درد بھرے لہجے میں بولا۔

میں اس کے عجیب سے شعر پر حیرت زدہ تھی۔

''شاعر مجھے معاف کرے...... اصل شعر کو میں نے اپنے حساب سے تبدیل کر دیا ہے......مگر تم کسی طرح راضی کیوں نہیں ہوتی ہو۔''

''میں تو شاید اب اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکوں کہ میں نے آپ سے منگنی کیوں کر لی تھی۔ اور میں اسی وقت آپ کو پہچان کیوں نہیں پائی تھی۔''

اتنے میں باہر کچھ شور سا ہوا اور وہ دروازے کی طرف لپکا۔

اس سے قبل...... کہ وہ میری بات کا کوئی جواب دیتا میں دروازہ لاکڈ کر چکی تھی۔

پریشانی میں ہر شخص اسے ہی فون کیا کرتا ہے...... جو اس کے دل کے سب سے زیادہ قریب ہو...... اور یہ معلوم ہو کہ وہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال دے گا...... اس وقت میری حالت ایسی تھی کہ امی اور خالہ کے اٹھنے کا بھی انتظار

نہیں کر سکتی تھی۔ سو ندیم کو فون ملایا...... اور غصے بھرے لہجے میں بولی۔

''اس شخص نے میری زندگی ضیق کر کے رکھ دی ہے اور آپ کو کوئی خبر نہیں۔''

''مت بھولو کہ کبھی تم بھی اس سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اب بھگتو...... اور جو آج وہ پاگل پنے کے مظاہرے کر رہا ہے، کل بھی کر رہا ہوگا۔'' اس کا لہجہ قدرے اکتایا ہوا سا تھا یا پھر مجھے ہی ایسا لگا۔

''یہ سب آپ کی ڈھیل کی وجہ سے ایسا ہوا ہے...... ایک دفعہ ٹھکائی کر دیتے اس کی تو وہ یوں اچھل اچھل کر ہمارے گھر نہیں آتا...... پہلے وہ ضدی تھا، اب وہ پاگل ہو گیا ہے۔''

''میں ہمہ وقت تمہارے گھر میں تو نہیں رہ سکتا...... کہ جب وہ آئے تو اس کی مرمت کروں۔''

''پھر بھی کچھ تو کرنا چاہیے آپ کو......''

''وہ الٹی کھوپڑی کا شخص کوئی بات بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔''

''تو آپ اس لیے خاموش ہو گئے ہیں۔''

''ہاں بعض مرتبہ خاموشی بھی علاج ہوا کرتی ہے۔''

''ندیم مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔''

''نہیں صبو...... ایسی بات نہیں ہے، کیا کوئی اپنی زندگی سے بھی دور ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر آپ نے ہمارے گھر آنا بھی اتنا کم کیوں کر دیا آخر کیوں؟''

''صرف تمہاری وجہ سے......'' ایک گہری سانس لے کر وہ بولے۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا......؟ میں چاہتی ہوں آپ میرے پاس آئیں...... مجھ سے باتیں کریں تاکہ میری پریشانیوں میں کمی ہو...... اور آپ الٹا یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تمہاری وجہ سے تمہارے گھر نہیں آ رہا۔''

''ظاہر ہے کہ میرے آنے پر...... عامر خواہ مخواہ کا تماشا لگا دے گا...... اور اہلِ محلہ کے سامنے تمہاری بے عزتی ہوگی اور میں یہ سب برداشت نہیں کر پاؤں گا...... کوئی تمہارے حوالے سے کوئی الٹی سیدھی بات کہے یا سوچے بھی......''

☆☆☆

رئیسہ بیگم تو موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ عامر جب پانچویں دن بھی صبح کا نکلا رات گئے گھر میں داخل ہوا تو رئیسہ بیگم بیٹے پر برس ہی پڑیں۔

''ایسی بھی کیا مصروفیت...... کہ گھر میں ایسے رہ رہے ہو جیسے کسی سے کوئی ناتا ہی نہ ہو۔''

''امی میں نے آپ کو بتایا تھا یہ ہفتہ میرا بہت بزی ہے اگر آپ بور ہو رہی ہیں تو بڑی خالہ کو اپنے پاس بلا لیں۔''

''تمہاری خالہ بھی اب تمہارے ماموں کی پارٹی میں مل گئی ہیں اور ان کے ساتھ مجھے اور تمہیں بھی برا کہہ رہی ہیں۔''

''اور آپ رشتے داروں کی باتیں سن کر پریشان ہو گئیں۔''

''ظاہر ہے، تم نے خاندان کی باحیثیت لڑکی کا رشتہ بغیر کسی جواز کے ختم جو کر دیا ہے، رشتے دار تو باتیں بنائیں گے ہی...... ویسے بھی بڑی خالہ در پردہ آپ کی مخالفت کیا کرتی تھیں۔ میں تو کسی کی پروا نہیں کرتا...... اور آپ بھی ایسا ہی کریں...... خوش رہیں گی، چلیں چھوٹی خالہ تو اب بھی آپ کے ساتھ ہیں۔''

''بیٹا، اب بھی خراب ہوئی بات صحیح ہو سکتی ہے اگر تم ہوش کے ناخن لے لو تو......''

''نہیں، امی...... میں اپنے فیصلوں میں ترمیم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''فرزانہ بیمار پڑ گئی ہے اور تمہاری ممانی اس کی بیماری کا جواز بھی تمہیں ہی ٹھہرا رہی ہیں۔''

''ٹھہرانے دیں...... اب خاندان میں کسی کو نزلہ، زکام یا بخار بھی چڑھے گا تو سب اس کا ذمے دار مجھے ٹھہرائیں گے، اب آپ خود ہی سمجھ لیں کہ ان کی ذہنی حالت کتنی ابتر ہے۔''

''جس باؤلی کے لیے تم پاگل ہو رہے ہو، اس نے کہہ دیا ہے کہ میں مر جاؤں گی...... مگر عامر سے شادی نہیں کروں گی۔''

''امی...... صبو بیچاری ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے...... میں اس پر مرتا ہوں اور وہ بھی مجھ پر مرنے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔''

''عامر بیٹے، میں تمہاری ماں ہوں، تمہارا اچھا بھلا جو میں دیکھ سکتی ہوں، کوئی نہیں دیکھ سکے گا...... مری تو عمر ہو گئی ہے، مر کھپ جاؤں گی مگر ہمارا خاندان تم سے بائیکاٹ کر لے گا...... کہ تم نے بغیر کسی وجہ کے رشتہ توڑ دیا...... اب لوگ اپنی سبکی بھولا نہیں کرتے...... بلکہ تمہارے ماموں جب تک تمہیں ذلیل نہ کر دیں گے انہیں چین نہیں ملے گا۔''

''امی میں کسی سے نہیں ڈرتا...... ماموں جو دل چاہے کر لیں...... مجھے میری محبت ملنے والی ہے، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے...... بعد میں آپ بھی میری ذہانت کی قائل ہو جائیں گی۔''

''ہاں تم واقعی سچ کہہ رہے ہو...... تمہارے ذہن میں کوئی غلط بات آ ہی نہیں سکتی...... تم صبا کے بارے میں جیسی رائے پہلے رکھتے تھے اب بھی ویسی ہی رکھتے ہو۔''

''ہاں، میں محبت کے نئے نئے نام رکھنے والا نہیں ہوں...... محبت تو بس محبت ہی ہوا کرتی ہے۔''

''اور اسی لیے تم نے زیورات کی وہ صندوقچی دوبارہ بھی ان کے واپس کرنے پر نہیں وصولی۔''

''ہاں کسی کو کوئی چیز دے کر واپس تھوڑی ناں لیا کرتے ہیں۔''

''مگر جب کوئی آپ کی چیز آپ کے منہ پر مار دے تو اسے تو لے لینا چاہیے۔''

''وہ تو بس اپنی ادا دکھا رہی تھی۔ کیا میں نہیں جانتا، اسے چوڑیاں، بازو بند اور گلشن پٹی کتنی پسند ہے۔''

''بیٹا ہوش میں آ جاؤ، جب وہ تمہیں ناپسند کر رہی ہے تو تمہارے زیورات کو کس خاطر میں لا سکتی ہے۔''

''اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا کہ صبو کس کو پسند کرتی ہے۔'' عامر نے مسکرا کر کہا۔

''یہ فیصلہ ہو چکا ہے، اب اگر تم حقیقت سے آنکھیں چرا رہے ہو تو کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''امی، آپ اس معاملے میں کچھ نہ کہیں......''

رئیسہ بیگم، اس وقت تو اپنے بیٹے کے سامنے خاموش ہو گئی تھیں مگر اگلے دن اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ صبا کے گھر پہنچ گئیں۔

''آپ کے آنے کا مقصد؟'' خالہ نے ان سے پوچھا۔

''ہم اپنے زیورات واپس لینے آئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، آپ اپنے سارے زیورات لے جائیں مگر پہلے اس کاغذ پر دستخط کرنے ہوں گے......'' خالہ نے کہا۔

''یہ کیسا کاغذ ہے؟'' رئیسہ کی چھوٹی بہن نے حیرت سے پوچھا۔

''اس میں زیورات کی تفصیل لکھی گئی ہے تاکہ ہمارے پاس بھی یہ ثبوت رہے کہ آپ نے اپنے زیورات ہم سے واپس لے لیے ہیں۔''

''کچھ زیادہ قابل بن رہی ہوناں تم !'' رئیسہ بیگم نے طنز سے کہا۔
''اس میں قابلیت کی بات نہیں ہے، بات صرف ایک اصول کی ہے۔''
''سنو جب ہم نے یہ زیورات صبا کو چڑھائے تھے تو کیا کوئی کاغذ لکھوایا تھا تم لوگوں سے؟ کن، کن کاغذات پر دستخط لیے تھے؟''
''آپ نے بے شک نہیں لیے..... اگر آپ کے ہمراہ عامر بھی ہوتا تو ہم بھی آپ سے کوئی دستخط نہیں لیتے..... مگر اس کی غیر موجودگی میں یہ ہمارے لیے ضروری ہے۔''
''تمہارا کیا خیال ہے، میں زیورات لے کر مکر جاؤں گی۔''
''نہیں، ایسا تو میں نہیں کہہ رہی مگر یہ کثیر مالیت کے زیورات ہیں، ہم اپنی تسلی کے لیے یہ کر رہے ہیں۔''
''ٹھیک ہے لاؤ، وہ سب رجسٹر جہاں، جہاں ہمیں دستخط کرنے ہوں گے۔'' رئیسہ بیگم نے کلس کر کہا۔
اور خالہ نے کئی صفحات پر مشتمل اس تفصیل پر ان دونوں بہنوں کے دستخط لیے..... جن میں تعداد، وزن، اشیا کا نام بھی درج تھا۔
''جو چیز جس کے نصیب میں ہوتی ہے، اسی کو ملا کرتی ہے۔'' صندوقچی اپنے بڑے سے بیگ میں ڈال کر رئیسہ بیگم شاداں سی اٹھتے ہوئے بولیں۔
''اب اگر یہ سب صبا کے نصیب میں نہیں تھا..... تو اتنے عرصے تم لوگ اس کے چوکیدار ہی بنے رہے ناں۔''
''اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم نے آپ کی امانت آپ کو واپس کر دی ہے اور آپ سے استدعا ہے کہ ہمارا سکون بھی آپ ہمیں واپس کر دیں اور عامر سے کہیں صبا کو بھول جائے..... اس کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''
''ارے بھئی..... ہم خود یہی چاہتے ہیں۔'' رئیسہ آنٹی نے قہقہہ لگایا۔ اور بہن کا ہاتھ پکڑ کر اس تیزی سے باہر نکلیں جیسے انہیں یہ خدشہ ہو کہ کوئی ان سے وہ صندوقچی والا بیگ لے لے گا۔

☆☆☆

آج پھر میں اپنی ڈائری ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ آفس میں آنے والی پامسٹ خاتون کے حوالے سے چند جملے لکھے تھے۔ جب انہوں نے میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا۔
''آپ کو کیا خوشی راس نہیں آتی۔''
''میں بہت خوش رہتی ہوں..... اور ایسی فضول باتوں پر یقین نہیں کیا کرتی۔'' میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
''میں نے جس، جس کا ہاتھ دیکھا ہر بات سچ بتائی ہے، آپ کے بارے میں..... اور بھی کچھ بتا سکتی ہوں۔''
''مگر میں اپنا ہاتھ دکھانا کسی کو پسند ہی نہیں کرتی۔''
''آپ یہ کیوں نہیں تسلیم کر لیتیں..... کہ آپ سچائی سے خوف کھاتی ہیں۔ اور سچ کو سچ کہنے سے بھی ڈرتی ہیں۔''
تب وہ خاتون مجھے پامسٹ سے زیادہ منہ پھٹ سی لگی تھیں۔ ڈائری کا صفحہ پھاڑ کر میں نے ڈسٹ بن میں ڈالا۔
''ہونہہ..... میں کیوں ڈروں گی سچ سننے سے۔'' مگر اب شاید سچ سننے سے دل گھبرانے لگا تھا۔ جب ہی تو باتیں بنا کر اسے بھگا دیا تھا..... اور اب اس وقت ندیم خان کے جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ آفس میں پتا نہیں..... کس موقع پر انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔
''زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو کبھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔''
''بھئی میرے ساتھ تو ایسا معاملہ نہیں ہے۔ پرانا سوٹ چاہے وہ کتنا ہی مہنگا ہو اور پسندیدہ رہا ہو جب میں اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہوں تو اسے کسی کو بھی آسانی سے دے دیا کرتی ہوں۔''

''بہت سے لوگ حال میں رہ رہے ہوتے ہیں۔ مگر اپنے آپ کو ماضی میں رکھا کرتے ہیں...... ان کی تمام باتیں ان کی یادوں سے جڑی ہوتی ہیں جیسے پہلے ہمارا مکان بہت بڑا تھا...... پہلے ہم روزانہ واک پر جاتے تھے...... پہلے ہم روزانہ مووی دیکھا کرتے تھے پہلے لوگوں سے ملنا ملانا زیادہ تھا...... اب تو ہمارے گھر کوئی آتا ہی نہیں وغیرہ، وغیرہ اوہ بھئی اب اتنے کاہل بلکہ بحرالکاہل کیوں ہوگئے ہو...... اب بھی یہ سب کام کرسکتے ہو......'' ندیم نے ہنس کر کہا تھا تو میں ہنستی چلی گئی تھی۔

''اس کا مطلب تو یہی ہے آپ کے بڑھاپے میں بھی یہی معمولات رہیں گے...... لاٹھی ٹیکتے ہوئے جم بھی جایا کریں گے۔'' میں نے ہنس کر کہا تھا۔

''ہاں، مجھے ایکٹو اور سوشل رہنا پسند ہے۔ اور تم بھی ایسی ہی رہو گی......''

مگر اب...... اب تم نے مجھ سے آہستہ آہستہ خود ہی دور جانا پسند کرلیا تھا۔ جب ہی تو ایک دن تم نے مجھ سے کہا تھا...... ''کبھی کبھی ہمیں یہ پتا ہی نہیں چلتا کہ ہم سے کوئی غلطی بھی ہوئی ہے۔''

''ہاں، اکثر بعد میں تاسف بھی ہوا کرتا ہے۔'' میں نے بھی قطعی ایک عام سا جملہ کہا تھا...... یا میں ان کی اصل بات سمجھ ہی نہیں پائی تھی...... جو وہ مجھے شاید سمجھانا چاہ رہے تھے۔

''صبا، زندگی میں ایسا کیوں ہوتا ہے، اپنی چند غلطیوں کو ہم نہ بھول پاتے اور نہ ان کے لیے خود کو کبھی معاف کر پاتے ہیں۔''

''اگر آپ کا اشارہ میری طرف ہے تو میں محبت کو غلطی نہیں سمجھا کرتی...... رہا میرا اور عامر کا معاملہ تو اپنے بچپن کی منگنی کو میں اپنے بڑوں کی غلطی تو ضرور کہہ سکتی ہوں...... مگر وہ غلطی ایسی نہیں تھی...... جس پر میں نادم ہوتی رہوں...... اور کسی کو معاف نہ کرسکوں......''

''اس کا مطلب ہے تم عامر کو معاف کرسکتی ہو۔'' یہ جملہ انہوں نے اپنے منہ ہی منہ میں دُہرایا تھا۔

''ہاں اسے تو شاید کردوں...... مگر تمہیں نہیں۔''

یہ بات شاید میں نے ہنس کر کہی تھی...... اس لیے ڈائری میں بھی درج کرلی تھی۔

مگر...... اب وہ جملے کسی خنجر کی صورت اختیار کر کے مجھے زک پہنچا رہے تھے۔

اب میں سوچ رہی تھی...... ندیم کو شاید ہر بات کا علم تھا اُسے یقین تھا عامر لوٹ کر ضرور آئے گا اور وہ آکر ایسا تماشا کھڑا کردے گا کہ جس میں الجھ کر میں خود بھی دامن سی ہوجاؤں گی۔

میں اس معاملے میں اپنے آپ کو قصوروار نہیں سمجھ رہی تھی۔ یہ میری اپنی رائے تھی۔

مگر عامر...... مجھ پر بے وفائی کا الزام لگا رہا تھا۔ اور ندیم کا خیال تھا جس طرح بعض یادیں ٹھہر سی جاتی ہیں تو ان کی کوکھ سے بے وفائی ... جنم لیا کرتی ہے۔

ندیم کا یہ بھی خیال تھا جیسے کچھ مصائب ٹھہر جاتے ہیں...... اور ایک ہی جگہ قیام بھی کرلیتے ہیں تب پریشانیاں بھی ڈیرا ڈال لیا کرتی ہیں اور میں ان دونوں کے درمیان گھن چکر سی نہ بنوں۔

''ندیم...... اگر ایک طرف عامر عجیب سا ہے اور اپنی ہی ہر بات کو صحیح سمجھ رہا ہے تو اسی طرح تو تم بھی ہو...... اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہو، میرا تمہیں خیال تک نہیں ہے...... اور نہ ہی میری بات تم سمجھ رہے ہو۔''

''صبا، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تمہارا اعتبار شاید اب کسی پر بھی نہیں رہا۔'' ندیم تاسف سے کہتے۔ ''میرے بارے میں تم نے اول فول کہنا شروع کردیا ہے۔''

''جو باتیں میرے دل میں ہوتی ہیں...... وہی میری زبان پر بھی آجاتی ہیں......'' منہ پھٹ تو میں شروع سے ہوں۔

''نہیں صبا..... اب تم ایک بات کے چار، چار مطلب نکالنے لگی ہو.....''

''اخبار کے دفتر میں کام کرنے والے لوگ تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہ بات تو آپ نے بھی مجھے سمجھائی تھی.....'' اس وقت تو ہنس دی تھی مگر اب پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا..... جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ دل میں ایک عجیب سی بے چینی اور اضطراب گھل مل سا گیا تھا۔

اور آنسو تو ہر وقت پلکوں کی منڈیر پر ہاتھ باندھے یوں کھڑے رہتے..... کہ ہلکی سی جنبش پر..... وہ اُمڈ کر آ جائیں۔

ندیم خان شاید واقعی بہت مصروف تھے..... یا پھر وہ اپنے آپ کو مصروف ظاہر کر رہے تھے۔

آفس کے ساتھی جو پہلے مجھے دن میں بار، بار فون کیا کرتے تھے..... اب تو جیسے وہ سارے کے سارے، ہی مجھے بھول بیٹھے تھے۔ کسی کا بھی کوئی فون نہیں آ رہا تھا..... حالانکہ میں نے اپنی جاب سے ریزائن تو نہیں دیا تھا۔

''مس صبا، آپ لوگ شادی کے بعد کچھ عرصے کے لیے باہر کیوں نہیں چلے جاتے۔'' ایک دن فرید سر کا فون آیا تو وہ بولے۔

''بھاگ جانا، روپوش ہو جانا..... کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوا کرتا..... اور میں اپنی بیمار ماں اور خالہ کو یوں تن تنہا چھوڑ کر کہیں کیسے جا سکتی ہوں۔''

''میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس پریشانی کی وجہ سے ندیم خان کی والدہ بیمار ہو گئی ہیں..... اور انہیں گزشتہ ہفتے اسپتال میں ایڈمٹ بھی ہونا پڑا تھا۔''

''مجھے تو نہیں معلوم یہ سب..... کیا وہ اب بھی ایڈمٹ ہیں؟'' میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

''نہیں، اب وہ اپنی بیٹی کے ہاں ہیں..... مگر ندیم اپنی ماں کی جانب سے بہت پریشان ہیں۔''

''سر..... ماں تو سب کی برابر ہوتی ہیں ناں.....'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''ہاں، یہ تو حقیقت ہے کہ ماں صرف ماں ہوتی ہے..... چاہے وہ کسی کی بھی ہو.....''

''میری ماں بھی بیمار ہیں..... اور ان دنوں وہ بھی زیادہ بیمار ہو گئی ہیں..... مجھے بھی تو ان کا خیال رکھنا چاہیے ناں.....''

''میری دعائیں اور نیک خواہشات تم دونوں کے لیے ہیں۔'' سر نے فون پر مزید کچھ کہنے سے احتراز کیا..... اور فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر تک میں سوچتی رہی..... آیا مجھے آنٹی کی خیریت پوچھنے جانا چاہیے یا نہیں..... مگر سبین آپا کی باتیں اور ان کا کھڑتل سا لہجہ یاد آیا تو جانے کا ارادہ بدل دیا۔

خالہ کے کہنے پر فون کیا..... تو آنٹی نے ہی ریسیو کیا اور وہ بولیں۔

''پتا نہیں میرے ہنستے بستے گھرانے پر کس کی نظر لگ گئی ہے۔ میرے تو گھر کا ماحول تک یکسر بدل گیا ہے۔ لگتا ہے سب کو کسی خاموشی کے ناگ نے ڈس لیا ہے..... اب کوئی بولتا ہی نہیں ہے۔ میں کوئی بات کرتی ہوں تو اس کا مجھے جواب مل جاتا ہے۔''

''آنٹی آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' ان کی باتوں سے اُلجھ کر میں نے پوچھا۔

''میری طبیعت اسی وجہ سے تو خراب ہوئی تھی۔ گھر میں شدید خاموشی تھی' بیٹا بھی منہ پر قفل ڈالے بیٹھا تھا۔ اچانک محلے میں فائرنگ شروع ہو گئی..... اور میں سمجھی شاید..... حملہ آور پھر ندیم پر حملہ کرنے کے لیے آ گئے..... اور میں بے ہوش ہو گئی..... وہ تو مجھے بعد میں پتا چلا پچھلی کسی گلی میں شادی تھی اور بارات جاتے ہوئے خوشی میں لوگ فائرنگ کر رہے تھے۔''

''کیا کریں اب دوسرے لوگ اپنی خوشیوں کے آگے کسی دوسرے کا خیال کہاں رکھتے ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو......اب آج کل ہر کوئی صرف اپنے بارے میں سوچ رہا ہے، کسی دوسرے کا اگر بیڑا غرق ہوتا ہے تو بلا سے ہو جائے......اب جیسے عامر کو ہی دیکھ لو......اس نے ہم سب کو کتنا پریشان کیا ہوا ہے۔''

''جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا ورنہ عامر کے حوالے سے وہ شاید ایک لمبی تقریر کرنے کے موڈ میں تھیں اور......میں ایسی کوئی بھی بات سننے کی خواہش مند نہیں تھی۔

☆☆☆

اور پھر کتنے ہی دن گزر گئے......ندیم خان کے فون پہلے چھوٹے اور پھر بہت کم آنے لگے......اور جب بہت سارے دن گزر گئے تو مجھے غصہ ہی تو آ گیا۔

''کہاں ہیں آپ......؟ اتنے دنوں سے فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے آپ۔'' میں نے......ندیم خان کو آج دسویں مرتبہ فون کیا تھا......جسے انہوں نے اٹھا ہی لیا تھا۔

''اس وقت تو میں ائرپورٹ پر ہوں اور پچھلے چند دن سے آفس میں مصروف تھا۔''

''کہاں جا رہے ہیں آپ......؟'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''دبئی......آفس کا کام ہے۔''

''اور آئیں گے کب تک......؟'' لہجے میں بے صبری رچی ہوئی تھی۔

''کام تو دس بارہ دن کا ہے......ہو سکتا ہے کہ پروگرام مزید آگے پیچھے ہو جائے۔''

''آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں۔''

''کیا کرتا بتا کر......تم خواہ مخواہ پریشان ہوتیں۔''

''آپ کے خیال میں......میری ساری پریشانیاں صرف آپ کی وجہ سے ہیں۔''

''ہاں میری وجہ سے بھی ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ندیم......''

''اب تم خود ریلیکس ہو کر رہو......کوئی بھی کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔''

''اور آپ اسی لیے میدان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' میرے لہجے میں شکایت گھلی ہوئی تھی۔

''میں تو اپنے آفس کے کام سے جا رہا ہوں۔''

''مگر آپ کے گھر پر تو تالا ایک ہفتے سے لگا ہوا ہے۔''

''ہاں......امی گئی ہوئی ہیں......چھوٹا بھائی اپنے میچز کھیلنے کے سلسلے میں یورپ گیا ہوا ہے......تب میں اکیلا گھر میں کیا کرتا۔''

''ٹھیک ہے آپ جائیں......اور جب دل چاہے آئیں......میں ایسی کوئی گئی گزری نہیں ہوں جو آپ پر زبردستی مسلط ہو جاؤں گی۔ اگر مجھ سے شادی کرنے کی صورت میں آپ اور آپ کے گھر والے......عامر سے ڈر رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اب میں آپ کو فون بھی نہیں کروں گی۔'' یہ کہہ کر میں نے فون لائن ہی کاٹ دی۔

ندیم خان کی کتنی ہی کالیں آئیں مگر میں نے ایک بھی اٹینڈ نہیں کی۔

میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔ عامر نے واپس آ کر میری خوشیوں میں تو آگ لگائی ہی مگر ندیم کا از حد محتاط رویہ......مجھے مایوس کر رہا تھا۔

''کیا دوسری مرتبہ بھی میرا انتخاب غلط تھا......'' اس سوچ نے مجھے خاصا نڈھال سا کر دیا تھا۔

اور جب امی..... میرے کمرے میں آئیں..... تو میری آنکھیں سرخ انگارہ سی تھیں۔
''کیا ہوا صبو.....؟'' وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئیں۔
''کچھ نہیں..... آج بے وجہ سو گئی..... اور خوب سوئی ہوں..... تو طبیعت خراب سی لگ رہی ہے۔''
''تمہاری آنکھیں زیادہ سونے کی وجہ سے تو لال نہیں ہوا کرتیں۔'' ان کا لہجہ کھنچ رہا تھا۔
''مگر آج ہو گئی ہیں.....'' میں نے قصداً منہ پھیر لیا۔
''تم گھنٹوں روتی رہی ہو ناں.....'' اب وہ میرے مدِ مقابل آ بیٹھی تھیں۔
''میں کیوں رونے لگی.....'' زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر جیسے لاد کر میں بولی تھی۔
''عامر نے آکر، ہماری خوشیوں کو تہس نہس کر دیا ہے۔''
''میں بھی اب عامر سے ڈرنے سے تو رہی۔''
''تم مت ڈرو..... مگر ندیم خان کی فیملی تو پیچھے ہٹ ہی گئی ہے۔''
''ایسی کوئی بات نہیں ہے، ندیم کا فون میرے پاس روز آتا ہے۔''
''اب نہیں آیا کرے گا.....''
''آپ کے خیال میں وہ ڈرپوک قسم کے شخص ہیں۔''
''نہیں..... ایسا میں کب کہہ رہی ہوں۔ مگر وہ محتاط لڑکا ضرور ہے..... جسے اپنی ماں کی بات بھی ماننی ہوگی۔ اور اپنی آپا کے جذبات کا بھی احترام کرنا ہوگا۔''
''اور اس تمام معاملے میں، میں کہاں گئی؟''
''تم اپنے گھر پر ہو..... اور اپنے گھر پر ہی رہو گی.....'' اب امی کا لہجہ بھی خاصا دکھی سا ہو گیا تھا۔
میں نے پلٹ کر انہیں غور سے دیکھا۔
وہ روئی تو نہیں تھیں مگر آنکھیں اُن کی بھی سرخ ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

سرخ قندھاری دوپٹا اڑھا کر چھوٹی خالہ نے رسم کے مطابق اس کے منہ میں لڈو رکھا..... ان کے خاندان میں یہ رسم تھی زچگی سے پہلے حاملہ کو سجا سنورا کر اس کی گود میں پھل بھرے جاتے تھے اور مغرب کے بعد اس سے تارے گننے کو بھی کہا جاتا تھا۔ جسے گود بھرائی کی رسم کیا جاتا تھا۔
''ایل لو صرف پانچ تارے ہی تم گن پائیں..... پہلے تو لڑکیاں دس، دس بارہ، بارہ تارے ایک سانس میں گن لیا کرتی تھیں۔'' خاندان کی ایک جہاں دیدہ خاتون نے مذاق سے کہا۔
''ارے..... کریم کا ایک بچہ بھی پتا نہیں کیسے ہو گیا ہے..... کس قدر تو کالی ہے یہ..... دیکھنا اس کا بچہ بھی کالا کلوٹا سا ہوگا.....'' کسی خاتون نے یہ جملہ تو شاید سرگوشی میں کہا تھا..... مگر..... راحیلہ نے سن لیا تھا۔
''ہاں واقعی..... اس حالت میں تو تمام حاملہ خواتین کے چہرے پر ایک عجیب رونق ہوا کرتی ہے..... مگر یہاں تو چہرہ عجیب پھٹکار مارا سا ہو رہا ہے اور آنکھیں ایسی بجھی، بجھی سی ہیں کہ لگتا ہی نہیں ہے کہ ان چندھی بی بی کو کچھ نظر بھی آتا ہے یا نہیں۔'' یہ دوسری سرگوشی تھی..... جو اس کے دماغ پر کسی ضرب کی طرح پڑی تھی۔
''خالہ میری بات آپ لکھ لیں..... کریم اپنے بچے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا..... اور اسے بچے سمیت نو دو گیارہ کر دے گا..... پتا نہیں کیوں کر لی اس نے یہ شادی.....'' کسی دل جلی نے کہا..... اور وہ سر جھکا کر اپنے آنسو اپنے من میں اتارنے لگی..... کریم کو چاہنے کی سزا کتنی بڑی ملی تھی جو کسی صورت ختم ہونے

میں نہیں آرہی تھی۔



''حد ہوگئی ہے...... احسان فراموشی کی۔ نہ کوئی فون کر رہا ہے اور نہ اٹھا رہا ہے۔ آفس سے علیٰحدہ چھٹی پر ہے...... اب آئے آفس تو دیکھو کیا حشر کرتا ہوں۔ بجائے اس کے...... کہ ہماری کاوشوں پر...... سنہری جملے ہماری شان میں ادا کرتا...... مگر وہ بے ہودہ شخص تو ایک دم ہی اسکرین سے غائب ہوگیا ہے۔''

ریحان آفس میں بیٹھا...... حارث کو بے نقط سنا رہا تھا۔ اور جب تھوڑی ہی دیر بعد حارث، شہلا کے ساتھ داخل ہوا...... تو آفس میں بیٹھے تمام افراد ایک نظر میں پہچان گئے...... کہ ان دونوں کی شادی ہوگئی ہے۔

''کب ہوئی شادی تمہاری......؟'' ریحان نے پوچھا۔ لہجے میں برہمی رچی ہوئی تھی۔

''تین دن قبل......'' حارث نے مسکرا کر کہا۔

''شادی میں دوستوں کی شرکت بھی ہوا کرتی ہے۔ یہ بات کیا تم بھول بیٹھے تھے...... یا تمہارا کوئی دوست ہی نہیں ہے۔''

''یار...... میری بات تو سنو...... شہلا کی امی اور ابو کے آنے کے اگلے دن نہایت سادگی سے ہمارا نکاح ہوا...... جس میں صرف گھر کے لوگ ہی تھے...... کہ ایک تو میں خود بھی دھوم دھڑکے کو پسند نہیں کرتا...... دوسرے یہ موقع بھی نہیں تھا کہ ساجد جیل میں ہے...... اور اسے شادی کے نقاروں کی خبریں پہنچیں۔''

''مبارک ہو شہلا بھابی...... آپ نے میرے ایک بے حد عزیز دوست کو شادی کے لیے قبول کیا...... اور اگر آپ اس کو قبول نہ ...کرتیں تو اس کی شادی تو واقعی نہیں ہونے والی تھی۔''

شہلا...... بلو سوٹ میں خوب صورت کامدانی کے کام کے دوپٹے کو سلیقے سے لیے ہوئے شرمائی، شرمائی سی تھی...... ریحان کی بات پر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آپ لوگ جس جگہ چاہیں...... پندرہ دن بعد میں لنچ یا ڈنر دینے کو تیار ہوں مگر فی الحال نہیں کیونکہ کل ہم لوگ عمرے کی ادائیگی کے لیے جارہے ہیں...... انشاء اللہ پندرہ دن میں وطن واپس آجائیں گے۔''

''پہلی مرتبہ عقل مندی کا کام کیا ہے، نئی زندگی کی ابتدا عمرے کی سعادت سے تم لوگ کررہے ہو، ہماری بے شمار دعائیں تم دونوں کے لیے ہیں مگر شادی کا تحفہ جب ہی ملے گا...... جب ہم سب اپنی پسند کے ہوٹل میں تم لوگوں کے ساتھ لنچ اور ڈنر دونوں کریں گے۔''

تب شہلا شرما کر رہ گئی...... مگر حارث بڑی سرشاری سے اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

ریحان اپنے دوست کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔ جس کی شوخی اور شرارت لوٹ آئی تھی۔ اور وہ پہلے کی طرح ہنستا مسکراتا نظر آرہا تھا۔

☆☆☆

وہ پیش لفظ تھا جس نے رُلا دیا ہے تجھے
سنبھال خود کو ابھی داستان باقی ہے

اخبار میں جب بھی کوئی تیز چبھتی ہوئی خبر شائع ہوجائے تو وہ جھوٹے لوگوں کو کبھی پسند نہیں آیا کرتی...... یہی وجہ تھی کہ ان دونوں فرید صاحب خاصے پریشان تھے کہ دھمکیوں کے فون روزانہ ہی آرہے تھے۔

ندیم خان کا خیال تھا ان ٹیلیفون کالز میں پچاس فی صد کالز جھوٹی بھی ہیں...... جو اخبارات کے دفاتر میں پینک پھیلانا چاہتے ہیں۔ مگر فرید سر نے پھر بھی سب ورکرز کو محتاط ہونے کا کہہ دیا تھا۔

اس مرتبہ شرپسندوں نے اخبار کے آفس میں آکر تو فائرنگ نہیں کی تھی...... بلکہ ندیم خان کی گاڑی پر کی تھی...... جس میں گولی ان کے شانے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

یہ بھی اللہ کا معجزہ ہی تھا کہ وہ بچ گئے تھے...... ورنہ ان کی گاڑی پر کئی گولیاں چلائی گئی تھیں۔

مجھے بالکل علم نہیں تھا...... کہ ندیم خان پر کوئی قاتلانہ حملہ ہوا ہے...... مگر جب سین آپا کا بپھرا ہوا فون آیا تو معلوم ہوا، وہ مجھ سے انتہائی غصے میں کہہ رہی تھیں۔

''کیوں میرے بھائی کی جان کے پیچھے پڑگئی ہو، تمہارے عاشق نے اس پر قاتلانہ حملہ تک کرڈالا ہے۔''

''تو آپ اسے پکڑوادیں......'' میں نے متوحش لہجے میں کہا۔

''صبا...... اب تم کہیں چلی جاؤ...... ورنہ ہم کہیں چلے جاتے ہیں، ہم شریف لوگ ہیں۔ بدمعاشوں سے مقابلے بازی نہیں کرسکتے...... خدا کے لیے تم ندیم کا پیچھا چھوڑ دو......''

فرید سر کو فون کیا تو وہ دوسری بات کررہے تھے...... کہ ندیم خان کے لیے ہوئے انٹرویوز میں انہوں نے کچھ ایسے سچے اور کھرے اپنے تجزیے لکھ دیے تھے جو اکثر لوگوں کو بالکل پسند نہیں آرہے تھے۔ اور ان کا خیال تھا یہ کارروائی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

''سر یہ کارروائی عامر بھی تو کرسکتا ہے۔'' میں نے بھی اپنے دل کا شک ان کے سامنے آشکار کیا۔

''اگر ایسا ہوتا تو سی ٹی وی فوٹیج میں چھوٹے قد کے وہ چار جوان نظر نہ آتے جو بائیکوں پر آئے تھے...... عامر کو میں نے دیکھا ہے۔ اس کی ہائیٹ تو شاید چھ فٹ سے بھی زیادہ ہے اور اس کارروائی میں کوئی لمبا لڑکا شریک نہیں ہے...... ویسے یہ قطعی دوسری بات ہے کہ یہ کام اس نے کسی دوسرے سے کرایا ہو...... جسے میری عقل نہیں مانتی۔''

یوں بھی سر فرید...... صاف اور کھری بات کہنے کے عادی تھے۔

سین آپا کی باتیں سن کر مجھے ندیم خان کی عیادت کو نہیں جانا چاہیے تھا مگر خالہ کے ساتھ پھر بھی میں انہیں

دیکھنے گئی...... ان کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی...... اور کمزوری کے باعث چہرہ زرد تھا۔ مگر مجھے دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''پریشان مت ہو...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اور وہ بولے۔

''آپ ہمیشہ اپنی جانب سے بے پروائی کیا کرتے ہیں...... جب اخبار میں ہر روز دھمکیاں آرہی تھیں تو آپ کو اپنا راستہ چینج کر دینا چاہیے تھا۔''

''مارنے والے سے بڑا بچانے والا ہے...... جب میری زندگی تھی تو کوئی مجھے نہیں مار سکتا تھا۔''

''پھر بھی ندیم اپنے دشمن کو بھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔''

''عامر کتنی مرتبہ دھمکیاں ہمارے گیٹ پر کھڑے ہو کر دے کر گیا ہے...... ہو سکتا ہے اس میں اس کا ہی ہاتھ ہو......'' سبین آپا نے مجھے ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں آپا...... عامر ایسا نہیں ہے، یوں بھی جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں ہیں۔''

''اللہ نہ کرے، اگر میرے بھائی کو کچھ ہو جاتا تو سب سے بڑھ کر خوش ہونے والا تو عامر ہی تھا ناں......''

''اللہ میرے بچے کو سلامت رکھے...... میرا اور میرے بچے کا کسی کی دشمنیوں سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔''

تب خالہ نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔

میں نے جاتے سے ندیم خان کو دیکھا۔

ان کی آنکھیں بند تھیں...... یا انہوں نے قصداً اپنی آنکھیں موندھ لی تھیں۔ اور میں سوچ رہی تھی۔

یہ قیام کیسا ہے راہ میں
تیرے ذوقِ عشق کو کیا ہوا
ابھی چار کانٹے چبھے نہیں
تیرے سب ارادے بدل گئے

☆☆☆

''میں شہلا...... اپنی من پسند شادی کے بعد ایک بات ضرور کہنا چاہتی ہوں...... جو شاید شادی سے پہلے میں نے محسوس نہیں کی تھی...... مگر شادی کے بعد محسوس کر لی یا کرادی گئی۔ لڑکیوں کو ہرگز چھچھورا نہیں ہونا چاہیے...... اگر کوئی ہمیں اچھا لگے تو اس کے لیے یوں اتاؤلا سا نہیں ہو جانا چاہیے...... جیسی کہ میں ہو گئی تھی اور مجھے حارث کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ حارث نے مجھے شروع میں ایک اچھی لڑکی ہونے کے باوجود ایک اچھی لڑکی نہیں سمجھا۔

میری زندگی میں تو اتنے اتار چڑھاؤ آئے...جو عام زندگی میں دیگر لڑکیوں کو شاید پیش آتے بھی نہیں ہیں...... ورنہ حارث کا مجھے مل جانا...... کوئی اتنا آسان نہیں تھا۔

اب شادی کے بعد حارث نے بظاہر ہنس کر ہی کہا تھا کہ میں اسکول سے جاب کر کے ان کے بینک میں کیوں آکر بیٹھ جاتی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ کسی بھی لڑکی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ محبت سے پہلے عزت ضروری ہے اور یہ وہ نعمت ہے جو ہر لڑکی حاصل کر سکتی ہے۔

کریم کوئی اتنا برا لڑکا نہیں تھا جتنا برا میں اسے سمجھنے لگی تھی۔ اور ظاہر ہے جب کسی جوان لڑکے کو میں چار لوگوں کے سامنے ذلیل کروں گی تو وہ مجھے نیچا دکھانے کے بہانے تو ڈھونڈے گا ہی۔

شادی ایک ایسا تجربہ ہے جس نے میری تو واقعی آنکھیں کھول دی ہیں اور میں یہ کہنے پر تیار ہوں کہ میری تمام حرکتیں غلط تھیں۔ مجھے ریحان کے کہنے پر ان کے آفس میں بھی جاب نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اس دور میں جاب

کرنے والی لڑکیوں کو پھونک، پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے اور میں ایسی دیوانی بنی کہ خود چارہ بن کر ساجد کے آفس چلی گئی۔ میرا یہ اقدام صرف غلط ہی نہیں بلکہ غلط ترین تھا۔ اور یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی کہ مجھے کبھی بھی اپنے حوالے سے کسی نقصان کا احساس ہی نہیں رہا۔

خدانخواستہ ساجد جیسا گھاگ شخص اپنے پلان میں کامیاب ہو جاتا تو پھر...... حارث جیسا لڑکا بھی کہیں غائب ہو جاتا...... اور ان کی والدہ جیسی مثالی خاتون بھی ان تمام معاملات سے نظریں چرا کر اپنے بیٹے کے لیے کسی دوسری لڑکی کا انتخاب کر لیتیں تو میرا کیا ہوتا......'' وہ آج اپنی ڈائری میں اپنی روداد لکھ رہی تھی اور خود ہی اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا تجزیہ کر رہی تھی۔

''لڑکیاں یقیناً بہادر ہوتی ہیں اور انہیں ڈرپوک ہونا بھی نہیں چاہیے۔ مگر جس طرح زندگی ہمیں میانہ روی کی تعلیم دیتی ہے اسی طرح زندگی کے تمام معاملات ہمیں میانہ روی کے ساتھ ہی سلجھانے چاہئیں۔ ہماری مرادیں، ہماری خوشیاں پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ جو ہمارے لیے اچھا سمجھتا ہے ہمیں ضرور دیتا ہے مگر کسی آئیڈیل کو پانے...... اور اس کی نظروں میں سرخرو بننے کے لیے اپنے آپ کو کسی اندھیری راہ میں ڈالنا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ ہی دل کا...... ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

''ماؤں کو اگرچہ اپنی بیٹیوں کا دوست ہونا چاہیے اور ہر، ہر معاملے میں ان کو مشورہ دینا چاہیے مگر مجھے ان معاملات میں بھی تشنگی اس وجہ سے رہی کہ اول تو وہ میری سوتیلی ماں تھیں اور دوسرے وہ کبھی مجھے صحیح سرزنش بھی کیا کرتی تھیں تو میں اسے ہوا میں اچھال دیا کرتی تھی...... اور ہمیشہ ان کی ہر بات کو غلط کہہ کر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھا کرتی تھی۔ ہر شخص کی ہمیشہ ہر بات صحیح تو نہیں ہوا کرتی ناں تو پھر میری ہر بات درحقیقت صحیح کیسے ہو سکتی تھی۔

یقیناً اللہ نے مجھے ہمیشہ ہر پریشانی سے بچا کر رکھا...... مگر اسی اللہ نے میری آنکھیں بھی کھول دیں اگر اللہ نے مجھے کسی بیٹی کی ماں بنایا تو میں اسے چھچھورپنے سے ہرگز دور رکھنے کی ہمیشہ سعی کروں گی۔ اپنے آئیڈیل کو پانے کے لیے اپنے آپ کو گرا دینا انتہائی بے وقوفی کے زمرے میں آتا ہے، جب ایک مرتبہ میری ساس نے ازراہِ تمسخر مجھ سے کہا کہ تم حارث کے کہنے پر ایک الگ فلیٹ میں شفٹ ہو گئیں، تمہیں ڈر نہیں لگا، فرض کرو، حارث ہی کوئی غلط لڑکا ہوتا تو ساجد سے پہلے تو وہ بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا تھا......'' تب میں نے ان سے یہی کہا تھا۔

''آنٹی! میں وہ لڑکی ہوں جس نے اپنی زندگی کا ہر سبق اپنی غلطی سے سیکھا ہے۔ مجھ سے ہر گام پر... بے شمار غلطیاں ہوئی ہیں مگر شاید اس وجہ سے بھی کہ جب غلطی کو غلطی ہی نہیں سمجھا جائے تو پھر تاسف بھی کہاں ہوا کرتا ہے۔ مگر میں آپ سے یہ وعدہ ضرور کروں گی کہ میں اپنی غلطیوں کو ہرگز نہیں دہراؤں گی۔ اب میں کوئی ایسا کام تو کیا کوئی خیال بھی اپنے دل میں نہیں لاؤں گی جسے عرفِ عام میں غلط کہا جاتا ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں...... زندگی نہ بار، بار موقع دیتی ہے، اور نہ ہی ہر بار معاف کیا کرتی ہے۔

''اسی لیے سب کو ہی مگر بالخصوص لڑکیوں کو زندگی کی کسی بھی شاہراہ پر قدم رکھتے ہوئے بار، بار سوچنا چاہیے۔ اپنے بزرگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ خاص کر شاہراہِ محبت پر قدم دھرنے سے پہلے اتنا تو اندازہ ضرور کر لینا چاہیے کہ یہ سڑک کہاں تک جاتی ہے۔ اس کا کوئی سنگ میل ہے بھی یا نہیں...... کہیں ایسا تو نہیں آگے جا کر یہ سڑک کہیں سے کٹ جاتی ہو یا کسی ایسی سڑک میں مدغم ہو جاتی ہو جہاں آگے کا راستہ ہی بند ہو...... اور یہ بھی کہ...... یہ سڑک کہیں...... وہاں تو نہیں جا رہی...... جہاں ہمیں جانا ہی نہیں ہے۔''

(جاری ہے)

معافی کے بعد

نگہت اعظمی

وہ ان کو سائرہ آنٹی کے گھر میلاد میں دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اسے لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکل جائے گی، ہاتھ پاؤں بالکل بے جان سے ہوگئے، اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش اسے اس وقت سلیمانی ٹوپی قسم کی کوئی چیز مل جاتی جسے پہن کر وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔ اس کا سارا جسم ٹھنڈے پسینے سے بھیگنے لگا۔



وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب اس نے میلاد میں آنے کے لیے ہامی بھری تھی۔ حالانکہ اس کی ساس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا تھا۔ یونہی سرسری سا تذکرہ کیا تھا اور ویسے بھی سائرہ آنٹی کون سی اس کی ساس کی قریبی رشتے دار تھیں۔ ان کی بیٹی کی ساس کی کزن تھیں۔ لہٰذا جب ان کے گھر سے بلاوا آیا تو اس کی ساس نے رسماً ہی پوچھ لیا تھا کہ اگر اس کا دل چاہے تو وہ بھی چلے تو وہ جس کی شادی کو ابھی صرف چند ماہ ہی گزرے تھے اور جو ساس کے دل میں گھر کرنے کے لیے ہر حربہ آزما رہی تھی۔ فوراً ہی ہامی بھر لی اور صرف ہامی ہی نہیں بھری خوب دل لگا کر تیار ہوئی۔ ظاہر ہے نند کی سسرال کا معاملہ تھا، اس کی ساس کو شوق بھی تھا کہ وہ ہر وقت بنی سنوری رہے تا کہ ان کا بیٹا جو ایک نجی چینل پر ڈائریکٹر تھا اور جس کے چاروں طرف ہر وقت خوب صورت لڑکیوں کا جمگھٹا لگا رہتا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ اسی لیے انہوں نے کنزل کا انتخاب کیا تھا جو اتنی خوب صورت تھی کہ جس محفل میں بھی جاتی وہ محفل اس کے آنے سے خوب صورت اور روشن ہو جاتی۔ کنزل کو انہوں نے اپنی بہن کے جیٹھ کے گھر میلاد میں دیکھا تھا اور ایک ہی نظر میں وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھیں۔ گھر آ کر بھی ان کی نظروں میں اس کی صورت پھرتی رہی، اذان ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور دو بیٹیوں کے بعد بڑی منتوں مرادوں کا تھا۔ جس طرح پرانی کہانیوں میں ایک جن کی جان طوطے میں ہوا کرتی تھی اسی طرح ان کی جان بھی اذان میں تھی۔ اس کے پھانس بھی چبھ جاتی تو ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں بلکہ بیٹیوں کو ان سے شکایت ہی یہی تھی کہ امی کی صرف ایک ہی اولاد ہے انہیں ہماری کوئی پروا نہیں۔ ان کے شوہر بھی انہیں اس دیوانگی پر سمجھاتے تھے بلکہ اکثر ناراض بھی ہو جاتے تھے کہ آپ کی یہ بے جا محبت اسے بگاڑ دے گی، خدا نے ہر چیز میں اعتدال کا حکم دیا ہے، خاص طور پر محبت اور نفرت کے معاملے میں تو انتہا پسندی ہمیشہ بگاڑ کا سبب بنتی ہے، وہ خود بہت سمجھدار خاتون تھیں اور جانتی بھی تھیں کہ کسی شے کی زیادتی سے کسی بھی نظام کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

عدل کے بنیادی معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھا جائے۔ جب چیزیں اپنے صحیح مقام پر ہوتی ہیں تو اس کے نتیجے میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے، گھر جو معاشرے کی اکائی ہے اگر اس میں بھی چیزیں اپنے صحیح مقام پر نہ ہوں باورچی خانے کی چیزیں، بیڈ روم میں یا بیڈ روم کی چیزیں ڈرائنگ روم میں رکھ دی جائیں تو ظاہر ہے گھر میں ایک افراتفری پیدا ہوگی، انتشار ہوگا، کوئی چیز جگہ پر نہیں ملے گی اور یہ عدل صرف بے جان چیزوں کو ان کے اصل مقام پر رکھنے کا نام نہیں لیے بلکہ انسانوں کے معاشرے میں عدل ہی امن اور نظم و ضبط کے قیام کا سبب ہوتا ہے۔ اگر انسانوں کو ان کے صحیح درجے پر نہ رکھا جائے یعنی جو جس کا حق بنتا ہے اس کے خلاف کیا جائے اور ان سے وہ برتاؤ نہ کیا جائے جو اُن کے مقام و مرتبے کا تقاضا ہے تو ظاہر ہے پھر انسانوں میں بدامنی اور... بے چینی پیدا ہو جائے گی۔ ہم ایک بزرگ کے ساتھ کم سنوں کی طرح برتاؤ نہیں کر سکتے وہ جس عزت و احترام کے مستحق ہیں وہ انہیں لازمی دینی چاہیے، جن گھروں میں بزرگوں کو عزت و احترام نہیں دیا جاتا، ان گھروں کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ جن گھروں میں بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ نہیں ہوتا، ان پر بے جا روک ٹوک اور انتہا کی سختی کی جاتی ہے۔ ان گھروں کے بچوں کی شخصیتیں صحیح طور پر پنپ نہیں پاتیں، اسی طرح بچوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ محبت و لگاوٹ، اس کا بے جا اظہار ان کی غیر ضروری اور جھوٹی تعریفیں بھی ان کے اندر خود پسندی اور انا پرستی پیدا کر دیتی ہیں۔

وہ یہ سب جانتی تھیں مگر اس کے باوجود وہ اس کی محبت میں خود کو بے بس محسوس کرتیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ جیسے، جیسے بڑا ہوتا گیا اس کے اندر اپنی بات منوانے اور ہٹ دھرمی کا مادہ پیدا ہوتا گیا۔ وہ ہر کام اپنی مرضی

سے کرتا اور اس میں کسی کی ذرہ بھر بھی مداخلت برداشت نہیں کر پاتا۔

پڑھنے لکھنے سے اسے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ بڑی مشکلوں سے ایک پرائیویٹ یونیورسٹی سے میڈیا سائنس میں ایم بی اے کیا پھر باپ کی سفارش پر ایک نجی چینل میں نوکری کرلی۔ یہ کام اس کی طبیعت کے عین مطابق تھا۔ جہاں وہ سب پر حکم چلاتا، جس کی جب چاہتا بے عزتی کر دیتا، گھر میں ہر کام اسی کی مرضی سے ہوتا۔ کھانا اس کی مرضی سے پکتا۔ ملنا، جلنا اس کی مرضی سے ہوتا۔ جہاں اس کی مرضی ہوتی وہ جاتا اور جہاں مرضی نہ ہوتی نہ جاتا۔ اسے شادی کا کوئی شوق نہیں تھا بلکہ وہ تو ابھی شادی کے حق میں تھا ہی نہیں۔ لیکن جب انہوں نے اسے کنزل کو دکھایا بلکہ اس سے ملوایا تو اس کی ساری مخالفت بھاپ بن کر اُڑ گئی۔ کنزل کی خوب صورتی نے اسے اتنا متاثر نہیں کیا جتنا اس کی شرم وحیا، رکھ رکھاؤ اور چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت نے اسے اس کی طرف متوجہ کیا...... وہ ہر روز ہر طرح کی لڑکیوں سے ملتا تھا۔ اور جب وہ ان کے لباس، ان کے انداز، ان کے عادات واطوار کو دیکھتا تو اسے یہ سب بہت عجیب لگتا۔ اس کے گھر میں اس کی ماں اور بہنیں بہت مہذب اور بالحاظ تمیز دار تھیں۔ اس کی ماں کالج میں لیکچرار تھیں، ایک بہن ڈاکٹر تھی، دوسری بہن انجینئر تھی لیکن اس نے کبھی انہیں کوئی فضول قسم کے لباس پہنے نہیں دیکھا۔ کبھی وہ زور سے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستی تھیں۔ اپنے کزن اور رشتے کے مردوں سے بات کرتے ہوئے ان کے سر جھکے ہوئے اور نظریں جھکی ہوئی ہوتیں۔ اس کے برعکس وہ جن لڑکیوں میں گھرا ہوا تھا مطلب اس کے آس پاس...... تو ان کا عجیب انداز ہوتا، جو شوبز سے وابستہ لڑکیاں تھیں ان کے تو ایسے نخرے ہوتے جیسے وہ کسی مملکت کی شہزادی ہیں اور باقی سب ان کی رعایا...... وہ ذرا، ذرا سی بات پر اسٹاف کو پھٹکار دیتیں، جو اس فیلڈ میں قدم جمانے کی کوشش کرتیں، مطلب نئی نئی آتیں وہ کام حاصل کرنے کے لیے غیر مردوں کی خوشامدوں پر اتر آتیں، ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہے لگانا، مشہور اور خوب صورت ہیروز کے گرد منڈلانا، سرگوشیوں میں باتیں کرنا اور اپنے لباس وناز وانداز سے انہیں متوجہ کرنا غرضیکہ اس قسم کی بے شمار خرافات نے ان لڑکیوں کو ان کے مقام سے بہت نیچے گرادیا تھا۔ اس لیے وہ شادی سے دور بھاگتا تھا لیکن جب اس نے کنزل کو دیکھا تو اسے اس میں اپنی ماں اور بہنوں کی جھلک نظر آئی اور اس نے اسے فوراً ہی اوکے کردیا۔ وہ بہت خوش تھیں کہ اسے لڑکی پسند آگئی اور انہیں یہ یقین تھا کہ کنزل سے شادی ہونے کے بعد وہ ضرور گھر کی طرف لوٹ آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ شادی کے بعد وہ کنزل کا ایسا گرویدہ ہوا کہ اسے گھر سے نکلنا ہی عذاب لگنے لگا۔

کنزل شادی کے بعد اور حسین ہوگئی تھی اس کی گلابی رنگت اذان کی محبت کی شعاعوں سے جھلملانے لگی تھی۔ اس کی خواب ناک آنکھیں محبت کے نشے میں ڈوب کر خمار آلود ہوگئی تھیں۔ اسے لگتا جیسے زندگی میں ہر طرف خوشیوں کی پھوار برس رہی ہو۔ اتنا بڑا عالیشان گھر...... اتنا خوبرو اور چاہنے والا شوہر، اس کا ہر وقت خیال رکھنے والے سسر اور اس سے بے حد محبت کرنے والی ساس جو اسے دیکھ کر جیتی تھیں، وہ خود بھی بڑی نیک فطرت تھی، وہ بھی سب کا اتنا ہی خیال رکھتی جتنا ایک اچھی بہو کو رکھنا چاہیے۔ اس نے چند ماہ میں ہی سب کی طبیعتوں کو سمجھ لیا تھا، اب وہ سب کی طبیعتوں کے مطابق عمل کرتی، اس کے سسر کو کھانے پینے کا بہت شوق تھا وہ ان کے لیے مزے، مزے کے کھانے تیار کرتی۔ اذان گھومنے پھرنے کا شوقین تھا، وہ ہر وقت ہر جگہ جانے کے لیے تیار رہتی۔ اس کی نندوں کو میکے آنے کا کریز تھا۔ وہ بہانوں، بہانوں سے انہیں گھر پر مدعو کرتی۔ اس کی ساس کو صفائی کا خبط تھا، وہ گھر کو آئینے کی طرح چمکا کر رکھتی، اس کی ساس اسے دعائیں دیتے نہ تھکتیں، وہ بھی ہر وقت ان کے اشاروں پر چلنے کی کوشش کرتی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ساس کو اپنا

بنالیا تو پورا خاندان اس کا اپنا ہو جائے گا۔ اس کی امی ہمیشہ یہی کہا کرتی تھیں کہ شادی کے بعد ہر لڑکی کی عزت ساس کے پلو سے بندھی ہوتی ہے۔ جتنا ساس اس سے خوش ہوں گی اتنا ہی خاندان والے اسے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے، جو لڑکیاں ساس کے ساتھ ہنسی خوشی رہتی ہیں اور ساسیں ان کی تعریف کرتی ہیں، وہی لڑکیاں سسرال میں عزت پاتی ہیں اور پُرسکون رہتی ہیں، الگ رہنے والی بہویں ساس کا کتنا بھی خیال رکھیں انہیں سسرال میں وہ عزت نہیں ملتی جیسی ساس کے ساتھ رہنے والی بہو کو ملتی ہے۔ اس دن بھی سائرہ آنٹی کے گھر میلاد میں جانے کی یہی وجہ تھی کہ اس کی ساس کی خواہش تھی، وہ چاہتی تھیں وہ جہاں جائیں وہ بھی ان کے ساتھ جائے اور خاص طور پر بیٹی کی سسرال میں تاکہ ان کی بیٹی کے سسرال والے بھی دیکھیں کہ ان کی بہو کتنی پیاری ہے۔

اس نے اپنی بری کا بہت خوب صورت سا تربوزی کلر کا سوٹ پہنا تھا جس پر اس کی ساس نے بہت اعلیٰ قسم کا نگوں کا کام بنوایا تھا۔ وہ تیار ہو کر ان کے پاس آئی تو وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئیں۔ انہوں نے فوراً پرس سے پیسے نکال کر اس کا صدقہ اتارا۔

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، خدا نظرِ بد سے بچائے۔'' وہ بہت خوش، خوش ان کے ساتھ سائرہ آنٹی کے گھر گئی وہاں ہر نظر میں اس کے لیے تعریف اور تحسین تھی۔ میلاد شروع ہو چکا تھا۔ حمد باری تعالیٰ پڑھی جا رہی تھی ابھی حمد شروع ہوئی تھی، وہ انتہائی عقیدت سے انتہائی جذب کے عالم میں سن رہی تھی کہ اس نے حمد سنتے، سنتے سر اٹھایا اس کا دل دھک، دھک کرنے لگا وہ نہ جانے کس وقت وہاں بالکل اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی تھیں۔ اس نے سوچا شاید اسے غلط فہمی ہوئی ہو، وہ کوئی اور ہوں، وہ نہ ہوں لیکن وہ وہی تھیں، گزشتہ پانچ سالوں میں ان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، وہ بھی بغور اسے دیکھ رہی تھیں اس کا دل چاہا کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

☆☆☆

وہ ایف ایس سی کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی کہ ان کے گھر کے اوپر والے پورشن میں نئے کرایہ دار آگئے۔ وہ ان دنوں شدت سے بور ہو رہی تھی۔ ان کرایہ داروں کی آمد اس کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوئی۔ ظفر صاحب بابا کے دوست کے کزن تھے جو ملازمت کے سلسلے میں لاہور سے کراچی شفٹ ہوئے تھے۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں' بڑے بیٹے کی شادی ہو چکی تھی۔ دو بچے تھے ان لوگوں کے آنے سے ایک دم گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ ظفر صاحب کی بڑی بیٹی بہت موٹی اور گہری سانولی تھی۔ اس کی عمر گزرتی جا رہی تھی اور اب تک اس کا رشتہ نہیں ہو سکا تھا جبکہ چھوٹی بیٹی عائلہ اس کی ہم عمر تھی۔ چند دنوں میں ہی دونوں کی خوب گہری دوستی ہو گئی۔ ظفر صاحب بہت اچھے اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے لیکن ان کی بیوی مختلف مزاج کی تھیں۔ وہ سخت مزاج اور الگ تھلگ رہنے والی خاتون تھیں، ان کی بڑی بہو سے بھی نہیں بنتی تھی۔ گھر میں ہر وقت کھٹ پٹ رہا کرتی۔ ان کا بڑا بیٹا حسان بہت سنجیدہ اور کم گو تھا جبکہ چھوٹا بیٹا حسام بہت شوخ اور خوش مزاج تھا۔ وہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں فورتھ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ جب بھی چھٹیوں میں گھر آتا، گھر میں خوب اودھم مچائے رہتا۔ وہ بھی جب ان کے گھر جاتی وہ بہانے، بہانے سے اس کے گرد منڈلاتا رہتا۔ وہ اس کے لطیفوں پر ہنستے، ہنستے گلابی ہو جاتی تو وہ اور شوخ ہو جاتا۔ پھر ایسا ہوا کہ اسے حسام سے شدید قسم کی محبت ہو گئی، وہ ہر وقت اس کے آنے کا انتظار کرتی رہتی۔ اس عمر کی محبت بھی ایسی ہی جذباتی اور جنونی ہوتی ہے۔ ذرا کسی نے میٹھی نظر سے دیکھ لیا۔ پیار کے دو جملے کہہ دیے، لڑکیاں خوابوں کی دنیا بسا لیتی ہیں انہیں محبت کے گل رنگ گلستان کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر شے محبت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اسے بھی چاروں طرف حسام

نظر آتا تھا۔ وہ گھر آتا تو اس کا ہر لمحہ عید بن جاتا وہ چلا جاتا تو اس کے دل پر شامِ غریباں کی سی اداسی چھا جاتی۔

محبت کے جادو نے دونوں کو امر بیل کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انہیں اس راہ کی صعوبتوں کا علم نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے زندگی اتنی ہی خوب صورت اور رنگین ہے۔ حسام کا پلان تھا کہ وہ ایم بی بی ایس کا فائنل ایگزام دے کر اس کے گھر رشتہ بھجوائے گا۔ اور اسے یقین تھا کہ اس جیسے لائق فائق اور خوبرو لڑکے کا رشتہ فوراً قبول کرلیا جائے گا۔ اس وقت تک یہ بھی اپنا گریجویشن مکمل کرلے گی۔ اس یقین اور اطمینان کی باگ ڈور ہاتھ میں لیے وہ دونوں محبت کی شاہراہ پر تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے کہ کنزل کے باپ ہارٹ اٹیک کا شکار ہوگئے...... اور دل کا پہلا دورہ ہی اتنا شدید تھا کہ جان کے لالے پڑگئے، ان کے بہن بھائیوں میں آپس میں بہت محبت تھی، ان کی بیماری کا سارا خرچہ ان کے بڑے بھائی یعنی کنزل کے تایا نے برداشت کیا ورنہ اتنی جلدی ایک پرائیویٹ اسپتال میں بائی پاس کرانا ان کے لیے ممکن نہ ہوتا۔ ان کی زندگی تو بچ گئی لیکن ان کے اندر سے زندگی کی امنگ ختم ہوگئی۔ وہ بہت زیادہ مایوس اور افسردہ رہنے لگے۔ اب ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ان کی اکلوتی بیٹی کی شادی ان کی زندگی میں ہی ہوجائے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے یہی ذکر کرتے رہتے، اس موقع پر بھی ان کے بھائی ہی کام آئے، ان کے اسپتال سے شفٹ ہونے کے ایک ہفتے بعد ہی وہ اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آگئے، جو انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔

انہیں جنید ہمیشہ سے بہت پسند تھا۔ صرف انہیں ہی نہیں، ان کی بیوی بھی اس رشتے پر خوشی سے کھل اٹھیں، گھر میں ہر طرف جیسے خوشیوں کی بہار چھا گئی۔ اتنے دنوں کی پریشانی اور مایوسی کی کہر چھٹنے کے بعد مسرتوں کی نرم گرم دھوپ پھیل گئی، ہر فرد خوش تھا صرف وہ تھی جس کا دل اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔

دعا

بہت کچھ کھو دیا ہے گزرے دنوں میں
جو کھویا ہے وہ اب واپس نہ ہوگا
چلو آؤ دعا مانگیں کوئی اور
کوئی چارہ...... کوئی تو چارہ گر ہو
وہ اِک ننھا دیا
جو دل کے آنگن میں کہیں
اب بھی فروزاں ہے
کبھی بجھنے نہ پائے
یہ ظلم و جہل کا موسم گزر جائے
محبت زندگی کا نام ہو
اور
سالِ نو کا آغاز ہوجائے

شاعرہ: نوشابہ نرگس
انتخاب: اسما جمشید، ڈی آئی خان

آس کے جگنو

☆ دعا نظر نہیں آتی مگر اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ انسان کو فرش سے عرش تک لے جاتی ہے۔

☆ امیدوں اور حقیقتوں کے درمیان... توازن رکھنے والا شخص کبھی غمگین نہیں ہوتا، وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جو زوال کی طرف جائیں یا کمال کی طرف...... شکر کے راستے پر ہی سفر کرتے ہیں۔

☆ زندگی کمال کی استاد ہے...... اگر کوئی درست وقت پر اس کا دیا ہوا سبق نہ سیکھے تو پھر یہ وہی سبق غلط وقت پر سکھا دیتی ہے۔

☆ دعا تو دل سے مانگی جاتی ہے زبان سے نہیں...... قبول تو اس کی بھی ہوتی ہے جس کی زبان نہیں ہوتی۔

مرسلہ: فرح طاہر قریشی، ملتان

اس نے فوراً حسام کو فون کیا اور جیسے ہی حسام کی آواز سنی وہ بے اختیار رونے لگی۔
''کیا ہوا..... سب خیریت ہے ناں، انکل تو ٹھیک ہیں ناں.....'' وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔
''حسام ..... تم فوراً آجاؤ، ورنہ.....'' وہ کوشش کے باوجود بھی اگلا جملہ نہ کہہ سکی
''آخر ہوا کیا ہے..... بتاؤ تو سہی.....'' اس کی پریشانی حد سے سوار ہوگئی۔
''بابا..... جنید سے میرا رشتہ طے کر رہے ہیں۔'' اس نے اٹک اٹک کر بڑی مشکل سے جملہ مکمل کیا۔
''کون..... جنید.....؟'' وہ حیران ہوا۔
''میرے تایا کا بیٹا.....''
''لیکن تم نے تو پہلے کبھی ذکر نہیں کیا۔''
''میں نے تو کبھی اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ میں تو اسے ہمیشہ بھائیوں کی طرح سمجھتی تھی۔''
''تو تم فوراً انکار کردو۔'' اس نے فوراً حل بتادیا۔
''کیسے انکار کردوں..... تم جانتے ہو، بابا کتنے بیمار ہیں۔''
''پھر..... کیا..... ہوگا؟'' اس نے الٹا اسی سے سوال کردیا۔
''تم اپنی امی کو بھیج دو تو شاید.....'' اس نے ادھورا جملہ کہہ کر پوری بات کی وضاحت کردی۔
''یہ اتنی جلدی ممکن نہیں..... مجھے پہلے امی کو راضی کرنا ہوگا۔ تم تو جانتی ہو، ابھی اپیا کی شادی نہیں ہوئی، جب حسان بھائی نے بھابی سے رشتے کے لیے کہا تھا تب بھی امی نے بہت شور ڈالا تھا کہ بڑی بہن بیٹھی ہوئی ہے اور تمہیں اپنی شادی کی فکر ہے اب اگر میں نے گھر میں اس طرح کا کوئی ذکر کیا تو سمجھ لو گھر میں طوفان آجائے گا۔''
''پھر.....؟'' اس کی آواز مایوسیوں کے گہرے کنویں سے ڈوب کر ابھری۔
''پھر..... پھر..... کیا کروں.....؟'' وہ بھی سوچنے لگا۔ دونوں طرف جان لیوا خاموشی چھاگئی۔
''میرا خیال ہے فی الحال تم خاموشی اختیار کرلو..... ایک ماہ بعد میرے فائنل ہونے والے ہیں، میں گھر آؤں گا پھر سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے؟ ظاہر ہے اتنی جلدی تو شادی نہیں ہوسکتی۔'' چند لمحوں بعد اس نے خوب سوچ سمجھ کر یہ جملے کہے۔
''پتا نہیں..... مجھے کچھ نہیں پتا، میرا دماغ بالکل ماؤف ہوگیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔
''گھبراؤ نہیں، اللہ سے دعا کرو، سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ اس کے رونے پر بے چین ہوگیا۔ اس کے اندر طوفان سا برپا ہوگیا۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر اسے تسلی دی لیکن فون رکھنے کے بعد وہ تقریباً بے جان ہوکر بستر پر گر پڑا۔ اس کے چاروں طرف تاریکی پھیل رہی تھی، وہ اس کے بغیر کیسے رہے گا۔ وہ تو اس سے ملنے کے بعد جب لاہور آتا تو اسے چند ماہ گزارنے مشکل ہوجاتے اور وہ دن میں کئی بار اسے فون کرتا۔ اپنی بے تابیوں کی داستانیں سناتا، اس کی بے قراریوں کے قصے سنتا اور پھر آئندہ ہونے والے خوشگوار دنوں کی امید لیے یہ وقت گزار دیتا۔
اگر اس کے والدین نہ مانے؟ اگر امی راضی نہ ہوئیں؟ اگر ایسا ہوگیا؟ اگر ویسا ہوگیا۔ خوف، اندیشے، بدگمانیاں، ناامیدی، مایوسی اور نہ جانے کیسے، کیسے منفی خیالات نے اسے آکٹوپس کی طرح جکڑ لیا۔ اس سے رات گزارنی مشکل ہوگئی۔ وہ صبح ہوتے ہی کراچی کے لیے روانہ ہوگیا۔ گھر جاتے ہی اس نے سب سے پہلے ماں سے بات کی اور پھر وہی ہوا جس کا اسے خوف تھا۔
انہوں نے ایسا طوفان کھڑا کردیا اور ان دونوں کو ایسے، ایسے القاظ سے نوازا کہ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ ابھی اور اسی وقت خود کو جان سے ماردے۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا وہ چائے پی کر لان میں آئی تو اسے اوپر ٹیرس پر حسام نظر آیا۔ وہ اسے دیکھ کر اتنا خوش ہوئی کہ بغیر سوچے سمجھے تیزی سے پچھلے زینے کے

ذریعے ٹیرس پر پہنچ گئی۔ حسام بھی ماں کی باتوں کی وجہ سے شدید ڈپریسڈ ہورہا تھا۔ اس وقت اسے حقیقت میں کسی کی محبت اور ہمدردی کی شدید ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ٹیرس پر بنے ہوئے اسٹورنما کمرے میں بیٹھ گئے جہاں وہ اکثر بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ اس کمرے میں پرانا سامان رکھا تھا اور یہ عام طور پر بند ہی رہتا تھا۔ اس کا رستہ بھی پیچھے کی طرف سے تھا۔ اسی لیے ان دونوں کو یہاں ملنے میں کافی آسانی تھی۔

اس وقت دونوں اتنے جذباتی ہورہے تھے کہ انہیں وقت کا پتا ہی نہیں چلا یہاں تک کہ شام کا اندھیرا گہرا ہوگیا۔ ان دونوں کی بدقسمتی تھی یا ان کی خدا کے حکم سے نافرمانی کا نتیجہ تھا کہ اسی شام حسام کی ماں کو اس کمرے میں رکھے ہوئے بکس سے رضائی نکالنے کا خیال آگیا۔ اب رات میں ہلکی، ہلکی خنکی ہونے لگی تھی وہ جب دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئیں تو حسام اس کا ہاتھ تھامے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ اس کے قریب بیٹھی آنسو بہارہی تھی۔ وہ جو صبح سے حسام کی رشتے کی بات پر شدید غصے میں تھیں یہ دیکھ کر اپنے حواسوں میں نہ رہیں۔

انہوں نے سوچے سمجھے بغیر ٹیرس سے اس کی امی کو آواز دی، ان کی آواز پر گھبرا کر اس کی امی اوپر آگئیں اور پھر اس کی امی نے وہ ساری باتیں سنیں جو کسی بھی شریف اور غیرت مند گھرانے کے لیے ڈوب مرنے کے لیے کافی تھیں، اس کی امی نے حسام کی ماں کے سامنے اسے زور، زور سے تھپڑ مارے اور پھر ان کے آگے ہاتھ جوڑے انہیں نہ جانے کیسے، کیسے واسطے دیے کہ وہ اس بات کو ختم کردیں آگے نہ پھیلائیں۔

''بچی بات ہے مجھے بھائی صاحب کی بیماری کا خیال ہے ورنہ تو ابھی ان دونوں کو ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیتی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، ایسی اولاد کو تو پیدا ہوتے ہی مرجانا چاہیے۔'' اس کی امی جو ہمیشہ اپنے کرایے داروں کے سامنے سر اٹھا کر بات کرتی تھی آج ان کی ہر بات پر سر جھکائے ہوئے تھیں۔

''آپ اپنی بیٹی کو سنبھالیں، میں اپنے بیٹے کا دماغ درست کرتی ہوں۔'' انہوں نے انتہائی ذلت بھرے انداز میں یہ جملے کہہ کر انہیں وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

وہ رات اس کی زندگی کی ایسی رات بن گئی کہ اسے لگتا تھا کہ جیسے اب کبھی صبح نہیں ہوگی اور پھر ہوا بھی یہی وہ رات اس کی زندگی کے اجالوں پر ہمیشہ کے لیے سیاہی بن کر چھا گئی۔

صبح ہوتے ہی گھروں میں زندگی کی چہل پہل کا آغاز ہوا لیکن ظفر صاحب کے گھر سے رونے اور بین کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ پنجرے میں بند ایک بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑانے لگی۔

''کیا ہوا؟ یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں......؟'' وہ پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن پوچھ نہ سکی۔

حسام کا انتقال ہوگیا تھا۔ صبح بہن جگانے گئی تو وہ بستر پر مردہ حالت میں ملا...... رات کے کسی پہر وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔

''رات تک وہ بالکل ٹھیک تھا، کھانا کھا کر سب کو خدا حافظ کہا اور پھر پتا نہیں کیا ہوا؟'' سب ہی حیران تھے اس کی امی سخت پریشان تھیں۔ اب نہ جانے کیا ہو؟ حسام کی ماں تو خاموش نہیں رہیں گی۔ وہ تو چیخ، چیخ کر سب کو بتائیں گی۔ وہ سب پورے محلے میں بدنام ہوجائیں گے۔ ان کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہورہا تھا۔

شام ہوتے، ہوتے اسے دفنا دیا گیا۔ سب اسے یاد کررہے تھے اس کی جواں مرگی پر افسوس کررہے تھے۔ کتنا لائق بچہ تھا، کتنا خوب صورت تھا، کتنا خوش مزاج تھا، نہ جانے کیا ہوا...... خود ڈاکٹر تھا...... بھلا اس عمر میں بھی کسی کو ہارٹ اٹیک ہوتا ہے۔

امی شام ڈھلے جب گھر آئیں تو قدرے مطمئن تھیں، حسام کی ماں نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی ہاں انہوں نے اس کی امی کو جن نظروں سے دیکھا تھا اس میں اتنی نفرت اور زہر بھرا ہوا تھا کہ ان کا پورا وجود جیسے ساکن ہوگیا۔ وہ کوشش کے باوجود بھی تسلی کا ایک لفظ نہ کہہ سکیں۔

☆☆☆

اس کا رشتہ جنید سے طے ہوگیا تھا۔ شادی کی تیاریاں ہورہی تھیں پھر نہ جانے اس کے بابا نے کہاں سے اڑتی، اڑتی خبر یہ سن لی کہ حسام نے ان کی بیٹی کی وجہ سے جان دے دی۔ اور جس نے بتایا اس نے بھی زیب داستان کے لیے اپنی طرف سے کچھ جھوٹے، سچے نگینے جڑ دیے۔ وہ جو حسام کی موت کے بعد سے ہی محلے والوں کی بدلتی ہوئی نظریں محسوس کر رہے تھے یہ سن کر بالکل ہی ڈھے گئے اور اسی رات ان پر دوبارہ اٹیک ہوا جسے وہ سہار ہی نہیں سکے اور مرنے سے چند لمحوں پہلے انہوں نے اپنا دل کا بوجھ اپنے بھائی کے سامنے ہلکا کردیا۔ وہ اپنے فرشتے جیسے بھائی کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے تھے۔

ان کے مرنے کے بعد اس کے تایا نے وہ رشتہ ہی توڑ دیا جو انہوں نے بھائی کی زندگی بچانے کے لیے جوڑا تھا۔ جب بھائی ہی نہیں رہا اور بھائی کی زندگی کی ڈور بھی اس کی بیٹی کی رنگین داستان کی وجہ سے ٹوٹی تو پھر بھلا وہ کیوں اس گناہ گار کو اپنے گھر میں لاکر اپنے گھر کو گناہوں کی سیاہی سے آلودہ کرتے۔

ظفر صاحب کے مرنے کے بعد بیگم ظفر نے یہ عقلمندی کی کہ اس گھر کو بیچ کر ایک دور دراز غیر آباد علاقے میں گھر خرید لیا اور پھر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کیا۔ یہاں آکر ان کی توجہ کا مرکز صرف وہ تھی۔ وہ کب سوتی ہے؟ کب جاگتی ہے؟ کہاں جاتی ہے؟ کس سے باتیں کرتی ہے؟ وہ آدھی رات کو سوتے سے اٹھ کر بیٹھ جاتیں، انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس تھا۔ انہوں نے کیوں اتنی غفلت برتی؟ وہ کیوں صبح سے شام تک گھر کی تزئین و آرائش میں لگی رہتی تھیں؟ انہیں گھر کو سجانے اور سنوارنے کا بہت شوق تھا۔ ان کا سارا دھیان اسی میں لگا رہتا۔ لوگ ان کے گھر کی تعریفیں کرتے، ان کے سگھڑاپے کے گن گاتے وہ اور زیادہ گھر کی سجاوٹ میں لگ جاتیں اور اس شوق کے راستے میں وہ اتنا بڑھ گئیں کہ اپنی بیٹی کو بھول گئیں۔ انہوں نے غور ہی نہیں کیا کہ ان کی بیٹی کیوں وقت بے وقت کرایے داروں کے گھر میں گھسی رہتی ہے۔ انہیں کیوں نہیں خیال آیا کہ ان کی بیٹی ہر وقت کیوں بننے سنورنے لگی ہے؟ کیوں ہر وقت اس کے چہرے پر گلاب کھلے رہتے ہیں؟ کیوں وہ ہر وقت اپنے آپ پر ضرورت سے زیادہ توجہ دیتی ہے؟ یہ سب باتیں تو صرف اور صرف ماں کے محسوس کرنے کی ہوتی ہیں۔ پچھتاوؤں کے بے شمار ناگ ہر وقت ان کے چاروں طرف سے سرسراتے رہتے لیکن نئے گھر میں آنے کے بعد انہوں نے اسے اپنی سہیلی بنالیا۔ وہ اس سے دل کی باتیں کرنے لگیں اس کی باتیں سننے لگیں۔ باتوں، باتوں میں اسے زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنے لگیں۔ اسے مذہب کی طرف راغب کیا۔ اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ وہ ساری، ساری رات جاگ کر دعائیں کرتی، روتی رہتی، اس نے ماں کے ساتھ، ساتھ خدا کو بھی اپنا ساتھی بنالیا تھا۔ زندگی قدرے پُرسکون ہوگئی تھی۔

پھر انہی دنوں اذان کا رشتہ آگیا۔ امی نے چھان بین کرکے چند ماہ میں ہی منظوری دے دی۔ وہ شادی ہوکر اذان کے گھر میں آگئی اور کوشش کرنے لگی کہ اس گھر میں اپنی جڑیں مستحکم کرلے اپنی ذات پر لگے ہوئے ناکردہ گناہ کے داغ کو اپنی نیکی، خدمت اور ایثار سے مٹادے لیکن آج میلاد میں حسام کی ماں کو دیکھ کر اسے لگا کہ اب اس کی ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ اس کے گناہ کی سزا کبھی ختم نہ ہوگی۔ یہ داغ ساری زندگی اس کے دامن سے مٹ نہیں سکے گا۔

☆☆☆



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ذہن پر ناقابلِ برداشت بوجھ لیے وہ گھر آ گئی۔

اذان آج کچھ جلد ہی گھر آ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔

''افوہ...... تم کتنی خوب صورت لگ رہی ہو، واقعی تم بہت حسین ہو۔'' اذان نے بے دھڑک اسے اپنے سے قریب کرتے ہوئے اس کی تعریف کی۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کی تعریف پر خوش ہونے کے بجائے افسردہ ہو گئی۔

''پتا نہیں کب یہ محبت مجھ سے چھن جائے......؟'' اس نے میلاد میں حسام کی ماں کو اپنی ساس سے سرگوشیاں کرتے بھی دیکھ لیا تھا۔ پھر ساس کا رویّہ بھی اسے بدلا، بدلا محسوس ہوا۔ انہوں نے واپسی پر اس سے کوئی بات بھی نہیں کی۔ پتا نہیں انہوں نے اس کی ساس سے کیا کہا ہوگا۔

''تم اتنی چپ کیوں ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اذان حقیقتاً اس کے مزاج کے سب موسموں کا ساتھی تھا۔ اس نے فوراً ہی اس کی افسردگی کو محسوس کر لیا۔

''دو گھنٹے میلاد میں بیٹھی رہی، سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔''

''اوہو...... تو پہلے بتانا تھا ناں، تم آرام کرو، میں تھوڑی دیر کے لیے اپنے دوست کے پاس جا رہا ہوں۔ پھر آ کر شنگ پر چلیں گے۔'' اذان اسے دوا دے کر باہر چلا گیا وہ آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ چند ہی لمحوں بعد اسے کسی کی آہٹ محسوس ہوئی اس نے آنکھیں کھولیں اس کے بستر کے قریب اس کی ساس کھڑی تھیں۔

''کیا ہوا......؟ یہ بے وقت کیوں لیٹی ہو؟'' وہ اس کے بیڈ کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''وہ...... بس میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔'' وہ ساس کے آنے پر فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے سرہانے رکھا ہوا دوپٹا تمیز سے اوڑھا۔

''نہیں، نہیں تم لیٹو، میرا دل گھبرا رہا تھا تو سوچا تم سے باتیں کر لوں۔''

''جی، جی۔'' اس کے دل کو خوف کے آکٹوپس نے پوری طرح جکڑ لیا۔

''وہ خاتون جو آسمانی بریزے کا سوٹ پہنے تھیں کیا تمہارے گھر میں کرایے دار کی حیثیت سے رہ چکی ہیں؟'' اس کی ساس نے بالآخر اس بات کا آغاز کر دیا جو اس کے لیے روزِ محشر کے حساب کتاب سے زیادہ مشکل تھا۔ پل صراط پر اس کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔

''جی، جی ہاں...... نہیں۔''

''پتا نہیں کیسی عجیب سی خاتون تھیں، تمہارے بارے میں بے حد فضول باتیں کر رہی تھیں۔'' ساس نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بم کا گولہ داغ دیا۔

شائیں، شائیں اس کے چاروں طرف دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ کچھ سنائی۔

''جی...... جی۔'' اس کی جان اس کے حلق میں پھنسنے لگی۔ شاید نزع کا عالم ایسا ہی ہوتا ہوگا۔

''وہ کہہ رہی تھیں ان کے...... بیٹے نے تمہاری وجہ سے جان دے دی۔'' ان کے الفاظ ایک بھیانک عفریت کی طرح اس پر جھپٹ پڑے۔

''پتا نہیں، مجھے کچھ نہیں معلوم......؟'' اس کا رنگ خوفناک حد تک زرد ہو گیا۔

''جھوٹ مت بولو، مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے، جو بات ہے مجھے سچ، سچ بتا دو، ورنہ سچ کا معلوم کرنا میرے لیے مشکل نہیں۔''

ان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہونے لگی۔

''مجھے نہیں معلوم......'' وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اسے حقیقت میں یہ نہیں معلوم تھا کہ حسام نے اس کی وجہ سے جان دے دی تھی یا ماں کے زہر میں ڈوبے ہوئے الفاظ کی وجہ سے۔

''تم مجھے پوری بات سچ، سچ بتا دو، فیصلہ میں خود کر لوں گی کہ صحیح کیا تھا اور غلط کیا؟'' اُن کے لہجے

میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، میں ناسمجھی میں غلط راستے پر چل دی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ غلط راستے پر چلنے والا کبھی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا...... مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسک سسک کر رونے لگی۔

پھر اس نے اسی طرح نظریں جھکائے، جھکائے ساری بات من وعن بیان کردی یہ سوچ کر کہ وہ سچ ہی بولے گی چاہے اس کے نتیجے میں اسے قتل ہونا پڑے یا اپنی جنت کو چھوڑنا پڑے۔

''تو تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا اور تم نے توبہ بھی کرلی تھی؟'' وہ آنکھیں بند کیے ان کے فیصلے کی منتظر تھی کہ ان کے لہجے کی نرماہٹ نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔

''جی...... جی...... میں ساری رات رو کر اللہ سے معافی مانگتی تھی۔'' وہ پھر سے رونے لگی۔

''تمہیں یقین ہے اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرلے گا؟''

''ہاں...... اس پر تو مجھے پورا یقین ہے...... وہ رحمان ہے، رحیم ہے، وہ تو اپنے بندوں کا ہر گناہ معاف کردیتا ہے لیکن......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''لیکن...... کیا......؟''

''لیکن آپ اور اذان تو معاف نہیں کریں گے۔'' اس نے حد درجہ معصومیت سے کہا تو وہ.... بے ساختہ مسکرا دیں۔

''ہاں یہ تم نے صحیح کہا...... وہ خدا ہے، وہ ایسا رحیم ہے کہ جو اپنے بندوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر بھی معاف کردیتا ہے لیکن ہم انسان اتنے کم ظرف اور گھٹیا ہوتے ہیں کہ اپنے جیسے گناہ گاروں کے گناہوں کو دیکھتے بھی نہیں صرف سنتے ہیں پھر بھی معاف نہیں کرتے۔''

''پھر...... آپ مجھے معاف نہیں کریں گی؟'' اس نے جاں بلب مریض کی طرح آخری مرتبہ بڑی امید اور آس سے ان کی طرف دیکھا۔

''میں نعوذ باللہ خدا تو نہیں ہوں اور نہ ہی میرا ظرف اتنا بڑا ہے میں تو بہت گناہ گار اور کم ظرف انسان ہوں لیکن پھر بھی میں یہ چاہتی ہوں کہ روزِ محشر جب میں خدا کے سامنے حاضر ہوں تو میرا شمار خدا کے معاف کرنے والے بندوں میں ہو۔'' یہ کہتے، کہتے ان کی آواز بھرانے لگی۔

''تو...... کیا...... اب میں...... اسی گھر میں رہوں گی؟'' اس نے ساس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھا اور ان کے الفاظ پر غور کیا تو خوشی اور بے یقینی سے اس کی آواز پھٹنے لگی۔

''ہاں، تم اسی گھر میں رہوگی یہ بات صرف مجھ تک محدود رہے گی، اذان کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔ اور آئندہ اگر کسی نے اسی طرح کی کوئی بات کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔ تم اس گھر کی عزت ہو، میری بہو ہو، میری عزت ہو، میری عزت پر کوئی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرے، یہ میری برداشت سے باہر ہے۔'' وہ کہہ رہی تھیں اور وہ آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔

واقعی جب سچے دل سے توبہ کی جائے اور خدا اپنے بندے کو معاف کردے تو وہ انسانوں سے بھی اسی طرح معافیاں دلواتا ہے۔ وہ بے اختیار ہو کر اپنی ساس کے گلے لگ گئی۔

''امی...... امی......'' اس کے پاس ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔

''بس اتنا یاد رکھنا چراغ سے چراغ جلتا ہے آج میں نے تمہیں معاف کیا، کل تم بھی کسی کو معاف کردینا۔ جیسے، جیسے مجھے بھی کسی نے معاف...... کیا تھا۔'' ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلِ رواں جاری تھا اور وہ حیرانی سے انہیں دیکھ کر یہ سوچ رہی تھی کہ اس کی ساس اسے معاف کرنے پر اتنا رو کیوں رہی تھیں۔



خوب صورت آنکھیں

روزی

”آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں...... کاش یہ مجھے مل جائیں۔“ جمال کے منہ سے یہ جملہ نادانستگی میں ادا ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی اس جملے کی ادائیگی پر جھینپ سا گیا تھا جبکہ سائرہ ہونق بنی اسے دیکھ رہی تھی۔ چند گھنٹوں کی شناسائی کے بعد اسے اس جملے کی توقع نہ تھی، وہ بھی چلتی ٹرین میں۔

جمال نے فوراً ادھر اُدھر دیکھا۔ شکر ہوا کہ کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ تاہم یہ حقیقت تھی کہ وہ جو مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہونے کا دعویدار تھا آج عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو کر رہ گیا تھا حالانکہ اس سفر کا آغاز خاصا تلملا دینے والا تھا۔

شام پانچ بجنے میں دس منٹ پر وہ کراچی کینٹ اسٹیشن پر موجود قراقرم ایکسپریس کی دو نمبر بوگی کی باون نمبر سیٹ ڈھونڈتا ہوا پہنچا تو وہاں موجود سیٹ پر دھان

پان سی لڑکی سر جھکائے مزے سے رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ دوسری سیٹ پر ایک ضعیف خاتون موبائل فون پر کسی کو دعاؤں سے نواز رہی تھیں۔

''ایکسکیوزمی...... یہ میری سیٹ ہے۔'' جمال نے لڑکی کو مخاطب کیا...... لڑکی نے سنی ان سنی کر دی۔

''ایکسکیوزمی...... میں آپ سے مخاطب ہوں، یہ میری سیٹ ہے۔'' جمال نے ایک ہاتھ میں تھاما اخبار اس لڑکی کے رسالے پر تھپتھپایا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی جیب سے ٹکٹ نکال کر اس کے سامنے لہرایا۔

لڑکی نے سر اٹھایا اور جمال کی طرف دیکھا۔

بس جمال تو چند لمحے بت بنا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ لڑکی کی صرف شکل صورت ہی بہت پیاری نہیں بلکہ اس کی بڑی، بڑی آنکھیں اس شکل سے کئی گنا زیادہ خوب صورت تھیں۔ ذرا دیر کو جمال کھو سا گیا پھر سنبھل کر بولا۔

''یہ سیٹ میری ہے۔'' لڑکی نے اپنے قریب رکھے بیگ سے دو ٹکٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے۔ سیٹ نمبر باون اور ترپن کے کوپن دیکھ کر وہ چکرا سا گیا۔ اور فوری طور پر ٹرین کے باہر نظر آنے والے ٹکٹ کلیکٹر کی طرف لپکا۔

ٹکٹ کلیکٹر نے اپنا بکنگ چارٹ دیکھا اور جمال کو بتایا کہ اس میں اس کے ٹکٹ کا نمبر چون ہے۔ بکنگ کلرک کی غلطی سے ایک نمبر کی دو سیٹس الاٹ کر دی گئی تھیں۔ وہ جمال سے اور اس لڑکی سے معذرت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور لمبی سی سانس بھر کر اخبار دیکھنے لگا۔

گاڑی نے چلنے کے لیے وسل بجائی۔

''سائرہ بیٹا، پانی کی بوتلیں گھر بھول آئی ہو؟'' اچانک ضعیف خاتون نے کہا۔

جمال اچانک سیٹ سے اٹھا اور باہر کود گیا...... ٹرین رینگنے لگی...... پھر ذرا تیز ہوئی تو جمال ایک دم سے چھلانگ لگا کر اس میں سوار ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کی تین بڑی بوتلیں تھیں۔ اس نے دو بوتلیں ضعیف خاتون کی طرف بڑھا دیں اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ایک بوتل کھول کر غٹا غٹ پانی پینے لگا۔

''میں بھی یہی سوچ کر آیا تھا کہ ریلوے اسٹیشن کے اسٹال سے پانی لے لوں گا لیکن بھول گیا۔'' ضعیف خاتون نے شکریہ کہہ کر وہ بوتلیں لے لیں۔

''بیٹا میں تو سانس کی مریضہ ہوں، پانی کے بغیر مسئلہ ہو جاتا، آپ نے بڑی تکلیف کی...... اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔''

جمال نے صرف مسکرا کر انہیں دیکھا...... اور اخبار کی ورق گردانی کرنے لگا۔

''میں اور میری پوتی سائرہ لاہور جا رہے ہیں، میری پوتی وہاں ایم بی بی ایس کے آخری سال میں ہے، اس کے والد اشفاق احمد بھی ڈاکٹر ہیں۔ ملتان میں ان کا اپنا اسپتال ہے، نیشنل اسپتال، وہاں وہ آنکھوں کے سرجن ہیں، بہت مشہور ہے یہ اسپتال آنکھوں کے امراض کے لیے۔ لوگ دور، دور سے شفا کے لیے آتے ہیں، اشفاق احمد آنکھوں کے مریضوں کی بڑی خدمت کر رہا ہے، ٹرسٹ بنا رکھا ہے اس نے بہت بڑا۔ اللہ اسے خوش رکھے۔ انسانیت کی بڑی خدمت کر رہا ہے وہ۔'' ضعیف خاتون کو شاید باتیں کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک ہی سانس میں وہ سب کچھ بتاتی چلی گئیں پھر رک کر اس سے پوچھا۔

''آپ کہاں جاؤ گے بیٹا۔''

''میں بھی لاہور جا رہا ہوں، بینک میں آفیسر ہوں، ایک کورس کے سلسلے میں کراچی آیا تھا دس دن کے لیے ویسے لاہور میں ہی رہتا ہوں، بڑے بھائی کے ساتھ وہ بھی بینک میں آفیسر ہیں۔'' جمال نے بھی جواب میں بھرپور تعارف کرایا۔ لمبے سفر میں مسافر یونہی آپس میں گھل مل جاتے ہیں۔ جمال اور ضعیف خاتون بھی کافی دیر تک اپنی اور اپنے ملک کے حالاتِ حاضرہ کی باتیں کرتے رہے پھر تھک کر خاموش ہو گئے لیکن سائرہ نے اس دوران ایک لفظ منہ سے نہ نکالا...... لیکن وہ گاہے گاہے نظر بھر کر جمال کو دیکھ رہی تھی جبکہ وہ مسلسل کن انکھیوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

☆☆☆

جمال اور اس کا بھائی کمال طویل محنت مشقت کے بعد ایک اچھے عہدے پر کام کر رہے تھے۔ لاہور کے پوش علاقے میں ان کا گھر تھا۔ اور کمال کا گزشتہ کئی ماہ سے اصرار تھا کہ جمال بھی اب شادی کر لے۔ کمال کی بیوی شائستہ اسے کئی لڑکیاں دکھا چکی تھیں لیکن وہ مسلسل ٹالے جا رہا تھا۔ لیکن ان چند گھنٹوں میں جمال نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شادی کرے گا تو اسی لڑکی سائرہ سے...... چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

روہڑی اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اس نے ٹرین سے اتر کر اپنے بھائی اور بھابی کو موبائل فون کے ذریعے آگاہ بھی کر دیا کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے اور اس نے ٹرین میں ہی ایک لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔

''ارے جمال...... یہ فیصلے اس طرح اچانک نہیں ہوتے، ذرا سوچ سمجھ کر کرنا پڑتے ہیں، بہر حال جیسے تم خوش...... تم لاہور تو پہنچو...... ہم منتظر ہیں تمہاری خوشیوں کے۔'' انہوں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

ٹرین ملتان سے کچھ دور کی مسافت پر تھی...... ضعیف خاتون اپنی سیٹ لمبی کر کے غالباً سو رہی تھی...... جمال نے سائرہ سے رسالہ مانگا اور اخبار اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ جملہ بھی کہہ ڈالا کہ ''آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں کاش یہ مجھے مل جائیں۔''

آنکھوں کی تعریف سے زیادہ اسے اس بات کی تشویش تھی کہ کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں لیکن چاروں طرف دیکھ کر اسے اطمینان ہوا سب مسافر اپنی، اپنی دنیا میں مست تھے۔ سائرہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جمال کو دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

وہ مسکراہٹ ہی شاید جمال کی زندگی کا حاصل تھی اس کا دل ٹرین کی رفتار سے زیادہ تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ فضا میں اُڑ رہا ہے لیکن اچانک ایک زور دار دھماکا ہوا اور سب کچھ ہواؤں میں بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز آ کر گری اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

جمال ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آیا تو اس کی دنیا تاریک ہو چکی تھی وہ دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اس نے ڈاکٹروں کو اپنے بھائی کا فون نمبر دیا چند گھنٹے بعد ہی کمال بھائی اور شائستہ بھابی وہاں پہنچ گئے۔ اسے بتایا گیا کہ ٹرین سامنے سے آنے والی مال گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ اور پہلی تین بوگیاں بری طرح تباہ ہو گئی تھیں۔ ان سمیت دو نمبر بوگی کے بیشتر مسافر شدید زخمی ہوئے اور درجنوں جان کی بازی ہار گئے لیکن ایک ضعیف خاتون کو اللہ میاں نے محفوظ رکھا، وہ زخمیوں کو اسپتال پہنچانے میں رضا کاروں کی مدد کرتی رہیں۔ انہوں نے ہی جمال کو اس اسپتال پہنچایا اور اب نیشنل اسپتال منتقل کرنے کے انتظامات کرنے کے لیے کہا کیونکہ ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ شاید جمال کو آنکھوں کے آپریشن کی ضرورت پڑے۔

ایک قیامت آ کر گزر گئی تھی۔ وہ کئی دن اسپتال میں رہا۔ اور وہ ضعیف خاتون سائرہ کی دادی آج بہت خوش تھیں کیونکہ ان کے بیٹے اشفاق احمد کے اسپتال میں جمال کی آنکھوں کا طویل آپریشن ہوا تھا۔ جمال کی آنکھوں سے پٹی ہٹا دی گئی تو اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی تھی اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے بھائی اور بھابی کو دیکھا پھر سائرہ کی دادی کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر اشفاق احمد نے اسے مبارک باد دی اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''آپ خیریت سے ہیں؟'' جمال نے سائرہ کی دادی کا ہاتھ پکڑا اور ان سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا، میں تو ٹھیک ہوں لیکن سائرہ اب اس دنیا میں نہیں رہی لیکن تم بڑے خوش قسمت ہو، یہ قیامت کا حادثہ میرے بیٹے اشفاق احمد کے اسپتال کے قریب ہی ہوا...... سائرہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی آنکھیں عطیہ کر رکھی تھیں اور میرے بیٹے نے وہ آنکھیں تمہیں لگا دی ہیں۔'' اور جمال حیرت کا بت بنا سائرہ کی دادی کو دیکھتے ہوئے سائرہ کے سامنے ادا کیا گیا اپنا آخری جملہ یاد کر رہا تھا۔

''آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں......''

ناولٹ

من جانبازم

سحر ساجد

پانچواں حصہ

"یہ کیا ہونے جا رہا تھا...... کیا؟" ہنیا شاکڈ ہو کر اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری...... میری غلطی کہ میں تمہیں وہاں لے گیا۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری ...... اوکے......؟" غصے سے بولتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ گاڑی اس کے گھر کے آگے لا کر روکی تھی۔ ہنیا سہمی تھی کچھ اس طرح سے کہ آنسو آنکھوں میں ٹھہر کر ہی رہ گئے تھے۔ ہاتھ میں موجود ٹشو پر گرفت سخت ہوئی، دل میں ابال اٹھا اور گلے میں یکبارگی شدت سے کچھ چبھا مگر آنسو وہیں ٹھہرے رہے، آنکھوں کے اندر ہی وہ باہر نہ آئے تھے۔

"از دیس اوکے......؟" سختی سے پھر پوچھا گیا تھا۔

اس نے شدومد سے سر ہلایا بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ لبریز آنکھوں کے ساتھ۔

"چلیں...... اب مہربانی کر کے گاڑی سے اتر بھی جائیں......" اس کے جبڑے سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ ہنیا نے فوراً مڑ کر دروازہ کھولا مگر ہاتھ ہینڈل سے پھسل، پھسل جاتا تھا۔

حیدر نے ماتھے پر بل لیے اس کی حرکت کو ملاحظہ کیا...... اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا اور جب اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ سانس روک کر سیٹ کے ساتھ پیچھے کو ہو کر چپک گئی تھی۔ یوں جیسے ہاتھ گردن کو





آ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر دونوں ہاتھ واپس اسٹیئرنگ پر جمائے...... وہ سپاٹ چہرہ لیے سامنے دیکھ رہا تھا۔

ہنیا نے اترنے سے پہلے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا...... ابال پھر سے اٹھا مگر...... مگر وہ جلدی سے نیچے اتر گئی تھی۔ اس کے اترتے ہی حیدر نے اس کے دروازہ بند کرنے سے بھی پہلے ہاتھ بڑھا کر زور سے دروازہ بند کیا اور گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور وہ زن سے گاڑی کو اڑا لے گیا تھا۔

''مجھے ڈانٹا...... مجھے......'' ہنیا نے ہونٹوں کو سختی سے دانتوں کے نیچے دبایا مگر اب کی بار سارے ٹھہرے ہوئے آنسو ایک ساتھ پھسل کر گالوں پر آ رہے تھے۔ ایک سسکی حلق سے برآمد ہو کر فضاؤں میں تحلیل ہوگئی...... اس نے مڑ کر اس کی گاڑی کی ریڈ بیک لائٹس کو دیکھا تھا۔ پھر گالوں پر آنے والے آنسوؤں کو ہاتھ میں پکڑے ٹشو پیپر سے صاف کیا۔

چند لمحے وہاں ہی کھڑے ہو کر غبار نکالا پھر چہرے کو اچھی طرح صاف کرتے ہوئے اس نے گیٹ پلر پر نصب بیل بجائی تھی۔ وہ الگ بات کہ گلے میں اب بھی کچھ شدت سے چبھ رہا تھا...... ابال اب بھی اٹھ رہے تھے اور آنسو اب بھی آنکھوں سے باہر آنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

''پاں، پاں......'' گاڑی کے اس مخصوص جانے پہچانے ہارن پہ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔

گاڑی معمول سے زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتی ہوئی اندر آئی تھی، پورچ میں لا کر گاڑی روکنے کے بعد چند لمحے وہ اسٹیئرنگ کو تھامے بیٹھا رہا تھا۔ اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس ہو گیا تھا...... جاب تھوڑی اسٹریس والی تھی جو اوپر سے یہ بھی...... مشکل سے فراغت نصیب ہوا کرتی تھی اور اب......؟ اس نے ایک گہری سانس بھر کر سیٹ بیلٹ کو کھولا۔ اگنیشن سے چابی نکالی...... ڈیش بورڈ سے اپنا سیل فون اٹھا کر جیب میں ڈالا اور...... اور اس کی نظر ٹشوؤں کے اس چھوٹے سے ڈھیر کی طرف گئی تھی۔ لاشعوری طور پر...... بلا ارادہ یوں جیسے ایسے ہی کوئی چیز نظر میں آ جائے اور حیرت کا کرنٹ جیسا جھٹکا اس سے آن چمٹا...... اس نے سرعت سے ڈبے کی طرف دیکھا تھا۔

وہ تقریباً آدھا تو ہو ہی چکا تھا۔

''تو کیا وہ اتنا روتی رہی تھی؟'' حیرت بھرا املال تھا۔

''میں نے دیکھا ہی نہیں...... نوٹس تک نہیں کیا۔ بے وقوف نہ ہو تو......'' بڑبڑاتے ہوئے وہ نیچے اترا تھا۔

''افضل...... افضل......'' ملازم دوڑتا ہوا آیا۔

''گاڑی صاف کروا دو......'' اسے کہتا ہوا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ افضل کو گاڑی صاف کرنے کا کہنا ایسے ہی تھا جیسے بیل کو کہنا...... آ اور مجھے مار...... کیونکہ افضل محض افضل نہیں تھا، اس میں خواتین والی عادات زیادہ پائی جاتی تھیں...... افضل ایک خواجہ سرا تھا۔

افضل کا بائیو ڈیٹا شاید ہی کسی ریکارڈ میں موجود ہو یا پھر شاید کسی کو معلوم ہو...... وہ دس سال کا تھا جب آنٹی جی یعنی کہ حیدر کی ممی سمیعہ نے اسے اپنے کسی جاننے والے کے توسط سے ملازم رکھا تھا۔ اور اب تو خیر سے وہ جوان ہو چکا تھا۔ انسیت کی بنا پر وہ بیگم صاحبہ یا میڈم وغیرہ نہیں بلایا کرتا تھا۔

وہ انہیں آنٹی جی کہا کرتا تھا باتوں کا ماہر...... چال میں عجب خماری تھی...... لہک، لہک کر چلتا تھا، دوپٹا ہر وقت کان کے پیچھے اُڑسا ہوا ہوتا تھا۔ گھر کے مردوں میں سے کوئی ذرا سا غور سے دیکھ لے تو لو جی بس...... افضل پر شرم کا وہ دورہ پڑتا کہ اگلا بندہ اس دورے سے پانی، پانی ہو کر رہ جائے اور خود کو کوسنے پر مجبور پاتا کہ کیا ضرورت تھی اسے غور سے دیکھنے کی اور جناب کن سوئیاں لینے میں ماہر...... چرب زبان...... ہاں البتہ اِدھر کی بات اُدھر تب ہی کیا کرتا تھا کہ جب بات اِدھر اُدھر کرنے والی ہو تو...... ہر بات کو وہ اس قابل کہاں سمجھتا تھا کہ اِدھر سے اُدھر کی جا سکے۔

تو ایسے کسی ''افضل'' کو گاڑی صاف کرنے یا کرانے کا کہہ دیا جائے تو کیا ہوتا...... کیا ہوسکتا تھا؟ افضل نے دروازہ کھولا اور گاڑی کا معائنہ کیا کہ گاڑی کو کہاں سے صفائی کی ضرورت تھی۔ اور جب اس کی نظریں اس چھوٹے سے ڈھیر پر پڑیں جو کہ فرنٹ سیٹ کے پیروں والی جگہ پر ذرا سی بکھری شکل میں موجود تھا تو......

''ہائے اللہ اتنے ٹشو......'' کمر پر ایک ہاتھ ٹکا کر دوسرے ہاتھ کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اس نے آنکھیں اپنی وسعت سے بھی زیادہ پھیلانی چاہی تھیں جو ظاہر ہے کہ نہیں پھیل سکیں......اور پھر وہ سوچنے لگا کہ یہ بات اِدھر سے اُدھر کی جانی چاہیے؟ کہ نہیں کی جانی چاہیے؟ یقیناً کی جانی چاہیے......اس لائق ہی تو تھی یہ بات......

''کیپٹن صاحب، ہنیا بی بی کے ساتھ گئے تھے اور پتا نہیں اتنے ٹشو کہاں سے آگئے......'' گڑبڑ تھی اور وہ بھی شدید......

''آنٹی جی...... آنٹی جی......'' گاڑی کا دروازہ یونہی کھلا چھوڑ کر وہ وہیں سے بولتا ہوا اندر کی طرف گیا تھا۔

''افضل کتنی دفعہ کہا ہے کہ آنٹی نہیں آنٹی ہوتا ہے۔'' سمیعہ جی بھر کر بدمزہ ہو کر بولی تھیں۔ ان کا تو ٹوکنا فرض تھا کہ اور یہ آج سے تو نہیں تب سے ہو رہا تھا کہ جب وہ دس سال کا تھا۔ اتنے سال گزر گئے مگر اس کا آنٹی، آنٹی میں نہیں بدلا تھا۔

''وہ آنٹی جی، کیپٹن صاحب کی گاڑی میں......'' انداز اتنا خطرناک کہ جانتے بوجھتے بھی سمیعہ ہول اٹھیں۔

''کیا......کیا ہے حیدر کی گاڑی میں؟''

''اوہ ہو...... آپ چلیں تو سہی......'' وہ بلاوجہ جھنجلایا۔ گن کر ایک ہفتہ ہوا تھا منگنی کو اور گاڑی سے برآمدات بھی شروع ہوگئیں۔

وہ افضل کو جانتی تھیں مگر پھر بھی پریشانی بے ساختہ تھی۔ اس کا انداز ہی ایسا تھا اور اب منظر یہ تھا کہ افضل اپنی وہی مخصوص ٹھمکوں والی چال چلتا آگے، آگے تھا جبکہ پیچھے، پیچھے سمیعہ تھیں...... پریشانی پر قابو پاتی ہوئی اور اسی کوشش میں مزید پریشان ہوتی نظر آتیں۔

''یہ دیکھیں......'' اس نے بڑے فخر سے ہاتھ اس چھوٹے بکھرے ڈھیر کی جانب کر کے کہا تھا۔

اور سمیعہ نے حتی الامکان بُری سے بری چیز کا سوچ لیا تھا۔ اور جب تھوک نگلتے ہوئے انہوں نے گاڑی کے اندر جھانکا تو یک دم ٹھس......

کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا بھی نہیں......انہوں نے مڑ کر سخت نظروں سے افضل کو گھورا۔

''اس میں دکھانے والی کون سی بات تھی؟'' تیز لہجہ......

''کیپٹن صاحب ... ہنیا بی بی کے ساتھ گئے تھے۔'' وہ ذرا سا جو شرمسار نظر آیا ہو۔

''تو......؟''

''تو یقیناً انہوں نے ہنیا بی بی کو ڈانٹا ہوگا جبھی تو انہوں نے رو، رو کر......'' راز دارانہ انداز میں کہتے، کہتے افضل نے دونوں بھویں اچکا کر اس ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

مان لیا بھئی...... افضل کی بات چھنکنے والی نہیں ہوتی تھی۔

''ممی کیا ہوا؟'' سمیعہ ابھی شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھیں کہ منزہ آگئی...... وہ بھی یقیناً افضل کا آنٹی جی، آنٹی جی سن کر کمرے سے باہر آئی تھی اور اب داخلی دروازے کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''اِدھر آؤ منزہ......''

منزہ کچھ سنجیدگی سے داخلی دروازے کے اسٹیپس اتر کر پورچ میں آئی۔

''اتنے ٹشو؟'' کسی کے بھی بولنے سے پہلے وہ خود ہی بول اٹھی تھی۔

اور پھر ہوگئی شروع ساس، بہو میں کھسر پھسر......

حیدر کیا سمجھا تھا کہ معاملہ بس اِدھر ہی ختم تھا۔ گاڑی صاف کرنے کا بول دیا تھا...... اور بس...... لیکن یہی کام اگر کسی ''افضل'' کو کہہ دیا جائے تو معاملہ ختم نہیں ہوتا۔ یہ پھر بڑھتا ہے اور بڑھ کر کہاں تک جاتا ہے۔

اس کا اندازہ اسے اچھی طرح سے ہونے والا تھا۔

☆☆☆

چہرہ بری طرح سے تپ رہا تھا...... آنکھوں کی چبھن شدید تھی...... سر الگ دُکھ رہا تھا۔ تب سے اب تک رونے کا کام ہی جو سرانجام دیا گیا تھا۔

امی کو آتے ہی کہہ دیا تھا کہ میں کمرے میں آرام کرنے جا رہی ہوں...... وہ کچن میں تھیں، ہنیا نے باہر سے آواز لگا کر کہا تھا اور انہوں نے اچھا کہہ دیا...... وہیں سے...... بات سنبھل گئی۔

ورنہ اس سے کچھ بعید نہیں تھی...... امی کے گلے لگ کر رو پڑتی اور شکایت جڑ دیتی کہ حیدر نے ڈانٹا...... یہ ہوتا اور ضرور ہوتا اگر امی سامنے ہوتیں...... سو تب سے وہ کمرے میں پڑی تھی...... روتی چپ ہوتی اور پھر سے رونے لگتی اور اب تو بیڈ پر چت لیٹے سر پر گھومنے والے پنکھے کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک سیل فون کی برنگ سنائی دی تھی۔ اس نے فوراً ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

''حیدر...... حیدر کی کال؟ تو اسے خیال آ ہی گیا۔'' وہ خوش فہم تھی۔

سیل فون بجتا رہا، وہ پنکھے کو گھورتی رہی اور پھر فون کی اسکرین نے بلنک کرنا بند کر دیا...... کمرا پھر سکوت میں ڈوب گیا...... اور ساتھ میں اس کا دل بھی...... ضروری تھا نخرہ دکھانا، کیا تھا جو اٹھا لیتی...... پچھتائی تھی وہ۔ اور اِدھر فون کے دوسری طرف سمیعہ نے تشویش بھری نظروں سے منزہ کو دیکھا۔

''لگتا ہے سخت جھگڑا ہوا ہے دونوں کا...... میرا فون بھی نہیں پک کیا ہنیا نے...... اِدھر وہ بھی تو تب سے کمرے میں بند پڑا ہے۔''

''وہ سو رہا ہے ممی...... وہ بھی گدھے، گھوڑے بیچ کر......'' منزہ، سمیعہ کے جتنی پریشان نہیں تھی۔ اس کے انداز میں بیزاری زیادہ تھی۔

''ایک دفعہ پھر ٹرائی کروں؟''

''ممی آپ کیوں ان دونوں کے معاملے میں پڑ رہی ہیں، بچے نہیں ہیں خود ہی sort out کر لیں گے۔''

''وہ جو اندر سو رہا ہے ناں...... وہ بچہ تو نہیں ہے مگر دماغ سے خالی ہے...... پتا نہیں بچی کو کیا کہہ دیا جو اس نے رو، رو کر برا حال کر لیا...... بات اس کے ماں، باپ تک گئی تو کتنی سبکی ہوگی...... اندازہ ہے تمہیں؟'' اس جواب پر منزہ لمحہ بھر کو چپ ہوئی تھی۔

اور اسی چپ کا فائدہ اٹھا کر سمیعہ نے دوبارہ فون ملایا تھا۔

تب تک وہ پچھتا کر مایوسی سے تکیے پر سر گرا کر گھومتے پنکھے کو پھر سے دیکھنے میں مشغول ہو چکی تھی۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ کال کس کی تھی...... فون نے جب دوبارہ رنگ کیا تو ایک جھپٹا مار کر اس نے سیل اٹھایا تھا...... آنکھوں کے سامنے کیا تو......

''سمیعہ آنٹی کالنگ'' کے الفاظ منہ چڑا رہے تھے۔ وہ ڈھے سی گئی پھر اس نے گلا کھنکھار کر صاف کیا۔

''السلام علیکم آنٹی......!'' مصنوعی بشاشت طاری کرنے کی ایک بھدی کوشش...... اور آنٹی نے بھانپ لیا۔

''وعلیکم السلام ہنیا، بیٹا کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں آنٹی......'' گلا پھر سے کھنکھارا گیا اس پیار بھری آواز کو سن کر اچانک پھر سے گلے میں کچھ چبھنے لگا تھا۔

''بیٹا...... آپ اگر برا نہ سمجھو تو میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی۔''

''جی آنٹی......! آپ کچھ بھی پوچھ سکتی ہیں...... برا کیوں مناؤں گی میں...... آہم...... آہم......'' پھر سے گلا صاف کیا گیا۔

''حیدر اور تمہارا جھگڑا ہوا تھا...... آج کسی بات پر؟'' احتیاط سے الفاظ رک، رک کر ادا کیے گئے۔ اور دوسری طرف اسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ یکلخت خموشی چھا گئی۔

''ح...... حید...... حیدر نے کچھ کہا؟'' حتی الامکان کوشش کی گئی کہ آواز بھرا نہ جائے۔

''نہیں، نہیں بیٹا، اس نے تو کچھ نہیں کہا بس مجھے...... وہ......'' اب اس سے آگے سمیعہ کو سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ کیا کہیں؟ کیا یہ کہیں کہ گاڑی سے اتنے سارے ٹشو برآمد ہوئے تو ہم کھٹک گئے؟ انہوں نے اشارے سے منزہ سے پوچھا۔

اور منزہ...... اس نے تیوری چڑھا کر ذرا سا جھنجلاتے ہوئے ساس کے ہاتھ سے فون لیا تھا۔

''ہنیا......!''

''جی منزہ بھابی......!''

''حیدر نے تمہیں آج ڈانٹا ہے؟'' اور بس یہ پوچھنے کی دیر تھی جواباً منزہ بھابی کو شوں، شوں کی آواز سنائی دی تھی۔

''اس نے تمہیں ڈانٹا......؟'' تصدیق چاہی گئی۔

''جی...... ڈانٹا ہے، وہ بھی بری طرح سے...... گھر کے باہر ہی اتار گئے...... اندر بھی نہیں آئے...... امی سے ملے تک نہیں......'' وہ دو لفظ ادا کرتی شوں، شوں کرتی یا پھر حلق سے نیچے آنسو اتارتی اور پھر اگلے دو لفظ ادا ہوتے۔

منزہ کا رنگ فق ہوا تھا۔

''آنٹی کو پتا ہے؟'' بے حد احتیاط سے اس نے پوچھا۔

''نہیں...... امی کو نہیں پتا۔''

''اور تم تب سے رو رہی ہو۔''

اور اس سوال کا بھی جواب نہیں آیا تھا۔

بس شوں، شوں اور سسکیوں کی آواز آئی تھی۔

''کس وجہ سے ڈانٹا تھا؟'' اور ہنیا نے اسی طرح سے دو، دو لفظ ادا کرتے ہوئے ساری کہانی سنائی تھی۔

تب تک منزہ اسپیکر آن کر چکی تھی۔ سمیعہ نے اس کی دردناک داستان بلا مبالغہ دل پر ہاتھ رکھ کر سنی تھی۔ اور پھر دونوں کو اچھی طرح سے سمجھ میں آ گیا تھا کہ ٹشوؤں کا وہ چھوٹا سا ڈھیر کیسے وجود میں آیا تھا۔

فون بند کر کے منزہ نے ایک گہری سانس بھر کر ساس کو دیکھا جیسے کہتی ہو اب......؟''

''جب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ہنیا شوٹنگ سے خوفزدہ ہے تو پھر وہ کیوں اپنی بہادری دکھانے پر تلا رہا؟ یہ فوجی بھی ناں...... دماغ سے خالی ہی ہوتے ہیں...... حیدر کو یقیناً یہ بات مضحکہ خیز لگی ہوگی...... لیکن اس کے جذبات کو تو سمجھتا، اس بیچاری نے تو گن کبھی دیکھی بھی نہیں ہوگی...... اور جہاں تک میرا خیال ہے ان کے گھر میں security purpose کے لیے بھی کوئی اسلحہ موجود نہیں ہوگا...... لیکن یہ کھڑوس فوجی...... جو یہاں سما جائے بس وہ ہی کرنا ہے۔'' وہ کنپٹی پر انگلی بجاتے ہوئے بولیں۔ سمیعہ کو رہ، رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

''ممی پلیز اتنی بڑی بات تو نہیں ہے، ہنیا نے ہی زیادہ سیریس لے لیا ہے۔'' منزہ کے ساتھ بھی حیدر والا ہی معاملہ تھا۔

''منزہ...... وہ تمہاری طرح کسی کرنل، بریگیڈیر کی بیٹی نہیں ہے جو اِن چیزوں کی عادی ہو...... اور سویلینز عام طور پر ایسی چیزوں سے used to نہیں ہوتے...... اس گدھے کو سمجھنا چاہیے تھا۔'' سمیعہ کا پارہ نیچے آ ہی نہیں رہا تھا۔ انہیں اصل غصہ حیدر کی بد اخلاقی پہ تھا۔

''آنے دو کرنل صاحب کو اسے تو میں تب ہی دیکھوں گی۔'' وہ اِک ارادے سے بولی تھیں۔

''اوہ گاڈ......'' منزہ کا منہ کھلا اور پھر بے ساختہ نفی میں سر ہلا کر وہ بولی تھی۔

☆☆☆

''السلام علیکم......'' اس نے حسبِ عادت پیچھے سے آ کر دونوں بازو ماں کے گلے میں ڈال کر جھک کر ان کا گال چوما تھا۔

شام کے کھانے کا وقت تھا اور وہ سب ڈائننگ ٹیبل پہ موجود تھے۔

اس کے سلام کا جواب...... سرد مہری سے آیا تھا۔

اسے اچنبھا ہوا...... یہ ممی کا اسٹائل نہیں تھا۔ حیدر نے نظریں کرسیوں پر بیٹھے افراد پر دوڑائیں...... پاپا تو خیر سنجیدہ ہی ہوتے تھے۔

ممی کچھ ناراض سی لگ رہی تھیں...... کیوں؟ سمجھ

سے باہر تھا اور منزہ بھابی...... خلاف توقع خاموش......

''کیا ہوا ہے...... سب اتنے خاموش کیوں ہیں؟''
وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ اپنے سامنے رکھی پلیٹ میں چاول نکالے اور ایک سائڈ پر سلاد ڈالا۔

اور جب پہلا نوالہ لے کر اس نے حاضرین کو دیکھا تو یک دم اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی بات کا جواب نہیں دیا گیا تھا۔ منہ چلنے کی رفتار ذرا کم ہوئی...... پُرسوچ انداز میں اس نے دوسرا نوالہ لیا...... اِک واضح ناگوار سی خموشی تھی وہاں...... چند لمحے سر جھکا کر نوالہ چباتا رہا اور پھر یک دم اس نے چمچ اور فورک ہاتھ سے چھوڑا تھا۔

''یقیناً میں نے ہی کچھ کیا ہوگا؟'' ماتھے پر تیوری ڈالے اس نے تنک کر پوچھا تھا۔

حیدر کے اس سوال پر سمیعہ نے کرنل صاحب کو دیکھا۔
کرنل صاحب نے اِک گہری سانس بھر کر نیپکن اٹھایا...... منہ صاف کیا اور اسے ٹیبل پہ تقریباً پٹختے ہوئے بولے۔

''جی...... آپ نے ہی کیا ہے۔''
''کیا؟'' اس نے کندھے اچکا کر پوچھا۔
انداز میں حیرت نمایاں تھی۔
''ہنیا کو کیا کہا تم نے آج؟''
''واٹ......؟ اس نے آپ سے شکایت لگائی؟'' انداز سنجیدہ تھا...... ماتھے کے بل اور گہرے ہو چکے تھے۔
''نہیں......''
''تو؟''

''اس سے فرق نہیں پڑتا کہ بات ہم تک کیسے پہنچی حیدر...... تمہیں اس طرح سے بچی کے ساتھ بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ So rude Haider''
''مجھے غصہ آگیا تھا پاپا...... بچوں جیسا بی ہیو کر رہی تھی وہ......''

''یہ ہی...... یہ ہی بات exactly یہ ہی بات میں نے تم سے کہی تھی تو تمہیں برا لگا تھا۔''

اور وہ یک دم ٹھنڈا پڑا۔
''تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا حیدر...... میں تمہارے پوائنٹ آف ویو کو سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن یہاں تمہیں اسے اپنی بات نہیں سمجھانی بلکہ اس کی بات سمجھنی پڑے گی۔ تمہیں اس کے لیول پر آنا پڑے گا ورنہ وائز...... روز ٹشو کا ایک پہاڑ گاڑی سے نکلتا رہے گا اور تم اسی طرح سے ڈانٹ کھاتے رہو گے۔''
''افضل......'' اور حیدر نے بے اختیار دانت پیسے تھے۔ (گاڑی اور ٹشو کا سن کر)
''اپنے سرکل کی کسی لڑکی کو چوز کرتے تو یقیناً ایسا نہیں ہوتا...... وہ لوگ ہمارے سرکل کے ہیں نہ ریلیٹوز، نزاکتوں کا خیال کرنا پڑتا ہے، بہر حال تم سمجھ گئے ہو کہ نہیں۔''
''جی سمجھ گیا۔'' بیزار سے انداز میں نیچی آواز میں کہا تھا۔
''چلو کھانا کھاؤ۔'' انہوں نے سر ہلایا اور کہا۔
پاپا کے کہنے پر وہ پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
مگر موڈ......؟ وہ سخت خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اس نے سب کے اپنے، اپنے کمرے میں جانے کا انتظار کیا اور پھر جیسے ہی منزہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تو وہ کوئی بھی آواز پیدا کیے بغیر اپنے کمرے سے باہر آیا تھا۔ یہ ایک کنال پر مشتمل گھر تھا۔ جس کے آگے کی طرف لان تھا جبکہ پیچھے دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ ہی سرونٹ کوارٹرز تھے...... ایک چوکیدار کا اور دوسرا...... دوسرا افضل کا...... چوکیدار تو اس وقت گیٹ پر تھا۔ افضل یعنی کہ اکیلا تھا۔ اس کے کوارٹر کی لائٹ جل رہی تھی مگر دروازہ بند تھا۔
''افضل......'' اس نے اونچی آواز میں پکارا تھا۔
''کیپٹن صاحب...... اس وقت؟'' اندر افضل پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔
''اللہ خیر کرے......'' سینے پر ہاتھ رکھ کر وہ اٹھا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

اور کیپٹن صاحب نے اسے ایک دھکا دے کر اتنی ہی تیزی کے ساتھ پیچھے گرایا۔ دروازے کو پاؤں کی ٹھوکر سے بند کیا...... اور سیدھا پستول اس پر تان لی۔ افضل کی اِک خالص زنانہ سی چیخ...... جو اس کے حلق سے برآمد ہونا ہی تھی وہیں کہیں اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔ وہ غش کھا کر گرنے کو بے تاب مگر......

''سیدھے کھڑے رہو......'' کی آواز پر سیدھا ہی کھڑا رہا۔ کیپٹن صاحب نے اس کے گھٹنے پر ٹھوکر رسید کی۔

''ہائے......اوئی......'' وہ گھٹنا پکڑ کر دُہرا ہوا۔

''گاڑی صاف کرنے کا بولا تھا...... اشتہار لگانے کو نہیں......'' دوسری ضرب دوسرے گھٹنے پر لگائی گئی۔

''خبردار جو آواز نکلی......ورنہ......'' اس نے گن عین اس کی کنپٹی پر رکھ دی تھی۔

اور افضل کی حالت تو پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ گھگی بندھ گئی تھی۔

''معاف کر دیں کیپٹن صاحب...... معافی دے دیں...... غلطی ہو گئی۔''

''ایسے تو نہیں بیٹا...... معافی یوں ہی نہیں ملا کرتی چلو شاباش...... سیدھے کھڑے ہو جاؤ......'' حیدر مڑ کر وہاں موجود کرسی تک گیا اور ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں افضل تن کر کھڑا ہو چکا تھا۔

حیدر نے انگلی سے اسے اوپر نیچے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا یعنی کہ sit ups...... افضل کے چہرے کے تاثرات بگڑے اور وہ رو ہی دینا چاہتا تھا کہ......

''خبردار...... منہ سیدھا...... اسٹارٹ......'' خالص فوجی کرخت انداز میں کہا گیا تھا۔ وہ سہم کر سیدھا ہوا اور اٹھک بیٹھک شروع ہو گئی تھی۔

''کان پکڑو......'' اسی کرخت آواز میں کہتے ہوئے وہ اپنی پستول کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

صورت حال اب یہ تھی کہ افضل کی نظریں پستول پر تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے کان پکڑے sit ups کر رہا تھا اور جیسے ہی وہ ذرا سا سست پڑتا حیدر نشانہ چیک کرنے کے لیے گن کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سیدھا افضل کی طرف تان کر ایک آنکھ بند کر کے نشانہ دیکھتا......

افضل جو کہ اب ہانپ رہا تھا...... ہڑبڑاتا تھا اور پھر سے الرٹ ہو کر sit ups شروع کر دیتا۔

''معاف کر دیں...... حیدر بھائی معاف کر دیں۔'' وہ ایک دم حیدر کے قدموں میں گر پڑا تھا۔

''آئندہ آپ کی گاڑی سے ہاتھی بھی نکلا تو میری ماں مرے جو کسی کو بتاؤں۔'' اب یہ الگ بات کہ افضل کو خود اپنی ماں کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔

''پکی بات ہے؟'' حیدر چند لمحے اسے شک بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جی...... جی حیدر بھائی...... بالکل اصلی اور سچی بات......''

''اور اگر کل کو گاڑی سے واقعی ہی میں ہاتھی نکل آیا تو......؟''

افضل نے فوراً انگلی ہونٹوں پر رکھی تھی۔

''ویل......'' حیدر کرسی سے اٹھا۔ ''مان لیتا ہوں تمہاری بات...... مگر اب یہ دوبارہ ہوا تو......''

''حیدر بھائی! کہا ناں میری ماں مرے جو میں یہ غلطی کروں......'' وہ اب کہ روتے ہوئے بولا تھا۔

''گڈ......اور ممی......؟''

جواباً افضل نے زور شور سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ مطمئن ہو کر دروازے کی طرف مڑا......

مگر دروازے تک جاتے، جاتے پھر سے چہرے کے اطمینان بخش تاثرات چھنٹنے لگے تھے۔ دروازے کا پٹ کھول کر یک دم اس نے مڑ کر تیز اور شک بھری نظروں سے افضل کو دیکھا...... اب کہ افضل نے جواب میں کچھ کہا نہیں تھا...... بس شکل پہ از حد بیچارگی طاری کرتے ہوئے روتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

اس نے سر ہلایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''خبیث کہیں کا......'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا تھا۔

اتنا کچھ افضل کے ساتھ کر لینے کے بعد بھی غصہ

ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ ماتھے پر بل لیے وہ اندر کی طرف جا رہا تھا اور اس کی پشت پر موجود کوارٹر میں افضل... بہ مشکل گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا اور کراہتے ہوئے بستر پر گرا تھا۔

''ہائے...... اوئی...... ہائے امی جی......''

کراہتے ہوئے اس کے منہ سے یہ ہی آوازیں نکل رہی تھیں...... لیکن وہ آواز بھی اس احتیاط سے نکالتا تھا کہ باہر کسی تک نہ پہنچ سکے...... وہ تھوڑی تھی؟ جو ہو چکی تھی۔ مزید بھگتنے کی ہمت کس میں تھی۔

سارا قصور ہی ہنیا بی بی کا تھا جنہوں نے اتنے ٹشو گرائے تھے...... نہ وہ ٹشو گراتیں...... نہ بات اِدھر سے اُدھر ہوتی پر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ہاں وہ رو سکتا تھا، کراہ سکتا تھا اور ایک خالص زنانہ سی ہائے منہ سے نکال سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اور بھلا چاہیے بھی کیا؟ اور اس سے زیادہ کی تمنا تھی بھی کس کو؟

☆☆☆

''میرا اور حیدر کا جھگڑا ہو گیا ہے۔''

''یا اللہ...... جھگڑا بھی ہو گیا؟'' ثنا کو حیران ہونا نہیں چاہیے تھا کہ بات کہنے والی ہنیا تھی...... مگر یہ بالکل بے ساختہ ہوا تھا۔

''ہاں......'' اس کی افسردگی ملاحظہ کیے جانے کے لائق تھی۔

''مجھے ہی خواہ مخواہ میں رونا آ گیا تھا۔'' چہرے پر پچھتاوا صاف نظر آ رہا تھا۔

''as usual'' ثنا نے باؤل سے چپس اٹھا کر کھاتے ہوئے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔ ہنیا نے اسے گھورا۔

''اب کیا کروں؟''

''منگیتر تمہارا اور بتاؤں میں کہ تمہیں اب کیا کرنا چاہیے۔'' وہ اسی طرح بھرے منہ کے ساتھ چپس کھاتے ہوئے بولی تھی۔

''اس دن وہ اتنا رُوڈ ہو گیا تھا...... اتنی سختی سے بولا تھا مجھ سے ثنا...... پر مجھے اب ڈر لگ رہا ہے۔''

''فوجی تو پھر ایسے ہی ہوتے ہیں اور تم بھول گئیں کہ پہلے تمہیں ان کی یہی سختی تو اچھی لگا کرتی تھی۔ اب جب سہنی پڑی تو آنسو نکل آئے بھگتو اب بیٹا۔''

ہنیا لاجواب ہوئی تھی اور پھر اٹھا کر کشن ثنا کو دے مارا۔

''کسی کام کی نہیں ہو تم۔'' ثنا پر ذرا جو اثر ہوا ہو...... اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے اور پھر سے چپس کھانا شروع ہو گئی تھی۔

☆☆☆

دو دن سے کانٹیکٹ نہیں ہوا تھا حیدر سے...... بے چینی دل کو کھا چکی تھی...... خود سے کال کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اور جب ہمت ہوئی تو......

''آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کیجیے شکریہ۔''

اور اسے پھر سے خواہ مخواہ میں ہی رونا آ گیا تھا۔

''تو ہنیا...... ناٹ اگین...... گراؤن اپ ناؤ......''

نم آواز میں کہتے ہوئے اس نے all is well کے انداز میں اپنے سینے کو تھپکا...... ہونٹوں پر زبان پھیر کر حلق سے کچھ نیچے اتارا...... کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگاتے ہوئے خود کو کمپوز کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرے...... کبھی اسے غصہ آتا کہ حیدر کو ہی سوری کر لینا چاہیے اور کبھی وہ خود کو قصوروار سمجھتی۔

''منزہ بھابی......'' یک دم ایک روشنی کا جھماکا ہوا...... اس نے تیزی سے منزہ کا نمبر ملایا تھا۔

''ہائے ہنیا......'' ان کی چہکتی ہوئی آواز سننے کو ملی تھی۔

''کیسی ہیں آپ بھابی......؟''

''میں ٹھیک ہوں، تم کدھر غائب ہو یار...... نہ فون...... نہ میسج......''

''وہ...... بس ایسے ہی''

''حیدر سے بات ہوئی تمہاری؟'' منزہ نے مشکل تھوڑی آسان کر دی تھی۔

''نہیں، دو دن سے کوئی کانٹیکٹ نہیں......''

''ہاں...... وہ آؤٹ آف سٹی ہے۔ آج آئے گا، میں سمجھی تم سے کانٹیکٹ کیا ہوگا...... اِدھر تو جب وہاں پہنچا تھا تب ہی اطلاع کی تھی اس نے...... اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا۔'' بے اختیار ہنیا نے آنکھیں بند کر کے ایک سکون بھری سانس خارج کی تھی۔

''وہ آج ہی آئے گا۔''

''ہے تو کنفرم ہی...... بتا کر تو یہ ہی گیا تھا۔''

''او کے...... آپ کیا کر رہی تھیں؟''

''کیک بیک کرنے لگی ہوں۔''

''میں ہیلپ کے لیے آؤں؟''

''ارے نہیں تم......'' اور پھر وہ یک دم رک سی گئی۔ ہنیا کا مسکراتا لہجہ کچھ کہتا سا تھا۔

ہنیا فون کے دوسری طرف جواب کی منتظر تھی اور پھر اس نے منزہ کی ہنسی سنی۔

''ہاں، آؤ، آجاؤ...... تمہارے بغیر بھلا کیک کیسے بیک ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر آپ انتظار کریں...... میں ابھی آئی۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا...... اپنے حلیے پہ ایک نظر ڈالی...... بس ٹھیک ہی تھا...... اور اس وقت اسے حلیے کی فکر نہیں تھی...... اسے بس وہاں پہنچنا تھا۔

''امی، میں سمیعہ آنٹی کی طرف جا رہی ہوں۔'' کمرے سے باہر نکل کر اس نے مصروف سے انداز میں اطلاع دی تھی۔

''اچھا جلدی آجانا...... تمہارے ابو کھانے پر انتظار کریں گے۔''

''اب اگر سمیعہ آنٹی نے کھانے پر روک لیا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' اس نے لاچاری ظاہر کی۔

''ٹھیک ہے، گاڑی احتیاط سے ڈرائیو کرنا۔'' اسے تنبیہ کرتے ہوئے ان کی نظر اس کے حلیے پر پڑی تھی۔

''تم اس حلیے میں جاؤ گی؟'' وہ ذرا سی حیران ہوئیں۔ ہنیا اس معاملے میں کافی کانشس تھی۔

''ذرا جلدی ہے...... او کے، اللہ حافظ......''

''اللہ حافظ......'' پھر انہوں نے زیرِ لب آیت الکرسی پڑھ کر اس پر پھونکی تھی۔

☆☆☆

زندگی لمحوں سے مل کر بنتی ہے اور یہ لمحہ جب آپ کی زندگی میں آتا ہے، جب آپ اس لمحے سے گزر رہے ہوتے ہیں تو وہ لمحہ سانس لیتا ہے، زندہ ہوتا ہے، دھڑکتا ہے۔ اور جیسے ہی لمحہ گزر جاتا ہے وہ مرتا نہیں...... بس پتھر ہو جاتا ہے۔ اور آپ کا ماضی انہی پتھروں سے تعمیر ہوتا ہے...... ماضی کی عمارت انہی پتھروں سے مل کر ہی تو کھڑی ہوتی ہے...... وہ پتھر کہ جن پر زندگی وقت کی ساعت میں مقید ہو کر نقش ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور نقش خوب صورت، تلخ، اداس، خوشگوار، بھدّے، تکلیف دہ سبھی طرح کے ہوتے ہیں......

تو اس کی زندگی میں بھی ایک لمحہ پتھر ہو چکا تھا۔ اور اس پتھر پر ابھرنے والے...... ثبت ہوئے نقوش اتنے دل کش...... اتنے حسین تھے کہ ہر وقت وہ لمحہ آنکھوں کے نیچے پلکوں کے پار گویا زندہ رہا کرتا تھا۔

وہ ہی لمحہ جب حیدر نے اسے رنگ پہنائی تھی۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ذرا پھیلایا اور پھر نظر تیسری انگلی پر جا رکی تھی کہ جس میں ایک رنگ جگمگا رہی تھی۔

اس نے آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ نظر ہٹائی اور گاڑی فلاور شاپ کے آگے روک دی تھی۔

پھولوں سے بڑھ کر نہ کوئی اظہار خوب صورت نہ کوئی بات دلنشین اور پھول بھی بھلا کون سے...... سرخ گلاب...... ریت بھی...... رواج بھی اور مسنون طریقہ بھی......

☆☆☆

ہنیا چور قدموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ وہ آچکا ہے یا نہیں...... وہ...... سرپرائز دینا چاہ رہی تھی سامنے بڑا سا ہال تھا اور ہال کے دائیں طرف اوپن کچن...... اسے وہیں پہ منزہ کھڑی نظر آئی۔ اس کی پشت ہنیا کی طرف تھی ہال میں اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے کچھ اطمینان سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

آواز پر منزہ متوجہ ہوئی اور اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اس نے اشارے سے کچھ پوچھا۔

منزہ نے جواباً حیدر کے کمرے کی طرف اشارہ کیا تھا یعنی کہ وہ آچکا تھا۔ ہنیا مسکراتے ہوئے پھولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

''تم یہاں کیک بیک کرنے آئی ہو یاد رکھنا.....'' منزہ نے یک دم اونچی آواز میں کہا تھا۔

وہ مڑی اور خشمگیں نظروں سے منزہ کو گھورا اور پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا..... منزہ سر جھٹک کر ہنستے ہوئے پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے دل کی دھڑکن کو سنبھالنا چاہا مگر..... خیر اسی دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے دستک دی تھی۔

''آجائیں.....'' اندر سے آواز آئی۔ اور اس نے آنکھیں بند کر کے آواز کو سماعتوں میں منتقل ہوتے ہوئے محسوس کیا..... وہ محض آواز نہیں تھی..... وہ سکون کا دوسرا نام تھی، اس نے باقی سارے جذبات کافور ہوتے محسوس کیے..... وہاں بس اب محبت تھی صرف محبت..... اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے گھمایا۔ دروازہ کھلنے پر عین سامنے ایک کھڑکی نظر آئی تھی اور کھڑکی کے باہر سبزہ..... اور اندر ایک کمپیوٹر ٹیبل نظر آرہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھا تھا..... لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔

بلی کیا چال چلتی ہوگی..... جس چال سے ہنیا نے اس وقت حرکت کی تھی اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے لیپ ٹاپ کے عین اوپر بو کے رکھ دیا تھا۔

وہ زبردست طریقے سے چونکا اور سرعت سے مڑ کر ہاتھ والی کو دیکھا..... اور.....؟

اور وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ آنکھوں میں یکبارگی ایک تاثر ابھرا اور ابھر کر پورے چہرے پر پھیل گیا۔

نظروں کے سامنے وہ 'چہرہ' تھا۔ کسی بات کی ضرورت اب بھلا کہاں رہی تھی؟

''السلام علیکم.....!'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''وعلیکم السلام.....!'' ٹھہرا ہوا جواب۔

''ناراض تھے؟''

''کیوں.....؟'' اچنبھے سے بولا گیا۔

وہ دو دن..... دو دن سے اس بات کو لے کر ہلکان ہوتی رہی تھی اور یہاں پوچھا جارہا تھا..... ''کیوں.....؟'' اس نے حیرت سے حیدر کو دیکھا یہ جانچنے کے لیے کہ آیا واقعی اسے یاد نہیں تھا۔

''وہ آنٹی نے مجھ سے اس دن فون پر پوچھا تھا..... میں نے بتادیا..... منزہ بھابی کہہ رہی تھیں کہ آپ کو ڈانٹ پڑی ہے، میں سمجھی اسی لیے آپ ناراض ہیں جو دو دن سے رابطہ نہیں ہوا۔''

بات کرنے کے دوران اس نے بوکے اٹھا کر ادھ کھلی کلیاں نکالنی شروع کردی تھیں پھر ان ساری ادھ کھلی کلیوں کو اٹھا کر ہاتھ میں پکڑے، پکڑے بیڈ کی سائڈ ٹیبل تک آئی تھی۔

''ہنیا میں اب تم سے ناراض ہوں گا؟ وہ بھی محض چھوٹی، چھوٹی باتوں پر.....؟'' رخ موڑ کر وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ اب سائڈ ٹیبل پر پڑے گلدان سے مصنوعی پھول نکال کر گلاب کی کلیاں لگارہی تھیں۔

اس بات پر ہنیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پلک جھپکے بنا وہ اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا۔

''غصہ کرسکتا ہوں، ڈانٹ سکتا ہوں..... جھگڑا ہوسکتا ہے، کوئی بات بری لگ سکتی ہے لیکن ناراضی نہیں ہوسکتی..... یہ برداشت سے زیادہ ہے.....'' وہ اب اس کے پاس کھڑا کہہ رہا تھا۔

ہنیا سر جھکا کر کلیاں لگاتی رہی۔

''ہنیا.....'' ادھ کھلے دروازے سے اچانک منزہ کی آواز آئی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت اس سمت دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو۔

''آئی تھنک تم کیک بیک کرنے آئی تھیں؟'' وہ شرارت بھری آواز پھر سے بلند ہوئی تھی۔

وہ مسکرائی اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

''آپ کیوں ظالم سماج بننے پر تلی ہوئی ہیں۔''

وہ بھی اسی طرح خوشگوار موڈ میں کہتے ہوئے کچن کی طرف آئی تھی۔ اور اندر حیدر نے گلدان کے پاس چند رہ جانے والی کلیوں کو دیکھا...... پھر اٹھا کر انہیں گلدان میں سجا دیا تھا۔

''ان کے اپنے'' وہ'' یہاں نہیں ہیں ناں...... تو یہ جلتی ہیں، برداشت نہیں کر پاتیں۔'' حیدر بولتا ہوا کمرے سے نکلا اور ہال کے صوفے پر ٹی وی آن کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''بالکل صحیح کہہ رہا ہے یہ۔'' منزہ آمیزہ مکس کر رہی تھی...... اس بات پہ اس نے ہنیا کو دیکھتے ہوئے چمچ کی مدد سے حیدر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''جلتی ہی تو ہوں...... اسی لیے تو تمہیں باہر بلا لیا ہے۔'' وہ اب غیر سنجیدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اب دیکھنا تمہاری ہونے والی سے کام بھی کراؤں گی۔ چلو ہنیا یہ انڈے تو ذرا بیٹ کر کے دو......'' حیدر کو سناتے ہوئے اس نے ہنیا سے کہا تھا۔

ہنیا ہنس پڑی...... وہ فریج کی طرف مڑی اور انڈے نکال کر سلیب پر رکھنے لگی۔

خاموش ہال میں ہنگامہ جاگ اٹھا تھا۔

''بھابیاں آج تک یہ ہی تو کرتی آئی ہیں...... آپ بھی یہ ہی کریں گی...... ہنیا...... کوئی ضرورت نہیں اس خاتون کے نیچے لگنے کی۔'' حیدر نے مڑ کر ذرا رعب سے ہنیا کو دیکھا۔

''تم دیکھنا، میں اسے تمہاری آنکھوں کے سامنے اپنے نیچے ہی لگاؤں گی اور کام بھی کرواؤں گی۔'' منزہ ہاتھ چلانے کے ساتھ، ساتھ اسی رفتار سے بول بھی رہی تھی۔

جواباً حیدر نے معافی کے انداز میں ہاتھ جوڑے یوں جیسے کہتا ہو کہ میں آپ سے نہیں جیت سکتا۔

وہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر واپس مڑ گئی۔

ہنیا اب انڈے توڑ، توڑ کر باؤل میں ڈال رہی تھی۔

''ہنیا......''

''جی......''

''آنٹی سے ملیں تم؟''

ہنیا کے ہاتھ وہیں ساکت ہو گئے...... منہ ''ہا'' کے انداز میں کھل گیا...... وہ بے ساختہ شرمندہ ہوئی۔

''جاؤ پہلے اُن سے مل کر آؤ......''

''اپنے کمرے میں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں......'' منزہ کے بتایا۔

ہنیا فوراً سب کچھ چھوڑ کر آنٹی کے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھی...... ان کا کمرا فرسٹ فلور پر تھا۔ ہلکی سی دستک دے کر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

ہنیا کو دیکھ کر وہ بے ساختہ خوش ہوئی تھیں۔

''تم کب آئیں؟''

اپنے ساتھ لگا کر اس کا گال چومتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے......'' وہ مسکرائی۔

ان سے چند باتیں کرنے کے بعد...... وہ انہیں کیک بیک کرنے کا بتا کر نیچے آ گئی تھی۔

اور پھر منزہ کے ساتھ مل کر...... ایسی ہی غیر سنجیدہ مگر خوشگوار باتوں کے ساتھ ان دونوں نے کیک بنایا تھا۔

حیدر وہیں بیٹھا ٹی وی دیکھتے ہوئے ان کی باتوں کے جواب دیتا جاتا تھا۔ وہ اب جانا چاہتی تھی مگر منزہ نے روک لیا کہ اب کیک کھا کر ہی جاؤ گی...... کرنل صاحب بھی آ چکے تھے۔ شام کی چائے کا وقت تھا...... چائے ان کے ساتھ پینے کے بعد جب وہ جانے کے لیے اٹھنے لگی تو سمیعہ بیگم نے اسے کھانے پر روک لیا۔

''آنٹی پلیز...... پھر کبھی سہی...... ابو انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''تمہارے ابو کو میں منع کر دیتا ہوں...... مگر آج تم کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ گی۔'' جواب کرنل

صاحب کی طرف سے آیا تھا۔
''انکل لیٹ ہو جائے گا...... اور ابو رات کو ڈرائیو کی اجازت نہیں دیتے......'' اس نے ایک اور مجبوری بیان کی۔
''یہ شیر جوان کس لیے تم سے منسوب کیا گیا ہے..... تمہارا شوفر ہی تو بنے گا...... ابھی سے پریکٹس کر لے تو یقیناً اس کے لیے اچھا رہے گا۔'' ان دونوں نے ایک دم ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک زبردست سا قہقہہ پڑا تھا وہاں...... کرنل صاحب نے اس کے ابو کو فون کر دیا تھا۔ ڈنر بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ سمیعہ بیگم کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بھی اسی فیملی کا فرد ہونے پر اچھا محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ سیدھا اسے جا کر گھر ڈراپ کر دیتا کیسی بچوں کی سی بات ہوتی ناں...... وہ دو باشعور انسان تھے۔ ایک جذباتی تعلق کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور جب کرنل صاحب اپنے بیٹے کو کہتے ہیں کہ ...... ''جاؤ! ہنیا کو ڈراپ کر آؤ۔'' تو کیسی بچوں کی سی بات ہوتی جب وہ سیدھا اسے گھر ہی ڈراپ کر آتا۔
وہ دونوں اس وقت ایک مشہور آئس کریم پارلر کے باہر موجود تھے۔ ہنیا گاڑی کے اندر ہی تھی مگر دونوں ٹانگیں باہر نکال کر سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ حیدر گاڑی کے کھلے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ دونوں مزے سے آئس کریم کھا رہے تھے۔
''حیدر! وہ ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں؟''
حیدر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''آپ واقعی ہی ناراض نہیں تھے یا کہ برداشت کر لیا؟''
''برداشت کرنا تب ہوتا جب میں کوئی ردِعمل ظاہر نہ کرتا...... میں نے اپنا ری ایکشن شو کر دیا تھا۔ دیٹس آل...... اس کے بعد ناراضی کیسی؟'' اس نے کندھے اچکائے۔
''اتنا غصہ......'' ہنیا نے مصنوعی جھرجھری لی۔

''اتنا رونا......'' جواباً لڑکیوں کے سے انداز میں جھرجھری لے کر کہا گیا۔
''آں......'' اور پھر یک دم وہ ہنس پڑی۔
ہنستے ہوئے وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر جھکی۔ ہنسی ذرا سی تھمی...... سر اٹھایا اسے دیکھا اور پھر سے ہنسی کا فوارہ ابلا تھا...... اس کا انداز ہی ایسا تھا۔
''ہائی واوے...... ہنیا...... ! اس طرح بزدلی شو کرنا تمہیں انسان ہونے کی توہین نہیں لگتی؟''
''بزدلی نہیں خوف تھا......'' وہ برا مان کر بولی۔
"what so ever" کندھے اچکا کر وہ ذرا سا جو خاطر میں لایا ہو اس کی بات کو۔
''ایک ہی بات ہے...... ایک اشرف مخلوق کے لیے اس سے بڑی توہین کی بات اور کیا ہوگی کہ وہ ایک معمولی سے ذرا سے خوف پہ قابو نہ پا سکے...... وہ خوف کو اتنی اجازت دے، دے کہ وہ آئے اور اس اشرف ترین مخلوق کو قابو میں کر کے رکھ دے...... تمہیں یہ disgusting نہیں لگتا کیا......؟'' ہنیا کے چہرے پر یک دم سنجیدہ سے تاثرات ابھرے تھے۔ حیدر نے وہیں کھڑے، کھڑے آئس کریم کپ فاصلے پر رکھے ڈسٹ بن میں پھینکا تھا اور مڑ کر اس کے چہرے کو دیکھا......
''اب آپ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں گن اٹھاؤں اور دھڑ، دھڑ فائرنگ کرنا شروع کر دوں......؟'' اس کے لیے یقیناً یہ خوشگوار نہیں تھا۔
''نہیں......'' وہ اس کی بچگانہ بات پر مسکرایا۔
''میں تمہیں صرف مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں اتنا ہی جتنا کہ میں خود ہوں......''
اور ہنیا نے خود کو مجبور پایا کہ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھے۔
''حیدر عورت اتنی مضبوط نہیں ہو سکتی۔''
انسان سب کچھ کر سکتا ہے اور عورت بھی انسان ہی ہوتی ہے اور اشرف المخلوقات بناتے وقت جنس کی تخصیص اللہ نے نہیں کی تھی...... سمجھیں......!''
وہ بے ساختہ لاجواب ہوئی۔
''مگر میں...... میں نہیں کر سکتی......'' وہ چند لمحے

بعد جب بولی تو اس کے لہجے سے لاچاری ٹپکتی تھی۔

''کیوں......؟ تم کیوں نہیں......؟'' ہنیا نے تھک کر گہری سانس بھری۔

''میری strength آپ ہیں۔'' اور وہ ٹھہر سا گیا۔

''اور اگر یہ strength ہی نہ رہے تو؟'' پوچھا گیا تھا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ ناسمجھی کا شکار ہوئی۔

اس سوال پر حیدر نے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اوپر ایک نظر آسمان کو دیکھا...... جہاں تارے چمکنا شروع ہو چکے تھے۔ اور ارد گرد فینسی لائٹس روشن تھیں...... لوگ تھے، گہما گہمی تھی، کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو اور وہ...... حیدر نے اس سارے منظر سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

''فوجی کے لیے کہیں...... کوئی ایک لکڑی کا تختہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب اس تختے کو تابوت میں ڈھلنا نصیب ہو...... ایک سبز ہلالی پرچم نامعلوم جگہ پر کسی نامعلوم الماری میں محض اس لیے رکھا جاتا ہے کہ کب وہ تابوت اس میں لپیٹا جا سکے...... یہ ہوسکتا ہے اور یہ ہی ہوتا ہے ہنیا...... تو تب، تب تم کیا کرو گی؟ تب کیا ہوگا......؟ مجھے تم سے محبت ہے اور میں نہیں چاہتا یہ محبت اتنی طاقتور ہو جائے کہ میرے بعد تمہیں ڈھا دے، تمہیں اس لیے زیادہ طاقتور بننا ہوگا۔'' اور ہنیا کو یوں محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر جسم کی ساری رگیں یک دم بے دردی سے کھینچ دی ہوں۔

''حید...... ر......'' لبوں پر اس کا نام سسکی بن کر ٹوٹا...... اس کے ہاتھ سے آئس کریم کپ چھوٹ کر زمین پر جا گرا...... ایک سسکی کو سانس کی صورت اندر کھینچتے ہوئے ہنیا نے رخ بدلا تھا۔ ساکت چہرے پر آنسوؤں نے حرکت کی تھی۔ اور وہ افسردگی سے ہلکا سا مسکرایا۔

''آئی ایم سوری...... مجھے یہ شام یوں spoil نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' نرمی سے کہتے ہوئے اس نے سڑک پر گرا کپ اٹھایا اور اسے بھی وہیں کھڑے، کھڑے ڈسٹ بن میں پھینکا۔

وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی...... ہاتھ گود میں، نظریں سیدھی' آنکھوں میں نمی بلند ہوتی ایک لمحے کے لیے ٹھہرتی اور پھر بے تاب ہو کر پھسل پڑتی...... اس کے دوپٹے کا ایک سرا نیچے سڑک کو چھو رہا تھا۔

آتے جاتے لوگ اب انہیں نوٹس کرنے لگے تھے۔ اب وہ گاڑی کے اندر پاؤں رکھ چکی تھی۔ حیدر نے جھک کر اس کا دوپٹا اٹھایا اور اس کی گود میں رکھتے ہوئے دروازہ بند کیا تھا۔ وہ مڑ کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔

وہاں ایسی خاموشی تھی کہ جو کاٹ کر رکھ دینے کا باعث بنتی ہے اور وہ بن رہی تھی۔ تھوڑی دیر وہ اسٹیئرنگ کو تھامے سر جھکائے بیٹھا رہا پھر گاڑی اسٹارٹ کی۔ اور ہنیا کی آنکھوں میں نمی بلند ہو، ہو کر رخسار پر گرتی رہی۔ اسے تو ایسا کبھی سوچنا ہی نہیں تھا...... اس اینگل سے تو کبھی دیکھنا ہی نہیں تھا...... اس پہلو پہ تو کبھی غور کرنا ہی نہیں تھا۔ یہ ان دونوں کے درمیان ڈسکس ہونے والی آخری بات بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر یہ سب سے پہلی بات کیسے ہوگئی...... کیسے؟

گاڑی چلتی رہی...... اور وہ ساکت بیٹھی تھی۔

فاصلہ طے ہوتا رہا...... اور وہ وہیں کی وہیں رہ گئی تھی۔

ہنیا کا گھر آنے پر اس نے گاڑی روکی تھی۔ وہ ابھی تک اسی ایک پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''آئندہ مجھ سے کبھی...... کبھی بھی ایسی کوئی بات مت کرنا۔'' وہ یک دم حرکت میں آئی اور انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے بولی نہیں' غرائی تھی۔

مسکراہٹ نے چاہا کہ ہونٹوں کے آخری کنارے تک پھیل جائے۔ اور حیدر نے ترنت ایسا ہونے سے روکا تھا۔

''نہیں کروں گا......'' مسکراہٹ روکتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا گیا۔

ناک کی نوک سرخ ہوتی ہوئی...... ہونٹ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایمائے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کپکپاتے ہوئے اور گیلی آنکھیں......

''نیور...... ایور...... اگین......'' کپکپاتے ہونٹوں سے اگین...... کہتے ہی ایک اور ٹھہرا ہوا آنسو پھسل کر گرا۔

''never ever again'' اس نے یوں ہی اسٹیئرنگ کو تھامے پلک جھپکے بنا اسے دیکھتے ہوئے دہرایا۔ حرکت گویا ممنوع تھی اب...... ہنیا نے.... ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے...... ایک گہری سانس بھری...... یوں جیسے اطمینان حاصل کرنا چاہتی ہو اور......

''اوہ گاڈ میں نے لڑکی دیکھ کر منگنی کی تھی and see what I ,ve got a big crying'' اور اس نے یہ آواز سی تھی......'' ba-be--e'' لفظ بے بی کو جان بوجھ کر کھینچا گیا...... ہنیا جھٹکا کھا کر مڑی۔ حیدر کھڑکی سے باہر سر نکالے...... آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اور کیا ہی برے منہ بنا کر کہہ رہا تھا۔

''حیدر......'' اس نے شاؤٹ کرتے ہوئے کوئی چیز ڈھونڈنا چاہی جو اسے دے مارے۔

وہ...... فوراً دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

''آپ کی امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ کھڑکی میں جھک کر بولا۔ وہ لیزر جیسی نظروں سے اسے گھورتی ہوئی باہر نکلی۔ دھاڑ سے دروازہ بند کیا پھر بے حد ناراضی سے گھر کے گیٹ کی جانب بڑھی تھی۔

''مستقبل میں کاٹے گی بھی......!'' اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر سرگوشی کی اور وہ بل کھا کر پلٹی تھی۔

''اوکے...... اوکے......'' اس نے سیز فائر کے انداز میں ہاتھ اٹھائے اور اس کے پیچھے آیا۔ ہنیا نے رخ بدل کر مسکراہٹ چھپائی مگر یک دم کوئی لہر سی جسم میں اٹھی تھی، دل جکڑا گیا اور آنکھ پھر سے تیزی سے نم ہوئی تھی۔

☆☆☆

زندگی کا وہ خوشگوار ترین باب تھا...... سہانا وقت تھا...... خوشی کے لمحات تھے...... جو کہ گزر رہے تھے۔ وہ اپنی زندگی کا بہترین وقت گزار رہی تھی اور خود کو یوں محسوس کرتی کہ گویا (ڈیزی کی قسم کا ایک پھول) dandelion ہو۔ ایک دم ہلکی...... اتنی کہ ہوا اسے لیے، لیے پھرتی، اڑائے رکھتی۔ اس پہلے جھگڑے کے بعد وہ یہ ہی سمجھی کہ یہ پہلا اور آخری کلیش تھا اور بس...... اس کے بعد کبھی جھگڑا ہونا تھا نہ کوئی برا لمحہ آنا تھا۔ زندگی کو بس اب ایسے ہی رہنا تھا۔ بے فکری، مستی بھری، خوشیوں سے بھرپور...... رنگوں سے مزین...... اور روشنیوں سے سجی ہوئی۔ روز نہ سہی مسلسل نہ سہی مگر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی سوشل ایوننگ یا پھر آفیسرز میس میں ڈنر...... وہ حیدر کے سرکل میں اس کی big cry baby کے نام سے جانی جاتی تھی اور یہ لمحات کتنی مشکل سے آیا کرتے تھے اور اتنے خوب صورت ہوا کرتے تھے کہ زندگی کو اسی ایک ساعت، میں قید کر کے رکھ دینے کو جی چاہتا تھا...... لیکن ایسا ہوا کب...... نہ ہی ہو سکتا تھا۔ اور پھر ان سارے خوب صورت لمحات کے درمیان ایک بڑا سا پتھر آن گرا تھا۔ وہ ہی ہوا جو فوجیوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے...... ٹریننگ کورس کے سلسلے میں اسے چیراٹ جانا پڑا تھا۔

یہ شام سے ذرا پہلے کا وقت تھا...... موسم گرم تھا مگر ابھی یوں خوشگوار ہو گیا تھا کہ آندھی آئی تھی اور بارش بھی برس چکی تھی۔ راولپنڈی کا مخصوص موسم، کل صبح اسے نکلنا تھا اور اب اتنا تو اس کا حق بنتا ہی تھا کہ جانے سے پہلے ایک ملاقات ارینج کر لیتا۔ وہ دونوں جناح پارک کی پتھریلی روش پہ مست قدموں سے چل رہے تھے۔

آسمان ابر آلود تھا...... پارک میں رش کم تھا کہ ایک تو آف نہیں تھا دوسرا رش کے اوقات بھی نہیں تھے۔ ہوا درختوں سے پیلے اور سوکھے پتے توڑ، توڑ کر لا رہی تھی۔

''اتنی چپ کیوں ہو؟'' اس سوال پر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ اس طرح سے جیسے سمجھ نہ پائی ہو کہ جواب میں کیا کہے۔

''کتنے دنوں کی ٹریننگ ہے؟'' یوں ہی مستی سے چلتے ہوئے ہنیا نے پوچھا۔

''دنوں نہیں مہینوں......'' اس جواب پر ہنیا نے چونک کر اسے دیکھا۔ ذرا کی ذرا وہ ٹھہری......اور ایک گہری سانس بھر کر پھر سے چلنے لگی۔

''روز فون تو کر سکیں گے ناں......؟'' اور اب ٹھہرنے کی باری حیدر کی تھی۔

''ہنیا......!'' اس نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں ٹریننگ کے لیے جارہا ہوں۔''

''تو......؟'' وہ ناسمجھی سے بولی۔

''ٹریننگ کے دوران اتنے دور دراز علاقوں میں پھینکتے ہیں کہ بعض اوقات پانی بھی نہیں ملتا۔''

''ریئلی......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اور جب ملتا ہے تو گھونٹ گن، گن کر پینا پڑتے ہیں۔''

ہنیا نے دم بخود ہو کر حیدر کو دیکھا۔

وہ اب خاموش ہو کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''فون نہیں ہوتا ہمارے پاس......'' اصل دھچکا یہ تھا۔

وہ کتنی ہی دیر پریشانی سے اسے دیکھتی رہی۔

''یو مین......جتنے عرصے تک تم چیراٹ رہو گے نو کانٹیکٹ؟'' وہ شاکڈ تھی۔

"may be" حیدر نے کندھے اچکا کر کہا۔

اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا......ہونٹ بھینچتے ہوئے رخ بدلا تھا۔

"It .... kills me" وہ نم آنکھوں کے ساتھ کافی دیر بعد بڑبڑائی۔

''مجھے تم سے فوراً شادی کر لینی چاہیے تھی اور اب میں حیران ہو رہا ہوں کہ میں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''

اور وہ واقعی ہی حیرت زدہ سا دکھتا تھا۔

اس بات پہ ہنیا نے یک دم اسے دیکھا اور جتنی تیزی کے ساتھ اسے دیکھا تھا اتنی ہی تیزی کے ساتھ اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

مزاحیہ کتابیں

ایک شخص کتابوں کی دکان پر گیا اور بولا۔

''مجھے وہ کتاب چاہیے جس کا عنوان ہو مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔''

دکان دار بولا۔ ''سر آپ اوپر تشریف لے جائیے۔ مزاحیہ کتابیں دوسری منزل پر ہیں۔''

☆☆☆

ہائے ری فیس بک

شوہر صبح، صبح فیس بک کھول کر بیٹھا تھا۔ اس کی ایک دوست نے سینڈوچ کی تصویر اپ لوڈ کی اور لکھا۔

''آؤ ناشتا کریں۔''

شوہر نے کمنٹ لکھا۔ ''بہت ٹیسٹی تھا مزہ آ گیا۔''

بیوی نے وہ کمنٹ پڑھ لیا اور ناشتا نہ دیا۔

چار گھنٹے بھوکا رکھنے کے بعد بیوی نے پوچھا۔

''دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھاؤ گے یا فیس بک پر؟''

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

اخلاق

شہد فروش نے اپنے سرکہ فروش ہمسائے سے پوچھا۔

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تجھ سے خریدتے ہیں مجھے پوچھتے نہیں؟''

وہ کہنے لگا۔

''میں سرکے کو اپنی شہد جیسی زبان سے بیچتا ہوں اور تو اپنے شہد کو اپنی سرکے جیسی زبان سے بیچتا ہے۔ لوگوں کو اپنے اخلاق سے فتح کیا کر۔''

از: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

☆☆☆

''یہ میرے ساتھ اب ہی ہونا تھا۔'' اس نے کچھ غصے اور کچھ شاک کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ سوچا تھا اور ردِعمل کے طور پر ہاتھوں نے تکیہ اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔

ابھی ابھی اسے امی بتا کر گئی تھیں کہ حیدر کا بڑا بھائی عادل کل صبح کی فلائٹ سے واپس آیا تھا اور امی نے آج ڈنر پر ان لوگوں کو انوائٹ کیا تھا۔ یہ دن ایسے تھے کہ ہنیا کا دل اٹھ کر آئینے میں اپنا منہ دیکھنے کو بھی نہیں کرتا تھا کجا کہ کسی سے ملاقات......

وہ بری طرح زچ ہوئی...... بلکہ بھنا اٹھی تھی۔

عادل پچھلے دو سال سے UNO کی امن فون کے ہمراہ کانگو میں تعینات تھا اور اب واپس آچکا تھا۔ فون پر ایک دو دفعہ بات ہوئی تھی عادل سے...... بالمشافہ پہلی ملاقات تھی۔

اور یہ اس کے ساتھ اب ہی ہونا تھا جبکہ حیدر چیراٹ میں تھا...... یہ تو چلتا ہی رہتا ہے، یہ ایک نارمل سی بات تھی...... ایسا تو ہونا ہی تھا...... مگر یہ اس کے لیے نارمل بات نہیں تھی۔ اور نہ ہی بھی ہو سکتی تھی۔ حالانکہ حالات اتنے برے نہیں تھے جتنے برے ہونے کا نقشہ حیدر نے کھینچا تھا...... وہ یوں کہ حیدر کبھی کبھار کسی مقامی پی سی او سے اسے کال کر ہی لیا کرتا تھا۔ چاہے دو منٹ کے لیے ہی سہی جیسے بھی سہی مگر وہ یہ کارِ خیر انجام دے ہی لیا کرتا تھا...... کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لڑکی کے نام پر اسے big cry baby ملا تھا۔

تو ان حالات میں اس کا یہ سوچنا کہ یہ میرے ساتھ اب ہی ہونا تھا بجا تھا...... بالکل بجا تھا۔ تکیہ دیوار پر دے مارنے کے بعد دوسرا کام اس نے بیڈ سے کودنے کا کیا تھا۔ وہ اپنی شکل ملاحظہ کرنا چاہتی تھی۔ کافی دن ہو گئے تھے پارلر کا چکر لگائے۔ اس کی صورت دیکھ کر اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

''گاڈ......'' وہ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے اِک شاک کے عالم میں اپنے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

اس کی تو cuteness ہی کملا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''منزہ بھابی آپ نے دو سال کیسے گزار لیے؟''

چائے کے کپ پکڑے وہ دونوں اس وقت لان میں ٹہل رہی تھیں۔

''اب یاد آیا پوچھنا۔'' وہ مسکرائی تھی۔

ہنیا بھی ہنس دی۔

''میں used to تھی ہنیا...... ڈیڈی بھی آرمی میں تھے اور اب شوہر بھی...... ہاں، فرق پڑتا ہے۔ لیکن انسان عادی ہو تو یہ حال نہیں ہوتا۔'' اس نے ہاتھ سے ہنیا کی طرف اشارہ کیا تھا...... جس کی صورت ...... پارلر کی شکل دیکھنے کے بعد بھی نکھر کے نہ دی تھی۔

ہنیا نے ایک گہری سانس بھری۔

''آئی سوئیر...... منزہ بھابی مجھے نہیں پتا تھا کہ فوجیوں کے ساتھ اتنی مشکل زندگی ہوتی ہے۔ چارم رخصت ہوتے دیر نہیں لگی۔''

"It's dense hard as nail"

سر جھٹکتے ہوئے اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ اور وہ دونوں خاموشی سے پھر سے چکر لگانے لگی تھیں۔

''عادل بھائی بالکل مختلف ہیں حیدر سے۔''

خموشی کے ایک وقفے کے بعد وہ بولی تھی۔

''ہاں...... عادل کی نیچر jolly ہے۔ حیدر ذرا سیریس ہے۔''

''سیریس...... نہیں کھڑوس......'' ہنیا ترنت ناک چڑھا کر بولی تھی۔ اور منزہ بے اختیار ہنسی۔

''چیراٹ سے واپس آتا ہے ناں تو ممی کو کہتی ہوں کہ شادی کی ڈیٹ فکس کر دیں ورنہ داستانوں میں ایک اور داستان کا اضافہ ہو جائے گا...... ہنیا، حیدر...... لو اسٹوری آف 2007ء۔'' وہ اب صریحاً مذاق اڑا رہی تھی ہنیا نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔ وہ الگ بات کہ داستانوں میں ایک اور داستان نے رقم ہونا ہی تھا۔

☆☆☆

وہ جون کے آخر میں چیراٹ سے واپس آیا تھا۔

اور اس طرح کا ہو کے واپس آیا تھا کہ ہنیا پر یقین تھی کہ حیدر کو بدل کر کسی اور کو بھیج دیا گیا ہے۔ صاف رنگت ڈارک ہو چکی تھی۔ آنکھوں کے نیچے کی سطح بھی گہری ہو چکی تھی۔ وہ کمزور بھی کافی لگ رہا تھا۔

صبح وہ سو رہی تھی جب اس کے سیل پر میسج رنگ ٹون بجی تھی اور اس کے بعد ایک کال..... جس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا..... اس کے اٹھنے تک کال مسڈ کال بن چکی تھی۔

''اتنی صبح..... کون ہو سکتا ہے.....'' آنکھوں کو نام دیکھتے ہی پٹ سے کھل جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہو سکا تھا..... نیند کا غلبہ کچھ زیادہ تھا..... نیند میں ہی حیدر نام پڑھا تھا اور دوبارہ غنودگی میں جانے سے پہلے وہ یک دم ہڑبڑائی۔

''حیدر.....؟'' آنکھوں سے دماغ تک پیغام پہنچا اور آنکھیں اب کہ پوری طرح سے کھلی تھیں۔ آج وہ اپنے نمبر سے کال رہا تھا۔ اس نے جلدی سے ان باکس کھولا۔

"hi ! big cry baby" اور آگے زبان باہر نکال کر منہ چڑاتا emoticon وہ بے ساختہ مسکرائی..... لیکن ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی آنکھوں کو نم ہونے سے روک نہیں پائی تھی۔

"big cry baby is here......"

اس نے جواباً ٹائپ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ حیدر اس کو سوتا سمجھ کر دوبارہ کال نہیں کرے گا۔

"soldier is back......"

''آں.....'' اس کا منہ کھلا..... آنکھیں تیزی سے بھر آئیں..... ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے سسکی دبائی..... مگر..... آنسو..... وہ نہیں دبائے جا سکتے تھے۔

کاش کہ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اسی وقت اسی حلیے میں..... اسی طرح سے اٹھ کر جا پہنچتی۔ لیکن یہ تو بس سے ہی باہر تھا کہ ابھی صبح کے چھ بجے تھے اس نے بے تابی سے کال ملائی۔

''ہیلو السلام علیکم.....'' خوشگوار لہجہ کانوں سے ٹکرایا اور اس نے آنکھیں بند کر کے سارے آنسو بہہ جانے دیے..... وہ بولنا چاہتی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی..... سلام کا جواب دینا چاہتی تھی..... مگر وہ محض لب ہی ہلا سکی تھی۔

گلا بند ہو چکا تھا۔

''ہنیا.....'' ناراضی بھرا لہجہ..... یوں جیسے تنبیہ کی گئی ہو.....

اِدھر اثر..... ندارد.....

''سیدھا اُدھر ہی آ جاؤں.....؟'' شرارتاً پوچھا گیا۔

''آ جاؤ.....'' بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا گیا۔

''ہاہاہا.....'' اور وہ کھل کر ہنس دیا۔

بڑا عرصہ ہو گیا تھا اس روتی آواز کو سنے ہوئے اور جب وہ اس سے ملا تو..... وہ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے..... حیرت کے مارے اثر مگر بدترین جھٹکے کے زیر اثر یہ یقین کرنے میں متامل تھی کہ وہ، وہ ہی حیدر تھا..... جو چیراٹ گیا تھا۔

☆☆☆

مجیب عالم کے گھر میں بڑے عرصے بعد کسی گہما گہمی کا منظر تھا..... ان کی شہادت کے بعد پہلی دفعہ ان کے گھر میں کوئی فنکشن ہو رہا تھا۔

سعد نے ایف ایس سی میں توقع سے زیادہ اچھے مارکس لیے تھے۔ یہ گیٹ ٹو گیدر اسی خوشی میں تھا۔ وہ جوان ہو چکا تھا۔ پورے ساڑھے سترہ سال کا ہو چکا تھا۔ مسیں بھیگ چکی تھیں..... اس کے چہرے مہرے میں مجیب عالم کی شباہت تھی..... وہ ان کی ہی طرح لمبا تھا۔ اور موی..... پورے سولہ سال میں پودے کو ایک منظم طریقے سے پروان چڑھایا جائے اور اگر سولہ سال بعد یک دم وہ پودا اگنے سے پروان چڑھنے سے ہی انکار کر دے تو..... تو کیا ہوتا ہے.....

تو موی ایک خود رو جنگلی پودے کی طرح ہی تھی..... ٹین ایج سے نکل چکی تھی..... مگر چہرہ ابھی

بچگانہ لگتا تھا، وہ یوں کہ پلکنگ نہ ہی کسی اور طرح کا فیشن...... اس نے آج تک ان چیزوں کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ جو ممی نے لا کر دیا پہن لیا...... اکثر جینز کے اوپر ڈھیلے ڈھالے کرتے میں ملبوس ملتی...... گلے میں اسٹول یا پھر دوپٹا...... اور اگر دوپٹا اوڑھ لیا جاتا...... تو یوں اوڑھا جاتا جیسے مرد حضرات شال کی بکل مارتے ہیں۔ بکھرے بال کمر تک آتے تھے۔

اس کو دیکھ کر پہلا لفظ جو ذہن میں آتا تھا۔ ''wild (جنگلی)'' اور اس کی ساری کشش اسی wild ہونے میں ہی تھی۔ پچھلے چھ سالوں سے اس نے ناک اور کان میں کبھی کوئی بھی چیز نہیں پہنی تھی...... نتیجتاً وہ بند ہو چکے تھے۔ کلائی تو رہتی خالی تھی اور آج فنکشن کے دن بھی...... وہ ایک ڈھیلی ڈھالی سی بلیک جینز کے اوپر میرون کرتا پہنے ہوئے تھی...... گلے میں اسٹول لپٹا ہوا تھا۔ بالوں کی الٹے بل کی چٹیا اور بچگانہ سا چہرہ...... دوست کب کے چھوڑ چکی تھی...... بس سعد تھا ناں...... اس کا دوست اور بھائی بھی...... باپ نہیں تھا وہ...... وہ بھائی ہی تھا۔ بھائی اگر باپ جیسے ہوتے تو کسی باپ کے مرنے پر کوئی بیٹی موی نہ بنتی۔

بھائی، بھائی ہی ہوتا ہے۔ موی کا سعد پر خاص آپاؤں والا رعب تھا۔ گل کی بیماری کے بعد وہ جیسے اس کا ساتھ بن گئی تھی۔ لیکن تھی آج بھی اتنی ہی منہ پھٹ، بدتمیز اور روڈ...... کرتی آج بھی اپنی ہی مرضی تھی۔

''موی ذرا مشی کے بال تو بنا دو......'' عائلہ نے بہ عجلت کہا تھا۔

''لائیں......'' اس نے ان کے ہاتھوں سے تین سالہ مشی کو لیا تھا۔

مہمان تقریباً سبھی پہنچ چکے تھے...... باہر لان میں گیدرنگ تھی۔ مشی کے بال بنانے کے بعد وہ اسے اٹھائے ہوئے باہر آئی تھی۔ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر وہ عجیب سی کوفت کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ بالکل بھی سوشل نہیں تھی۔

کافی عرصے بعد اس نے بابا کے بہت سے دوستوں کو دیکھا تھا۔ وہ لوگوں میں سے راستہ بناتی ایک ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی۔ سعد نا معلوم کہاں تھا...... دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی، وہ بیزاری کا بھونڈا ترین اشتہار بنی ہوئی تھی۔ گل کی نظر اچانک اس پر پڑی تھی۔

''یا میرے خدا......'' ان کے ماتھے پر بے اختیار بل آئے تھے۔ وہ تیکھے تیوروں کے ساتھ اس تک آئی تھیں۔

''موی چینج کیوں نہیں کیا؟''

''ممی پلیز......'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''ان کپڑوں کو کیا ہے...... اچھے بھلے تو ہیں۔''

''اچھے بھلے ضرور ہوں گے مگر ڈھنگ کے نہیں ہیں۔ جاؤ اور کوئی ڈھنگ کا لباس پہن کر آؤ...... اور کم از کم آج کے دن مجھے تاؤ مت دلاؤ......''

''میں نہیں چینج کر رہی......'' اس نے کوئی اثر لیے بنا جواب دیا۔

''تو پھر یہاں سے تشریف لے جاؤ...... مجیب عالم کی بیٹی کو اس حلیے میں، میں لوگوں سے متعارف نہیں کرا سکتی......''

''فائن......'' وہ بیزاری سے کندھے اچکا کر اٹھتے ہوئے بولی۔ اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے...... وہ اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔

گل نے غصے اور بے بسی سے اسے یوں جاتے دیکھا۔

''اور جو ابھی کسی نے مجیب عالم کی بیٹی کا پوچھ لیا تو......؟'' انہوں نے بھرے مجمع میں سعد کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

☆☆☆

سعد نے بالآخر اسے منا ہی لیا تھا...... وہ الگ بات کہ ایک اس کام کے لیے اسے موی کو آئس کریم، پزا کھلانا تھا اور جو منتیں کیں تھیں وہ الگ۔

وہ ناراض ہو کر اندر نہیں آئی تھی...... وہ تھی ہی آدم بیزار...... اور سعد نے بس اسے اسی ایک بات کے لیے راضی کیا تھا کہ وہ کم از کم آج کے دن اپنی آدم بیزاری کو اٹھا کر سائڈ پر رکھ دے۔

اب کہ وہ باہر آئی تو لباس ڈھنگ کا ہی تھا۔ سفید شلوار کے ساتھ لائٹ بلیو ایمبرائڈر ڈ گھٹنوں تک آتی قمیص کے ساتھ ہم رنگ دوپٹا شانوں پر پھیلائے وہ باہر آئی تھی۔ وہ دوپٹے کی بکل مارنا چاہتی تھی مگر یہ سعد......

''مجھ سے نہیں ایسے سنبھالا جا رہا......'' وہ جھنجلا کر پلٹی اور تڑخ کر سعد سے کہا۔

''تھوڑی دیر...... بس ابھی فنکشن ختم ہو جانا ہے...... تب تک پلیز......'' اور سعد... میمنا ہی بن گیا تھا۔

''سعد......'' وہ زچ ہوئی۔

''اچھا جائیں......'' سعد نے شانے ڈھلکا کر کہا۔ ''ممی کو شکل دکھا آئیں...... ذرا خوش ہو جائیں گی وہ بھی...... اپنی بیٹی کو لڑکیوں والے حلیے میں دیکھ کر......''

سعد نے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ موڑا اور پھر باہر لان کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

وہ کھڑی رہی۔

اس نے ایک دفعہ پھر سے اس کے شانوں پر دباؤ ڈال کر اسے آگے دھکیلا تھا۔

گل دور سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆

''ماشاء اللہ سعد بہت اچھے نمبروں سے پاس آؤٹ ہوا ہے۔'' کہنے والی خاتون کا چہرہ موی کی طرف تھا...... ممی کی پشت تھی۔

وہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے ورنہ مجیب کے بعد یہ سب بہت مشکل تھا۔''

''بیٹی کی کوالیفکیشن کیا ہے؟ مجھے یاد ہے مجیب بھائی اسے بھی پائلٹ بنانا چاہتے تھے۔''

گل کا چہرہ یک دم تاریک ہوا۔

''اس نے تو حادثے کا اتنا اثر لیا کہ اسٹڈیز ہی چھوڑ دیں۔''

''اوہ...... ٹریجک......'' وہ خاتون چند لمحوں کے

عورت

☆ اگر ماں ہے تو خدمت کر، عاقبت سنوار۔
☆ اگر بہن ہے تو عزت و شفقت کر۔
☆ اگر بیٹی ہے تو محبت کر، رحمت سمجھ۔
☆ اگر بیوی ہے تو دلداری کر، معتبر کر۔

مرسلہ: عین الحیا، وادی کاغان

سوچ

ٹھٹھرتی ہوئی شبِ سیاہ اور وہ بھی طویل تر
محسنؔ ہجر کے ماروں پہ قیامت ہے جنوری

☆☆☆

میں نے سوچا ہے کہ سب مان لوں شرطیں اس کی
دل میں بیٹھا ہے جو بڑی دیر سے دھرنا دے کر

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

لیے خاموش ہو گئی تھیں۔ موی قدم بہ قدم ان کے نزدیک ہو رہی تھی۔ آوازیں قابلِ سماعت ہونے لگی تھیں۔

''سعد کے لیے اب کیا...... فیصلہ کیا ہے؟ ائر فورس میں ہی جائے گا؟''

''نہیں آنٹی...... سعد ائر فورس میں نہیں جائے گا۔ کسی سویلین فیلڈ میں جائے گا...... بی ای انجینئرنگ وغیرہ......'' وہ موی تھی...... جس نے آگے آ کر گل کو جواب دینے نہیں دیا تھا۔ بات گل کے منہ سے چھینی گئی تھی۔ وہ دونوں خواتین اب اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اپنی بات مکمل کر کے انہیں سلام کیا تھا۔ پھر گل نے یک دم ہونٹ بھینچے تھے۔

''یہ......؟'' خاتون نے سوالیہ انداز میں گل کو دیکھا۔

''مومنہ...... میری بیٹی......'' بے حد سنجیدہ لہجے میں جواب آیا تھا۔

''اوہ وعلیکم السلام...... کیسی ہو بیٹا......''

آنٹی کو جواب دیتے ہوئے اس نے ماں کو تیز نظروں سے دیکھا تھا۔ ایسی نظریں جو یہ باور کرا رہی تھیں کہ ''یہ ذکر بھی منع ہے...... نام لینا بھی حرام ہے...... یاد رکھیں کہ...... ان کے خاندان میں اب کسی کو

بھی پائلٹ نہیں بننا...... کسی کو بھی نہیں۔''

☆☆☆

جو، جو یہ سمجھا تھا کہ پچھلے پانچ سالوں میں مومی اس ایک بات کو بھول چکی تھی۔ تو وہ کیا سمجھا تھا...... اب جان لے...... وہ نہیں بھول سکتی...... کیسے بھول جاتی...... بھلانے والی بات تھی ہی نہیں۔

گل صحیح معنوں میں اب پریشان ہوئی تھیں۔ یہ کیسا رویہ تھا جو مومی اپنائے ہوئے تھی...... سعد کے مستقبل کا سوال تھا...... مذاق تو ہرگز نہیں تھا۔

مومی کا ایسا کرخت ہٹیلا انداز...... تب وہ یہ ہی سمجھی تھیں کہ حادثے کا اثر تھا۔ وقت کے ساتھ، ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور ہو بھی جانا چاہیے تھا۔

پر وہ کیوں ایسا سمجھیں؟ کیا پچھلے پانچ سالوں سے وہ اس کے طرز عمل کو نہیں دیکھ رہی تھیں؟ کب پچھلے پانچ سالوں سے اس نے بھی کوئی انسانوں والا کام کیا تھا؟

مصیبت یہ...... کہ یہ سب گل کو اب نظر آ رہا تھا۔ مومی مزاحمت کرے گی...... اور کتنی شدت سے کرے گی۔ کوئی نہیں جانتا تھا...... کوئی نہیں جان سکتا تھا......

ایک شام...... جس کا اختتام اچھے نوٹ پہ ہونا چاہیے تھا...... بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ جس طرح کا اس کا انداز تھا...... جس طرح سے اس نے بات منہ سے چھینی تھی۔ آنکھوں کے سامنے وہ منظر کسی لہر کی طرح ابھر، ابھر کر آ رہا تھا۔ اور بے چین کر دینے کا سبب بن رہا تھا۔ وہ ٹھیک طرح سے پارٹی بھی اٹینڈ نہیں کر پائی تھیں۔ دل کو جیسے کسی وہم نے جکڑ لیا تھا۔ کوئی الہام دستک دے رہا تھا۔ اور وہ تھیں کہ دستک کے باوجود دروازہ کھولنا نہیں چاہتی تھیں کہ الہام اچھا نہیں تھا۔

☆☆☆

''آپ سعد کو ائرفورس میں بھیجنا چاہتی ہیں؟''

وہ یک دم جواب نہیں دے سکی تھیں مڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھیں۔ یہ اگلی صبح کی بات تھی......

یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی مومی کے چہرے سے...... تاثرات کا پتا ڈھونڈ سکے۔

بڑے نارمل انداز میں کہتے ہوئے وہ لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے ٹیبل سے آج کا اخبار اٹھایا۔

''یہ فیصلہ سعد کرے گا......''

اس نے سرعت سے گل کو دیکھا۔

''اچھا......!'' بے یقینی کا سا تاثر لیے ہوئے طنز

''ویل......'' اس نے اخبار پھیلا کر ایک جھٹکا دے کر اسے سیدھا کیا۔ ''میں آپ کو یہ ہی کہنے آئی تھی سعد کو بھی یاد کروا دیں کہ اسے ائیر فورس جوائن نہیں کرنی...... اگر میں نے کچھ اور کہا...... تو آپ دونوں ہی مائنڈ کریں گے......'' انہیں دیکھے بنا...... نظریں اخبار پر ہی جمائے ہوئے کہا گیا۔

''ہوتی کون ہو تم؟'' وہ ماں تھیں غصہ تو آنا ہی تھا۔

''کس نے کہا کہ سعد کے فیوچر کے بارے میں تم فیصلہ کرو گی؟ یہ سعد کی زندگی ہے، تمہاری نہیں...... تم کچھ بھی اس پر مسلط نہیں کر سکتیں...... حتیٰ کہ ایک فیصلہ بھی نہیں۔'' اخبار پر اپنی ساکت نظریں جمائے وہ گل کے تلخ الفاظ و لہجہ سنتی رہی ان کے خاموش ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی۔ ان کے چپ ہوتے ہی اس نے اخبار کو تہ کیا سامنے ٹیبل پر رکھا ایک نظر ماں کو دیکھا۔

''سعد ائرفورس جوائن نہیں کرے گا......'' اس نے سرد سے انداز میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

گل دم بخود اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

''ممی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟'' ان کی بات کے جواب میں سعد نے حیران ہو کر کہا تھا...... بات ایسے حیران ہونے والی ہی تھی۔

''مومی سے یہ کیسے چھپ سکتا ہے؟ چار سالوں کی بات ہے...... چار دن کی تو نہیں''

''میں اور کیا کروں سعد...... وہ fuss کری

ایٹ کرے گی۔''

''سو واٹ..... کرنے دیں..... کیا کرلیں گی زیادہ سے زیادہ..... وہ مجھے روک نہیں سکتیں..... زبردستی نہیں کرسکتیں.....

It's my life mummy, its my right to live it nobody's else... انہوں نے اپنی زندگی کے بارے میں جیسا فیصلہ کرنا چاہا کرلیا..... میں بھی انہی کی طرح آزاد ہوں..... اپنے تمام تر فیصلوں میں..... میں ہر قیمت پر ائرفورس جوائن کروں گا۔ it's in my blood...in my flesh'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بول رہا تھا۔

گل نے بے اختیار اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرایا تھا۔

''انہیں سمجھایا جاسکتا ہے..... سامنے بٹھا کر بات کی جاسکتی ہے۔ وہ ایک حادثہ تھا..... اور اس طرح کے حادثے سب پائلٹس کے ساتھ تھوڑی ہوتے ہیں..... میرا خیال ہے وہ سمجھ جائیں گی..... she is just scared''

''وہ نہیں سمجھے گی سعد.....''

''سمجھ جائیں گی ممی.....! وہ اب بدل چکی ہیں..... سولہ سال کی مومی نہیں ہیں..... چاچو کو کہیں ان سے بات کریں..... چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' سعد نے دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بات ختم کی تھی۔

گل اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

الہام..... دھڑکنوں میں جا گھسا اور دل تھا کہ دھڑکنوں کو ترتیب وار رکھنے میں ناکام ہو رہا تھا اور دل اِک ناہموار چال سے دھڑکتا تھا۔

☆☆☆

حیدر کی چیراٹ ٹریننگ کی واپسی پر تین ماہ کی کورٹ شپ کے بعد شادی کی ڈیٹ فکس ہوجانی چاہیے تھی۔ ہاں ہونا تو یہی تھا۔ دونوں خاندانوں کا خیال بھی یہی تھا لیکن ہمارے چاہنے، سوچنے اور ارادہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

زندگی اس طرح سے پلٹا کھاتی ہے کہ چیزیں اپنے اصل مقام سے ہل کر رہ جاتی ہیں..... بدل کر رکھ دی جاتی ہیں۔ جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دی جاتی ہیں۔

جون کے آخری ہفتے میں وہ واپس آیا تھا.....

ابھی اس کی چھٹی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اسے پھر سے جانا پڑا تھا۔ کال آف ڈیوٹی..... چھٹیاں منسوخ.....

اسے ایک اہم آپریشن کے لیے چنا گیا تھا اور ایسا اس کی ماہرانہ خدمات کو دیکھتے ہوئے کیا گیا تھا۔ دن بدلے جاتے ہیں تبھی تو زندگی چلتی ہے۔ دن بدلتے رہے..... زندگی چلتی رہی..... اور جب 2 جولائی کا سورج ڈوبا تو کون جانتا تھا کہ جب یہ 3 جولائی 2007ء کو سورج واپس ابھرے گا تو کیسا دن لے کر آئے گا یہ ملک کے حالات بدل کر رکھ دینے کے لیے چڑھا تھا۔

3 جولائی 2007ء..... آپریشن سن رائز.....

☆☆☆

''مومی بات مسئلہ تب بنتی ہے جب فریقین میں سے کوئی ایک بھی بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے..... اور میں یہاں تمہاری بات سمجھنے بیٹھا ہوں..... چلو ہم دونوں اس مسئلے پہ بات کرتے ہیں..... مجھے بتاؤ کہ تم کیوں اس بات کے خلاف ہو..... کیوں نہیں چاہتیں کہ سعد ائرفورس جوائن کرے.....'' حسیب عالم بڑے خوشگوار ماحول میں اس سے بات کرنے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے بات شروع کرتے ہی تہ تک جا پہنچی تھی۔ مومی کے لیے یہ بیزار کن لمحہ ہوتا تھا جب اسے اپنی بات کسی کو سمجھانی پڑتی تھی۔

''چاچو.....! میں حیران ہوں کہ آپ لوگ کیسے، کس منہ سے مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں..... کیا آپ نہیں جانتے.....؟ آخر چاہتے کیا ہیں آپ لوگ؟ ایک اور حادثہ.....؟ ایک اور دکھ.....؟''

حسیب عالم نے ایک گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔

''حادثے صرف فضائیہ کے ساتھ ہی فکسڈ نہیں ہیں..... سڑک پر چلتے کسی راہ گیر کے ساتھ بھی حادثہ

ہوسکتا ہے۔''

''آرمی کو جوائن کرنے کی صورت میں حادثے کے وقوع پزیر ہونے کا خطرہ زیادہ بڑھ جاتا ہے چاچو۔''

''موی بلیو می...... اگر کسی نے سولہ سال کی عمر میں ہی مرنا ہے تو وہ ٹھیک اسی عمر میں ہی مرے گا...... موت خود اس کا انتظام کرلے گی...... وہ آرمی کو جوائن کرے تب بھی...... نہ کرے تب بھی...... بی پریکٹیکل......''

''آپ کیوں چاہتے ہیں کہ ہم ایک نارمل زندگی نہیں گزاریں...... بالکل ویسی ہی زندگی جیسی پاکستان کی ساری عوام گزارتی ہے، ایک آکورڈ طرزِ زندگی نہیں چاہیے مجھے......'' اس کی صاف، رنگت میں سرخی گھلنے لگی تھی۔

''یہ تمہاری زندگی نہیں ہے موی......'' حسیب نے ٹھہر کر براہِ راست اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ بری طرح سے چونکی تھی۔

''اور جس کی یہ ہے، وہ یہ ہی آکورڈ طرزِ زندگی چاہتا ہے۔'' حسیب عالم کے یہ کہتے ہی دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے سعد کو سامنے صوفے پر بیٹھتے دیکھا۔ اس نے ایک گہرے سناٹے کو بے طرح سے چھاتے ہوئے محسوس کیا۔

لاؤنج کی دیوار پر نصب گھڑی کی ٹک، ٹک اتنی بلند ہوئی کہ اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔

''آپ کا خوف بے معنی ہے۔'' سعد کی آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی اس تک پہنچی تھی۔

گھڑی کی ٹک ٹک اچانک گھڑیال کے ٹن، ٹن میں بدل گئی تھی۔ اور کانوں میں شدت سے گونجنے لگی...... اس کا سر یک دم بھاری سا ہونے لگا تھا۔ بے اختیار ہو کر اس نے اپنی جگہ چھوڑی تھی۔

''تم ائرفورس میں نہیں جاؤ گے۔'' انداز و آواز سخت تھے۔ سعد نے چاچو کو دیکھا...... ایک نظر موی پہ ڈالی...... سر جھکا کر اک لمحے کے لیے سوچا...... پھر سیٹ سے کھڑا ہوا...... جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور بے حد سکون سے موی کو دیکھا۔

''میں جاؤں گا......'' موی کو اسی کے انداز میں جواب دیا گیا تھا۔ ''میں جاؤں گا...... میں جاؤں گا...... میں جاؤں گا۔''

''ٹن...... ٹن...... ٹن......''

I am a soldier born to die

I am a soldier born to die

I am a soldier....

''میں ضرور جاؤں گا......'' سعد کے منہ سے جملہ نکلا اور پھر جملے بن کر اس کے ذہن میں چکرانے لگے...... آوازیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں...... ماضی کا ایک لمحہ...... ان آوازوں پر حاوی ہوتا جا رہا تھا...... ''میں جاؤں...... ٹن، ٹن، ٹن سولجر، سولجر...... ڈائی...... ڈائی......''

''تم نہیں جاؤ گے۔'' اس کا تنفس تیز ہوا۔

''میں جاؤں گا......'' ہٹ دھرمی برقرار تھی۔

''سعد......'' حسیب نے تنبیہ کی۔

سعد نے جواباً ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہتا ہو...... ''آج نہیں، تو کبھی نہیں......''

آج بھی موی نے چاہا کہ آگے بڑھ کر وہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دے لیکن یہ ماضی نہیں، یہ حال تھا۔ سعد کا قد اس سے بھی اونچا ہو چکا تھا۔ بڑھی تو تھپڑ مارنے ہی تھی مگر وہ کیا تھا جو قدموں کی زنجیر بنا تھا۔

سعد کی آنکھوں کا تاثر...... اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور سعد کے کالرز تک جا پہنچا وہ سکون سے انہی تاثرات کے ساتھ کھڑا رہا۔

''تم نہیں جاؤ گے۔''

''جاؤں گا......''

''نہیں......'' اس نے ایک کمزور جھٹکا کالرز کو دیا۔

''موی ضد فضول ہے۔'' اس نے نرمی سے موی کے ہاتھوں سے اپنے کالرز چھڑوائے۔

تو وہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ موی کی طاقت اس کے

سامنے "دبس" تھی۔ مومی نے بے یقینی سے سعد کو دیکھا..... دو قدم پیچھے ہٹی..... لڑکھڑائی..... سراب چکرا رہا تھا۔

"تم....." اس نے انگلی اٹھائی۔ "نہیں جاؤ گے۔" انگلی اٹھا کر آنکھیں بند کر کے سر کو جھٹکتے ہوئے وہ وقفے، وقفے سے بول پائی تھی۔

اب کی بار وہ خاموش رہا..... مومی کو دیکھتا رہا، وہ جانتا تھا کہ مومی کا فشارِ خون بلند ہو رہا تھا۔ وہ مڑی پھر سے لڑکھڑائی..... حسیب نے اسے پکڑنا چاہا مگر اس نے ہاتھ چھڑوالیا۔ تنفس تیز ہو رہا تھا۔ صوفوں کے بازوؤں کا سہارا لیتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔

حسیب نے سعد کو دیکھا اور سعد نے حسیب کو..... ایسا ردِ عمل.....

یہ خلافِ توقع تھا۔

☆☆☆

چہرے پر کسی تمازت کا سا احساس جاگا تھا۔

احساس اچھا تھا..... اس کی ناک بے حد سرد ہو رہی تھی۔ ایسے میں یہ تمازت بہت بھلی محسوس ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے بے حس و حرکت پڑی اسی تمازت کو محسوس کرتی رہتی۔

"مگر یہ آ کہاں سے رہی تھی؟" ذہن نے بیدار ہوتے ہی سوال داغ دیا۔ آنکھیں کھولنے پہ درد کا احساس جاگا تھا۔

وہ چت لیٹی ہوئی تھی..... دونوں بازو دائیں، بائیں جسم سے ذرا فاصلے پر گرے پڑے انداز میں کھلے ہوئے تھے۔ پیٹ تک جسم کمبل سے ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا.....

یہ تمازت کا احساس سورج کی اس کرن کی دین تھا جو کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔

اس نے بازوؤں کو حرکت دی۔ جسم پہ تھکاوٹ کا احساس شدید تھا..... خود کو کھینچ کر کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا..... دروازہ کھلا ہوا تھا۔

یقیناً ابھی ذرا دیر پہلے ہی کوئی پردے ہٹا کر گیا تھا۔ سر میں بھی ہلکا سا درد کا احساس موجود تھا۔

وہ خاموشی سے کھڑکی سے اندر آتی روشنی کو دیکھنے لگی۔

اس نے سلیپنگ پلز لی تھیں..... اسے یاد تھا اور یہ رات کی بات تھی..... تب کی بات تھی جب سعد نے اس سے بات کی تھی۔

اور اب ایک اور صبح طلوع ہوئے بھی دیر ہو چکی تھی.....

"ائر فورس.....ائر فورس..... ائر فورس....."

اس کے ذہن نے پھر سے گردان شروع کر دی تھی۔

اب کی بار وہ تنگ پڑی نہ بیزار ہوئی۔

"یہ ہمارے بیٹوں کو کھا جاتی ہے، دکھ دیتی ہے، ایک ابنارمل زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے۔ بچے پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو جاتے ہیں..... باپ جوان لاشے اٹھاتے ہیں..... اور پھر بھی..... پھر بھی..... پھر بھی لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔" روشنی کی کرن میں حدت بڑھی تھی۔ وہ اب جسم کو راحت بخشنے کے بجائے سلگانے لگی تھی۔ دھواں سا اٹھنے لگا جسم جیسے جلنے لگا.....

"باپ، بھائی، شوہر اور اب بیٹا..... ممی اپنا بیٹا بھی داؤ پر لگانا چاہتی ہیں۔" نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔

"یہ کم از کم میری زندگی میں تو نہیں ہوگا۔" اور وہ بھڑک اٹھی۔

"کسی بھی صورت میں نہیں، ہرگز بھی نہیں کسی طرح سے بھی نہیں....." اس نے ایک جھٹکے سے خود پر پڑا کمبل اتارا تھا۔

☆☆☆

انہیں اپنی پشت پر کوئی احساس چبھتا ہوا محسوس ہوا..... وہ مڑنے پر مجبور ہوئی تھیں۔

"مومی..... اٹھ گئیں....." ان کے ہونٹوں پر یک دم ہی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

اس کا حلیہ ابتر تھا..... چٹیا میں بندھے بال مگر جا بجا سے الجھی لٹیں چٹیا سے نکلی ہوئی..... شکن زدہ لباس..... سرخی مائل آنکھیں دوپٹا ندارد چہرے کے کرخت تاثرات

اور وہ چبھتی ہوئی نظروں والی آنکھیں.....

''طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی......؟'' جواب نہ پا کر وہ کچھ سنجیدگی سے مڑتے ہوئے بولیں..... ہاتھ میں کفگیر تھی.....آج وہ کھانا خود بنا رہی تھیں۔

''سعد ائرفورس میں نہیں جائے گا۔'' گل نے بے ساختہ تھک کر آنکھیں بند کی تھیں۔

وہ سمجھ جاتی.....اس صدی کا معجزہ نہ ہو جاتا؟

''مومی ضد چھوڑ دو......'' اس کی طرف پشت کیے ہی وہ ذرا سی خفگی سے بولیں۔

''میں نے کہہ دیا......وہ نہیں جائے گا...... سو نہیں جائے گا......''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' ہاتھ سے کفگیر شیلف پر پٹختے ہوئے وہ بل کھا کر مڑی تھیں۔

''آپ اس کو سمجھا لیں..... بلکہ اسے فورس کریں کہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' دانت پیستے ہوئے گل نے کہا تھا۔

''میری بات ٹال سکتا ہے، آپ کو کیسے ٹال پائے گا..... ممی..... آپ کو یہ کرنا ہوگا......'' وہ چیخی تھی۔''کرنا پڑے گا......''

گل نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

وہ انہیں مجبور کر رہی تھی۔

''میں سعد کو کچھ نہیں کہوں گی......'' حیرت سے ذرا سی بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بولیں۔

''آپ کو کہنا پڑے گا......'' اس نے پھر شاؤٹ کرتے ہوئے دروازے کی چوکھٹ پہ ہاتھ مارا تھا۔

گل نے خاموشی سے اسے گھورا۔

''نہ کہوں تو......؟''

وہ کچھ بولی نہیں..... طیش سے انہیں دیکھتی رہی..... یہ سب کیوں اس کی بات نہیں سمجھ رہے تھے کیوں......؟

''ممی......! آپ ایسا کریں گی اور ضرور کریں گی۔'' وہ ان کے قریب آتے ہوئے بولی۔

''نہیں کروں گی......'' ترنت جواب آیا۔

مومی کے ماتھے کے بل اور گہرے ہوئے......

''آپ کے بیٹے کو ائرفورس کھا جائے گی......'' لہجہ ڈرانے والا تھا۔

''تو......؟ مرنا تو ہے ہی ناں...... اچھا ہے کسی مقصد کے لیے جان جائے......'' گل پہ اثر نہ ہوا تھا۔

مومی کا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ پہلی دفعہ گھر والوں پہ اس کے سارے حربے ناکام ہو رہے تھے۔

''آپ ایسا نہیں کر سکتیں......'' وہ اور لاؤڈ ہوئی تھی۔

گل نے کفگیر اٹھائی اور لاتعلقی سے دیگچی کو دیکھنے لگیں۔

مومی بھڑک اٹھی...... اسے سعد کو روکنا تھا...... کچھ کرنا تھا...... ہر حال میں، اس نے شیلف پہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں...... نائف ہولڈر میں چھریاں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ اس نے یک دم ایک چھری باہر نکالی، گل چھری کو ہولڈر سے کھینچ کر نکالنے کی آواز پر پلٹی تھیں۔ ہولڈر نیچے جا گرا تھا۔

''مومی......'' دھچکا شدید تھا......وہ ساکت ہوئیں۔

''سعد ائرفورس جوائن نہیں کرے گا۔'' چھری کلائی پر رکھے اس نے کسی جنونی کی طرح الفاظ دُہرائے۔

''یہ کیا پاگل پن ہے مومی......؟'' دماغ بھک سے اڑا...... سمجھ غائب ہوئی اور وہ اب حواس باختہ تھیں۔

''سعد ائرفورس جوائن نہیں کرے گا۔''

''میں کروں گا......'' سعد کی آواز مومی کی پشت پر ابھری تھی۔ اور بے حد غلط موقع پر ابھری تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس سے پہلے کیا گفتگو ہو چکی تھی اور یہ کہ مومی چھری کلائی پر رکھے کھڑی تھی۔ اس نے آخری جملہ سنا تھا اور بس...... اسے رہ کر غصہ آیا تھا۔

''میں جاؤں گا......'' وہ بات دُہراتے ہوئے ایک قدم اور آگے بڑھا...... مومی کا چہرہ بگڑا...... وہ ماں کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی کہ جہاں خوف رقم تھا۔

''مومی...... بیٹے میری بات ......'' ساتھ ہی ایک چیخ فضا میں گونجی تھی۔

(باقی آئندہ)

خواہشوں کے دریا

طیبہ عنصر مغل

''آخر کیوں کیا اس نے؟'' صبح سے یہ سوال مجھے پریشان کیے ہوئے تھا۔ اسی پریشانی میں آفس سے میں جلدی اٹھ گیا لیکن آفس سے نکل کر بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جاؤں...... ''گھر؟'' جہاں جاتے ہی بوڑھی ماں اور میری تینوں بیٹیاں مجھ سے یہ سوال ضرور کریں گی کہ ان کا منا سا بھائی اسپتال سے گھر کب آئے گا...... یا پھر اسپتال جاؤں؟ جہاں جا کر مجھے اس عورت کی مکروہ صورت دیکھنا ہوگی جس کی صورت دیکھے بغیر میری نہ صبح ہوتی تھی اور نہ شام ڈھلتی تھی۔

میں احد اقبال جو اپنے والدین کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا لیکن ان کے لاڈ پیار نے مجھے بگاڑا نہیں بلکہ ان

کمر کا درد ...... ایک عام شکایت

کسی بھی وجہ سے کمر کے درد میں ہونے والی بے چینی و بے قراری ایک تیز دھار خنجر کی ضرب کی طرح بھی ہوسکتی ہے اور ہلکی چبھن کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے۔ آج ہر دس افراد میں سے آٹھ افراد کمر کے درد کا شکار ہیں۔ ڈھیلے ڈھالے انداز میں جھک کر بیٹھنے کی عادت بھی آپ کی کمر کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ بہت دیر تک بے حس و حرکت بیٹھے رہنے سے بھی آپ کی کمر کی رگوں، پٹھوں میں کھچاؤ پیدا ہوسکتا ہے اور آپ کی کمر اکڑ بھی سکتی ہے لیکن اگر بہت دیر تک بیٹھے رہنا آپ کی عادت میں شامل ہو چکا ہے تو کچھ وقت نکال کر مندرجہ ذیل طریقوں پر عمل کیجیے۔

☆ اپنی کمر میں معمولی سا جھکاؤ پیدا کر کے اپنی کرسی پر پیچھے کی طرف ٹیک لگا کر اس طرح آرام سے بیٹھ جائیں کہ آپ کے پاؤں فرش پر سیدھی حالت میں رہیں، اس طرح بیٹھے رہنے سے آپ کی کمر کھچاؤ اور اکڑن سے محفوظ رہے گی۔

☆ کسی کو فون کرتے ہوئے یا اپنے کسی کام کو انجام دیتے ہوئے کچھ دیر کھڑے رہنے کی بھی کوشش کیجیے۔

☆ جب آپ کرسی پر بیٹھ کر کمپیوٹر پر کام کریں تو اپنی کمر کو سیدھا رکھیے۔ بھاری بستوں کو اٹھائیں تو اپنی کمر سیدھی رکھیں ورنہ ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

☆ اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ کمر کے درد میں بستر پر لیٹے رہنے سے ہی آرام مل سکتا ہے تو یہ بات غلط ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک یا دو دن تک مسلسل بستر پر لیٹے رہنے سے آپ کی کمر کے درد میں اضافہ ہوسکتا ہے، کمی نہیں ہوسکتی۔ چست و فعال رہنے کی عادت درد سے چھٹکارا دلا سکتی ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ حرکت ہی

کی پُرشفقت چھاؤں نے مجھے اپنی زندگی کی راہوں کو آسان بنانے میں مدد کی......

ایم بی اے کرتے ہی اماں کو میری شادی کا ارمان جاگ گیا اور میری جاب کے لگتے ہی اماں نے مجھے اپنے دور پرے کی خالہ زاد بہن کی بیٹی علیشہ سے بیاہ دیا...... زندگی کا ایک نیا باب کھل گیا...... لیکن یہ ایک داستان ہے کہ علیشہ، اماں کی دور پرے کی رشتے دار ہونے کے باوجود میرے دل سے ان ہی دنوں میں بہت قریب ہو چکی تھی جب وہ اور اس کی اماں ہمارے گھر میں کالج کے دنوں میں آیا جایا کرتی تھیں اور اس کی اماں نے انٹر کے امتحانات میں مجھے اس کی اسٹڈیز میں مدد دینے کا کہا تھا...... ہماری شادی کے ایک سال بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھر میں عزا کی صورت میں ایک خوب صورت اضافہ کردیا۔ وہ ننھی پری ہم سب گھر والوں کی جان تھی اور اماں تو اس کو گود سے اتارنے کو ہی تیار نہ ہوتی تھیں...... عزا کی پیدائش کے دو سال بعد ایک بار پھر خوشیوں نے ہمارے در پر دستک دی۔ ان ہی دنوں میرے دوست عاقب کے ہاں دوسرے بیٹے کی ولادت ہوئی۔ اماں اور میں بچے کے عقیقے میں گئے تو واپسی پہ مجھے لگا کہ اماں خلافِ معمول کچھ خاموش سی ہیں۔ اِدھر میرے دل میں بھی چپکے سے یہ آس ڈیرا ڈال چکی تھی کہ میں شاید اب کے بیٹے کا باپ بنوں گا...... گھر آ کر علیشہ سے بھی میں نے اس خواہش کا اظہار کردیا لیکن میں نے اس وقت دھیان نہیں دیا کہ وہ ہنستے، ہنستے یک دم چپ کیوں ہوگئی تھی...... کچھ ہی دنوں بعد جب رات کو اچانک علیشہ کی طبیعت خراب ہوئی اور اس کو اسپتال لے جانا پڑا...... جب نرس نے ایک اور ننھی پری میرے ہاتھوں میں تھمائی تو جانے کیوں میرا دل بجھ سا گیا...... لیکن میں نے علیشہ پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس بار بچی کا نام

زندگی کا نام ہے، کمر کا درد ان لوگوں میں عام ہوتا ہے جو مسلسل ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر بہت دیر تک کام کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں میں آرام طلبی کی عادت پختہ ہو جاتی ہے، نتیجتاً وہ سست ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ چھٹی کے دن ایسی سرگرمیوں میں خاص طور پر حصہ لیتے ہیں جن میں انہیں جسمانی توانائی یا قوت زیادہ خرچ نہ کرنی پڑے جبکہ وہ پورے ہفتے دفتروں میں بھی مسلسل بیٹھے رہنے والے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

☆ جو لوگ اپنے جسموں کو انتہائی متناسب رکھنے کی بہت زیادہ کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وہ جسمانی وزن بڑھنے یا مٹاپے کے خوف کی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی بھوک ختم ہو جاتی ہے، ایسے لوگ بھوک کی کمی کا شکار ہو کر اپنی ہڈیوں کو کمزور کر لیتے ہیں۔ ان کی ہڈیاں بہ آسانی ٹوٹ سکتی ہیں اور ان کی ریڑھ کی ہڈی کو بھی شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔

☆ ہر روز باقاعدگی سے ورزش کرنے سے کمر کے درد سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ معالج ایسے لوگوں کو ابتدا میں ہلکی پھلکی ورزش کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جو کسی شدید جسمانی چوٹ کی وجہ سے کمر کے نچلے حصے میں درد کا شکار ہو جاتے ہیں پھر بتدریج اس ورزش کو بڑھانے کا مشورہ دیتے ہیں اور کمر کے درد کی شکایت میں کمی آنے لگتی ہے، معالج کی تجویز کردہ یہ ورزش مستقل ہونے والے کمر کے درد میں ہمیں دوبارہ مبتلا ہونے سے بھی بچا سکتی ہے۔

☆ آج کے جدید ترقی یافتہ زمانے میں جہاں انسان ہمہ وقت پریشانیوں اور ذہنی دباؤ کا شکار ہے اس کے لیے یوگا ایک مفید طریق علاج ہے۔ یوگا میں انسان سب چیزوں کو چھوڑ کر کسی ایک طرف اپنی پوری توجہ مرکوز کر لیتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو سکون کی نعمت مل جاتی ہے اور اس سکون سے اس کے اعصاب کو فائدہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے کمر کے درد میں بھی افاقہ ہوتا ہے۔

از: ڈاکٹر نفیسہ حسین، لاہور

شز ارکھا اور ان دونوں کو لے کر گھر آ گیا...... اماں جو ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی تھیں۔ ان کو بڑے رسان سے ابا جان نے سمجھا بجھا لیا تھا لیکن علیشہ کے ساتھ اماں کے رویے میں وہ پہلی سی بات نہ تھی۔ زندگی ایک بار پھر رواں دواں ہو گئی...... بچوں کی ننھی شرارتیں اس میں خوشیوں کا رنگ بھرتی رہیں۔ اسی دوران میرے پیارے ابا جان اس دنیا سے رخصت ہو گئے...... اماں اب بہت چڑچڑی رہنے لگیں۔ اب وہ اٹھتے بیٹھتے علیشہ سے پوتے کا مطالبہ کرتیں اور مجھے دوسری شادی پر اکساتی تھیں اور علیشہ گھر کے کام کا بوجھ، اماں کے طعنے، ان سب پریشانیوں کا غصہ اکثر مجھ پر یا بچوں پر چلا کر نکالتی...... میں گھر کے ماحول سے اکتانے لگا اور اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا تھا۔

”سر آپ کو ڈاکٹر صاحب اپنے روم میں بلا رہے ہیں......“ نرس کی آواز نے مجھے چونکا دیا اور مجھے حیرت ہوئی کہ نہ جانے کب میں بے اختیاری میں اسپتال آ گیا اور آئی سی یو کے باہر بیٹھ کر یہ سب سوچنے لگا۔ ان خیالات کو جھٹک کر میں ڈاکٹر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا...... ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ عدن...... میرا بیٹا اب خطرے سے باہر ہے۔ اور بر وقت خون کی دستیابی نے اس کی جان بچالی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے عدن کے کمرے میں جانا تھا۔ اور مجھے علیشہ سے بات بھی کرنی تھی...... مگر کمرے میں موجود علیشہ کے کزن عمیر کو دیکھ کر میرا دل چاہا کہ میں یہیں سے لوٹ جاؤں...... کتنی حیرت کی بات تھی ناں کہ تین بچیوں کے بعد منتوں مرادوں سے پیدا ہونے والے میرے بچے کی زندگی کو جس شخص نے اپنا خون دے کر بچایا ہو اسے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھے آخر ایسا کیوں......؟

دوسرے دن عدن کو ڈسچارج کر دیا گیا اور میں

بجھے دل سے علیشہ اور عدن کو لے کر گھر آ گیا...... عدن کو دیکھ کر گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور علیشہ شاید عدن کی دیکھ بھال اور مہمانوں کے آنے سے میرے رویتے پر دھیان نہ دے پائی۔ میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹا تو ایک بار پھر سوچوں نے مجھے گھیر لیا۔

اس دن مجھے کمپنی کی طرف سے یہ خوشخبری ملی تھی کہ میری پرموشن ہو رہی ہے۔ جہاں اس خوشی نے مجھے پُرجوش کیا تھا وہیں اس بات نے مجھے فکر مند بھی کر دیا تھا کہ ان دنوں جب علیشہ کو ایک بار پھر میری ضرورت تھی۔ مجھے اس کو چھوڑ کر جانا پڑ رہا تھا کمپنی کی طرف سے مجھے سنگاپور جانا تھا اور میرا یہ ٹور چھ ماہ کا تھا...... اور مزید پریشانی یہ تھی کہ علیشہ اس بار جڑواں بچوں کو جنم دینے والی تھی۔ بالآخر علیشہ اور اس کے گھر والوں کے سمجھانے پر میں سنگاپور روانہ ہو گیا...... اور وہاں پہنچ کر کام میں اتنا مگن ہوا کہ وقتی طور پر اس پریشانی کو بھول گیا...... پھر وہ دن بھی آیا جب اماں نے مجھے گویا زندگی کی نوید دے دی کہ ''احد آج اللہ تعالیٰ نے تمہیں رحمت اور نعمت دونوں سے نواز دیا......'' اس کے بعد میرا وہاں وقت گزارنا مشکل ہو گیا تھا، میرا دل چاہتا کہ آنکھیں بند کروں اور پاکستان پہنچ جاؤں...... خدا، خدا کر کے وہ دن بھی آ گیا جب میں گھر والوں کے تحفوں سے لدا پھندا گھر میں داخل ہوا...... اور وہ لمحہ تو لگتا تھا پوری زندگی کا حاصل تھا کہ جب عدن میری گود میں پہلی بار آیا اور ہنس دیا۔ اور میں مجرم ہوں اس لمحے کا جب میں نے عدن میں کھو کر اپنی نومولود بیٹی عروہ کو ذرا بھر دھیان نہ دیا، عدن کی خوشی میں مجھے اس کمی کا احساس بھی نہ ہوا کہ علیشہ ڈیلیوری کی پیچیدگیوں کی وجہ سے اس کے بعد ماں نہیں بن سکے گی۔

زندگی شاید یونہی گزرتی رہتی اگر اس دن وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا میں اس دن بھی حسبِ معمول جلدی، جلدی ناشتا کر رہا تھا اور اس کے بعد مجھے شزا اور عزا کو اسکول چھوڑنا تھا اور آفس پہنچنے کی بھی جلدی تھی۔ علیشہ نے جلدی، جلدی ہمارے لنچ باکس ہمیں دیے اور گیٹ تک خدا حافظ کہنے آئی۔ ابھی مجھے آفس آئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ علیشہ کا گھبراہٹ سے بھرا ہوا فون مجھے موصول ہوا کہ دو سالہ عدن سیڑھیوں سے گر کر شدید زخمی ہو گیا ہے اور اس نے اسپتال کا نام لے کر فون بند کر دیا۔

جانے کیسے میں گرتا پڑتا اسپتال پہنچا تو پتا چلا کہ میرا بیٹا میری جان عدن آئی سی یو میں ہے اور ڈاکٹروں نے سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے آپریشن کا بتایا ہے اور اس کے خون کا گروپ نایاب ہے اور ہمیں فوری طور پر خون کا انتظام کرنا ہوگا...... علیشہ نے گھبرا کر میرا بازو پکڑا ہوا تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ احد میں نے خون کا ٹیسٹ کروایا ہے مگر میرا گروپ عدن کے بلڈ گروپ سے نہیں مل پایا...... اور اس کی اسی بات نے میری زندگی کو تباہ کُن سوچوں کے حوالے کر دیا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر اس بات میں ایسا کیا تھا کہ میں بیٹے کو بھول کر ایسا سوچنے لگا...... تو بات کچھ یوں ہے کہ مجھے اپنے خون کا گروپ بھی معلوم ہوا تھا کہ عدن سے نہیں مل رہا اور میں نے یہ سن رکھا تھا کہ بچوں کا بلڈ گروپ ماں، باپ میں سے کسی ایک سے ضرور مل جاتا ہے مگر ایسا نہیں ہوا تھا تو پھر......

اس سے آگے مجھے سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ کیونکہ عمیر جو علیشہ کا کزن تھا، وہ ان دنوں میں بھی ہمارے ہاں اپنی جاب کے سلسلے میں رہائش پزیر تھا جب مجھے علیشہ کے ایک بار پھر امید سے ہونے کی خوشخبری ملی تھی۔ اور اس کا خون کا گروپ بھی عدن سے مل گیا تھا اس سے آگے سوچتے ہوئے مجھے اپنے سر کی رگیں چٹختی محسوس ہو رہی تھیں۔

اب اس بے چینی کا ایک ہی حل تھا کہ میں نے عدن کے اسپتال میں ہونے کا فائدہ اٹھا کر اپنا اور عدن کا ڈی این اے کروالیا اس طرح کہ علیشہ کو اس کی خبر نہ ہوئی اور پھر ان رپورٹس نے مجھے زمین سے پاتال میں لا ڈالا...... مجھے لگا آج کے بعد بھروسا...... محبت یہ سب لفظ میری زندگی میں کبھی نہیں آئیں گے......

رپورٹس کے مطابق عدن میرا بیٹا نہیں تھا۔

☆☆☆

میں ''علیشہ احد''..... جو اپنے شوہر کی مجرم ہوں' آج زندگی کے اس دوراہے پر کھڑی ہوں کہ جس کے ایک طرف کھائی ہے تو دوسری طرف کنواں..... مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں.....؟

ان دنوں جب میرا پیارا بیٹا موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا تو مجھے کسی بات کا ہوش نہ تھا سوائے عدن کی زندگی کی دعا کے..... لیکن اب جب دعائیں بار آور ہوئیں اور عدن زندگی کی طرف لوٹ آیا تو میں ایک بار پھر آزمائش اور دعا کے دوراہے پہ تھی۔ میں جانتی ہوں کہ احد جان چکے ہیں کہ عدن ان کا بیٹا نہیں ہے اور یہ بھی کہ انہوں نے ڈی این اے کروالیا ہے۔ یہ بھی کہ ان کا رویہ میرے ساتھ بہت برا کیوں ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ اگر فی الحال چپ ہیں تو صرف اپنی ماں کے لیے جو عدن کو دیکھ کر جیتی ہیں، کیا مجھے ان سے معافی مانگ لینی چاہیے؟ لیکن کیسے؟ گناہ تو میں نے کیا ہے..... اور یہ گناہ کیسے ہوا آئیں میں آپ کو بتاتی ہوں۔ ان دنوں جب میری دوسری بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ ان دنوں احد اور اماں کو بیٹے کی بے حد آرزو تھی جو شہزا کی پیدائش پہ ٹوٹ گئی اور پھر جب تیسری بار میں امید سے ہوئی تو اماں نے صاف، صاف کہہ دیا تھا کہ اب کی بار اگر لڑکی ہوئی تو احد کو دوسری شادی کرنی ہوگی اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ احد کو دوسری عورت سے بانٹ سکوں اور اس بات کا مجھے علم تھا کہ احد بھی اماں کی بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔ اور پھر قسمت نے میرا ساتھ دیا کہ احد کو میری ڈاکٹر نے اصرار کے باوجود یہ نہیں بتایا کہ میرے جڑواں بچوں میں سے دونوں ہی لڑکیاں ہیں..... لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس میں قسمت سے زیادہ میری ڈاکٹر کے لالچ کا ہاتھ ہے۔ بعد میں ڈیلیوری کے وقت ڈاکٹر نے مجھے کہا کہ تم چاہو تو یہ بات دب سکتی ہے اور میں تمہیں ایک لاوارث بچے کو دے کر بیٹے کی ماں ہونے کا حق دلوا سکتی ہوں لیکن اس کے بدلے میں مجھے اس کو ایک موٹی رقم دینا ہوگی۔

خدا کی کرنی کہ میری یہ ڈیلیوری آپریشن سے ہوئی اور میری ایک بچی پیدائش کے دوران ہی مرگئی اور ڈاکٹر نے بتایا کہ میں اب کبھی ماں نہیں بن سکتی ہوں۔ یوں میں نے اس بچی کی قبر اپنے دل میں بنالی اور ڈاکٹر نے مجھے ایک ایسی فیملی کا نومولود لاکر دیا جو انتہائی غریب تھے اور یہ ان کا دسواں بچہ تھا۔ مفلسی نے ان کو ان کا بچہ بیچنے پر مجبور کردیا اور ڈاکٹر نے چند ہزار کے عوض وہ بچہ خرید لیا۔ یہ ساری باتیں آج ایک ماہ بعد رو، رو کر سب کے سامنے احد کے پاؤں پکڑ کر بتارہی تھی کہ عمیر کا اور عدن کا کوئی تعلق ہرگز نہیں تھا خون کے گروپ تو غیروں کے بھی مل جایا کرتے ہیں جبکہ عمیر کا ڈی این اے ٹیسٹ نہیں ہوا تھا..... مجھے تو حقیقت پتا بھی تھی مگر احد کو کیسے یقین دلاتی مگر اب اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

کیونکہ..... کیونکہ احد نے پہلے مجھے طلاق دے دی تھی یہ کہہ کر کہ یہ بچہ ان کا نہیں بلکہ عمیر کا ہے اور وہ مجھ جیسی زناکار عورت سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔

☆☆☆

اب آپ بتائیں اس سارے معاملے میں گناہ گار کون تھا..... ''علیشہ؟'' جس نے معاشرتی دباؤ اور دوسری عورت کے ڈر سے ایک بچہ خریدا..... اپنی بچی کی موت کو چھپایا اور اپنے شوہر کے اعتماد کو مجروح کیا۔

یا ''احد.....؟'' جس نے بیوی کو صفائی کا حق نہ دیا..... اپنی خواہشات کے دباؤ سے بیوی کو گناہ گار بنادیا۔

یا پھر احد کی ''اماں'' جن کی دھمکی اور ایک ایسی خواہش کو پورا کرنے پر بہو کو لعن طعن کرنا جو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یا پھر..... وہ ڈاکٹرز جو یہ گھناؤنی سازشیں کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

یا وہ مفلس گھرانے جو اپنی مفلسی کے باعث اپنے بچوں کو چند ہزار میں بیچ کر لوگوں کو جرائم کی راہ پر لاتے ہیں۔

آخر کون ہے وہ مجرم کیا آپ فیصلہ کر پائیں گے؟

......یہ کہاں آ بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .
آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا . . .
عبادات، معاملات . . .
جنتِ گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی . . .

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط ۷

”Mam sorry to say عزتِ نفس تو ایک چھوٹے سے بچے کی بھی ہوتی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ ایم بی اے کی ڈگری ہاتھ آنے تک میں نے کس کس طرح سے suffer کیا...... کس طرح سے جاگ، جاگ کر ٹوٹ کر آنے والی نیند کی منت خوشامد کی کہ یہ تمہارے آنے کا مناسب وقت نہیں ہے ابھی بہت کام ہے پیٹ بھر کر من پسند کھانا نہیں کھایا کہ پھر ٹوٹ کر نیند آتی ہے، کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔“

تاجور کے عتاب کے جواب میں ساحل نے کسی فصیح البیان مقرر کی طرح بڑی نفاست سے الفاظ کے موتی چنے۔
تاجور ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

”کیونکہ اس ملک میں بیروزگاری بہت زیادہ ہے اس لیے سرمایہ دار بہت زیادہ بلیک میل کرتے ہیں...... نوکری دے کر احسان کرتے ہیں...... یہ نہیں سوچتے کہ ملازم اپنا خون اس کے مٹی کے چراغوں میں ڈال کر اس کے اندھیرے دور کرتا ہے...... اس کے دو پیسوں کو آٹھ پیسے بنانے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے...... اس کے مٹی کے چراغوں میں کسی



محنت کش کا لہو نہ ہو تو بس مٹی کے چراغ مٹی ہی بن جائیں۔ اس ملک میں جوانوں کی فرسٹریشن (احساسِ محرومی) کا ذمے دار سرمایہ دار طبقہ ہے۔ ملازم اور غلام میں بہت فرق ہوتا ہے بیگم صاحبہ......'' ساحل اپنے گھر میں بیٹھا تھا...... ملازمت سے نکال دینے کے خوف سے آزاد تھا...... اس کو نڈر بنانے میں کوئی شے مانع نہیں تھی۔

بلکہ اس وقت تاجور کی عزت اس کے ہاتھ میں تھی...... کہ گھر آئے کی عزت گھر والوں کے اختیار میں چلی جاتی ہے۔

تاجور اس شعلہ بیاں مقرر کے سامنے خاصی بے بسی محسوس کر رہی تھیں۔ ساحل کا کوئی تیر بے خطا نہیں جا رہا تھا...... ٹھیک نشانے پر لگ رہا تھا۔

''لیکن جو طریقہ تم نے اپنایا...... اس کو سوائے غیر ذمے داری کے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔''

بالآخر تاجور کو مناسب الفاظ سوجھ ہی گئے۔

''اور رہی یہ بات کہ ملازم اور غلام میں فرق ہوتا ہے، مجھے اس بات سے بالکل بھی اختلاف نہیں...... مگر یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھیں کہ صرف ایک ملازم کی محنت کرنے سے کسی سرمایہ دار کی دولت میں اضافہ نہیں ہوتا...... سیکڑوں لوگوں کو ایک سرمایہ دار کے سرمائے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ ان کے گھر کے چولھے جلتے ہیں سرمایہ دار کے منافع کی تقسیم ہوتی ہے تو بہت سے لوگوں کے معاشی مسائل کسی حد تک کم ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنا سرمایہ نکال کر بزنس میں لگاتا ہے تو وہ رسک لیتا ہے...... اس کا سرمایہ ڈوب بھی سکتا ہے۔ ہر سرمایہ دار سود خور بن کر بھی زندگی گزار سکتا ہے، کچھ نہ کرے...... پیسہ بینکوں میں رکھ کر بیٹھ کر کھاتا رہے۔ مگر وہ حرکت کرتا ہے تو بے شمار گھروں میں برکت ہوتی ہے، میں نے تو خود دیکھا ہے لوگ اپنی پراپرٹی سیل کر کے بینکوں میں پیسہ رکھ دیتے ہیں...... ہر مہینے پرافٹ لیتے ہیں، گھر کا کرایہ بھی دیتے ہیں اور بیٹھ کر کھاتے ہیں۔''

تاجور ساحل کی بنیادی روحانی تکلیف بھانپ گئی تھیں۔

''بے شمار لوگ لامتناہی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں، اپنی محرومیوں پر کڑھتے ہیں، دوسروں کی خوشحالی پر خالقِ حقیقی سے شاکی ہوتے ہیں، حسد کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی مادی خوشحالی اس کی خوشیوں کی ضمانت نہیں ہوتی۔'' ان کے پاس بھی بے تحاشا دولت تھی مگر بیوگی کا روگ جی کا آزار تھا...... ہیرے جڑے کنگن پہننے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

اصلی ریشم کی خوش رنگ ساڑی پہنتے دل اداس ہوتا تھا۔ آرائشوں کو سراہنے والا، اداؤں پر نثار ہونے والا ساتھی نہ ہو تو پھر یونہی لگتا ہے کہ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔

تاجور کی دانشورانہ باتیں سن کر ساحل نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔

''غریب انسان کے پاس صرف اس کی عزت کی جمع پونجی ہوتی ہے...... کوئی یہ بھی چھین لے تو وہ غریب سے قلاش بن جاتا ہے۔'' ساحل نے بہت دبی ہوئی آواز میں دل کی بات کی تھی۔

''آپ غریب ہیں نہ قلاش...... صحت مند نوجوان ہیں اور صحت سب سے بڑی دولت ہے۔ آپ نے موجودہ زمانے کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، وہ آپ کی ناقابلِ شکست قوت ہے جب تک اللہ نے آپ کو زندگی دی ہے۔ رہی یہ بات کہ کسی نے آپ کی عزتِ نفس پر حملہ کر کے آپ کو بے عمل کر دیا تو یہ کتنا بڑا مذاق ہے۔ آپ نے ایک انسان کو خود پر حکومت کرنے کی اجازت اتنی آسانی سے دے دی؟ وہ جب چاہے آپ کو زیر کر کے رکھ دے؟ وہ اتنا زبردست کیسے ہو گیا...... آپ اتنے بے بس کیوں ہو گئے؟'' تاجور نے کتابوں سے زیادہ زندگی سے اکتساب کیا تھا...... ساحل بری طرح لاجواب ہو گیا...... ہر وقت بارش کی طرح برسنے والے الفاظ بخارات بن کر اڑ گئے۔



''میں نے آپ کو ایک بائیک کے لیے loan نہیں دیا حالانکہ پچاس ہزار کا قرضہ دینا میرے لیے مسئلہ نہیں مگر میں ایک قابل نوجوان کو ہاتھ کے ہاتھ سہولت دے کر ناکارہ نہیں بنانا چاہتی۔'' وہ ایک پل کو ذرا رکیں۔

''میں اپنے ساتھ کام کرنے والے نوجوانوں کی تربیت بھی کرتی ہوں...... کیونکہ جن نوجوانوں کی خدمات حاصل کرتی ہوں وہ عام نوجوان نہیں ہوتے...... بہت باصلاحیت اور محنتی ہوتے ہیں، میں چاہتی ہوں وہ اپنی بہترین صلاحیت کے مظاہرے تک آئیں...... سفر راستے میں نہ رک جائے...... ایک چھوٹی سی چیز کے لیے اپنا بہترین دماغ استعمال نہ کریں...... زندگی سے کچھ بہت اچھا... بہت زیادہ بہتر یا بہترین حاصل کریں۔''

تاجور بہت باوقار انداز میں یوں کہہ رہی تھیں جیسے وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ساحل کے تمام خیالات پڑھ چکی ہوں۔

ساحل اب ششدر سا ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ خیال اس تک پہنچا جس تک رسائی میں اسے زمانے لگ جاتے۔

''آپ صبر و محنت سے اپنا کام جاری رکھیں...... آپ کو کمپنی سے 800cc کار نہیں 1600cc کار مل سکتی ہے مگر آپ خود کو 1600cc کار کا اہل تو ثابت کریں...... ایک inexperienced ایمپلائی کو ہر طرح سے facilitate کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسے اپنی شناخت سے روک دیا ہے۔ وہ کبھی یہ نہیں جان

پائے گا کہ وہ اپنے دماغ کے بہترین حصے کو کس طرح استعمال کر سکتا ہے۔''
ساحل کی حالت غیر ہونے لگی...... اسے یوں لگ رہا تھا گویا وہ موقع واردات پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔
''جن لوگوں کی نظر بڑے مقصد پر ہوتی ہے وہ چھوٹی، چھوٹی باتوں اور لوگوں کے نامناسب رویوں سے یوں گزر جاتے ہیں جیسے دریا بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں۔ اور دریاؤں کا رخ موڑنے کے لیے ڈیم بنائے جاتے ہیں...... ندی، نالے، کچرا دریا پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ دریا کے راستے میں آنے والی ہر چیز دریا کے ساتھ بہتی ہے۔ دریا کی منزل سمندر ہوتی ہے، کوئی اندھا کنواں نہیں......''
اس وقت ساحل کو در حقیقت اندازہ ہو رہا تھا کہ تجربے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی کہ ماہ وسال انمول ہوتے ہیں۔
''میں آفس میں آپ کا انتظار کروں گی۔ ایک باصلاحیت اور شاندار نوجوان کا...... ایک بہترین اور روشن دماغ کا......''
یہ کہتے ہی تاجور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔ ساحل اپنی رگوں میں ایک جوش و خروش دوڑتا محسوس کر رہا تھا...... اس کا جی چاہا وہ اپنے ہاتھوں سے بہترین کافی تیار کر کے میم کو پیش کرے جنھوں نے گویا ایک مردے کو زندہ کر دیا تھا۔
مگر تاجور کے رعب کا یہ عالم تھا کہ وہ لب بستہ بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

''Curiosity is one of the most permanent and certain characteristics of a vigorous intellect (جاننے، سیکھنے کی لگن مستقل اور بلاشک وشبہ قوی۔ اور اعلیٰ ترین ذہانت کی آئینہ دار ہے) مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ تم ہر نئے دن کا استقبال ایک تازہ دم سوچ کے ساتھ کرتے ہو۔ روز ایک نیا خیال میرے ساتھ شیئر کرتے ہو...... میں ایسے ہی تو تمہارے گرینڈ فادر کی پجارن نہیں ہوں۔''
لیڈی صوفیہ خانزادہ نے ٹشو پیپر سے اپنے ہونٹ صاف کرتے ہوئے بہت پیار بھری نظروں سے اپنے... پڑپوتے کی طرف دیکھا تھا۔
''گریٹ......'' پرنس نے شریر نظروں سے دادی کی طرف دیکھا۔
''آپ گرینڈ فادر کو یاد کرنے کا کوئی راستہ نکال ہی لیتی ہیں۔''
''اس لیے کہ وہ میرا اسوشل اسٹیٹس ہے، وہ میرا کل تھا اور وہ میرا آج بھی ہے...... تمہاری شکل میں...... اگر وہ فرشتوں کی طرح نیک اور سعادت مند نہ ہوتا تو کبھی اپنے فادر کی خواہش پوری نہ کرتا۔
اگر بہادر اور صحت مند نہ ہوتا تو برٹش آرمی کو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اگر وہ حسین اور شاندار مرد نہ ہوتا تو میں اس کو پا کر شاید پراؤڈ نہ ہوتی اگر وہ ذہین نہ ہوتا تو میرے دل پر حکومت نہ کرتا۔ میں اس کے عشق میں سرشار ہوئی تو ہی blessed ہوئی...... کہ مجھے بہترین اور ٹیلنٹڈ ڈاولا دملی۔ میرے بچوں کا DNA برائٹ کلرڈ ہے۔''
لیڈی صوفیہ کا انداز بے ساختہ اور سوزِ عشق سے دمکتا ہوا تھا۔
''سوسویٹ......'' پرنس نے پردادی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیا۔
''آئی ہوپ...... آج تم مجھے اس لڑکی سے ملانے جا رہے ہو۔'' لیڈی صوفیہ نے بالآخر وہ بات کی جس کا پرنس کو اندیشہ تھا۔
وہ میل جول کم رکھتا تھا، بات کم کرتا تھا، جتنی بات کرتا وہ بامعنی اور واضح ہوتی...... نہ جھوٹ بولنے کی نوبت

آتی نہ ضرورت...... صاف معاملات رکھنے کی وجہ سے ہر پل ہلکا پھلکا اور خوش رہتا تھا۔
شاید پہلی بار وہ جھوٹ بول کر پھنس گیا تھا...... اور اسے یاد آرہا تھا کہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں جھوٹ بول کر جھوٹ نباہنے کے لیے سو جھوٹ مزید بولنا پڑتے ہیں۔
''میں چیک کروں گا۔'' اس نے جواب میں کم الفاظ استعمال کیے...... وہ تفصیلی جھوٹ سے گھبرا رہا تھا۔
لیڈی صوفیہ بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
''مجھے یقین آ گیا...... تم نے جو کہا سچ کہا......'' لیڈی صوفیہ نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پُرسکون انداز میں کہا تو وہ نئے سرے سے چونک پڑا تھا۔
اس نے کچھ بولنے کے بجائے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''تمہیں واقعی اس سے عشق نہیں ہے، نہ وہ تمہیں ہر پل یاد رہتی ہے نہ تم اس سے ملنے کی جلدی میں نظر آتے ہو...... مگر...... جب تم پر ظاہر ہو چکا کہ وہ تم سے عشق کرتی ہے تو اس کی حالت اور حالات تم سے بہت مختلف ہوں گے۔ مجھے اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔ اس لیے کہ میں نہیں بھول سکتی۔'' بولتے، بولتے لیڈی صوفیہ کی آواز مدھم ہونے لگی۔ جیسے آنسوؤں کے پھندے حلق میں پھنس رہے ہوں۔
پرنس ایک لفظ منہ سے بھی نکالتے ہوئے خوفزدہ تھا...... وہ فطری اور خالص زندگی سے لطف اندوز ہونے کا عادی تھا۔
فطری اور خالص زندگی بے ساختگی کا مظہر ہوتی ہے اور بے ساختگی میں ارادی جھوٹ کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔
"four thousandships" برٹش آرمی کو لے کر فرانس پہنچے تھے۔ اپریل 1944ء میں میسولینی کو گولی ماردی گئی تھی۔ فاشسٹ پارٹی توڑ دی گئی تھی۔ برطانیہ کے چار ہزار بحری جہاز فوجیوں کو لے کر فرانس گئے تھے۔ تم سوچو چار ہزار جہاز کتنے فوجی لے کر گئے ہوں گے۔ ابھی اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ بہت جلد موت کے سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ وہ بہت خوب صورت اور امید بھری باتیں کرتا تھا مگر اس کا باپ جو ہمیشہ سے تاجِ برطانیہ کا شکر گزار تھا ہمارے خوشگوار لمحات زہریلے کر دیا کرتا تھا......'' بولتے، بولتے لیڈی صوفیہ کی آواز رندھ گئی۔
''وہ اپنے بیٹے سے صرف جنگ کے ٹاپک پر بات کیا کرتا تھا۔ وہ باپ کے پاس سے اٹھ کر میرے پاس آتا تو نڈھال ہوتا تھا۔ وہ کہتا۔ ''صوفیہ یہ جنگ زمین کا تمام حسن چاٹ جائے گی۔'' ایک طرف فیلڈ مارشل منٹگمری اور دوسری طرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو ساؤتھ ایشیا اور فار ایسٹ کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔'' انہوں نے لمحے بھر کا وقفہ لیا پھر بات شروع کی۔
''میں ایک، ایک پل اس کا انتظار کرتی تھی...... تاکہ وہ آگ اور بارود کی باتوں سے نڈھال ہو کر میرے پاس آئے تو ہم دو پل محبت کے سائے میں جی لیں۔ تم نہیں جانتے پرنس...... تم اس لڑکی کو کس قدر ہرٹ کر رہے ہو۔ تم اس کی روحانی اذیت سے بے خبر ہو...... میرے شوہر کے باپ کی طرح...... ابھی تک میں اس لڑکی سے نہیں ملی مگر مجھے اس سے محبت ہونے لگی ہے۔ کیونکہ وہ تم سے پیار کرنے لگی ہے۔ ابھی تک تم نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ تمہیں بھی اس سے محبت ہے...... شاید تم ذمے داریوں سے خوفزدہ ہو۔ کیونکہ محبت تو بہت بڑی ذمے داری ہے، کمٹ منٹ ہے، جسے موت بھی نہیں توڑ سکتی۔''
یہ کہہ کر لیڈی صوفیہ بچوں کی طرح رونے لگیں انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔
پرنس اس صورتِ حال کے لیے ہمیشہ تیار رہتا تھا...... دادی کے آنسو اس کے دل پر گرتے تھے۔ وہ اپنی پُرشکوہ کرسی دھکیل کر اٹھا اور لیڈی صوفیہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور ان کے سفید جھاگ، جھاگ بالوں پر ایک بوسہ ثبت کیا۔

وہ تو یہ سوچتا ہوا ناشتے کی میز پر آیا تھا آج وہ مسجد میں ملنے والے بچے کے بارے میں پوچھے گا کہ اس بچے کو بہت ساری خوشی دینے کے لیے وہ کیا کر سکتے ہیں...... بچے کے رخساروں پر بوڑھے آنسو کیوں بہہ رہے تھے، کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

وہ نعمتوں بھری زندگی گزار رہا ہے تو کسی کھلونے کے لیے تو نہیں رو سکتا...... دادی سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ان کا تجربہ کیا کہتا ہے۔

کیونکہ وہ تو جھوٹ بول کر بھول چکا تھا...... اس لیے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے' جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنا گھر بھول جاتا ہے اس لیے جھوٹے کو گھر تک بھی پہنچانا ہوتا ہے۔

وہ بہت شدت سے پچھتا رہا تھا...... دادی کی محبت اور دل جوئی میں بلا ارادہ بولے جانے والا جھوٹ گلے پڑ رہا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ رات مراقبے میں کیفیت بھی مستحکم نہیں ہو رہی تھی۔ فطرت سے رابطے کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ معاملات صاف اور واضح ہوں۔

اس نے ایک ٹشو پیپر کھینچا اور لیڈی صوفیہ کے چہرے سے ان کے ہاتھ ہٹا کر ٹشو سے ان کا چہرہ صاف کیا۔

''کم آن گرینڈ مام......''

''ڈونٹ وری...... مائی سن......'' لیڈی صوفیہ نے بھیگی پلکیں جھپکائیں۔

''مجھے اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔ حالانکہ میں اس سے ابھی ملی بھی نہیں ہوں۔ اس وقت میری آنکھوں میں اس کے آنسو ہیں...... اس کی حسین آنکھوں کو چومنے کا دل چاہتا ہے جو ہر پل تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں گی۔ کیا تم اسے آزما رہے ہو؟'' لیڈی صوفیہ نے نمناک آنکھوں سے پرنس کی طرف دیکھا جواب سرخی مائل ہو رہی تھیں۔

"not at all"

پرنس کے اعصاب شل ہو رہے تھے...... اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کیا وہ اعترافِ جرم کر لے کہ اس نے بس یونہی جھوٹ بول دیا تھا۔ یا کسی طرح اس شوخ و شنگ لڑکی سے ملاقات کا کوئی راستہ نکالے...... مگر یہ تو ممکن ہی نہیں تھا...... جنگل کی طرح پھیلے شہر میں وہ اسے کسی طور نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔

بات سفینہ کی ہوتی تو کچھ خاص مشکل نہیں تھی' وہ حماد صاحب کے وسیلے سے اس تک پہنچ سکتا تھا۔

آخر اس نے (دادی کے لیے) زارا کا رف اسکیچ بنایا ہی کیوں؟ اس نے دادی کو وقتی طور پر بچے کی طرح بہلانے کی کوشش کیوں کی......؟ کیا اسے اس وقت یہ لگ رہا تھا کہ بعد میں وہ دادی سے معذرت کرلے گا کہ اس نے تو ویسے ہی مذاق کیا تھا۔

''گرینڈ مام...... آج تو ممکن نہیں ہے...... آپ جانتی ہیں...... ایم ڈی ناصر خواجہ آج جاپان سے واپس آ رہے ہیں...... ان کے ساتھ میٹنگ کم از کم بھی چار گھنٹے تو چلے گی۔ پھر اس کے بعد فریش ہونے میں کافی ٹائم لگ جائے گا۔'' پرنس نے اب شش و پنج کی کیفیت میں کہا۔

''اوکے...... تم فون پر اس سے بات تو کرا سکتے ہو...... میرا خیال ہے وہ بہت خوش ہو گی۔'' لیڈی صوفیہ کا ذہن ایک جگہ اٹک کر رہ گیا تھا۔

"I'll try best" پرنس نے الجھے، الجھے انداز میں جواب دیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، اللہ کے فیصلوں کو کوئی نہیں بدل سکتا...... اگر وہ میری تقدیر کا حصہ ہے تو کہیں اور نہیں جائے گی...... جب میں چھوٹا سا تھا تو آپ اکثر ایک بہت خوب صورت ورژن سناتی تھیں۔''

پرنس نے انہیں بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کی تھی۔

''اور وہ کیا تھا...... میں ضرور سننا چاہوں گی......'' اٹھاسی سالہ بوڑھی عورت نے بچے کا سا اشتیاق ظاہر کیا...... آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

''اگر میں بھول نہیں رہا تو یہ julius caesar کا ورژن ہے...... وہ کہتا ہے......

"my concern is not whether God is on our side ,my concern is to be on the side of God, because God is always right" (مجھے اس بات کی فکر نہیں کہ خدا ہمارا طرف دار ہے یا نہیں...... مگر میں خدا سے تعلق ضرور رکھتا ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا ہمیشہ صحیح ہوتا ہے)

"Oh good God" لیڈی صوفیہ کے منہ سے بے ساختہ ایک کراہ نکلی۔

''تو کیا خدا نے اس لڑکی کے لیے مجھے آزمائشوں سے گزارہ...... تاکہ میں اس کے عشق کی قدر کروں؟ اس کے درد کو محسوس کروں؟ یہ تم نے کیا بات کی......؟ کیا یاد دلا دیا؟ میرے پیارے بیٹے...... ہاں بالکل God is always right خدا کا فیصلہ بالکل درست تھا پرنس...... بے شک اس نے تو مجھے تمہارے لیے ہی بنایا تھا۔ میں تو وہی کام کر رہی ہوں جو خدا کی طرف سے طے ہوا ہے...... اوہ مائی گاڈ، میں کیوں بھول جاتی ہوں کہ "God is always right

لیڈی صوفیہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔ وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

''اس عشق نے مجھے کتنا طاقتور بنا دیا کہ میں ابھی تک زندہ ہوں اور تمہیں دیکھ کر خوشی کی انتہا محسوس کرتی ہوں اور لطف اٹھاتی ہوں۔'' انہوں نے اٹھنے کے لیے پرنس کی طرف اپنا لرزتا ہوا ہاتھ بڑھایا جو پرنس نے فوراً تھام لیا اور کمالِ محبت سے انہیں اٹھنے میں مدد دی۔

☆☆☆

''اماں آج صبح ہی صبح آفس چلی گئیں...... تعجب ہے۔'' سفینہ بہت فکر مند نظر آ رہی تھی۔

زارا کالج جانے کے لیے تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آ گئی تھی مگر سفینہ سے نظر نہیں ملا پا رہی تھی۔ سفینہ کی بات سن کر بس کندھے اچکا کر رہ گئی۔

''میں نے ٹرائی کیا تھا مگر ان کا سیل بھی پاورڈ آف ہے...... اتنی صبح صبح ایسا کیا کام یاد آ گیا تھا؟''

سفینہ ہنوز فکر و تشویش کا اظہار کر رہی تھی...... مگر زارا نے گویا نہ بولنے کی قسم اٹھائی تھی۔

''جب تک اماں سے بات نہیں ہوگی مجھ سے تو ناشتا بھی نہیں کیا جائے گا۔''

سفینہ اب کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے زارا پر بھی غصہ آ رہا تھا جو اطمینان سے بیٹھی سلائس پر مارجرین لگا رہی تھی۔

''کیوں اتنا ٹینس ہو رہی ہو؟ اماں کوئی چھوٹی سی بچی تو نہیں جو گم ہو جائیں گی۔'' اب زارا کو بولنا ہی پڑا...... گرچہ لب کشائی محال تھی۔

''اماں ڈرائیور کے ساتھ گئی ہیں...... اور ڈرائیور آنے والا ہوگا کیونکہ میں اسی کے ساتھ کالج جاؤں گی۔''

زارا نے مزید کہا اور چائے کا گھونٹ لیا۔

''کیوں، تمہاری گاڑی کو کیا ہوا......؟ وہ تو پورچ میں کھڑی ہوئی ہے۔'' سفینہ نے تعجب سے زارا کی طرف دیکھا۔

زارا کو فوری کوئی جواب نہ سوجھا تو سلائس کا بائٹ لے کر منہ چلانے لگی۔ وہ سفینہ سے نظر ملانے سے گریز

کر رہی تھی۔ جبکہ سفینہ بدستور اسی کی طرف گھور رہی تھی۔

''کیا گاڑی خراب ہے؟''

زارا کی گاڑی کی ''خیر خیریت'' پوچھتے ہوئے اسے اپنی نئی نویلی گاڑی بڑی شدت سے یاد آنے لگی۔ نگاہوں میں لاشعوری طور پر زارا کے لیے خفگی اتر آئی۔

''مجھے ڈرائیو کرنے کی اجازت نہیں ہے، اماں کو ڈر ہے میں گھر کی ساری گاڑیوں کی چابیاں ڈاکوؤں کو خوشی، خوشی دے دوں گی۔'' زارا نے پابندی پر بیزاری ظاہر کرتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

''اوہ......'' سفینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے ناں...... اس طرح تمہیں احتیاط کرنے کا خیال تو آئے گا...... کار چلی گئی...... صبر کرنا ہوگا...... مگر تم تو فائیو تھاؤزینڈ کا نوٹ نکال کر آٹو گراف لے لیتی ہو...... وہ نوٹ تو تم سے کسی نے نہیں چھینا تھا...... تم نے اپنی خوشی سے ضائع کیا ہے، سات آٹھ مہینے پہلے ٹوئنٹی تھاؤزینڈ (20,000) کی پینٹنگ اٹھا کر لے آئیں۔ تمہیں تو پیسے کی قدرو قیمت کا اندازہ ہی نہیں...... بس اپنی پسند کی چیز پر نظر رہتی ہے۔''

سفینہ نہ چاہتے ہوئے بھی پھٹ پڑی تھی...... حالانکہ رات اس نے خود کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ کچھ نہیں بولے گی...... کیونکہ بولنے سے کار تو واپس نہیں آ جائے گی بالفرض قسمت نے ساتھ دیا کار کہیں سے بازیاب ہو بھی گئی تو خدا جانے کس حال میں ملے گی۔

''تو پیسہ ہوتا کس لیے ہے؟ قبر میں لے جانے کے لیے......؟ میں آل ریڈی بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں۔ اماں اور تم ہاتھ دھو کر اسی طرح پیچھے پڑو گی تو میں سوسائڈ (خودکشی) بھی کر سکتی ہوں...... پھر میرے حصے کی ساری دولت تم لے لینا...... اس دولت سے تم دس گنا لگژری کاریں خرید سکو گی۔''

زارا ایک دم اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

سفینہ تو ہکا بکا ہو کر اس کی صورت تک رہی تھی۔

''اور رہے فائیو تھاؤزینڈ (5000) تو وہ میرے تھے...... اپنی چیز کو آگ لگاؤں یا پھینک دوں...... کسی سے کیا مطلب......''

یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی ڈائننگ ہال سے چلی گئی تھی...سفینہ تو'' نقصان زدہ '' ہونے کے باوجود مجرموں کی طرح شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ خود کو ملامت کرنے لگی۔

''اماں تو پہلے ہی اسے بے حساب سنا چکی ہوں گی...... چھوڑا تو نہیں ہوگا۔'' وہ شرمندگی اور پچھتاوے سے ادھ موئی سی ہونے لگی۔

دل چاہا بھاگ کر جائے اور بہن کو گلے لگا کر سوری بول دے۔ مگر اسے یوں محسوس ہوا اگر اب اس نے زارا سے کوئی بات کی خواہ اسے منانے کے لیے ہی کیوں نہ ہو، وہ بری طرح اس کی انسلٹ کر دے گی۔ اور اگر اسے پھر سے غصہ آ گیا تو بات بہت بڑھ جائے گی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر فون اٹھا کر ماں سے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

احساسِ تشکر سے رچی ایک سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ تاجور نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہیلو، ہاں سفینہ...... بیٹا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں ایک ضروری کام سے صبح، صبح گھر سے نکلی تھی...... مگر اب واپس آ رہی ہوں۔'' تاجور نے اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی جواب دے دیا تھا۔

''اماں میں تو پریشان ہی ہوگئی تھی...... صبح، صبح کون سا کام کر رہی تھیں آپ؟'' سفینہ اب پُرسکون ہو کر بات کر رہی تھی۔

''گھر آ رہی ہوں...... باقی باتیں گھر پر...... زارا تیار ہے......؟ ناشتا کر لیا اس نے؟''

تاجور کی آواز فون سیٹ میں ابھری تو سفینہ کی نظر پلیٹوں کی طرف گئی...... ایک میں ہاف فرائی دوسری میں سلائس کا بچا ہوا ٹکڑا رکھا تھا...... چائے بھی آدھا کپ کے برابر بچی ہوئی تھی۔

''جی اماں...... وہ تو تیار ہے...... ناشتا کر کے شاید اپنا بیگ لینے بیڈ روم میں گئی ہے۔'' سفینہ کی آواز بہت دھیمی ہوتی چلی گئی۔

''ٹھیک ہے، بس میں تھوڑی دیر میں پہنچتی ہوں۔'' اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

''پتا نہیں اماں کے سامنے کس طرح بی ہیو کرے گی......؟'' وہ خواہ مخواہ کے اندیشوں میں مبتلا ہو رہی تھی۔

☆☆☆

اپنا دل جلاتا ہوں
تو پھول کھلاتا ہوں
راہ پڑے غم کے سکے
بڑی خوشی سے اٹھاتا ہوں
خوش فہمیاں ذرا جو ستائیں
پکڑ کے دو لگاتا ہوں
ایسی کی تیسی خوابوں کی
صبح دم راکھ اڑاتا ہوں
عادت سی بن گئی ہے ساحل
ایک کہے کوئی دس سناتا ہوں

اس نے جلدی، جلدی رات کا بچا کھچا معدے میں اتار کر جلدی، جلدی شاور لیا تھا۔ شاور کے نیچے کھڑے ہوتے ہی کچھ اشعار وارد ہوئے...... جیسے پانی کے ساتھ بہتے اس تک پہنچ رہے ہوں۔

کاغذ پر اتارنے کے جوش میں شاور جیل بھی زیادہ استعمال کر لی جو یوں اتارنا پڑی جیسے جسم سے گوند چپک گیا ہو۔

لشتم پشتم ٹاول باندھ کر اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف آیا اور بھیگے، بھیگے ہاتھوں سے اپنی نوٹ بک اٹھائی...... اشعار رقم کیے پھر یوں گہری سانس لی جیسے معجون کھاتے ہی پیٹ درد میں افاقہ ہو گیا ہو۔

اب اس نے وارڈ روب کھول کر بہت اہتمام سے لٹکے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لیا پھر ایک برانڈ ڈنی نویلی جینز نکالی اور زرد و میرون رنگ کے بلاک پرنٹ کی ٹی شرٹ......

لباس زیب تن کر کے خود کو آئینے میں دیکھا۔

چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹیں ابھی معدوم نہیں ہوئی تھیں۔ بروٹ کا آفٹر شیو گالوں پر لگاتے ہوئے اس نے اپنی شربتی سنہری آنکھوں میں جھانکا...... ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ ابھری۔

''مسٹر امیر الدین ساحل بالکل ٹھیک جا رہے ہو...... بیگم صاحبہ کی صبح، صبح دوڑیں لگوا دیں...... کیا یاد کریں گی بیگم صاحبہ بھی......''

''یو اسٹوپڈ'' اس نے بدستور آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے گال پر چپت لگائی۔

''ویسے یاد تو اسے کرتے ہیں جو دور چلا جاتا ہے......اور دور جائیں بلکہ دفع دور ہوں ہمارے دشمن......''
مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

''ہم تو بیگم صاحبہ کے قدموں میں بیٹھے، بیٹھے جان دے دیں گے'' اب اس نے تاول اٹھا کر بال رگڑ کر خشک کرنے کا عمل شروع کیا...... جب تسلی ہوگئی کہ مقصد حاصل ہوگیا تو عجلت کے انداز میں بالکنی کی طرف دوڑا، الگنی پر گیلا تولیا پھیلایا...... اسلام آباد سے آپا کا فون آتا تھا تو بہت ساری ہدایات کے ساتھ یہ خاص ہدایت ضرور ہوتی کہ گیلے تولیے بیڈ پر پھینک کر مت جایا کرو کمرے میں بُو آنے لگتی ہے۔

باقی بہت سی ہدایات تو فون بند ہوتے ہی اڑنچھو ہو جاتی تھیں مگر بدبو کے خوف سے تولیا باہر پھیلانا ہمیشہ یاد رہتا تھا۔ واپس کمرے میں آکر بہت اہتمام سے بال سنوارے...... بال سنوار کر ٹی شرٹ دونوں طرف سے پکڑ کر جھٹکے سے نیچے کی...... اور اپنا حتمی جائزہ لیا۔

''کوئی کمی نہیں ہے۔

بس اوڈی (کار) کی کمی ہے......

کمبخت آتی بھی تو ایک کروڑ سے کچھ اوپر کی ہے......

خیر...... انشاء اللہ...... بیگم صاحبہ سے اوڈی بھی لیں گے، مرسڈیز بھی لیں گے۔''

اب اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیلنے لگی...... آنکھوں میں بلا کا اعتماد تھا۔

''میں آپ کی مجبوری بن جاؤں گا انشاء اللہ...... گھر تک تو لے ہی آیا ہوں......'' اس نے اپنی پیار بائیک کی چابی اٹھائی، والٹ پچھلی جیب میں پھنسایا، موبائل اٹھا کر داہنی جیب میں ٹھونسا اور آئینے پر الوداعی نگاہ ڈالی۔

☆☆☆

''قانونی طور پر تو میری شادی ہو ہی نہیں سکتی تھی...... مگر اسلامی قانون کا سہارا لے کر میرے فادر نے بطور ولی اپنا رائٹ استعمال کرتے ہوئے میری شادی کردی...... کیونکہ جنگ پھیلتی جا رہی تھی۔ میری شادی ہونے تک لاکھوں لوگ جنگ کا ایندھن بن چکے تھے۔ بے تحاشا دولت ہونے کے باوجود زمین پر کوئی ایسا ٹھکانا نظر نہ آتا تھا جو جنگ کے اثرات سے محفوظ ہو۔ جرمنوں نے جس طرح سے برطانیہ پر بارش کی طرح بم برسائے تم اس وقت کی خوفناک جنگی حالت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ روزانہ کی بنیاد پر تین سو سے چھ سو انسان مر رہے تھے، ہزار سے لے کر تین ہزار انسان زخمی ہوتے تھے بچہ رات کی بمباری کا نظارہ کر کے صبح تک بوڑھا ہو جاتا تھا۔ فرانس کی شکست نے تو عام آدمی کو زندگی سے اس طرح مایوس کر دیا تھا کہ کسی کو امید نہیں ہوتی تھی کہ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں تک زندہ رہے گا۔''

لیڈی صوفیہ اسٹوڈیو میں آنے کے بعد پھر وہیں سے شروع ہوگئیں جہاں سے صبح ناشتے کی میز پر سلسلہ رک گیا تھا۔

پرنس نے اپنی دانست میں بڑی ذہانت سے ان کے خیالات کے دھارے کا رخ موڑ دیا تھا...... مگر لیڈی صوفیہ پر آج پھر وہی کیفیت طاری تھی جس کے بعد ان کا حال سے رشتہ منقطع ہو جاتا اور سوچ ایک نکتے پر جا اٹکتی۔

پرنس اس وقت کسی پینٹنگ کے موڈ میں نہیں تھا کیونکہ اس کا ذہن کئی حصوں میں منقسم تھا۔

ایک جھوٹ اس کے ضمیر پر بوجھ تھا...... دوسرے اسے، اس بچے کی یاد بھی ستا رہی تھی جس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس سے بہت جلد ملاقات ہو پائے گی یا نہیں......

تخلیق ایک خاص کیفیت کی محتاج ہوتی ہے۔

یہ ایک بے ساختہ و غیر ارادی عمل کا نام ہے۔

کہیں سے اچانک رنگین خیال پھوار کی طرح برستا ہے اور رنگوں سے تصویریں ابھرنے لگتی ہیں، اشعار مرتب

ہوتے ہیں، فلسفہ بند توڑ کر بہتا ہے۔ یہ ایک روحانی مسرت کا دورانیہ ہوتا ہے...... اور اس وقت وہ روحانی مسرت سے کوسوں دور محض الجھا ہوا تھا۔ اسٹوڈیو میں تو وہ اپنی تخلیقات کا جائزہ لینے یا دل بہلانے آیا تھا۔ مگر لیڈی صوفیہ برنچ ٹائم میں اسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئی تھیں۔

پیچھے پیچھے ساؤتھ افریقن میڈ کیرولین ایک ٹرے میں اسٹرابری کیک اور کافی کے مگ دھرے آ گئی تھی اور ٹیبل پر رکھ کر مؤدبانہ سر جھکا کر واپس چلی گئی تھی۔

پرنس کو اس وقت صرف یہی پریشانی تھی کہ وہ ''لڑکی'' سے ملنے کے اصرار کو ضد میں نہ بدل دیں۔

اگر وہ اعتراف جرم کرتا ہے تو وہ غصے کی شدت سے نڈھال ہو جائیں گی، جھوٹ سے انہیں اتنی نفرت تھی کہ لفظ ''نفرت'' ان کے نزدیک جھوٹ کی کراہیت ظاہر کرنے کے لیے ہی تخلیق ہوا تھا۔

اگر ٹالتا ہے تو کب تک ٹال مٹول کر پائے گا۔

''میرے فیورٹ آتھر (مصنف) D,H , Lawrence کا انتقال تو 1930ء میں ہو گیا تھا۔ مصنف، شاعر، مضمون نگار، ادبی نقاد اور مصور...... وہ ایک شخص تھا کہ پورا ایک جہاں ماڈرن انگلش لٹریچر کا قابل فخر سرمایہ۔ اس نے کہیں لکھا تھا۔

"ethics and equity and the principles of justice do not change with the calendar-" (اقدار، معاملات کی درستگی کے قاعدے اور انصاف کے اصول کیلنڈر کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے)

پرنس نظر چرا کر اٹالین ونڈو کے بلائنڈ سرکانے آگے بڑھ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے دادی نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے خیالات پڑھ کر ایک لطیف طنز ارشاد کیا ہو۔

وہ بچپن سے لفظ ethics کی تشریح بہت تواتر سے سنتا آ رہا تھا......

''جرمن اس لحاظ سے قلاش تھے......'' ان کا اشارہ ethics کی طرف تھا۔

''وہ خبطِ عظمت میں مبتلا تھے...... اگر وہ عظیم نسل ہوتے تو دنیا میں پیار پھیلاتے بارود نہیں، اپنی نسل کی عظمت کے راگ گانے والے نے خودکشی کر لی...... پوری انسانیت کو جنگ میں جھونک دیا...... اپنی اندر کی آوازوں نے اسے پاگل کر دیا...... ضمیر کی چیخوں نے اسے جگا، جگا کر تھکا مارا پھر ہمیشہ کی نیند سونے پر مجبور کر دیا...... اس نے اپنی قوم سے جھوٹ بولا تھا کہ صرف جرمن ہی دنیا میں اعلیٰ نسل ہیں...... جھوٹ تو اپنی موت آپ مر جاتا ہے...... وہ میرے شوہر کا قاتل ہے...... میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے دیکھا جھوٹ کا انجام! ففٹی لیکس (50lacs) انسان اپنی جان سے گئے...... جھوٹا کبھی blessed نہیں ہو سکتا۔''

لیڈی صوفیہ پر کافی دنوں بعد یہ دورہ پڑا تھا...... وہ صرف اور صرف اپنے شوہر کی یاد میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

جنگِ عظیم دوئم کے تمام ذمے داروں پر لعنت بھیجنے کا یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہ سکتا تھا۔

اپنے شوہر کو شدت سے یاد کرنے کی یا عشق کا دورہ پڑنے کی ہمیشہ کوئی نہ کوئی وجہ ان کے پاس ضرور ہوتی تھی۔ پرانی چیزوں میں کوئی شے تلاش کرتے ہوئے اپنے مرحوم شوہر کی گرم ٹوپی، قلم، ڈائری، بیس قیراط کے ہیرے کی نادر روزگار انگوٹھی، وہ رومال جن سے وہ اپنی محبوب بیوی کے آنسو صاف کیا کرتے تھے۔ یا ان کے وہ اعزازات و اسناد جو تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے حاصل ہوئی تھیں...... نظروں میں آ جاتی تھیں۔

پرنس محرم تھا......

ہمیشہ اسے دادی کی یہ کیفیت تڑپاتی تھی...... مگر آج یہ کیفیت اسے پناہ دے رہی تھی۔ وہ ہرگز، ہرگز مزید

جھوٹ بولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے کھڑے، کھڑے مصروفیات نکال کر برابر کمرے سے اپنے پرائیویٹ سیکریٹری کو طلب کر لیا۔

لیڈی صوفیہ اپنے آنسو پونچھ کر گم صم کیفیت میں کافی کے گھونٹ بھر رہی تھیں۔ اس نے چوری، چوری ان کی طرف دیکھا پھر داخلی دروازے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے سیکریٹری نے وارد ہونا تھا۔

اسٹوڈیو میں اس وقت ایک بھی برقی روشنی روشن نہیں تھی۔ چار طرف اٹالین دریچے وا تھے اسٹوڈیو میں قدرتی اجالے تھے۔ اس کی تمام پینٹنگز پر لطیف جالیوں کے پردے تھے۔ البتہ سفینہ کا وہ غیر ارادی رف اسکیچ ایزل کے قریب پڑی چھوٹی سی گلاس ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی الٹا...... مگر پرنس یہ بھولا نہیں تھا کہ یہ سفینہ کا رف اسکیچ ہے جو وہ ضائع کرنے کی خواہش کے باوجود ابھی تک ضائع نہیں کر پایا تھا۔

سیکریٹری ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوا۔

لیڈی صوفیہ کے کمزور اعصاب پر اس کی اچانک آمد دریا میں بڑا سا پتھر گرنے کے مصداق تھی۔

چند ثانیے مگ ہاتھ میں پکڑے ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھتی رہیں، سیکریٹری ان کے اندازِ نظر سے قدرے خائف نظر آیا۔

جلدی سے سیدھا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر سر کو مؤدبانہ خم دیا۔ لیڈی صوفیہ کے لیے اس کی آمد مداخلتِ بے جا تھی۔ آداب قبول کر لیا مگر چہرے سے ناگواری کا تاثر زائل نہ ہو سکا۔ اصل میں ان کے علم میں نہیں تھا کہ سیکریٹری کو طلب کیا گیا ہے۔ پرنس نے دیوار میں نصب انٹر کام کا بٹن پش کیا تھا۔ اسے بولنے کی ضرورت بھی نہیں تھی گھنٹی بجانے کا ”مطلب“ ”طلبی“ ہی ہوتا تھا۔

"yes sir!" اب وہ مودبانہ انداز میں طلب کیے جانے کا مقصد معلوم کر رہا تھا۔

”دیکھو سرمد...... آج رات ڈنر پر حماد صاحب اور ان کی فیملی کو انوائٹ کرنا چاہتا ہوں۔ تم فون کر کے پتا کرو ان کے لیے convenient ہے؟“ پرنس، سرمد سے ہمکلام ہوا تو لیڈی صوفیہ حیرت زدہ سی تکنے لگیں...... ان کی باریک جھریوں کی چہار دیواری میں مقید آنکھیں بہت چمکدار ہو گئیں کہ جذبہ، توانائی کا دوسرا نام ہے...... اور توانائی، زندگی کا استعارہ ہے۔ آنکھوں میں تعجب بھی ایک جذبے کی توانائی کا مظہر تھا۔

”او کے...... سر میں پتا کر کے بتاتا ہوں......“ سرمد جواب دے کے مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا اسٹوڈیو سے باہر نکل گیا۔

پرنس یہ بات انٹر کام پر بھی کر سکتا تھا مگر اس نے جان بوجھ کر سرمد کو بلایا تھا تاکہ ماحول میں واضح تبدیلی وقوع پزیر ہو سکے...... اور وہ جنگِ عظیم دوئم سے نکل کر موجودہ لمحے کو استعمال کر پائے۔

”تم نے اچانک پروگرام بنا لیا...... یا پہلے سے سوچا ہوا تھا؟“ لیڈی صوفیہ نے بچی ہوئی کافی پر ایک نظر ڈالی جو خاصی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پھر مگ ٹرے میں اس انداز میں رکھ دیا کہ اب دوبارہ نہیں اٹھائیں گی۔

”جی کئی دنوں سے پلان کر رہا تھا۔ میں نے ان کی بیٹی سے کافی دن پہلے پرامس کیا تھا کہ آپ کو کسی دن اپنے گھر انوائٹ کروں گا۔“

”ان کی بیٹی سے پرامس کیا تھا؟“ لیڈی صوفیہ حیرت کی شدت سے کانپنے لگیں۔

”اوہ یس گریٹ مام...... ڈونٹ یو وری...... یہ وہ لڑکی ہرگز نہیں ہے جس کا اسکیچ بنا کر آپ کو دکھایا تھا۔ حماد صاحب ہمارے نئے بزنس پارٹنر ہیں...... آپ کو یاد ہو گا کہ کچھ عرصہ پہلے ہی کی بات ہے کہ ہم ان کی اینورسری پر انوائٹڈ تھے اور آپ نے معذرت کی تھی کہ آپ اب لیٹ آورز میں ہونے والی پارٹیز فنکشنز اوائڈ کرتی ہیں تو مجھے اکیلے ہی جانا پڑتا تھا۔“

''اوہاں.......'' ذہن پر ذرا سا زور ڈالنے کے بعد لیڈی صوفیہ کو یاد آ گیا تھا۔

''لیکن مسٹر حماد کی بیٹی......! یہ وہ لڑکی بھی نہیں ہے پھر تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟'' لیڈی صوفیہ کی حیرانی تفکر میں ڈھلنے لگی۔

''گرینڈ مام......! اسے ہمارا لائف اسٹائل بہت آرٹیفشل لگا تھا...... اس نے فرمائش کی تھی وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ ہم اپنے گھر میں کیسے رہتے ہیں....؟ گھر سے باہر نکل کر پوز تو نہیں کرتے، فضول کے امپریشن تو نہیں ڈالتے؟ ہمارا گھر کیسا ہے؟ اسٹوڈیو کیسا ہے؟ گھر کا ماحول کیسا ہے وغیرہ، وغیرہ۔''

''Oh good God...... یہ ہماری اپنی زندگی ہے، ہمیں کسی کو بریف کرنے کی ضرورت نہیں، کیا اسے نہیں پتا کہ ہم ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ خود بھی تو اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی ہے۔ واقعی میں کچھ بھی سمجھ نہیں پارہی ہوں۔''

''مائی گریٹ مام...... دراصل اس کی پرابلم یہ ہے کہ وہ کسی پینٹر کی اتنی کمپوزڈ لائف کو قبول نہیں کر پارہی...... اس نے خود گھر آنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہ بات بھول گیا تھا۔ آج اچانک سے یاد آ گیا۔''

اس نے غیر ارادی طور پر شیشے کی ٹیبل سے وہ وہائٹ شیٹ اٹھالی جس پر سفینہ کا ادھورا رف اسکیچ بنا ہوا تھا۔

''میں بہت ٹینس ہو رہی ہوں، یہ لڑکی کہیں تم سے محبت تو نہیں کرنے لگی......'' لیڈی صوفیہ کو اندیشوں نے لمحے میں نڈھال کر دیا۔

''not at all mom جب آپ اس سے ملیں گی تو آپ کو خود ہی یقین آ جائے گا۔''

''شیور......'' لیڈی صوفیہ کی نظر میں ہنوز بے یقینی کی کیفیت تھی۔
''ہنڈرڈ پرسنٹ......'' پرنس نے سفینہ کے رف اور نامکمل اسکیچ پر سوچتی ہوئی نظر ڈال کر بہت وثوق سے کہا۔
لہجے ایک سچائی ہیں...... اور سچائی دل میں اس طرح اترتی ہے جیسے خشک مٹی میں پانی کے قطرے جذب ہو جاتے ہیں۔
لیڈی صوفیہ کافی مطمئن بیٹھی تھی۔
''اوہ......اب مجھے مینیو دیکھنا ہوگا۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔
''ابھی آپ تھوڑا ویٹ کریں...... سر محمد حماد صاحب سے کانٹیکٹ کرنے کے بعد ہمیں بتائے گا کہ وہ آج ڈنر پر آرہے ہیں یا نہیں...... ابھی کنفرمیشن ہونا باقی ہے۔'' پرنس نے ایزل متوازن کیا اور وہ شیٹ کینوس پر دوبارہ لگادی جس پر سفینہ کا ادھورا اسکیچ (خاکہ) تھا۔ اور پنسل اٹھا کر خاکہ مکمل کرنے لگا...... لیڈی صوفیہ کی طرف اس کی پشت تھی۔
پنسل چلاتے ہوئے اس نے سوچا......
اگر یہ محتاط انداز میں مسکرانے والی لڑکی کبھی کھلکھلا کر ہنسے تو کیسی لگے گی؟
اس نے خیال کو کینوس پر منتقل کیا تو ماحول میں کلیسا کی گھنٹیاں گونجنے لگی تھیں۔
وہ اپنے طاقتور تصور کے بل بوتے پر سفینہ کی کھنکھناتی ہوئی ہنسی سن رہا تھا۔
لیڈی صوفیہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولتی جارہی تھیں۔
''میں انتظار کر رہی ہوں......''
یہ یقین کرلینے کے بعد کہ وہ اسٹوڈیو سے باہر جا چکی ہیں۔ اس نے دراز سے وہ شیٹ نکالی جس پر زارا کا تصوراتی خاکہ کھینچا تھا۔ ایک نظر سفینہ کے اسکیچ پر دوسری زارا کے اسکیچ پر ڈال کر چند ثانیے کچھ سوچا...... پھر دونوں کو برابر لگا کر ناقدانہ نظر دوڑائی...اور مسکرا دیا۔
''بہت فرق ہے...... شاید زمین آسمان جتنا......''

☆☆☆

تاجور آفس اور زارا کالج جا چکی تھی۔
سفینہ اپنی وارڈروب کھول کر بیٹھ گئی۔ کچھ کپڑے اس نے الگ کرنا تھے، کچھ لاہور لے جانے کے لیے نکالنے تھے، کچھ لاہور سے لائی تھی وہ واپس لٹکانے تھے۔ وہ خاصی دیر اسی کام میں لگی رہی مگر ماہین کے فون نے اسے تھوڑی دیر کے لیے کام سے روک دیا۔
سیل فون پر ماہین کا نام اور تصویر دیکھ کر وہ مسکرا پڑی۔
''آخر ہوگئی اس کی نیند پوری......''
''ہیلو......'' اس کی آواز میں وہ بشاشت اور گرمی نہیں تھی جو اس کا خاصہ تھی۔ اس کی آواز قدرتی طور پر اگرچہ بہت دھیمی تھی مگر پھر بھی تروتازہ محسوس ہوتی تھی۔
''ہیلو کی بچی...... یہ بتاؤ تمہاری صبح ہوگئی یا ابھی بیڈ پر ہو......؟'' ماہین کی شوخ آواز سماعت سے ٹکرائی۔
''میری صبح پاکستان کے تمام شہروں میں ہی اپنے وقت پر ہوتی ہے، میری دوپہر شروع ہو چکی ہے، ایک گھنٹے بعد انشاء اللہ لنچ کرلوں گی...... آسکتی ہو تو آجاؤ...... میری لنچ کی ٹیبل پر تمہارا بریک فاسٹ لگ جائے گا...... نو پرابلم......'' اس نے کھلے دل سے پیشکش کی۔
''اوہ تھینکس...... ویسے میں ابھی بیڈ پر ہوں...... اور فی الحال مجھے بھوک بھی نہیں ہے، میں تو تمہیں اس لیے

کال کر رہی ہوں کہ تم شاید بور ہو رہی ہو گی..... میری طرف آجاؤ..... یار کچھ شاپنگ وغیرہ کر لیتے ہیں..... وہ پشاوری ریشماں نے کراچی سے کچھ چیزیں منگائی ہیں، وہ بھی لینا ہیں۔“
ماہین کی آواز میں تھوڑا بھاری پن محسوس ہو رہا تھا جس سے لگ رہا تھا کہ اس نے آنکھ کھلتے ہی سفینہ کو فون کیا ہے۔
”دیکھتی ہوں، ابھی تو بہت بزی ہوں۔“ سفینہ نے اِدھر اُدھر پھیلے کپڑوں پر نظر دوڑا کر قدرے تھکی تھکی آواز میں کہا۔
”ہیں.....؟“ ماہین حیران ہوئی۔
”اس وقت کیا کرنے بیٹھ گئی ہو؟ لان میں گوڈی کر رہی ہو؟“
”ارے نہیں..... وارڈروب میں نئے ڈریس ہینگ کرنے کی جگہ نہیں تھی۔ sort out کر رہی ہوں۔“
سفینہ کے انداز میں اب عجلت کا عنصر تھا۔ وہ جلد سے جلد اس مرحلے سے نمٹ کر ایک طرف ہو جانا چاہتی تھی۔ کافی سارے ڈریسز اس نے تہ کر کے ایک طرف رکھ دیے جو اس نے گھر کی ماسیوں کے لیے الگ کیے تھے۔ جو لاہور ساتھ لے جانے کے لیے نکالے تھے، وہ ہینگر سمیت ابھی بیڈ پر ہی پڑے ہوئے تھے۔
”مائی گاڈ..... یعنی کہ تم خوب اچھی طرح چھٹیاں انجوائے کر رہی ہو۔“
”اب کیا کروں..... یہ کام بھی تو ضروری کرنا ہوتے ہیں۔“ سفینہ نے یوں جواب دیا جیسے اپنی طرف سے خدا حافظ کہہ رہی ہو۔
”ایک منٹ ہولڈ کرنا..... پاپا کی کال آ رہی ہے۔“ اچانک ائیر پیس میں ماہین کی عجلت بھری آواز ابھری اور فوراً رابطہ منقطع ہو گیا..... اور ایک مدھر دُھن شروع ہو گئی۔
”اُفوہ..... بعد میں دوبارہ ملا لیتی..... ہولڈ پر لگا کر بیٹھ گئی۔“ سفینہ پر کام نپٹانے کی عجلت سوار تھی۔
دوسرے اس کی روح میں عجیب سی تھکاوٹ اتری ہوئی تھی۔ کار سے ہاتھ دھونے کا دکھ تو الگ تھا..... زارا جس طرح آف موڈ میں گھر سے گئی تھی اس کا بھی دل پر بہت بوجھ تھا..... وہ تو تھکا دینے والے دن رات سے وقتی طور پر نجات پا کر یہاں چھٹیوں سے لطف اندوز ہونے آئی تھی مگر چوبیس گھنٹوں سے پہلے ہی اعصاب شل ہو گئے تھے۔
اس کا جی چاہا رابطہ منقطع کر دے..... ماہین دوبارہ فون کر لے گی۔ اتنی دیر میں وہ کئی ڈریسز ٹھکانے لگا دے گی۔
ایک منٹ کے طویل ہولڈ پر وہ پہلو پر پہلو بدلنے لگی۔
اس سے پیشتر کہ وہ واقعی رابطہ منقطع کر دیتی۔ ماہین کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
”ہیلو..... سفینہ..... ہیلو..... ہیلو.....“ ماہین کی آواز سے اب نیند کا تاثر محو تھا بلکہ وہ بہت تازہ دم محسوس ہوئی۔
”ہاں..... ہاں بولو..... سن رہی ہوں، لگتا ہے انکل نے تمہارا دبئی کا ویزا لگوا دیا ہے تاکہ تم سکون سے وہاں شاپنگ کر لو.....؟ اب تم میرے پیچھے مت پڑ جانا..... میرا شاپنگ وانپگ کا کوئی موڈ نہیں.....“ سفینہ نے نظروں ہی نظروں میں تمام کپڑوں کا جائزہ لیا..... یہ تو اچھا خاصا تھکا دینے والا کام تھا۔
”ارے ایک تھرلنگ نیوز ہے۔ پاپا نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ آج ہم پرنس شہپر علی خانزادہ کے ہاں ڈنر پر انوائٹڈ ہیں..... گڈ گاڈ..... یعنی کہ آج ہم پریوں کے دیس میں شاندار سا ڈنر کریں گے۔“ ماہین بہت پُرجوش ہو کر مطلع کر رہی تھی۔
یک ثانیے کو تو سفینہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی..... کچھ سمجھ ہی نہیں آئی کہ ماہین ایک دم سے کیا کہہ گئی ہے۔
”ہیلو..... میری آواز آ رہی ہے، ہیلو..... سفینہ.....“ سفینہ کی خاموشی پر ماہین کو تشویش ہوئی کہ اس نے یہ پھڑکتی خبر سن بھی لی یا ہوا کے دوش پر اڑ کر کہیں گم ہو گئی۔

''ہوں..... سن رہی ہوں یار..... یعنی کہ آج تم ''بائلو رشیا''..... جا رہی ہو۔'' سفینہ نے اپنی منتشر سی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے بظاہر مذاق کیا۔

''بائلو رشیا.....؟ کیا مطلب؟'' ماہین ہونق سی ہوگئی۔

''بھئی یہی سنا ہے کہ رشیا کے کچھ آگے پیچھے ''قاف'' ہے..... اور کوہ قاف ہی کو تو پریوں کا دیس کہا جاتا ہے am I wrong?'' سفینہ نے بظاہر سنجیدگی سے درحقیقت محض برائے لطافت سوال کیا تھا۔ کیونکہ تمام لطیف حسیات ایک پل میں انگڑائیاں لیتی جاگ پڑی تھیں۔

''سوفنی.....'' ماہین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اب تم کوئی اچھا ڈریس چوز کرلو..... آج اس پرنس کے بچے کا رنگ محل، شیش محل دیکھ کر آتے ہیں..... بچی بہت مزہ آئے گا..... میں نے پاپا سے سنا ہے وہ لوگ زیادہ سوشل نہیں ہیں، کوئی ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا، ان کے کچھ فیملی فرینڈز ہیں اور وہ بھی انہی جیسے ہیں۔'' ماہین اب جوش وخروش سے بس بولتی جارہی تھی۔

''بات سنو.....'' سفینہ نے اسے بے ساختہ روکا۔

''تمہیں کیا ہوا.....؟'' ماہین ہونق سی ہوگئی۔

''بھئی ڈنر پر تم لوگ انوائٹڈ ہو..... میرا کیا کنسرن ہے۔'' سفینہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے وہ کہا جو ''بہت جبر'' کا کہنا تھا..... حالانکہ سن کر گدگدی سی تو ہوئی تھی۔

روشنیوں میں بھیگی وہ حسین رات ایک پل کے لیے اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی تھی جب اس نے ایک الف لیلوی کردار زندہ، جیتا جاگتا اور متحرک انسانی روپ میں دیکھا تھا۔

اور..... اس پرسنز ادا اس کے ''دیکھنے'' کو دیکھنا..... یوں جیسے نگاہ وجود میں ہیرے کی کنی کی طرح کاٹتی راستہ بناتی قدموں سے نیچے اتر کر زمین میں جذب ہوگئی ہو۔

وہ نگاہ جس میں عامیانہ پن ہرگز نہیں تھا..... مگر سرسری بھی نہیں تھی۔ یوں جیسے کسی نے اسے کھڑے، کھڑے پورے کا پورا اسسیٹ لیا ہو۔

''تو کیا ہوا..... ہم ہیں ہی کتنے.....؟ ممی، پاپا اور میں..... تم چلو گی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یار تم ساتھ چلو گی تو مزہ آئے گا..... جو تمہارے کان میں کھسر پھسر کروں گی وہ ممی، پاپا کے کان میں تو نہیں کرسکوں گی ناں..... for god sake سفینہ تم یہ ڈنر مس نہ کرنا..... یہ تو پورا ایونٹ ہوگا۔''

''don't be silly Maheen یہ ایٹی کیٹس کے خلاف ہے کسی کی دعوت میں آپ بن بلائے پہنچ جائیں۔ اور پھر تم اچھی طرح جانتی ہو وہ کوئی عام لوگ نہیں ہیں۔''

''اچھا بس بھی کرو..... پورا پیراگراف پڑھ کر رکھ دیا..... تم یاد کرو..... اس نے خود اس دن ہم دونوں کو کہا تھا کہ آپ کسی دن آجائیں..... ہم گھر میں بھی اسی طرح رہتے ہیں..... اور پتا نہیں کیا، کیا کہا تھا ابھی مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آرہا..... خیر جو بھی تھا اور تم تو چلنا ناں.....'' ماہین، سفینہ کے صفاچٹ انکار پر بری طرح بدمزہ ہوکر جھلاگئی۔

''ہاں بے شک اس نے ایسا ہی کہا تھا۔ مگر یہ تو باقاعدہ بلاوا ہے ناں.....''

''تم سمجھنے کی کوشش کرو.....'' سفینہ شوق کے تھپیڑوں کو دھکیلتی نڈھال ہوکر کہہ رہی تھی۔

اسے صبر وضبط کے ساتھ اپنے آپ پر قابو رکھنے کا ملکہ تھا..... بائیس سال کی عمر میں ہی بلا کی پختگی تھی۔

تاجور نے بیوگی کے بعد دُہری ذمے داری نباہنا تھی، وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ سایہ بن کر چل رہی تھیں۔

تاجور کا حسنِ سوگوار بہت کم عرصے میں ''بزرگی'' میں ڈھل گیا تھا۔ شوہر کے بغیر معاشرے سے بھی اپنی عزت

کرانا تھی اور اپنی بیٹیوں کی بھی۔ وہ کھانے کی میز پر یا باری، باری دونوں کے کمروں میں جا کر دونوں کو ٹائم ضرور دیتیں۔ اور اپنی پختہ سوچ کے ساتھ ہی ان کی تربیت کی......

اس کے ساتھ کچھ تو ذمے دار ماں کی تربیت، کچھ باپ سے محرومی کی لازوال اداسی جو روح کے کسی حصے میں ہمیشہ کے لیے بسیرا کر لیتی ہے اور سوچ کو کبھی بے لگام نہیں ہونے دیتی...... پر بچوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔

وہ شدتِ جذبات سے مغلوب ہونے سے ہمیشہ ڈرتی تھی...... ماں نے ایک احساس اس کے لہو میں اتار دیا تھا کہ وہ اس پر اتنا بھروسا کرتی ہیں کہ آنکھ بند کر کے اس کی ہر بات پر یقین کرتی ہیں......

اور وہ قدم، قدم پر خود کو commited محسوس کرتی تھی۔ ایک ضابطے کی زنجیر میں خود کو گرفتار سمجھتی تھی۔

ماہین، ماں، باپ کی چہیتی اور ضدیں منوانے کا مان رکھتی تھی۔ اس کے اور ماہین کے کیمیائی عناصر میں بُعد تھا مگر اخلاص کے اشتراک نے یہ دوستی کا بندھن مضبوطی سے باندھا ہوا تھا۔

''میں آنٹی سے بات کر لوں گی...... بلکہ انہیں کونس کر کے ہی رہوں گی۔'' ماہین نے اپنی فطری خُو کا مظاہرہ کیا...... کہ اس کی ہر بات مان لی جاتی تھی۔

''اماں کبھی کونس نہیں ہوں گی......'' سفینہ نے صاف، صاف کہہ دیا حالانکہ دل کے الٹ چلتے ہوئے انسان پل، پل ٹوٹتا ہے...... شوق تجسس اپنی جگہ مگر عزتِ نفس کی قوت کا بھی اپنا زور ہوتا ہے۔

''ٹھیک ہے پھر پاپا ہی تم سے بات کریں گے...... ذرا میں کچھ کھا لوں تو پھر تم سے بات کرتی ہوں...... تم تو ہمیشہ سے میرے لیے چیلنج ہو اسی لیے تو یہ فرینڈ شپ انجوائے کرتی ہوں...... کوئی تم جیسا دوسرا مل جائے تو آج ہی تم سے کٹی کر لوں...... ٹیک کیئر۔'' ماہین نے اب بحث کرنے کے بجائے فون بند کر دیا کہ اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سفینہ اتنی آسانی سے جانے پر راضی نہیں ہو گی...... اب درمیان میں تاجور آنٹی کو ہی ڈالنا ہو گا...... یا پرنس سے درخواست کرنا ہو گی کہ وہ زحمت کرے اور سفینہ کو براہِ راست مدعو کرے......

سفینہ کے بغیر پرنس کے گھر جانے کا کوئی مزہ ہی نہیں تھا...... اور بطور دوست اس نے سفینہ میں جو ایک خاص تبدیلی نوٹ کی تھی اس کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ پرنس کے گھر جانے کا موقع میسر آئے اور وہ سفینہ کے بغیر وہاں چلی جائے......

سفینہ اب اپنا کام بھول بیٹھی تھی۔

ماہین نے ''صحیح کا......'' اسے کام سے لگا دیا تھا۔

آس پاس بہت سے وجیہہ خوبرو جوان تھے۔ مگر آنکھوں کا وہ طلسم جو پرنس کی آنکھوں میں اس نے دریافت کیا تھا، وہ غیر معمولی چمک، لپک اور زندگی کا بھرپور احساس اس نے پہلی بار محسوس کیا تھا......

ملنے جلنے والوں میں......

وہ عام انسان تھا بھی نہیں......

فنکار تو فطرت کا تحفہ ہوتے ہیں جو اپنے تخلیق کار کے بے شمار حسین پہلو اجاگر کرنے دنیا میں آتے ہیں...... لوگ فنونِ لطیفہ کو ذات کا اظہار گردانتے ہیں...... مگر یہ ذات کا اظہار نہیں اس ''ذاتِ کُل'' کی صناعی کا ایک جزوی مظاہرہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

''مسٹر امیر الدین...... اس ایک بار کی ملنے والی زندگی کو مذاق نہ سمجھیں...... احساسِ ذمے داری کا مظاہرہ کریں...... بے شمار لوگ جن نعمتوں کو حاصل کرتے ہیں وہ آپ سے بھی دور نہیں، چھوٹی، چھوٹی باتوں کو اہمیت دے کر آپ بڑے، بڑے کاموں سے رہ جاتے ہیں...... پھر آپ صرف دو ہی کام کرتے ہیں۔ حسد کرتے ہیں اور

وقت ضائع کرتے ہیں۔ انسان جب پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے تو اس کو انرجی ملتی ہے...... اور انرجی ملنے کے بعد سب سے پہلا کام تو شکر ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس انرجی کو پوزیٹو کام میں استعمال کیا جائے...... یہی فرق ہے انسان اور جانور میں...... جانور کھاتے پیتے ہیں بچے پیدا کرتے ہیں، غصہ آتا ہے تو سینگ یا لات مار کر ایک طرف چل پڑتے ہیں۔ مگر انسان ایک ذمے داری اور مقصد کا نام ہے۔''

تاجور اپنے کمرے میں ساحل کو لیے بیٹھی تھیں اور ایک طرح سے اصلاحی کلاس لے رہی تھیں۔

''سوری میم...... آئندہ یہ کچھ repeat نہیں ہوگا۔'' ساحل کے انداز میں واضح ندامت تھی......

''میں آپ جیسے باصلاحیت نوجوان کو اپنی انا یا غصے سے ضائع کرنا پسند نہیں کروں گی۔ آپ کمپنی کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں...... آپ کو آپ کا حق مل کر رہے گا، اطمینان رکھیں...... اس کمپنی سے آپ بہترین سہولتیں حاصل کریں گے...... مگر پہلے ڈیزرو کرنے کی پوزیشن میں تو آئیں۔'' تاجور نے اسے امید کی دنیا میں حقیقت پسندی سے داخل ہونے کا راستہ سمجھایا۔

''اوکے میم...... again I am extremely sorry''

ساحل نے جی بھر کر چہرے پر عاجزانہ وسعادت مندانہ تاثرات لانے کی مقدور بھر کوشش کی۔

''آئی ہوپ، ہماری بہترین ورکنگ ریلیشن شپ بننے جا رہی ہے...... اب آپ جا کر اپنا کام کیجیے......''

تاجور نے ایک فائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی...... جو ساحل نے بڑے عاجزانہ انداز میں یوں تھام لی گویا کوئی مقدس صحیفہ ہاتھوں میں لے رہا ہو اور لے کر فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

''تھینک یو میم......'' وہ فائل لے کر کمرے سے باہر نکلا تو تاجور نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ زارا کا آف ٹائم ہونے جا رہا تھا انہوں نے سیتا کو ہدایات دینے کے لیے انٹرکام کا بٹن دبایا۔

☆☆☆

سفینہ لنچ سے پہلے شاور لے کر واش روم سے باہر آئی تو سیل فون پر ہونے والی رِنگ نے اسے چونکا دیا۔

اسے سو فیصد یقین تھا کہ آنے والی کال ماہین کی ہی ہوگی...... اسے بھلا کہاں چین آنے والا تھا۔

مگر سیل اٹھایا تو ایک نامانوس نمبر پر نظر پڑی...... عموماً وہ نمبر دیکھ کر چند لمحے سوچتی ضرور تھی...... اس کے تمام اہم اور ضروری نمبرز محفوظ تھے۔ اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کال وصول کی...... اور بہت محتاط انداز میں ہیلو کہا تھا۔

''سفینہ...... کیسی ہو بیٹا...... چھٹیاں ہو گئیں، خوب آرام ہو رہا ہوگا۔'' دوسری طرف ماہین کے والد ماجد حماد حسین، بہت گرم جوشی سے مخاطب ہوئے۔

''اوہ...... انکل...... سوری آپ کا نمبر میرے سیل میں سیوڈ نہیں ہے...... السلام علیکم...... کیسے ہیں آپ......؟''

حماد حسین کی فون کال کا مطلب وہ فوراً سمجھ گئی تھی...... یقیناً ماہین کے ازحد اصرار نے انہیں مجبور کیا ہوگا۔

''اے ون، بھئی یہ تمہاری دوست بہت تنگ کرتی ہے...... اس نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ وہ آج پرنس کے ہاں ڈنر پر اسی صورت جائے گی جب اس کی دوست سفینہ اس کے ساتھ ہوگی۔'' حماد حسین کہہ رہے تھے...... انداز میں بات منوانے والا زور صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''لیکن انکل...... میں کیسے جا سکتی ہوں......؟ آپ لوگ تو باقاعدہ مدعو ہیں ناں......!'' سفینہ نے دیر کیے بغیر اپنا موقف پیش کر دیا تھا۔

(جاری ہے)

ہم سب بشر ہیں

قانتہ رابعہ

جونہی شبانہ گھر میں داخل ہوئی..... اس کے قدم تھم گئے..... یہ پہلا موقع تھا کہ شادی کے ایک سال دو ماہ میں اس کے استقبال کے لیے کوئی بھی ٹرمینل پر موجود نہ تھا...... بھائی پردیس کے رزق کو پیارا ہو کے پچھلے ماہ جاپان سدھار گیا تھا، چچا میاں نے خرابیٔ صحت کی بنا پر معذرت کر لی، ان کی ٹانگ میں کئی دنوں سے درد تھا۔ چلنا پھرنا محال تھا..... اور ابا..... اس کے سینے پر گھونسا سا لگا..... دل کے روگی بن گئے..... چار دن پہلے ان کو سینے میں شدید



کچھ محسوس ہوا...... جب ہمت، طاقت، قوتِ برداشت سب کچھ ختم ہوگیا اور رات ڈھلنے کا نام نہ لے رہی تھی تو بیوی کو ہلایا جلایا اور اپنی کیفیت بتانے کی کوشش میں اوندھے منہ گر کر بے ہوش ہوگئے...... امی نے کس طرح چچا کو کال کی، کس طرح ایمبولینس آئی اور ہارٹ کیئر سینٹر لے گئی کون جانے...... لیکن شبانہ میکے سے دور رہ کر بھی ایک، ایک پل سے آگاہ تھی...... کبھی وہ امی کو فون کر کے تفصیل پوچھتی اور کبھی امی نمبر ملا کر سسکیاں بھرنے لگ جاتیں...... کوئی دکھ سے دکھ تھے...... ایک لمبی لائن تھی...... ان ہر نوعیت کے دکھوں نے پاؤں کے پنجوں، ہاتھ کے ناخنوں اور منہ کے دانتوں سے نوچ، نوچ کے کھانا شروع کر دیا تھا...... سب سے پہلے اکلوتے دیور کا کاروبار سے الگ ہونا پھر اکلوتے بیٹے کا باپ کا دست و بازو بننے کے بجائے جاپان چلے جانا، کاروبار میں گھاٹا اور اپنے میاں کی دل کی اچانک بیماری...... خوشی میں تو انسان کا چہرہ چمکتا ہے، دانت جھلتے، ہونٹ مسکراتے ہیں، زیادہ ہوا تو قہقہے کی آواز نکل آئی...... غم...... غم تو اندر کا سارا گند باہر لے آتا ہے۔

میاں کو اسپتال لے جانا، انجیو گرافی...... شدید ڈپریشن کی کیفیت میں انہوں نے نازوں پلی بیٹی کو فون کر کے باپ کی بیماری کا بتایا...... روتے ہوئے بس یہی کہے جا رہی تھیں۔

''خدا کے لیے بیمار باپ کے پاس آجاؤ شبانہ......''

شبانہ کے تو خود قدموں تلے سے زمین کھسک گئی تھی باپ کی بیماری کا سن کے...... ابھی ہفتہ پہلے تو وہ میکے سے واپس آئی تھی تیرہ چودہ دن رہنے کے بعد بھائی نے جاپان جانا تھا...... اس نے خلافِ توقع ڈیڑھ دو ماہ کے بعد ہی چکر لگا لیا ورنہ کہاں کراچی اور کہاں لاہور...... شادی کے بعد گنتی کے تین چکر ہی تو لگے تھے...... ماں کو خدشہ تھا کہ شاید ٹکٹ کی وجہ سے سسرال ٹال مٹول کرے...... اس لیے انہوں نے ٹکٹ بھجوانے کی آفر بھی کر دی۔

''نہیں امی، یہ بات نہیں ہے اچھا میں آنے کی پوری کوشش کروں گی......'' شبانہ نے فوراً کہا...... شبانہ کے ابا دو دن اسپتال میں رہنے کے بعد گھر آگئے۔ کمزوری اور نقاہت نے انہیں دھو کر نچوڑا کپڑا بنا دیا تھا۔ شبانہ کو دن میں دس فون کالز تو موصول ہوتی تھیں اسے اچھی طرح ازبر تھا کہ ابا شام کے چھ بجے کے لگ بھگ گھر پہنچیں گے...... چھ بج کر پانچ منٹ پر اس نے باپ سے سلام دعا کرنے کے لیے فون ملایا...... باپ کے بجائے فون کال اس کی ماں عشرت بیگم نے اٹینڈ کی۔

''ارے تم پہنچی نہیں ہو...... میں سوچے بیٹھی تھی کہ باپ سے دس منٹ پہلے تم پہنچ جاؤ گی......'' چھوٹتے ہی انہوں نے کہا۔

''نہیں...... امی میں جلدی آؤں گی...... ابھی کچھ مسئلہ ہے۔'' شبانہ ہکلائی۔

''کیا مسئلہ ہے بتاؤ، باپ کو اللہ نے زندگی دے دی اس کا کرم، تمہارے قدم تو گوند لگا کے چپک گئے...... بھئی بڑی سنگ دل ہے آج کل کی نسل، ہم سے تو دور پار کے رشتے دار کی خبر سن کر بھی نہ رہا جاتا تھا۔ یہاں سگا باپ عرش کو ہاتھ لگا کے آیا ہے۔'' عشرت بیگم بغیر رکے بولے جا رہی تھیں۔

''اُفوہ امی کہاناں...... ابھی پچھلے ہفتے ہی تو آئی ہوں۔'' تمکین سے لہجے میں شبانہ بولی۔

''ار...... ے...... کیا مطلب......؟ اگر راستے میں ہی تمہیں اللہ نہ کرے میرے منہ میں خاک کوئی ایسی ویسی خبر مل جائے تو تم اس لیے نہیں آؤ گی کہ ابھی گھنٹا پہلے تو آئی ہو...... واہ شبانہ بیٹے بڑا دل رکھا تم نے غمزدہ ماں کا...... یہ تو سگی اولاد کا حال ہے اگر سوتیلی ہوتی تو اللہ جانے کیا بنتا......؟'' انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

''اچھا امی، میں آنٹی سے بات کرلوں پھر بتاتی ہوں۔'' شبانہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ عشرت بیگم کے تو سر سے لگی تلوؤں میں بجھی۔

''کیا مطلب......؟ وہ دہاڑیں۔ ''اب بسترِ مرگ پر پڑے باپ کی تیمارداری کے لیے ساس سے اجازت لوگی؟ یہ وقت آگیا...... دین داروں پر۔'' انہوں نے چبا، چبا

کر کہا۔

''ام...... ی......'' اس نے روٹھی ہو کر کہا۔ ''آپ سمجھتی کیوں نہیں۔''

''ہاں سمجھاؤ، کیا سمجھاؤ گی بوڑھی ماں کو۔'' انہوں نے طنز کا تیر چلایا۔ ''کل مجھے کچھ ہو گیا تو بھی وہیں بیٹھی رہنا۔''

''میں نے کہا ہے ناں کہ میں آجاتی ہوں...... اچھا امی اللہ حافظ......''

''بیمار باپ کا حال احوال پوچھا نہ اپنے دل کی بات کی بس فون کال ختم......''

اظہارِ ناراضی کے طور پر عشرت بیگم نے آئندہ بیٹی کو کبھی خود سے فون نہ کرنے کا پابند کر لیا...... یوں اگلے دس بارہ گھنٹے ان کے سارے گھر میں روتے ہوئے، آنسو پونچھتے، اپنی دکھ بھری داستان کو گلوں شکوؤں کا لبادہ پہنا کر دوسروں تک پہنچانے میں گزرے...... موبائل فون ہاتھ میں لیتیں...... پھر رکھ دیتیں...... خدا خدا کر کے سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کے ساتھ شبانہ گھر میں داخل ہوئی...... اسے قسمت سے ایک نجی ائر لائن میں فوری سیٹ مل گئی تھی۔ اطلاع اس لیے نہ دی کہ آگے کون سا کسی نے لینے آنا تھا...... رکشا ٹیکسی کی سہولت تو ہمہ وقت ہر جگہ موجود ہی ہے، سو وہ اللہ کا نام لے کر چل پڑی...... گھر پہنچی تو دل بھر آیا کچھ ماں کی نرم گرم باتیں کچھ باپ کا لینے کے لیے نہ آسکنا اور...... بہت کچھ اس کے وہ حالات جو سسرال میں درپیش تھے...... جن کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا...... اور اپنی ماں کی عادت کی وجہ سے وہ انہیں کھل کر بتا بھی نہیں سکتی تھی۔

اس کی سسرال...... بہت ساری سسرالوں سے اگر ہزار ہا درجہ بہتر تھی تو بہت سی لڑکیوں کی سسرال سے ہزار ہا بدتر...... ویسے تو انسان ہوتا ہی شر اور خیر کا مجموعہ ہے۔ شر زیادہ ہو تو برا اور خیر زیادہ ہو تو نیکو کار کہلاتا ہے مگر معاملہ اس وقت گڑبڑ ہوتا ہے جب شر والے نیکی کا لبادہ اوڑھ کر آئیں اور خیر والے پیچھے دور رہ جائیں...... یہاں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا...... شبانہ سے بڑی بہن فرزانہ کی شادی بہت اچھے کھاتے پیتے مشہور گھرانے میں ہوئی لیکن مشہوری اور امیری اس کی جان کا روگ بن گئی...... پہلے تو رسم و رواج کے نام پر ہزاروں نہیں لاکھوں کا خرچہ پھر اُن سے رشتے داری قائم رکھنا...... شادی کے بعد عشرت بیگم نے جب فون کیا وہ کچن میں مصروف ہی ملی۔

''امی میری نند کے سسرال والے آئے ہیں، ساس کی تینوں بہنیں ڈیڑھ ماہ کے لیے امریکا سے ہمارے ہاں آئی ہیں اپنے بچوں کے رشتے ڈھونڈنے......'' سسر کے دو بھتیجے تو یونیورسٹی ہاسٹل کے بجائے ان کے ہاں ہی رہتے تھے...... کوئی بیمار ہو گیا تو تعزیت کے لیے بہو جائے نہ جائے اس کا میکا ساتھ ضرور جائے...... کوئی مر مرا گیا تو شامت بہو کے میکے کی آتی کہ نہ صرف تین دن وہاں رہنا لازمی تھا بلکہ صرف پہلا نہیں تو دوسرا کھانا بھی انہی کو دینا ہوتا...... کہیں گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا ہے تو ساس سمیت سب تیار بہو کو یہ کہہ کر روک دیا جاتا......'' ارے ہماری تو عمر گزر گئی گھر سنبھالتے، سنبھالتے اب قدم باہر نکالا ہے، گھر میں کون رہے گا؟'' یہ تو داستانِ امیر حمزہ تھی شروع ہو جاتی تو ختم ہونے کا نام نہ لیتی...... فرزانہ کی بڑی نند کے بیٹا ہوا۔ عقیقے کی دعوت تھی...... عشرت بیگم تک پیغام پہنچا دیا گیا کہ ہماری بیٹی کی سسرال ہے، اپنی بیٹیوں کو تو ہر کوئی دیتا ہے، بین السطور مطلب سیدھا سادہ تھا کہ اپنی بیٹی کے ساتھ ہماری بیٹی، داماد اور اس کے بچے کے کپڑے، مٹھائی، مٹھی چاپی کرنے والی کے لیے ہرا ہرا نوٹ لازمی ہو باقی آپ کی مرضی...... عشرت بیگم کو پتا چلا تو جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں پھریں۔

''اللہ کی پناہ اپنی بیٹیوں کو دینا تو مجبوری ہے اب ان کی بیٹیوں کو بھی دیں...... یہ کہاں کا انصاف ہے، میری شبانہ اور محسن کے لیے تو دھیلے کی چیز نہ لائے کبھی ارے صرف لینا ہی جانتے ہیں۔''

''آپ بیٹی والی ہیں بھلا بیٹی والے بھی کبھی لیتے ہیں۔'' فرزانہ نے اگلا فقرہ اُگلا...... یہی کمی تھی فرزانہ میں...... یہ چھوٹی بڑی اچی بچی ماں کے کانوں میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



انڈیلتی، ماں جتنی بھی سمجھدار ہو ممتا کہتے ہی اسے ہیں کہ اولاد کے دکھ پر دکھی ہوجائے...... جب بھی کوئی نئی انوکھی بات پتا چلتی عشرت بیگم کلپتی رہتیں......

''میرا دل بند ہوجائے گا، مجھے بتاؤ کیا کروں۔''

عشرت بیگم کو تو کچھ نہ ہوا البتہ فرزانہ کا کچن میں کام کرتے ہوئے پاؤں کسی چکنی چیز پر سے پھسلا اس کے ہاتھ میں گرم دودھ کا برتن تھا...... چکرا کر ایسے گری کے پھر دوبارہ اٹھ ہی نہ سکی۔

ہر انسان کی طرح وہ تو آئی ہی جانے کے لیے تھی...... دنوں عشرت بیگم روتی رہیں...... شبانہ دس ایک سال کی تھی...... ماں نہ ہوتیں تو دھڑلے سے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کروادیتیں۔ ''حضرات ایک ضروری اعلان سنیے مجھے اپنی دوسری بیٹی شبانہ کی شادی نہیں کرنی ہے...... اس نیت سے میرے گھر کبھی مت آئیں...... شکریہ۔''

دل ہی دل میں پندرہ دفعہ وہ روزانہ یہ عہد دُہراتیں۔ ''مجھے شبانہ کی شادی ہی نہیں کرنی۔'' ان کے دل میں نامعلوم سا خوف بیٹھ گیا تھا۔ اب اوپر والے کی مرضی یہی تھی کہ شبانہ کی شادی ہو اور فرزانہ کی تیس سال کی عمر میں ہوئی تھی تو اس کی بیس، اکیس سال کی عمر میں ہی ہوجائے...... سو نہ چاہتے ہوئے بھی شبانہ کی شادی ہوگئی...... اسے تو تیرھواں سن نہیں لگا تھا کہ قد سرو کی طرح بڑھتا چلا گیا...... رنگ چودھویں کے چاند کی طرح نکھرتا چلا گیا۔ عادات ایسی دین دار بھی رشتہ مانگنے آتے اور دنیا دار بھی...... کاروبار پیشہ بھی اور ملازمت والے بھی...... وہ تو خود بھی نظر بھر کر بیٹی کو نہ دیکھتیں کہ نظر نہ لگ جائے......

ہر آنے والا دن شبانہ کو سنجیدہ، بردبار اور ہنرمند کرتا گیا۔ دس سال کی عمر میں بڑی بہن کی موت کا جو صدمہ اس کی زندگی میں آیا اس کے اثرات اپنی زندگی پر اب نظر آتے۔

اس کے اندر سب سے پہلے تو زندگی کے فانی ہونے کا احساس پختہ ہوا۔ اور جب یہ احساس پختہ ہوجائے تو دنیا کی چکا چوند اور دلفریبیاں کسی کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتیں...... ایسے ہی شبانہ کے ساتھ ہوا...... پھر مزاج میں تبدیلی آئی...... کسی بات پر کھلکھلا کر ہنسنے کو منہ کھولتی بند کرتی تو آنکھوں میں پانی ہوتا...... ''ارے میری آپا بھی تو ایسے ہنسا کرتی ہوں گی۔''

گفتگو کرتی تو لغویات، فضول باتوں سے خود بھی دل اوبھ گیا۔ ایسی گفتگو کا کیا فائدہ...... جو قبر کے اندر کیڑے پیدا کردے۔

بازار جاتی تو بہت سوچ سمجھ کے چیز خریدتی......

جب بندے ختم ہوجاتے ہیں تو بھلا ان چیزوں نے کون سا باقی رہنا ہے...... اور ٹوٹنے اور ختم ہونے والی چیز پر کیا زیادہ پیسہ لگانا، یوں بیس سال کی عمر میں اس کے اندر ایک سو بیس سال کے بزرگوں والی پختگی آگئی تھی...... گھر کے کام کاج بھی شوق ہی شوق میں شروع کیے اور عبادت سمجھ کر قبول کرلیے۔

عشرت بیگم کے پاس مائیں جوان بیٹیوں کے شکوے لاتیں۔

''ارے قربِ قیامت ہے، اولاد ماؤں کو دھمکیاں دیتی ہے...... فور جی والا موبائل نہ لے کر دیا تو پڑھائی چھوڑ دیں گی، تو تڑاخ کر کے بولتی ہیں، جان ضیق میں کر رکھی ہے۔''

عشرت بیگم پٹ آنکھیں کھولے دیکھتیں ''میری شبو تو ایسی نہیں، دل میں سو بار شکر ادا کرتیں، اسے سینے سے لگاتیں، منہ چومتیں پھر ٹھنڈی آہ بھر کے رہ جاتیں......

''جدا تو کرنا پڑے گا......''

''نبیؐ نے اپنی راج دلاری کو رخصت کیا، ہمیں بھی کرنا تو پڑے گا......'' انہوں نے یہ کہہ کر مل اونر کا رشتہ رد کیا۔ ''دولت والوں کے بڑے مسائل ہوتے ہیں۔''

ایک لیکچرار جو دو پرائیویٹ کالجز میں بھی پڑھاتا تھا کا رشتہ اس لیے نہیں قبول کیا کہ صبح سے گھر سے نکلا شام ڈھلے واپس آئے گا تو تھکا وجود کسی کو کیا راحت دے گا۔ الٹا میری شبانہ کو خدمت کرنا پڑے گی۔

ڈاکٹر کا رشتہ تو سرے سے پسند نہ آیا، ہر وقت نرسوں اور مریض عورتوں کے ہجوم میں رہ کر میری بیٹی کی قدر کہاں ہوگی...... ایس ڈی او سے اس لیے نہ بنی کہ آئے دن کے تبادلے ہوتے ہیں الغرض جہاں جوڑ بنا وہاں خود بھی

حیران رہ گئیں۔

''ہائے میرے منہ سے ہاں کا لفظ کیسے نکل گیا؟''

لیکن کمان سے نکلا تیر واپس آتا ہے نہ منہ سے نکلا لفظ ...... اِک ہاں پر رشتہ طے پا گیا......لڑکا، لاہور ہی میں پی ایچ ڈی کر رہا تھا......لڑکے کے ماں، باپ کے کراچی میں دو پیٹرول پمپ تھے......لڑکے کی ماں گلشن اقبال میں بچیوں کا مدرسہ چلا رہی تھیں......لڑکے کے دادا بھی بچوں کا مدرسہ چلا رہے تھے۔ کاروبار، ملازمت، دین دنیا سب جمع تھے۔ لوگ سادہ مزاج تھے باپردہ اور سنت رسولؐ سے مزین چہرے، انہوں نے ہاں بھی اسی سوچ کے تحت کی......جہیز کی فرمائش تو نہ کی تھی لیکن منع بھی نہیں کیا اس لیے انہوں نے جہیز بنا ہی لیا......دو اڑھائی ماہ نکاح کے بعد رخصتی کے لیے بہت تھے اتنے عرصے میں پسند ناپسند کا اندازہ بھی بالعموم ہو ہی جاتا ہے۔ بڑے چاؤ لاڈ سے بیٹی کی شادی کی تیاری ہو رہی تھی۔ اس کے ساس، سسر، نندوں کے کپڑے خریدے جا رہے تھے۔ رخصتی سے دس پندرہ دن قبل کارڈز چھپ کر آئے۔ داماد کو انہوں نے رات کے کھانے پر بلایا تھا اور سوچا یہی تھا کہ دو چار کارڈز اس کو بھی دے دیں گے اگر کسی دوست کو دعوت دینی ہو تو دے دے...... داماد، طلحہ فاروق آیا...... اچھی بیکری سے خریدی مٹھائی اور ایک خوب صورت گلدستے کے ہمراہ ساس، سسر دونوں کا دل خوش ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے صاحبِ ذوق ہے...... بڑے اچھے دوستانہ ماحول میں کھانا شروع ہوا۔

''طلحہ بیٹے پی ایچ ڈی کب مکمل ہو رہی ہے؟'' سسر نے سرسری سا سوال کیا۔

''پی ایچ ڈی......؟'' چھری کانٹا ایک طرف رکھ کے طلحہ نے سوال کیا۔

''ہاں، کیوں تم کیا سمجھے......؟ بھئی تمہاری والدہ نے کہا تھا کہ طلحہ پی ایچ ڈی کر رہا ہے۔ مکمل ہو گئی تو ہم لاہور میں ہی گھر لے دیں گے۔'' عشرت بیگم نے رسان سے کہا۔

''ابھی تو ایم ایس سی کمپلیٹ ہوئی ہے۔ ایم فل کی فیس جمع کروائی ہے، دو ایک دن میں پہلے سمسٹرز کی کلاسز شروع ہونے والی ہیں۔'' طلحہ...... گم صم، اٹکتے ہوئے بولا۔

عشرت بیگم سکتے میں آگئیں...... زبان گنگ اور ہوش و حواس مختل......بہت دیر تک وہ پھٹی، پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہیں...... یہ کیا ہوا؟ بنیاد ہی میں اتنا بڑا جھوٹ...... آگے جا کے کیا ہوگا؟ کب داماد رخصت ہوا، کس نے رخصت کیا؟ انہیں کچھ علم نہیں تھا...... وہ تو اپنے آپ سے جنگ لڑ رہی تھیں...... نکاح نہ ہوا ہوتا تو وہ منٹوں میں رشتہ ختم کر دیتیں...... ارے دین داروں کے بھیس میں اتنے دھوکے......؟ اب تو نکاح ہو چکا تھا۔

ساری رات وہ ڈریسنگ روم سے لاؤنج اور لاؤنج سے ڈرائنگ روم کے چکر لگاتی رہیں...... جب حالت زیادہ خراب ہوئی اعصاب کھنچ گئے، دماغ کی ہڈیاں چٹخنے لگیں تب بہ آواز بلند رونے لگیں۔ نیند کے گہرے غاروں میں گم دونوں بچے اور میاں پہلے تو خواب سمجھ کر سوتے رہے پھر آہستہ، آہستہ شعور کی دنیا میں آئے، وہ ننگے فرش پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھیں۔

''بہت بڑا دھوکا ہوا ہمارے ساتھ......'' اپنے پیاروں کو ارد گرد دیکھ کر وہ دکھ اندر سے نکالنے پر مجبور ہو گئیں۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' ان کے میاں نے انہیں ہاتھ کے سہارے سے بٹھایا۔ انہوں نے ٹھہر، ٹھہر کر ساری بات گوش گزار کر دی۔

''اُف امی، اتنی سی بات۔'' محسن نے سر پیٹ لیا......''ایم ایس سی کے بعد ایم فل اور ایم فل کے بعد پی ایچ ڈی ہی کی جاتی ہے، آپ بھی ناں......'' وہ چپ ہو گیا۔

''نہیں بیٹے تم حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے جب میں نے طلحہ کی ماں، بہنوں سے شبانہ کے رشتوں کا ذکر کیا تھا تو میں نے بتایا تھا کہ اس کے لیے کئی، کئی لیکچررز کے بھی رشتے آتے ہیں تب انہوں نے یہ بات کی تھی۔'' عشرت بیگم دلدوز لہجے میں بولیں۔

"تو......؟" عشرت بیگم کے میاں نے ابرو اٹھا کر کہا۔
"آپ کو یہ مسئلہ ہی نہیں لگتا...... یہ جھوٹ بولا ہے اگر وہ ایم فل بتاتے تو ہم نے کوئی انکار کرنا تھا۔" عشرت بیگم نے اصرار کیا۔
"جو ہونا تھا وہ ہو گیا...... بات کا بتنگڑ نہ بناؤ اور اللہ پر بھروسا کر کے سو جاؤ۔" انہوں نے حلیمہ انداز میں کہہ کر سب کو جانے کا اشارہ کیا۔
وقتی طور پر معاملہ دب گیا لیکن شادی تک عشرت بیگم نے بیسیوں مرتبہ سوچا کہ بات کرنی تو ضرور ہے اب نہ سہی پھر سہی...... اتنے دین داروں کو ایسے جھوٹ زیب نہیں دیتے...... بارات کراچی سے ایک دن پہلے آنا تھی...... نکاح کے وقت یہی طے پایا تھا کہ ہوٹل میں بکنگ کروا کے ایک دن قبل آ جائیں گے۔ تیس پینتیس لوگوں کو بارات میں آنا تھا...... سب جہاز پر نہیں آ سکتے تھے لہٰذا ایک دن قبل بزنس ٹرین یا نائٹ کوچ پر آ ئیں گے۔
یہی پروگرام عشرت بیگم نے اپنے میکے اور سسرال میں اناؤنس کیا لیکن ہوا یہ کہ بارات کے نام پر طلحہ کے ساتھ بڑا بھائی اور بہن ہی آئے وہ بھی...... ائرپورٹ سے سیدھے میرج ہال میں۔ عشرت بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔
"ارے بارات کب آئے گی۔" انہوں نے سمدھن کا نمبر ملاتے ہوئے پوچھا۔
"بھابی بس طلحہ کے دو بھائی بہن آئیں گے۔" ساس نے بغیر معذرت کے کہا۔
"اور وہ جو آپ نے تیس چالیس لوگوں کا کہا تھا...... ہم نے تو اپنے لوگوں میں یہی بتایا ہوا تھا۔" عشرت بیگم مارے دکھ کے اس سے زیادہ بول ہی نہیں پائیں۔
"ہاں کہا تو تھا مگر پروگرام تو بدلتے ہی رہتے ہیں، اصل میں دور بھی تو بہت ہے ناں...... کراچی اور لاہور کا فاصلہ بہت ہے۔" طلحہ کی ماں نے ہنستے ہوئے کہا۔ عشرت بیگم کے جی میں تو آیا کہ کھری، کھری سنائیں جب یہ بات انہوں نے رشتہ ڈالتے وقت کہی تھی کہ "میری ایک ہی بچی ہے اپنے سے اتنی دور جدا کرنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔" تو اس وقت تو بڑے دلار سے کہا تھا۔
"دور...... ؟ نہیں بھئی ہم تو مہینے میں دو، دو چکر لگا لیتے ہیں کراچی سے لاہور اور اسلام آباد کے...... آپ فکر ہی نہیں کریں جب آنا چاہے گی آپ کے پاس آئے......" لیکن موبائل فون... ہاتھ میں لے کر کھڑی رہیں...... میرج ہال کی روشنیاں انہیں چاروں طرف گھومتی محسوس ہو رہی تھیں...... اس وقت سمدھن کو کچھ کہنا فضول تھا...... اپنے بڑھتے بلڈ پریشر کو قابو میں لانے کے لیے غٹاغٹ پانی کا گلاس پیا اور فوری طور پر یہی حل نظر آیا کہ داماد سے کہیں ہو سکے تو اپنے دوستوں کو فوری مدعو کرے...... اگلے بیس پچیس منٹوں میں چار چھ دوست، ایک دو کی مائیں آنے سے کچھ رونق ہوئی اور بے تاثر چہرے...... کے ساتھ انہوں نے یہ فنکشن بھگتایا۔ رخصتی کے وقت دبے، دبے لہجے میں شبانہ کی بڑی نند کے کانوں میں یہ بات بھی ڈال دی کہ تمہاری ماں نے غلط بیانی سے کام کیوں لیا...... رخصتی کے وقت خلافِ توقع وہ خاموش رہیں شبانہ کو دعا دی اور بس...... اس کے ابا نے بھی داماد کو پیار دیا بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا...... ہاں محسن دیر تک سرگوشیاں کرتا رہا...... میرج ہال سے نکلتے ہوئے شبانہ کے دل و دماغ میں ایک بات اچھی طرح راسخ ہو چکی تھی... اس نے عزم صمیم کر لیا تھا کہ اپنی ازدواجی زندگی کی کوئی تلخ بات یا مسئلہ اپنے والدین بالخصوص ماں کو نہیں بتائے گی۔ اسی میں اس کے میکے کے گھر کا سکون وابستہ ہے۔
شبانہ رخصت ہو چکی تھی۔ میرج ہال والوں کا دیا وقت بھی قریب الختم تھا...... سب مہمان بھی واپسی کے سفر پر تھے...... محسن حیران تھا۔ عشرت بیگم نہ روئیں نہ نصیحتیں کیں "کچھ گڑبڑ ضرور ہے......"
"امی آپ شبانہ کی رخصتی پر بالکل چپ ہو گئی ہیں۔ کیا اس کی جدائی یا کوئی اور وجہ ہے؟" سارے راستے وہ ماں سے پوچھتا آیا۔ اس کے سو سوالوں کا جواب عشرت بیگم کی ایک چپ ہی رہا۔
محسن کا شک، یقین میں بدل چکا تھا۔ وہ اپنی ماں کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ایسی گمبھیر خاموشی کا دورہ اسی وقت پڑتا تھا جب ماں کے دل میں کسی کے خلاف

کدورت یا گرہ بندھ جاتی تھی۔

"اللہ خیر کرے......" اور وہ کون ہے یہ اسے بہت جلد پتا چل گیا۔ جب گاڑی گیراج میں کھڑی کرتے ہوئے شبانہ کا فون آیا تھا وہ ائرپورٹ پر ہی تھی اور الگ ہو کے بھائی کو بتا رہی تھی کہ طلحہ کی باجی کہہ رہی ہیں کہ آپ کی امی نے بہت سخت لہجے میں ہماری امی کیسے بات کی ہے......وہ بری طرح گھبرا رہی تھی...... کیا ازدواجی زندگی کی شروعات ایسی ہی ہوتی ہے۔ محسن نے اسے تسلی دی۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا بس امی کے کانوں میں سسرال کی کوئی بات نہ پڑنے دینا...... ہر چیز کا روشن پہلو ہی ان کے سامنے رکھنا ورنہ بہت برا ہوگا...... بہت ہی برا...... امی کا دین داروں کے ساتھ، ساتھ دین سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا......" محسن دل شکستگی سے بولا۔

"اچھا...... خدا حافظ......" اتنا کہہ کر شبانہ نے فون بند کردیا۔

اس کے بعد ولیمہ ہوا شبانہ کے سسرالیوں کی بہت منت سماجت کے بعد بھی عشرت بیگم ولیمے پر جانے کے لیے آمادہ نہ ہوئیں بلکہ قطعیت سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"نہ بھئی تمہیں مبارک ہو، تم چلے جاؤ، میرے اندر تو اتنا حوصلہ نہیں ہے۔"

شبانہ کے چچا...... بھائی محسن اس کے ایک دو دوست اور شبانہ کے ماموں، ممانی ولیمے پر گئے......

"مرد تو موٹی کھال والے ہوتے ہیں کبھی نہیں بتاتے ذرا فاطمہ بھابی سے حال احوال دریافت کرتی ہوں۔" ایک دم ان کے دل میں خیال آیا اور وہ فوراً ہی جانے کے لیے تیار ہوگئیں ورنہ مہینوں گزر جاتے تھے کبھی بھولے سے بھی پڑوس میں آباد بھائیوں کے گھروں میں جھانکنے کا خیال ان کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ بھائی اندر کمرے میں سو رہے تھے۔ بچے کھیل کود پڑھنے، پڑھانے میں مصروف...... بھاوج نظر نہ آئی تو اپنی بھتیجی ماریہ سے پوچھا۔

"ماریہ بیٹے، امی کہاں ہیں۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی فاطمہ ہاتھ پونچھتی کچن سے باہر آئی۔

"آیئے عشرت آپا کیسی ہیں، میں تو خود آپ کی طرف آنا چاہ رہی تھی بس بچوں کے کاموں میں وقت نکالنا مشکل ہے۔" انہوں نے نند کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عشرت بیگم خاموش ہی رہیں کیا کہہ کر وہاں کے حالات دریافت کریں بھاوج سے اتنے خوشگوار تعلقات بھی تو نہ تھے کہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتیں۔

فاطمہ نے خود ہی مشکل آسان کردی۔

"آپا آپ کو بہت مبارک ہو ماشاءاللہ شبانہ کو بہت اچھے لوگ ملے ہیں اس کا میاں ساس، نندیں، سب بہت اچھے اور دین دار لوگ ہیں...... شبانہ بھی بہت خوش تھی، اللہ نظرِ بد سے بچائے۔"

دل کی تیز، تیز دھڑکن ذرا آہستہ ہوئی...... وہ قدرے ریلیکس ہوکر بیٹھیں بالآخر ہونٹ ہلے۔

"شبانہ کیسی تھی؟"

"الحمدللہ فرسٹ کلاس۔ منہ دکھائی میں سونے کا سیٹ اور آئی فون دیا ہے طلحہ نے بہت ہی اچھا والا۔" فاطمہ پُرجوش ہوکر بولی۔

عشرت بیگم مزید مطمئن ہوئیں اور پشت صوفے سے ٹکائی۔

"آپا! شبانہ کی ساس تو بہت ہی اچھی ہیں، مجھے سوٹ دیا۔ بار، بار شکریہ ادا کیا۔ آپ کے نہ آسکنے پر افسوس کررہی تھیں اور عبداللہ کو پورے پانچ ہزار دیے انہوں نے۔" فاطمہ نے اپنے سات آٹھ سالہ بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔

عشرت بیگم کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔

"ہونہہ افسوس کا اظہار تم سے کیا، کہنا ہوتا تو مجھ سے فون کرکے کہہ دیتیں کہ آپ کیوں نہیں آئیں۔"

"اور عشرت آپا......" فاطمہ نے کیلے، سیب، انگور کی پلیٹ ان کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"ولیمے میں جتنے بھی لوگ تھے سب ان کے خاندان کی بے حد تعریف کررہے تھے۔ آپ کو تو پتا ہے ایسے فنکشنز میں سو طرح کے لوگ ہوتے ہیں کیا اپنے کیا

برائے سب کے منہ پر تعریفی کلمات تھے...... بہت خوش قسمت ہے شبانہ، اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے اور طلحہ کی امی نے آپ کے لیے گولڈ کی رنگ بھی بھیجی ہے کہہ رہی تھیں کہ مردوں کو رکھنے کا پتا نہیں ہوتا آپ دھیان سے لے جائیں گی۔" اس نے روبی، یاقوت اور زمرد کے باریک نگینوں والی انگوٹھی عشرت بیگم کے حوالے کی......

عشرت بیگم نے انگوٹھی لی خوب اچھی طرح جائزہ لیا۔ انگوٹھی واقعی زبردست تھی...... دل میں خوشی کی اِک لہر سی اٹھی ساتھ ہی جھاگ کی طرح بہہ گئی...... دل میں سوچا۔ "مزاج ذرا شوخا سا لگتا ہے بھلا شبانہ کے ہاتھ کل بھجوا دیتیں تو کیا تھا...... ضرور اس لیے پہلے ہی بھاوج کے ہاتھ بھجوائی کہ پورے خاندان میں تشہیر بھی ہو جائے گی اور مفت میں واہ، واہ بھی......" دل کی کیفیات کا عکس چہرہ پر بھی پڑا...... فاطمہ نے لا ابالی پن میں غور ہی نہیں کیا اور اپنی ہی ہانکنے لگی۔

"ہاں آپا ایک بات ذرا عجیب سی لگی آپ نے پہلے تحقیق نہیں کروائی تھی بھلا...... وہاں پر ایک خاتون طلحہ کے رشتے داروں میں سے ہی ہوں گی۔ مجھ سے ملیں۔ میں نے سرسری سا ذکر کیا بھلا فاروق صاحب کے پیٹرول پمپ کس علاقے میں ہیں؟ تو وہ حیرانی سے میرا منہ دیکھنے لگیں...... بعد میں سرگوشی کے سے انداز میں کہنے لگیں۔ آپ بہادر آباد والے پیٹرول پمپ کی بات کر رہی ہیں، وہ تو شمس الحسن صاحب کا ہے...... ان کی تو صرف جگہ ہے پیٹرول پمپ والی...... ناظم آباد والا پیٹرول پمپ بھی کب کا بک گیا ویسے بھی فاروق صاحب کا تو صرف شیئر تھا اس میں......"

ٹھاکر کے یہ بات عشرت بیگم کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئی...... ایک سیکنڈ کی دیر کیے بغیر انہوں نے پرس اٹھایا اور چلنے کے لیے تیار...... فاطمہ ارے۔ ر...... ے کرتی رہ گئی۔

"آپ کو کیا ہوا آپا...... بیٹھیے تو......" مگر اس وقت دل و دماغ پر ایک ہی چیز کا قبضہ تھا...... وہ اس کے زیرِ اثر اٹھ کر واپس آگئیں...... حسبِ وعدہ اگلے دن شبانہ کو آنا تھا...... مگر اس کا معذرت کا فون آگیا۔

"امی ان کی خالاؤں کو واپس انگلینڈ جانا ہے کل...... اس کے بعد ہم آئیں گے......" پھر اس کے بعد رکتے، جھجکتے شبانہ نے ماں سے التجا کی۔

"امی پلیز آپ آنٹی کو بھی ساتھ آنے کی دعوت دے دیں، وہ آنا چاہ رہی ہیں آپ کہہ دیں گی تو وہ بہت خوش ہوں گی اور......"

"ہونہہ خوش ہوں گی...... جب آنا تھا...... دولھا کی ماں بن کر تب تو آئیں ناں میری طرف سے اب آئیں یا نہیں آئیں کوئی فرق نہیں پڑتا......" جلالی کیفیت میں عشرت بیگم بولیں اور ٹھک سے ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

اگلے چوبیں گھنٹے ان کے اندر ابال اٹھتے رہے۔ محسن نے بہت سمجھایا بہت مثالیں دیں مگر ان کے ہونٹوں سے زہر خند مسکراہٹ نہ گئی۔

"ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور... سب ڈھکوسلے ہیں ان دین داروں کے......" بڑبڑاتے ہوئے بہت سے نازیبا فقرے بھی ان کے منہ سے نکلے...... محسن نے انہیں ٹوکا۔

"خدا کا خوف کریں امی، اس میں ایسی کون سی قیامت آگئی، پروگرام آگے پیچھے ہو ہی جاتے ہیں، آپ نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا ہے...... پہلے فرزانہ آپی دکھی ہی رہیں اب......" ایک دم سے اسے باقی جملے کی سنگینی کا احساس ہوا اور ماں کے ہاتھ لے کے چومنے لگا...... ان کی گود میں سر رکھا۔

ہاں، عشرت بیگم روتی رہیں۔ جب پرانے زخموں کے کھرنڈ اکھڑ جائیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے...... "محسن بیٹے بڑی بیٹی کے انجام سے ڈر کر ہی تو یہ سب کہہ رہی ہوں...... تم نے بہت غلط لفظ استعمال کیے ماں کے لیے۔"

"سوری امی...... پیاری امی......" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کے انداز میں کھڑا ہو گیا...... پھر ماں کے پاؤں کو ہاتھ لگایا...... عشرت بیگم تڑپ کر اٹھیں۔

''نہ بیٹے......بس پرانے دکھوں کو یاد کرکے پاگل ہو جاتی ہوں۔''

''نہ یاد کیا کریں امی، کچھ نہیں ملتا اس سے سوائے مزید دکھوں کے، مستقبل پر نظر رکھیں اللہ سے مدد مانگیں۔ اللہ ضرور شبو رانی کو خوشیاں عطا کرے گا۔ اب اٹھیں، ان کے آنے میں تھوڑی دیر ہے، کچھ اہتمام کرلیں۔'' محسن نے موضوع بدلا...... ماں کا دل بھی قدرے ہلکا ہو چکا تھا، وہ بھی کچن کے کاموں کو نبٹانے میں لگ گئیں۔

داماد اور بیٹی کو آتا دیکھ کر دل خوشی سے بے قابو ہوا...... مچلتے جذبات قابو میں نہیں آرہے تھے، طلحہ کا بہت عمدہ طریقے سے استقبال کیا...... دونوں کے نہ، نہ کرتے بھی کھانے میں درجنوں اشیا موجود تھیں۔ شامی کباب، کوفتے، مٹن کڑاہی، سبزی گوشت، دو تین طرح کی سلاد، پلاؤ، میٹھا......

بار، بار وہ طلحہ کی پلیٹ میں کچھ ڈالتیں اور ہر بار وہ روک دیتا۔

''آنٹی آپ شرمندہ مت کریں...... اس طرح تو میں تکلف کرنے لگ جاؤں گا۔''

سب کے لیے نئے سرے سے تحائف بھی دونوں کے ہمراہ تھے۔

دو دن کے قیام میں وہ خوش باش رہیں بھولے سے بھی یہ یاد نہ آیا کہ انہیں تو شبانہ کی ساس تک اظہار ناراضی بھی پہنچانا تھا...... گلے شکوے کرنا تھے...... سب بھول گیا...... محبت پاش نظروں سے دونوں کو دیکھتیں رہیں...... دعائیں دیتی رہیں، داماد نے بھی ان کے ہر غم کو دور کر دیا تھا۔

بہت مزے، مزے کی باتیں کرتا رہا...... اپنی دلچسپیاں مشاغل بتاتا رہا...... عشرت بیگم کو بولنے پر مجبور کرتا رہا...... یہ بہت اچھا لگ رہا تھا انہیں...... شبانہ اور طلحہ دونوں دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوئے۔

''امی آپ کو اب دل بڑا کرنا ہوگا، شبانہ اب شاید مہینوں بعد ہی آیا۔''

محسن نے ماں کے گلے میں باز وڈالے۔

''چل ہٹ پرے، کیا مجھے نہیں علم، اپنے گھر میں خوش رہے آباد رہے......'' دھیرے، دھیرے انہوں نے کہا۔

☆☆☆

شادی کے بعد دوسرا چکر صرف بائیس دن کے بعد لگا۔

''امی آپ بہت یاد کر رہی تھیں ناں مجھے...... میں آگئی......'' محسن جب ائرپورٹ سے بہن کو لایا تو وہ گیٹ پر ہی موجود تھیں...... لیکن ہکا بکا...... طلحہ ہمراہ نہیں تھا...... وہ سمجھیں شاید وہ ہاسٹل چلا گیا ہے...... کچھ لمحوں کے بعد انہوں نے خود ہی پوچھا۔

''طلحہ ابھی تک نہیں آیا...... کیا ہاسٹل چلا گیا ہے۔''

''نہیں تو...... وہ تو نہیں آئے۔'' شبانہ نے کہا۔

''ک...... کیا مطلب......؟ طلحہ نہیں آیا، اکیلے آئی ہو؟ اور اس کی تو شادی سے دو تین دن پہلے جو کلاسز شروع تھیں وہ؟'' بے تابی سے انہوں نے پوچھا۔

''اوہ...... وہ...... اصل میں انہوں نے چھٹی لی ہے۔'' شبانہ نے جلدی سے جواب دے کر چچاؤں، ماموؤں کا حال پوچھنا شروع کر دیا جیسے اس موضوع سے بچنا چاہتی ہو۔

''کہیں اس نے تعلیم کا سلسلہ منقطع تو نہیں کر دیا، سچ، سچ بتاؤ۔'' عشرت بیگم بھی جہاندیدہ تھیں۔

''وہ...... نہیں امی...... مجھے نہیں علم......'' شبانہ نے نظریں چرائیں اور کپڑے تبدیل کرنے کے بہانے سے واش روم چلی گئیں۔

عشرت بیگم کے دل میں ایک تیر اور پیوست ہو گیا تھا، ایک گرہ اور پڑ گئی تھی...... کدورتوں کے ڈھیر میں ایک عدد کدورت کا مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

''کتنے دنوں کے لیے آئی ہو لاہور......؟'' عشرت بیگم نے سرسری سا پوچھا۔

''اگلے ہفتے انکل کو یہاں کام ہے، واپسی پر ان کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔'' شبانہ نے جواب دیا۔

''چلو یہ تو ٹھیک ہے ہم گوجرانوالہ کا چکر بھی

لگالیں گے...... آپا الفت بہت بیمار ہیں ان کو پھیپھڑوں کا کینسر ہے، ڈاکٹرز نے تو جواب دے دیا ہے کہ گھر میں ہی رکھیے...... اسپتال میں تو مردہ خراب کرنے والی ہے۔'' انہوں نے بڑی بہن کا ذکر کیا۔

''ٹھیک ہے امی...... میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گی، ان سے بھی پوچھ لیتی ہوں۔'' اس نے طلحہ کے بجائے خالصتاً مشرقی عورتوں کی طرح شرماتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟ ارے تم کل کی بیاہی شوہر کی اجازت کی پابند ہو؟'' انہوں نے تیکھے چتونوں سے کہا۔

''پھپھو، امی کہہ رہی ہیں آپ شبانہ آپی کو لے کر ہماری طرف ضرور آئیں......'' فاطمہ کا بیٹا عبداللہ اندر آکر عشرت بیگم سے مخاطب ہوا۔

اسے اچھا کہہ کر انہوں نے سلسلۂ کلام جوڑا۔

''ایسے کبھی سنا نہ دیکھا...... تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو...... اگر ایسا ہے تو مجھے بتاؤ، میں طلحہ سے یا وہ حاجن بیگم سے دوٹوک بات کروں......'' مارے غصے کے انہوں نے شبانہ کی ساس کا نام بھی نہ لیا۔

''افوہ امی ایسی کوئی بات نہیں...... جس وقت عورت کا نکاح ہوتا ہے اسی وقت سے وہ اس کی مرضی کی پابند ہوجاتی ہے۔'' شبانہ نے وضاحت کی۔

''ہاں بھئی دو، دو مدرسے چلتے ہیں تمہاری سسرال والوں کے طفیل، دین کا علم ان لوگوں کو نہیں ہوگا تو کیا ہم جیسے بے دینوں کو ہوگا۔'' انہوں نے کھلی چوٹ کی۔

حکمت کے تحت یا احتجاجاً شبانہ وہاں سے اٹھ کر ماموں کی طرف چلی گئی...... انداز ذرا بجھا، بجھا سا ہی تھا......

''جب بھی امی کو کچھ سمجھانے کی کوشش کرو، وہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔'' اس نے محسن سے رات ماں کے سونے کے بعد شکایت کی۔

''ہاں بڑا مشکل مرحلہ ہے، فرزانہ آپی کی سسرال کے غلط رویے نے انہیں ہر لڑکی کی سسرال سے بدظن کردیا ہے۔'' محسن نے بھی اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''پھر اس کا حل کیا ہے؟'' شبانہ فکرمندی سے بولی۔

''مسائل تو ہوتے ہیں میری سسرال میں بھی ہیں واقعی ان معنوں میں تو امی حق بجانب ہیں کہ ایم فل کی فیس جمع کرواکے انہوں نے ایم فل کا ارادہ بھی سرے سے ترک کردیا...... پیٹرول پمپ والی بات بھی درست ہے لیکن بڑی خوبیوں کے لیے چھوٹی خامیوں کو نظرانداز کرنا پڑتا ہی ہے...... وہاں کے رواج بھی عجیب ہیں، دیورانیوں، جیٹھانیوں میں مقابلے بازی بہت ہے، اب مجھے شادی کے بعد تیسرے دن کے بجائے چوتھے دن تک اس لیے روکے رکھا' میکے نہ آنے دیا کہ انکل کے بھتیجوں کی بیویاں بھی چار دن کے بعد میکے گئی تھیں...... اس عرصے میں مجھے یہ بھی پتا چل چکا ہے کہ ان کی لاہور میں پڑھائی ختم کروانے کے پیچھے بھی خوف ہے کہ کہیں میں لاہور میں ہی گھر کی فرمائش نہ کردوں حالانکہ منگنی سے پہلے آنٹی نے امی کو اچھی طرح یقین دہانی کروائی تھی کہ پی ایچ ڈی مکمل ہوتے ہی ہمیں گھر لے دیں گے۔'' شبانہ بولتے، بولتے چپ ہوگئی...... محسن نے دیکھا اس کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی ہے جانے نئے لوگوں اور نئے مقام پر اس کی صابرہ شاکر بہن کو کیا کچھ برداشت کرنا پڑا ہوگا۔

''شبو! اللہ بہتر کرے گا بس تم بہتری کی امید رکھو۔ شروع، شروع میں سب کچھ فہم سے بالا ہوتا ہے۔ آہستہ، آہستہ ہی طور طریقے سمجھ میں آتے ہیں پودا جڑ پکڑتا ہے۔'' محسن نے رسان سے سمجھایا۔

''ہاں، کہتے تو ٹھیک ہو بھیا مگر مشکل بہت ہے۔'' اس کی آنکھوں سے موٹے، موٹے آنسو دامن میں گرے اور منہ چھپالیا...... ان موٹے آنسوؤں میں اس کے غم کی داستانیں چھپی ہوئی تھیں، سسر کی بدمزاجی، بڑی نند کے تکبر اور ساس کی طعنوں میں ڈوبی گفتگو کے......

☆☆☆

تیسرا چکر عشرت بیگم کے بہت اصرار پر لگایا، اس مرتبہ طلحہ بھی ساتھ تھا...... پہلے سے زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا۔

''بیٹے آج کل کیا کررہے ہو؟'' عشرت بیگم نے پوچھا۔

''ابو کے ساتھ ہی ہوتا ہوں۔'' اس نے گول مول سا جواب دیا۔

''امی کیسی ہیں...... انہیں بھی لے آتے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے کہہ ہی دیا۔ کیا کرتیں آئندہ زندگی کی خوشیاں اسی گھر اور انہی لوگوں سے وابستہ تھیں۔ اس لیے اوپرے دل سے ہی سہی کہہ دیا تھا۔

''امی مصروف تھیں، آج کل جامعہ میں امتحانات ہو رہے ہیں ناں......'' طلحہ نے کہا۔

''اچھا...... خود امتحان لیتی ہیں؟'' دلچسپی سے عشرت بیگم نے پوچھا۔

''ہاں کوئی خود لیتی ہیں اور کسی مضمون کا دوسری جامعہ سے دلواتی ہیں۔'' موبائل کی بپ ہوئی...... طلحہ معذرت کر کے اٹھ گیا......''امی کا فون ہے، ابھی واپس آتا ہوں۔'' سگنل ڈراپ ہو رہے تھے یا وہ ساس کے سامنے ماں سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا...... اس لیے لاؤنج سے باہر چلا گیا۔ واپس وہ چند لمحوں میں ہی آ گیا...... اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اشارے سے اس نے شبانہ کو باہر بلایا، اس کے کان میں کوئی بات کی، اس کے بھی چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

''ارے کیا ہوا، خیر تو ہے، بتاتے کیوں نہیں؟'' گھبرا کر عشرت بیگم نے کہا۔

آنٹی گھر میں کچھ مسئلہ ہو گیا ہے؟ ڈاکا پڑ گیا ہے، ڈاکوؤں کے جانے کے بعد دادی جان کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے۔''

دونوں میاں بیوی لمحوں میں ہی جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

''سب خیر تو ہے ناں پتا کرو......'' عشرت بیگم دہائی دے رہی تھیں۔

''یہ تو جا کے ہی پتا چلے گا......'' طلحہ نے کہا۔

کیسے اور کس طرح کہتیں کہ ٹھہر جاؤ، سو رخصت کر دیا...... کئی دن تک اسی صدمے میں رہیں۔

''اس سے تو اچھا تھا نہ ہی آتے تم لوگ۔'' ایک دن انہوں نے فون پر طلحہ سے شکوہ کیا۔

''اللہ نے ایسے ہی لکھا تھا اب شبانہ انشاء اللہ رہنے کے لیے آئے گی۔'' طلحہ نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

غلط فہمی

ایک ڈاکٹر نے اپنی نوجوان بیٹی سے کہا۔ ''جلدی کرو، میرا اسٹیتھواسکوپ اور دواؤں کا بکس گاڑی میں رکھو، مجھے ایک... ایمرجنسی کال آئی ہے کہ اگر میں اس تک فوراً نہ پہنچا تو وہ مر جائے گا۔''

ماڈرن بیٹی نے شوخی سے باپ کو بتایا۔

''پاپا وہ کال آپ کے لیے نہیں میرے لیے تھی۔''

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

موتی مالا

☆ اچھی بات چاہے کسی کی بھی ہو وہ اچھی ہے اسے غور سے سنو۔

☆ اگر عالم بننا ہے تو اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام پر عمل کرو علم و حکمت کے خزانے وہ خود پیدا کر دے گا۔

☆ اگر مال دار بننا ہے تو قناعت اختیار کرو مالدار ہو جاؤ گے۔

☆ اگر سب سے بہتر شخص بننا ہے تو لوگوں کو نفع پہنچاؤ بہتر ہو جاؤ گے۔

☆ اگر ایمان مکمل کرنا چاہتے ہو تو اخلاق درست کرو ایمان مکمل ہو جائے گا۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ اللہ تم پر رحم کرے تو اپنی جان اور خلقِ خدا پر رحم کرو۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے عیب چھپا لے تو اپنے بھائیوں کے عیب چھپاؤ۔

☆ اگر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہو تو خوفِ خدا سے رونے اور عاجزی سے گناہوں کی معافی ہو جائے گی۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ حشر کے دن نور سے اٹھائے جاؤ تو کسی پر ظلم نہ کرو۔

مرسلہ: مسز نگہت غفار، کراچی

''بلکہ بینا کے ایک دو رشتے تھے لاہور میں، امی نے آنا ہے کچھ دنوں میں شبانہ ساتھ ہی آجائے گی۔''

''جیتے رہو۔'' عشرت بیگم خوش ہو کر دعائیں دینے لگیں۔

وہ کچھ دن تین چار ماہ تک پھیل گئے۔ جب پروگرام پوچھا جاتا ایک ہی جواب ملتا بس جلد ہی آرہے ہیں، ایک دو دن میں انشاء اللہ...... دن، ہفتوں میں ہفتے، مہینوں میں بدل گئے گنتی اوپر ہی جانے لگی تو ایک دن وہ پھٹ پڑیں۔

''یہ لارے لپے لگانا کیا تمہارے سسرال کا مزاج ہے یا دین کا تقاضا......''

''امی......!'' روہانسی ہو کر شبانہ نے کہا۔ ''ایسے مت کہیں۔''

''اور کون سی زبان سمجھتی ہو تم۔'' غصے سے انہوں نے کہا۔

''امی بس جلدی آجاؤں گی، آپ فکر نہ کریں۔''

شبانہ نے فون بند کر دیا مگر دل پر پڑی گرہیں اور پختہ ہوتی چلی گئیں۔ خدا، خدا کر کے لاہور میں شبانہ نے قدم رکھا۔ موسم بھی بدل چکا تھا۔ وہ خود بھی بے حد اداس ہو رہی تھی...... ماں کے سینے سے لگ کر دیر تک بے آواز روتی رہی۔

''میں نے تو تمہیں بتایا نہیں کہ محسن نے جاپان جانے کا پروگرام بنا لیا ہے ویزا، پاسپورٹ سب اس کے ہاتھ میں ہے...... بتاؤ میرا کیا بنے گا۔'' اس کے بالوں میں دھیرے، دھیرے انگلیاں پھیرتے ہوئے عشرت بیگم نے بتایا۔

''وہ کیوں......؟'' شبانہ سناٹے میں آگئی۔

''کہتا ہے پڑھائی کے لیے جا رہا ہوں چھوٹا سا کورس ہے چار، چھ ماہ کا...... پھر آجاؤں گا...... اچھا تم سناؤ، تمہاری نند کا رشتہ طے ہوا کہیں۔''

''جی وہیں کراچی میں طے ہو گیا ہے۔'' شبانہ نے جواب دیا۔

''تم اتنی کمزور کیوں لگ رہی ہو...... تمہاری آنکھوں کے نیچے حلقے کیوں پڑے ہیں۔'' ایک دم سے ان کی توجہ شبانہ کی صحت پر ہوئی انہیں تشویش لاحق ہوئی۔

''کچھ نہیں امی...... بس پریشان رہتی ہوں کھایا نہیں جاتا، بھوک نہیں لگتی بالکل بھی۔''

''ڈاکٹر کے پاس نہیں گئیں تمہیں لے کر تمہاری ساس نندیں......؟'' ایک دم ہی انہیں فکر لاحق ہوگئی......

''کھانا نہیں کھاؤ گی تو کام کیسے کرو گی۔''

شبانہ نے منہ پھیر لیا، اخبار اٹھا کے اپنے منہ کے آگے کر لیا، دکھتی رگ پر جب ہاتھ رکھا جائے تو شاید ایسے ہی چہرہ بھیگتا ہے، دل زخمی ہوتا ہے، اشک بہتے ہیں......

آنٹی اس کی ساس اعلی الصباح جامعہ جاتی تھیں، نندوں کو اسکول، کالج، یونیورسٹی جانا ہوتا تھا...... ناشتا بنانے کی تمام تر ذمے داری اس کے کندھوں پر آن پڑی تھی...... اسے کاموں سے کبھی گھبراہٹ نہ ہوتی تھی بس رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے علی الصباح اٹھنا ناممکن تھا...... ناشتا بھی تازہ گندھے آٹے کے بل والے ورقی پراٹھے جن میں میدہ اور ملائی شامل ہو اور آملیٹ پر مشتمل ہوتا۔ یہ کم از کم آئٹم تھے طلحہ کو پراٹھوں کی نسبت ہلکا پھلکا ناشتا چاہیے ہوتا تھا۔ رات کے کھانے کی بھی زیادہ ذمے داری اسی کی تھی۔ دادی جان کو رات والے سالن کے ساتھ سادہ روٹی چاہیے ہوتی تھی...... کھانا بناتے، بناتے اس کی طبیعت اتنی خراب ہو جاتی کہ کھانا کھانے کا سوچ کر متلی شروع ہو جاتی...... پھر دونوں گھرانوں کا فرق بات مرچ، مسالوں کی نہیں، طریقے کی تھی۔ عشرت بیگم نے بینگن، ٹنڈے، بڑا گوشت کبھی نہیں بنائے تھے اِدھر تاریخ ہی اسی سے گنی جاتی۔

بیف کڑاہی، بیف تکے، شوربے والا بیف، سبزی تک میں وہی ڈالا جاتا...... شاید ہی اس نے سسرال میں پیٹ بھر کے روٹی کھائی ہو۔

امی محسن کا رشتہ دیکھنے، پسند کرنے سے آگاہ کر رہی تھیں اور وہ غم اپنے اندر انڈیل رہی تھی...... اللہ سے مدد مانگ رہی تھی۔ محسن کی جاپان روانگی کے بعد دو دن قیام رہا بالآخر وہ بھی روانہ ہوگئی اور گنے ہوئے پانچ دن گزرے تھے کہ ابا کی بیماری نے جان نکال دی۔ بڑا کیس لڑا اس نے مگر ساس، سسر کی نہ ہاں میں نہ بدلی۔

طلحہ نے بڑے دلائل دیے اِدھر ایک ہی جواب۔
''ابھی تو اس نے اپنے سامان کی پیکنگ بھی نہیں کھولی۔''
''لیکن امی اس وقت وہ اکلوتی اولاد ہے...... ماں، باپ کو ضرورت ہوگی بیٹی کی۔''
''ارے تو ہم نے کوئی روکا ہے، بس یہی کہہ رہے ہیں کہ مہینہ دو مہینے تو گزرنے دے۔''
''لیکن بیمار تو اب ہیں انکل۔'' طلحہ نے زچ ہو کر کہا۔
''اللہ خیر رکھے تندرست ہو ہی جائیں گے پھر بعد میں چلی جائے۔'' طلحہ اور شبانہ دونوں نے ہر ممکن کوشش کرلی، نتیجہ کوئی مثبت نہ نکلا اب جب عشرت بیگم کی طرف سے غصے سے بھرا دھمکیوں والا فون گیا تو شبانہ نے رو، رو کر آنکھیں سجالیں۔
''بہو ذرا دل کو میکے کی محبت سے آزاد کرو......'' انکل نے فقرہ کسا۔
''یہی تو میں کہتی ہوں ابھی چند دن پہلے تو آئی ہو۔'' ساس بولیں۔
اُف شبانہ کے بس میں نے تھا کہ کانوں میں انگلیاں ڈال لے۔
''ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، امی اکیلی ہیں، مجھے بتائیں میں کیا کروں آنٹی۔'' شبانہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔
''دعا......!'' بڑے سکون سے ساس نے یہ لفظ منہ سے نکالا۔
''امی کہہ رہی تھیں کہ اگر تمہارے باپ کو کچھ ہوگیا تو میں تمہیں گھر میں نہیں گھسنے دوں گی۔'' بالآخر اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔
ناگواری کے ساتھ اسے جانے کا پروانہ تو مل گیا مگر کتنے طعن آمیز جملے، ماں کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ اسے سننے کو ملا یہ وہی جانتی تھی۔ اب پہنچی تو ماں کا رویہ کتنا تکلیف دہ تھا...... اس نے صبر سے کام لیا اور باپ کے پاس جا بیٹھی...... ابو کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر وہ دیر تک روتی رہی، باپ اسے اپنی تکلیف میں اشک بہاتے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ ان اشکوں میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کررہی تھی۔ باپ کی آنکھ لگی تو وہ بھی لاؤنج میں ماں کے پاس آگئی۔
ماں نے اس کی پسند پر مٹن پلاؤ اور شامی کباب بنائے ہوئے تھے۔ اس نے پلیٹ اوپر تک بھرلی...... بچپن سے ہی وہ سونف اور ثابت دھنیے کی پوٹلی والے مٹن پلاؤ کو اپنا فیورٹ کہتی تھی لیکن...... یہ فیورٹ کی حد سے بہت اوپر چلا گیا تھا...... حیرانی سے عشرت بیگم نے اسے دیکھا۔ ایک دو تین شامی اور اوپر تک چاولوں سے بھری پلیٹ...... وہ تو انتہائی نفاست سے تھوڑا، تھوڑا کر کے کھانے کی عادی تھی...... اگلا منظر اس سے بھی حیران کن تھا اس نے وہی والا پیالہ اپنے آگے کھسکایا اور منہ کو لگالیا...... چند لمحوں میں خالی پیالہ سامنے پڑا تھا...... عشرت بیگم کا دل مٹھی میں آگیا۔
''یہ کیا ہوا......'' وہ پوچھنا چاہ رہی تھی۔ ''شبانہ یہ کیا......؟'' مگر چپ رہیں...... بہت جلدی، جلدی کر کے اس نے چند لمحوں میں چاولوں کی پلیٹ خالی کردی...... اور پھر سے پلیٹ میں بوٹیوں بھرے چاول ڈالے...... یہ بڑا حیران کن منظر تھا...... یہ ان کے ہاتھوں میں پلی شبانہ نہیں تھی ٹھہر ٹھہر کر چبا، چبا کر بھوک رکھ کر کھانے والی...... عشرت بیگم بظاہر ساتھ دینے کو تھوڑا، تھوڑا شریک رہیں جب شبانہ نے کھانا ختم کیا تو نرمی سے انہوں نے پوچھا۔
''لگتا ہے آج چاول مزے کے بنے ہیں۔'' شبانہ کی پلکوں کی نمی ابھی ان سے چھپی ہوئی تھی۔
''ہاں امی، آپ کے ہاتھ کے ہیں ناں...... وہاں آپ کے ہاتھ کے تو نہیں ہوتے۔'' اس نے بات گھمائی۔
''چلو شکر ہے پیٹ بھر کے تو کھانا کھایا تم نے۔'' محبت سے انہوں نے بیٹی کو دیکھا جو ایک خوشخبری کی تکمیل کے مراحل سے گزر رہی تھی۔
''ہاں، بہت عرصے کے بعد آج پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہے ناں......''
شبانہ کے موبائل فون پر میسج ٹون ہوئی۔ واٹس ایپ پر اس کی سسرالی کزن کا میسج تھا، وہ پڑھنے میں مگن ہوگئی۔

امی نے دلار سے پوچھا۔
''وہاں پیٹ بھر کے کھانا کیوں نہیں کھاتیں۔''
بڑا دلچسپ سا میسج تھا، پڑھتے ہوئے بے دھیانی میں منہ سے فقرہ نکلا۔
''خود کھانا بنا کے طبیعت اوبھ جاتی ہے، بھوک ختم ہو جاتی ہے، دوسرا وہ لوگ دہی وغیرہ کا کم استعمال کرتے ہیں...... بیف ہی آتا ہے ہفتے میں چار دن......''
''کیا......؟ بڑا گوشت؟'' چیخ نما آواز نکلی۔
''اوہ......'' وہ کیا کہہ گئی...... شبانہ کو احساس ہوا کچھ غلط نہیں، بہت کچھ غلط ہو گیا ہے۔
''امی میرا مطلب......''
''مطلب، وطلب کچھ نہیں ہے، سب جانتی ہوں ارے دنیا جہاں کے شوہدے اور کنجوس ہیں، بے حس، جھوٹے، وعدہ خلاف دین داری کے لبادے میں انہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ باپ اس قدر بیمار ہے ہم جانے دیں، میں سب جانتی ہوں تم بتاؤ یا نہ بتاؤ، یہ آنکھوں کے نیچے پڑتے حلقے سیاہ رنگت تمہارا جتنا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ میں سب جانتی ہوں...... ارے ان سے تو وہ بے دین بیگم شاہدہ احسن اور ندرت ملک اچھی ہیں جن کی بہوئیں عیش کر رہی ہیں۔'' ایک دم موبائل میں سے آواز نکلی۔
''اوہ......'' شبانہ کا رنگ اُڑا۔
''اوہ میرے خدا......'' وہ ہکلائی۔'' امی آپ کی گفتگو آنٹی کے فون پر غلطی سے سینڈ ہو گئی......'' جھٹ سے اس نے اس آڈیو کو آن کیا...... عشرت بیگم گھن گرج کے ساتھ بول رہی تھیں۔
''مطلب، وطلب کچھ نہیں...... سب جانتی ہوں ارے دنیا جہاں کے......'' لمحہ بھر کو تو عشرت بیگم بھی دنگ اور گنگ ہی رہ گئیں۔
''امی کیا غضب ہو گیا۔ اب کیا ہو گیا؟ آپ نے کتنی مشکل میں ڈال دیا مجھے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر ڈھے گئی۔ آنے والے وقت میں کیا ہوگا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔
''یا الٰہی مدد......! اللہ اس میں سے خیر نکال دے۔'' ایک طرف ماں تھی جس کی حکم عدولی گناہِ کبیرہ ہے، دوسری طرف ساس...... جس کے قدموں تلے اس کے شوہر کی جنت تھی...... اس نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا لرزتے ہونٹوں پہ سے دعا نکلی۔
''رَبِّ اَنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ......'' کاش...... اے کاش...... وہ موبائل ہاتھ میں نہ لیتی...... اے کاش...... وہ اس وقت میسج پڑھتے ہوئے ماں کو بے دھیانی میں جواب نہ دیتی...... بس چالیس پچاس منٹ کی بات تھی...... ابو سو کر اٹھ گئے تھے۔ امی خاموش سی ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ بس اس کے دل میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ اس نے ہمت کر کے سارا ماجرا طلحہ کو فون پر سنایا اور فرمائش کی کہ
''ابھی گھر جا کے چیک کریں اگر آنٹی نے موبائل نہیں پکڑا تو اس کا مطلب ہے آڈیو میسج بھی نہیں سنا ہوگا۔ پلیز جیسے بھی ہو اسے ابھی ڈلیٹ کر دیں...... پلیز......'' وہ روئے جا رہی تھی۔
''تم ٹینشن نہ لو اللہ بہتر کرے گا......'' طلحہ نے مختصر سے الفاظ میں تسلی دے کر فون بند کر دیا...... وہ یہی دعا مانگتی رہی۔
''اللہ جی آنٹی نے میسج سنا ہی نہ ہو...... اللہ جی ابھی وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوں اللہ جی......''
لیکن اس کی کوئی دعا قبول نہ ہوئی طلحہ کے پہنچنے سے پہلے ہی آڈیو میسج سنا جا چکا تھا...... اس کی والدہ زبیدہ بیگم مراقبے کی حالت میں بیٹھی تھیں...... اس نے کترا کر گزر جانا چاہا، انہوں نے اشارے سے بلایا اور آڈیو سنوائی۔
''اُف......'' طلحہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا...... کوئی گھن گرج تھی ان کے لب و لہجے میں......
''اب تم جاؤ......'' انہوں نے اسے کمرے سے باہر بھیجا...... طلحہ بدستور وہیں کھڑا رہا...... ''امی آپ خفا ہیں۔'' ڈرتے، ڈرتے اس نے پوچھا۔ اپنی ماں کے جاہ و جلال سے وہ بخوبی واقف تھا۔
''نہیں بالکل نہیں......؟'' انہوں نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔
''ک...... ک...... کیا؟'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''بیٹے جب یہ آڈیو مجھ تک پہنچی تو موبائل میرے ہاتھ میں تھا۔ مجھے خود علم نہیں تھا کہ اس آڈیو میسج میں میرے لیے تقدیر نے کیا لکھ رکھا ہے۔ میں نے بھی بے دھیانی میں سنا کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر دوسری مرتبہ سنا تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ کوئی میرے بارے میں ایسے بھی کہہ سکتا ہے...... آج تک میرے کانوں نے یہی فقرے سنے تھے کہ آپ بہت اچھی تجوید کرواتی ہیں، آپ کی تلاوت بہت اچھی ہے...... آپ کا مدرسہ بہت اچھا ہے، میرے کانوں نے آج تک ایسی بات اس لب و لہجے میں نہیں سنی تھی' یقین کرو جب تیسری مرتبہ میں نے عشرت باجی کی گفتگو سنی تو میں کانپ کر رہ گئی۔ مجھے لگا زمین بری طرح سے ہل رہی ہے، آسمان پھٹ کر نیچے آرہا ہے' چاروں طرف سے قیامت برپا ہوگئی ہے اور میرے رب کے حضور میری گواہی انہی لفظوں میں دی جارہی ہے، بے حس' دین دار..... میں نے وضو کر کے دو نفل پڑھے، اللہ سے سچے دل سے توبہ کی...... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ میری یہ گواہیاں رب کے ہاں جارہی ہیں...... پھر میں نے اپنا محاسبہ کیا..... طلحہ واقعی تمہاری ماں نے اس بچی پر ظلم کیا' اسے جانے سے روکا، میں نے ہر موقع پر جان بوجھ کر انہیں نیچا دکھانے کی کوشش کی، معمولی سا سانحہ ہوا تھا ڈاکو آئے ضرور مگر کچھ بھی لینے کی نوبت نہیں آئی کہ باہر پولیس کی گاڑی اتفاقاً ہی آنکلی..... تمہاری دادی کو گھبراہٹ ضرور تھی مگر میں نے اسے ہارٹ اٹیک کا نام دے کر تم لوگوں کو فوراً بلوالیا..... میں نے ہی تمہارے ابو سے کہا تھا کہ ایم ایس سی کے بعد اب مزید تعلیم کا سلسلہ ختم کریں کہیں لاہور میں سسرال کے ہاں زیادہ رہ کے یہ جورو کا غلام نہ بن جائے..... میں نے ہی بارات کی ایک دن قبل جانے کی وعدہ خلافی کی تھی..... مجھے پتا نہیں تھا کہ میں دین دار ہو کے نفس کے پیچھے چل رہی ہوں۔''

وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

''میں نے طلحہ ایک دکھیا عورت کا دل مزید دکھی کیا..... میں کیا کروں.....'' طلحہ نے آگے بڑھ کے ماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ ملائمت سے ان کے آنسو پونچھے۔

''امی جان، آپ آنٹی سے معافی مانگ لیں۔ آپ یقین کریں آنٹی بھی دل کی بہت اچھی ہیں۔'' طلحہ نے کہا۔

زبیدہ بیگم خالی خالی نظروں سے دیکھے جارہی تھیں نہ تاثر نہ تکلم..... جیسے سوچ کی گہری وادیوں میں اتر چکی ہوں..... ان کے چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی..... بڑی مشکل سے وہ گویا ہوئیں۔

''بیٹے ہم میں سے کوئی بھی مکمل نہیں..... ہر بندہ عیب دار ہے لیکن..... یہ بہت زیادتی ہے کہ نماز روزے والوں پر دین داری کا لیبل لگادیں۔ ان کے ایک نکتے کو کالا پہاڑ بنادیں..... بیٹا ہم سب دین دار ہیں جس نے کلمہ پڑھ لیا بس وہ دین دار ہے یہ اور بات ہے کہ ہم سب کا دین اس کے ظرف اور عمل کے مطابق ہے، کوئی صرف عبادات میں اسے لے کر چلتا ہے کوئی معاملات میں..... کوئی اخلاقیات میں..... دین تو ہر شعبۂ زندگی پر لاگو کیے جانے والے خدائی قانون کا نام ہے جو ہم نے اونچی شلواروں اور ماتھے پر محراب والوں کے لیے مخصوص کردیا ہے..... میں مانتی ہوں مجھ سے بڑا گناہ ہوا۔'' زبیدہ بیگم دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح رودیں..... ''میری وجہ سے میرے رب کا دین بھی اعتراض کا نشانا بنا۔''

زبیدہ بیگم ٹرانس کی حالت میں بولے جارہی تھیں اپنے دل کا بوجھ اتار پھینکے جارہی تھیں۔ طلحہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جوں، جوں وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی جارہی تھیں اسے لگا جیسے نور کا ایک ہالہ ان کے چہرے کے اردگرد رقص کررہا ہے، فضا میں ملکوتی حسن پیدا ہوگیا ہے..... وہ مبہوت تھا..... کیا..... اعتراف کرلینا ہی عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے..... اسے اپنی ماں پر رشک آرہا تھا۔ پیار آرہا تھا..... آہستگی سے اس نے ماں کے ہاتھ کو مقدس صحیفے کی طرح تھاما بوسہ دیا اور دھیمے، دھیمے لہجے میں بولا۔

''امی جان..... اللہ نے آپ پر کتنا کرم کیا، آپ

احتساب کے کڑے مرحلے سے تو گزر ہی گئی ہیں اب تھوڑی سی ہمت اور کرلیں۔ یقین کریں وہ بھی دل کی بہت اچھی ہیں، انہوں نے آپ سے متاثر ہوکر تو رشتہ طے کیا تھا ورنہ شبانہ کو رشتوں کی کمی تو نہ تھی...... اصل میں وہ اپنی پہلی بیٹی کی سسرال سے کاری ضرب کھائے ہوئے تھیں ناں اس لیے انہوں نے اتنے سخت الفاظ استعمال کیے......وہ بہت اچھی ہیں امی......''

''فون کرکے معافی مانگوں؟'' خود فراموشی کے سے عالم میں انہوں نے سوال کیا اور پھر کانپتے ہاتھوں سے عشرت بیگم کا نمبر ڈھونڈنے لگیں۔ طلحہ نے اپنے موبائل کو سائلنٹ پر لگایا ہوا تھا۔ اس اثنا میں شبانہ کی سترہ مسڈ کالز آچکی تھیں۔

جب وہ شبانہ کو کال کررہا تھا تو طلحہ نے دیکھا اس کی ماں فون کان سے لگائے گفتگو کا آغاز کرچکی تھیں۔

وہ دھیمے قدموں باہر نکل آیا اور شبانہ کو رپورٹ دینے لگا...... پچپن منٹ کے بعد جب ماں کے کمرے میں داخل ہوا تو ماں جائے نماز پر سجدے میں تھی...... لمبا سجدہ......

سجدہ جو عظمتِ معراج ہے جو شیطان، ابلیس اور آدمؑ کے درمیان فرق ہے، سجدہ جو رب کا قرب عطا کرتا ہے، سجدہ جو رب کو اتنا پسند ہے کہ اس نے اپنی ہر مخلوق کو حالتِ سجدہ میں پیدا کیا...... وہ منتظر رہا امی سجدے سے سر اٹھائیں اور بتائیں کہ یہ کون سا سجدہ تھا۔

بالآخر ماں نے سجدے سے سر اٹھایا ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں ناک سرخ ہورہی تھی...... لیکن ان کے دل میں، ایمانی کیفیت میں ہزار ہا درجے کا اضافہ ہوچکا تھا۔

''امی جان......'' اس نے جائے نماز پر ان کے قدموں میں سر رکھا...... اسے پتا تھا باقی بات وہ خود ہی بتادیں گی......اور ابھی، ابھی شبانہ یہی بتارہی تھی کہ ''امی فون تو سن رہی ہیں مگر ان کی آنکھوں سے بھی آنسو... رواں ہیں...... کبھی ہنستی ہیں کبھی رونے لگ جاتی ہیں امید ہے مطلع چند لمحوں میں نکھر کر صاف شفاف ہوجائے گا۔'' اور ایسے ہی ہوا اس کی امی اسے مخاطب کرکے بول رہی تھیں۔

''شبانہ بیٹے، واقعی ہم سب بشر ہیں، ہم دین داروں سے خواہ مخواہ فرشتوں والی توقعات باندھ لیتے ہیں حالانکہ دین دار بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں۔ خوبیوں، خامیوں کے پتلے، خیر کو کبھی بھلانے اور کبھی شر کو پھیلانے والے...... اللہ ہم سب کو بس معاف ہی کردے یہی اس کا بہت کرم ہوگا۔''

اور جب شبانہ، طلحہ کو یہ ساری رپورٹ دے رہی تھی تو طلحہ کی امی نے کہا۔

''طلحہ بیٹے...... مکمل ہستی تو ایک ہی ہے، خامیوں سے پاک، بے عیب، تعصب، غضب، ہر طرح کے ظلم اور بے انصافی سے پاک...... نمونہ اور اسوۂ کامل تو وہی ہیں...... رب کی رضا کے لیے ہر حکم پر پورا اترنے والے...... کتنا اچھا سبق دے گئے...... عفو و درگزر کا اِدھر میں نے عشرت باجی سے کہا۔ آپ میری بڑی بہن ہیں، سو جوتے بھی لگائیں گی تو کھالوں گی مگر خدا کے لیے مجھے معاف کردیں...... پتا ہے انہوں نے کیا کہا؟ کہنے لگیں۔

''نہ بھئی فون پر تو کبھی معافی نہیں دوں گی......'' میں نے کہا۔ عشرت باجی غلطی بھی تو فون پر ہی سنی ہے ناں...... کل رب کے سامنے سارے گناہوں کے اعتراف سے کہیں بہتر ہے آپ سے اعتراف کرلوں کہ میں نے شبانہ کو روک کر غلطی کی......

میری بات کاٹ کر کہنے لگیں، باقی غلطیوں کا اعتراف اپنے پاس ہی رکھو...... مجھے تو تمہاری آواز سن کر ہی سارے گلے شکوے بھول گئے...... تم خوش، ہم خوش۔''

''سچ امی......'' طلحہ نے بچوں کی طرح آنکھیں پٹپٹا کر کہا۔

''تو اور کیا......'' طلحہ بھی شکرانے کی بہترین ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف بھاگا۔ مسجد سے اذان کی آواز آرہی تھی۔ باجماعت نماز سے پہلے ہی سجدۂ شکر ادا ہوجائے تو بہتر ہے...... کہ عظمتِ بشر ہی سجدہ کرنے میں ہے اور...... اور یہ کہ آدمؑ اور ابلیس کا فرق غلطی کے اعتراف اور سجدے میں ہی رکھا گیا۔

نادانی

ہما بیگ

"نگہت آج کل تمہاری عزیز از جان وجگر، ہم نوالہ و ہم پیالہ سہیلی تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہی، خیر تو ہے کوئی ناراضی تو نہیں ہوگئی؟" سلمٰی نے ذومعنی انداز میں مجھ سے پوچھا۔

"نہیں تو......" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

آج ساری پڑوسنیں بغیر کسی وجہ کے میرے گھر جمع ہوگئی تھیں۔ چائے کے کپ لیتے ہی انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی تھی اور میرے سنبھلنے سے پہلے ہی دوسری

نے حملہ کر دیا۔

"کہاں تو یہ حال تھا کہ وہ ہر وقت تمہارے گھر میں گھسی رہتی تھی...... ہر جگہ تمہارے ساتھ...... بازار بھی تم لے جاتی تھیں۔ جب بھی اس کے شوہر شہر سے باہر جاتے تو وہ رات بھی تمہارے گھر رہ جاتی تھی۔ اس کی بیماری میں پورا گھر تم نے ہی سنبھالا تھا اور اب مطلب نکلتے ہی تمہی کو اس نے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکا...... اور تو اور اب تو وہ تمہارے دروازے سے بھی پیٹھ موڑ کر نکلتی ہے۔"

"ہم نے تو تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا جوان لڑکی کو اپنے گھر میں اتنی آزادی مت دو مگر تم نے ایک نہ سنی...... ارے شکر کرو تمہارا گھر بچ گیا...... نہیں تو اپنے شوہر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتیں تم......"

"آپ سب غلط سوچ رہی ہیں، وہ کچھ مصروف ہے اسی لیے میری طرف نہیں آپارہی......" میرے لہجے کا کھوکھلا پن خود مجھے محسوس ہوا۔

"لو سنو...... اب بھی ہم غلط ہیں...... آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے بی بی...... تمہارے اور اس کے گھر کا دروازہ آمنے سامنے ہے ہاتھ بڑھا کر تم اس کی گھنٹی بجا سکتی ہو...... تو اب کیوں نہیں جا کر اسے بلا لاتیں......"

ان کی باتیں سو فیصد درست تھیں مگر میں اپنے دل کا کیا کرتی جس نے حرا پر بھروسا کیا جو ہر گز یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ حرا نے مجھے صرف ایک سیڑھی کی طرح استعمال کیا اور ضرورت پوری ہوتے ہی رخ بدل لیا۔

حرا بظاہر معصوم نظر آنے والی پیاری سی سہیلی جس کے دکھ سکھ میں شریک ہونا میرے لیے سکون کا باعث تھا۔ اس کے شوہر نے مجھے بہن بنا کر اس کی ذمے داری مجھے سونپی تھی۔ بہت بھروسا تھا جبران بھائی کو حرا پر اور مجھ پر...... انہوں نے مجھ پر بھروسا کر کے اسے میرے حوالے کیا تھا۔ خود ان کو بیرون ملک اکثر دفتر کے کام کے سلسلے میں جانا ہوتا تھا۔ بہت چاہتے تھے وہ حرا کو...... مگر وہ ایک دن سب کچھ چھوڑ کر مصنوعی دنیا کی چکاچوند کی تلاش میں نکل پڑی۔

جب مجھے اندازہ ہوا تو پانی سر سے اوپر ہو چکا تھا۔ میں نے اسے بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"حرا دیکھو، ہم لڑکیوں کی خواہشات بہت...... بے مہار ہوتی ہیں۔ دیکھنے میں بہت معصوم اور برتنے میں اس قدر کانٹے دار کہ سب کچھ کاٹ کر رکھ دیتی ہیں، تم اپنے شوہر کی محبت کی قدر کرو، یاد کرو وہ وقت جب ڈاکٹر طاہرہ نے بتایا تھا کہ تم ماں نہیں بن سکتیں تو تمہارے شوہر نے ہی تمہیں سینے سے لگا کر تمہارے آنسو پونچھے تھے اور ان کے گھر والوں نے جب ان پر دوسری شادی کے لیے دباؤ ڈالا تھا تو انہوں نے کس سختی سے منع کر دیا تھا...... "اگر میرے نصیب میں بچے ہوں گے تو حرا سے ہی ہوں گے، میں اس پر سوکن لانے کا ظلم نہیں کر سکتا۔" انہوں نے تمہاری خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، تمہارے کپڑے تک دھوئے، بستر سے قدم زمین پر نہیں رکھنے دیتے تھے۔ ذرا سوچو، اپنا گھر برباد مت کرو حرا......" میری باتوں کا یہ اثر ہوا کہ اس کے گھر کے دروازے میرے لیے بند ہو گئے...... شوہر کے سامنے تو بڑی اچھی طرح ملتی مگر جب وہ گھر سے باہر ہوتے تو وہ خود گھر سے باہر چلی جاتی یا کسی کو بلا لیتی حتیٰ کہ ڈرائیونگ بھی تو اسے میں نے ہی سکھائی تھی۔

آج کل جبران بھائی شہر سے باہر گئے ہوئے تھے اور وہ ایک نئی دنیا میں مست تھی۔ آدھی رات کو اس کا مہمان رخصت ہوا تو تھوڑی دیر کے بعد اس کا فون آیا۔

"نگہت مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، آپ مجھے اپنے گھر لے جائیں، میں آپ کے گھر میں ہی رہوں گی۔"

ہمارے گھر کے دو پورشن تھے ایک حصے میں ہم اور دوسرے پورشن میں جبران بھائی اور حرا رہتے تھے۔ میں نے اپنے شوہر اور بچوں کو دوسرے کمرے میں شفٹ کیا اور اسے لے کر آ گئی۔ ایک دم اسے یاد آیا اس کا موبائل اس کے گھر میں ہی رہ گیا ہے، وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے بیڈروم میں گئی وہاں پر سگریٹ کا دھواں بھرا ہوا تھا۔ ایش ٹرے سگریٹ کے بجھے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ دو گلاس اور رنگین بوتل آدھی بھری ہوئی رکھی تھی۔ میں ایسے

بن گئی جیسے میں نے کچھ نہیں دیکھا۔

وہ رات ہم نے اجنبیوں کی طرح گزاری، اگلے دن سے وہ پھر مجھے بھول کر اپنی مصروفیات میں مگن ہو گئی' میں اس کے لیے پھر سے غیر متعلقہ ہو گئی۔

پچھلے وقتوں میں اچھے خاندانوں میں لڑکے' لڑکیوں کے آزادانہ میل جول پر جو پابندیاں تھیں وہی ہمارے حق میں بہتر تھیں۔ نام نہاد آزادی کے نام پر کھلے عام مرد وزن کا میل جول معاشرے میں صرف تباہی لاتا ہے، روزانہ نئے، نئے لوگ جو دل کو بھا جاتے ہیں...... دل کو لبھانے والی باتیں کرتے ہیں۔ راہ چلتے دعوت بھری نگاہیں ایمان ڈگمگا دیتی ہیں، کوئی بھلا کب تک ان کے اثرات سے بچ سکتا ہے۔

جن دنوں ہماری اچھی دوستی تھی تو اس نے ایک دفعہ کہا۔ ''یار ویسے تو جبران بہت اچھے ہیں مگر...... لائف میں مزہ نہیں ہے' وہی روٹین......'' اس کی چمکتی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

''کیوں بھئی مزہ کیوں نہیں ہے؟ اللہ کا شکر ہے وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں، محبت کی شادی کی تھی اور آج بھی وہ اتنا ہی چاہتے ہیں جتنا یونیورسٹی کے زمانے میں چاہتے تھے۔ مکمل آزادی دی ہوئی ہے۔ ڈنرز اور پارٹیز پر لے کر جاتے ہیں، تمہاری من پسند شاپنگ کرواتے ہیں حتیٰ کہ کچن میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاتے ہیں...... دعوتوں کے بعد تم تو آرام سے ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتی ہو۔ وہ ہی سب کام نمٹاتے ہیں اور کیا چاہیے تم کو......؟ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو محبت کر تو لیتے ہیں مگر پا نہیں سکتے اور کچھ بدنصیب محبت مل جانے کے بعد اس کو سنبھال نہیں پاتے۔ سن رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟ ایک تو ہر وقت موبائل ہاتھ میں......'' میری تقریر کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا...... وہ اپنے موبائل سیٹ میں غرق تھی۔

''نگہت لائف میں جب تک گلیمر نہ ہو، تھرل نہ ہو تو کیا مزہ......؟ ان کے دوست اور ان کی فیملیز سب بورنگ...... اور سنو انہوں نے مجھے کیا آزادی دی ہے، سلیولیس قمیص، جینز تک تو پہننے نہیں دیتے۔ ڈانس پارٹی میں بھی نہیں جاتے ہیں۔ اور تو اور......'' اس نے منہ بناتے ہوئے اپنی بات نامکمل ہی چھوڑ دی۔

''حرا آزادی ہو یا کھانے کا شوق...... انسان ہو یا زندگی محبت ہو یا نفرت...... کسی نسبت، تناسب سے ہی یہ اچھے لگتے ہیں یہی تناسب...... زندگی کو متوازن اور خوب صورت بناتا ہے۔ کسی بھی چیز کی زیادتی خراب ہوتی ہے۔ جبران بھائی شریف اور چاہنے والے شوہر ہیں، وہ عزت کرنا اور کروانا جانتے ہیں۔ وہ تمہیں مناسب حلیے میں ان لوگوں کے درمیان لے جاتے ہیں جہاں تمہاری عزت ہو، ان کی قدر کیا کرو......''

میں نے اسے بارہا سمجھایا......؟ سچ ہے کپڑوں پر یا جسم پر اگر کیچڑ لگ جائے تو اسے پانی سے دھویا جا سکتا ہے لیکن اگر سوچ کے راستے دماغ کے اندر خرابی پیدا ہو جائے تو وہ دور نہیں ہو سکتی...... نہ روح صاف ہوتی ہے۔

اور پھر روز بروز اس کی زندگی میں پُر اسراریت بڑھتی گئی اور وہ مجھ سے دور ہوتی گئی...... جبران بھائی جب دورے پر جاتے تو بقول اس کے وہ بھی اپنے میکے چلی جاتی ہے۔ ایک دن اس کے والد صاحب سے بازار میں ملاقات ہوئی تو میں نے حرا کی خیریت پوچھی تو وہ حیران ہو کر بولے۔

''ارے مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو...... عرصہ ہو گیا تم لوگوں سے ملاقات... پہلے تو تم سہیلیاں آتے جاتے مل جاتی تھیں۔ اب تو لگتا ہے ہمارے گھر کا راستہ ہی بھول گئی ہو، حتیٰ کے فون بھی نہیں کرتی حرا...... میں کروں تو موبائل بند ملتا ہے۔'' حرا کے والد دکھے دل سے شکایت کر رہے تھے۔

اور میرا دل پانی سے بھرے ان بادلوں کی طرح بوجھل ہو گیا جو برسنے کے لیے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں ہوں۔ اس وقت میرے شوہر بھی میرے ساتھ ہی تھے۔ انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''دوستی کسی کے ذہن و جسم پر قبضہ کرنے کا نام

نہیں...... پہلے تو کہتی ہو کہ ہمارا دل بڑا ہے پھر دل کو پنجرہ بنا کر دوستی کو قید کرنا چاہتی ہو...... اپنی بھی اور دوسروں کی بھی زندگی مصیبت بنانا چاہتی ہو۔ تم جس لڑکی کو اپنی دوست سمجھ رہی ہو...... وہ اب اپنی خود کی دوست نہیں رہی ہے...... اس لیے اب تم اسے اپنی دوست مت سمجھو......"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں وہ جیسے ہی واپس آئے گی، میں دلوں میں پیدا ہوئی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کروں گی۔" کبھی، کبھی ہمارے سامنے حقیقت واضح ہو رہی ہوتی ہے مگر پھر بھی اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا بالکل ایسی ہی کیفیت تھی۔

وہ پھر واپس لوٹ کر نہیں آئی۔ ہم انتظار ہی کرتے رہے۔ جبران بھائی ایک مہینے کے بعد گھر لوٹ کر آئے ان کو دیکھ کر لگا جیسے سالوں کسی صحرا میں ننگے پاؤں اپنی متاعِ حیات کا پیچھا کر کے، اپنی زندگی گنوا بیٹھے ہوں۔ اپنے گھر کا دروازہ اُن سے کھل نہیں رہا تھا۔ ہر بار چابی ہاتھ سے گر، گر جاتی، اسی وقت میرے شوہر آفس سے واپس آئے انہوں نے پُرتپاک انداز میں جبران بھائی سے ہاتھ ملایا اور اپنے گھر لے آئے۔ میرے بچے بھاگ کر ان سے چمٹ گئے کھوئے، کھوئے سے جبران بھائی نے سب کو پیار کیا۔ ان کو دیکھ کر میں رو پڑی۔

میں حرا کے بارے میں واقعی بھول گئی کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے...... اور کتنے ہی دن بیت گئے۔ مگر ایک دن جب جبران بھائی نے آ کر یہ اطلاع دی۔

"بھابی میری زندگی، میری جان مجھے چھوڑ کر چلی گئی ایسا تو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، کہاں کمی رہ گئی تھی۔ اس کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری کی، اپنے والدین کو اس کی خوشی کے لیے چھوڑا۔ الگ گھر لیا، اپنے وسائل سے بڑھ کر اس کے ارمان پورے کیے...... دو، دو نوکریاں کیں کہ کہیں کوئی پیسے کی کمی نہ ہو...... پھر بھی وہ چلی گئی۔" ان کے منہ سے بے ربط جملے سن کر اور آنکھوں سے رواں آنسو دیکھ کر میرے دل کو دھچکا لگا۔ حالانکہ یہ تو ہونا تھا۔ اور اس کا اندازہ مجھے اسی لمحے ہو گیا تھا کہ جس رات میں اس کے بیڈ روم کی ایش ٹرے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری دیکھ کر آئی تھی۔ مگر اپنے اوپر قابو پا کر میں نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"جبران بھائی وہ آپ کو چھوڑ کر بھلا کہاں جا سکتی ہے۔ منہ سے اچھی باتیں کہیں کیا خبر کون سی قبولیت کی گھڑی ہو، ہو سکتا ہے وہ اپنی کسی سہیلی یا والدین کے گھر ہو، کسی بات پر آپ کا اس سے جھگڑا تو نہیں ہوا؟" اپنے لہجے کا کھوکھلا پن خود مجھے شرمندہ کر دیا تھا۔

"وہ منحوس گھڑی تو آ کے بھی چلی گئی اور ہمارے نصیبوں کو بھسم کر گئی...... ہر امید، ہر آرزو فنا کر گئی اور میں بدنصیب بے خبری اور اعتماد کے دھوکے میں مارا گیا۔ اتنے عرصے میں حرا کے والدین کے گھر ہی تھا۔ ہم نے ہر جگہ اسے تلاش کر لیا۔ پچھلے ہفتے اس کی طرف سے خلع کا نوٹس آیا ہے اور میرے نام خط" میں نے زاہد سے شادی کر لی ہے۔ اسی کے ساتھ بھوربن میں رہ رہی ہوں، ہنی مون ہم نے تھائی لینڈ میں منایا، برائے مہربانی مجھے آزاد کر دیں۔ مہر کی رقم مجھے نہیں چاہیے۔ آپ کے کام آئے گی۔"

وہ سانس لینے کو رکے، پانی کے گھونٹ بھر کر پھر بولے۔

"بھابی بے خبری کبھی تو رحمت ہوتی ہے اور کبھی ایسی زحمت کہ دل کے ٹکڑے، ٹکڑے کر کے رکھ دیتی ہے، اس حقیقت نے تو ہمیں کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میرا تو جو حال ہے سو ہے اس کے والدین زندہ در گور ہو گئے ہیں۔"

وہ الفاظ نہیں تھے گویا پگھلا ہوا سیسہ ہمارے کانوں میں انڈیل دیا گیا۔ ہمارے پاس تو پرسا دینے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔ الفاظ کا ایسا کال کبھی نہیں پڑا تھا۔

"مجھے آپ سے ایک شکایت ہے بھابی، سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آپ نے مجھے نہیں بتایا۔ کم از کم طوفان آنے سے پہلے اپنے آشیانے کو بچانے کے لیے تو کچھ احتیاطی تدابیر کر لیتا......" جبران بھائی کا گلہ بجا تھا۔

"ہم آپ سے شرمندہ ہیں، ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ اتنی غلط حرکت کرے گی۔ سوچا تھا کہ دوسروں سے ہنس بول لیتی ہے۔ جو بقول اس

کے کزن تھے۔ وقت کے ساتھ سمجھ جائے گی، آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے اور یہ بھی کہ حالات اور نہ خراب ہو جائیں۔'' میرے شوہر نے ان سے کہا تو جبران بھائی پہلو بدل کر رہ گئے۔

''ہاں' چہروں پہ تھوڑی لکھا ہوتا ہے' شکلیں تو معصوم ہوتی ہیں سب ایک جیسی لگتی ہیں، نہ جانے کس نظر بد کی ایک غلط نظر ہی سب کچھ جلا دیتی ہے۔ جن پر بھروسا کیا جائے، اکثر یہی رشتوں کا خون کر جاتے ہیں، میں نے ہی حرا کے لیے آزادی اور خود مختاری کی کوئی حد نہیں باندھی۔ اور اس نے اس اعتماد کے بدلے میں مجھے اور اپنے والدین کو کیا دیا......؟ رسوائی، رسوائی کا تو احساس ہی زہر بھری سرنج جیسا ہوتا ہے جو سیدھا رگوں میں اترتا ہے۔ آگ کی طرح جسم کے ہر حصے میں پھیل جاتا ہے پھر ساری خوشیوں اور خوش فہمیوں کو جلا دیتا ہے۔ میں کیسے لوگوں کا سامنا کروں؟ اپنے دل کو کیا جواب دوں؟''

ایک تکلیف دہ خاموشی کے بعد میرے شوہر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

''جبران بھائی شک کرنا عام طور پر برا ہوتا ہے مگر کچھ شک مصلحت کو پرے کر کے کر لینے چاہئیں......ان کے کرنے سے پانی میں نتھار ہی آتا ہے، اگر کوئی برا نہیں ہوتا تو صرف شک کرنے سے برا نہیں ہو جاتا۔ شک کی فصل خود رو ہوتی ہے، ان کانٹوں کو کبھی، کبھی بڑھنے دینا چاہیے۔ کبھی وقت مہربان ہو تو دنیا اعتماد لوٹا دے اور نامہربان ہو تو بھکاریوں کی طرح خالی دامن لوٹا دیں اور کبھی امید اور آس کا ایک سکہ بھی جھولی میں نہیں ڈالتا۔''

اتنی دیر میں حرا کے والد اور بھائی' جبران بھائی کی تلاش میں آ گئے۔ ان کے سر شرم سے جھکے ہوئے تھے۔

''بیٹا ہم تو گھبرا گئے تھے کہیں تم کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر بیٹھو......اللہ کا شکر ہے تم خیریت سے ہو۔'' پھر وہ ہم سے مخاطب ہو کر بولے۔

''آپ ہی اسے سمجھائیں' وہ نامراد نصیبوں جلی تو چلی گئی اب یہ کیوں اپنی جان دینے پہ تلا بیٹھا ہے، طلاق نامے پر دستخط نہیں کر رہا جو پہلے شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے دوسرے مرد سے نکاح کر بیٹھی ہے، یہ اسی کی واپسی کا منتظر ہے، ہماری اولاد تھی مگر ہمارے لیے وہ مر گئی...... میں تو جیتے جی اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔ نہ وہ میرا مرا منہ دیکھے گی۔ پھر یہ کیوں اس کے پیچھے دیوانہ بنا پھر رہا ہے۔ طلاق دے کر جان چھڑائے۔''

ہاں بعض فیصلے بہت کٹھن ہوتے ہیں، روتے ہوئے کانپتی انگلیوں سے جبران بھائی نے طلاق نامے پر دستخط کر دیے پھر اپنا سر حرا کے والد کی گود میں رکھ کر روتے رہے۔

وقت کے ساتھ زخم بھرتے تو نہیں ہاں مگر ان کی کاٹ میں کمی آ جاتی ہے۔ حرا نے تو عدت کہاں کرنی تھی...... جبران بھائی نے ہی قسمیں اور وعدے نبھائے اور کئی مہینے اس کے غم میں ڈوبے رہے۔

پھر ہم نے اور ان کے والدین نے بے پناہ اصرار کر کے ان کی شادی ایک شریف خاتون سے کروا دی اور وہ شادی کے بعد ملک سے باہر چلے گئے۔ جلد ہی اللہ پاک نے ان کو ان کی شرافت اور نیک نیتی پر نوازا، اس بیوی نے ان کی خدمت اور محبت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، ان کو شوہر اور محبوب کا درجہ دیا اور ان کو اولاد کی خوشی سے بھی رب کریم نے نوازا۔ دوسری طرف کچھ عرصے کے بعد اچانک حرا کا فون آیا ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ہشاش، بشاش چہکتی ہوئی بلبل جیسی آواز......

''زندگی کیسی گزر رہی ہے؟'' میں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''ایک دم پرفیکٹ، زندگی کی ہر خواہش پوری ہو گئی۔ زاہد میرا بہت خیال رکھتے ہیں، گھر میں نوکروں کی فوج، دن بھر شاپنگ، بیوٹی پارلر، روز رات کو ڈانس پارٹی، ہمارے گھر کسی دن کھانے پر آؤ ناں...... آپ دونوں زاہد سے مل کر خوش ہوں گے۔ بہت خوش ذوق، خوش مزاج ہیں۔'' حرا نے ہنستے ہوئے کہا۔ جیسے کچھ برا ہوا ہی نہ ہو۔

''مگر حرا ہر مرد کو بچوں کا ارمان ہوتا ہے۔ تم نے شادی سے پہلے اپنی میڈیکل پرابلم تو زاہد کو بتا دی ہو گی ناں؟''

''وہ کوئی پرابلم نہیں، پہلی دونوں بیویوں سے ان

کے پانچ بچے ہیں، مجھ سے تو انہوں نے محبت کرنے کے لیے شادی کی ہے۔ پہلی بیویوں کو تو بچوں سے ہی فرصت نہیں ملتی، عمریں بھی زیادہ ہوگئی ہیں۔ زاہد ان کو خرچہ بھجوا دیتے ہیں۔ مگر آپ نے ہمارے گھر ضرور آنا ہے۔''

حرا نے بھرپور انداز میں دعوت دی۔

میں چاہتے ہوئے بھی اس کے گھر نہ جاسکی...... میرے بچے اسے یاد کرتے تھے مگر میں اپنے بچوں کو ایسی عورت سے نہیں ملوا سکتی تھی جو کسی کی نہیں تھی۔ اس کی زندگی کا نمونہ میرے بچوں کو گمراہ کرسکتا تھا۔

جبران بھائی سے فون پر رابطہ رہتا، وہ جب بھی پاکستان آتے ہم سے ضرور ملتے۔ آٹھ سال بعد ایک بار پھر حرا کا فون آیا۔ بڑی مشکل سے مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

''نگہت آپ نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ میری بہتری چاہی، مجھے برا بھلا سمجھایا۔ میری بیماریوں میں مجھے سنبھالا۔ ہر مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا۔ ایک بار پھر مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ اس دنیا میں مجھے آپ کے علاوہ کوئی اپنا خیر خواہ نظر نہیں آتا' پلیز ایک آخری بار مجھ سے مل لیں۔'' اس آواز اور لہجے میں یاسیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

''کہاں ہو تم؟'' میں نے سرد مہری سے پوچھا۔

''سول اسپتال کے فلاں وارڈ میں...... ہم جیسے عقل کے اندھے اور اپنی قسمت بگاڑنے والوں کا اور کون ساتھ کاتا ہے۔''

میں نے اپنے شوہر کے آنے کا انتظار کیے بغیر گاڑی نکالی اور اسپتال پہنچ گئی۔ عملے نے مجھے ماسک پہننے کو دیا اور اس کے کمرے تک پہنچا دیا۔ مجھے لگا کمرے میں کوئی نہیں ہے، کھانسی کی آواز پر دیکھا تو ایک نحیف و نزار وجود نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھا تو یہ وہ حرا تو نہیں تھی۔ جس کو میں جانتی تھی زندگی سے بھرپور ہنستی، مسکراتی جس کے انگ انگ سے بہار جھلکتی تھی۔ میری آنکھوں میں حیرت دیکھ کر اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

''کیوں حیرت ہو رہی مجھے اس جگہ...... اس حال میں دیکھ کر؟ آپ کی سمجھائی ہوئی ہر بات مجھے اب سمجھ آرہی ہے۔ دن رات پچھتاوے کے ناگ مجھے ڈستے رہتے ہیں۔ جب دل و دماغ بے راہ رو ہو جاتا ہے تو ہر صاف اور سیدھی راہ پر دھند چھا جاتی ہے...... غلط فہمیوں کی دھند اور انسان گم کردہ راہ ہو جاتا ہے۔ آنکھوں پر ایسی پٹی بندھتی ہے کہ منزلیں کھو جاتی ہیں، عاقبت نااندیشیاں ایسے تباہ کرتی ہیں کہ کچھ نہیں بچتا۔'' بات کرتے، کرتے اس کو کھانسی کا دورہ پڑا۔ میں نے جلدی سے پانی پلایا، کمر سہلائی تو اس کی سانس بحال ہوئی۔

''نگہت آپ بالکل نہیں بدلیں۔ اب بھی میرا پہلے کی طرح خیال رکھتی ہیں۔''

''حرا محبت، محبت ہوتی ہے وقت کے ساتھ کم اور زیادہ تو ہوتی ہے ختم نہیں ہوتی۔ لیکن یہ دوسری شادی کا فیصلہ تو تم نے سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ جبران بھائی سے تو تم نے یونیورسٹی کے زمانے میں محبت کی تھی۔ دوسری دفعہ تو تم کوئی بچی نہیں تھی اور بقول تمہارے زاہد نے تم کو شہزادیوں کی طرح رکھا تھا تو پھر کیا ہوا؟'' جانتی تو میں تھی کہ ایسے رشتوں کا انجام کیا ہوتا ہے پھر بھی پوچھ بیٹھی۔

''وہ میری تباہی کی طرف پہلا قدم تھا جب میں آپ کے بغیر گھر سے گاڑی لے کر اکیلی نکلی...... وہ ایڈونچر کے عروج اور میرے زوال کے دن تھے۔ ہمیشہ اپنے آپ پر گھمنڈ کرنے والے اور دوسروں سے نوازشوں کے منتظر ہمیشہ سوالی بنے رہتے ہیں۔ اور شاید مظلوم تو خود سب سے بڑا ظالم ہوتا ہے جو دوسروں کو اپنے اوپر قسمت آزمائی کا موقع دیتا ہے۔ میں نے جبران کا' اپنے گھر والوں کا دل دکھایا' ان کے اعتماد کو دھوکا دیا تو میرے ساتھ ایسا ہی ہونا تھا ناں...... اپنے پیاروں کی اجڑی ہوئی یادوں میں کسی خزاں رسیدہ بیل کی طرح منڈ منڈ لٹکنا ہی میرا مقدر ہے۔ بھلا...... ایسی بیلوں سے کون وفا کرے گا؟ کون ان سے محبت کرے گا۔ جبران کی بھی آپ نے شادی کروادی۔ سنا ہے ینگ اور اچھی بیوی ملی ہے اسے، دو بچے بھی ہیں ان کے۔ یہ ان کا حق تھا، اللہ پاک ان کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اپنے ابو کے تو جنازے پر بھی مجھے جانے کی اجازت نہیں ملی۔ مجھ جیسی بد بخت گناہ گار

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

... بیٹی کو اس تک کا حق بھی نہیں تھا۔'' وہ اپنی کہتے، کہتے ایک دم چونکی تھی۔

''نگہت آپ، بور تو نہیں ہو رہی ہیں؟''

''نہیں نہیں، آج تک کبھی تمہارے ساتھ بور نہیں ہوئی۔ تم اپنی سناؤ۔''

''بہت شوق تھا ناں مجھے گلیمر کا، فیشن کے پیچھے، روشنیوں کے پیچھے دیوانی تھی۔ ان کے پیچھے چھپے اندھیرے مجھے نظر نہیں آئے سب کچھ ملا خواہش سے زیادہ۔ زاہد کو بیوی کی نہیں ایک ماڈل گرل، شوپیس کی ضرورت تھی۔ عزت دار بیویاں تو اس کی پہلے سے تھیں۔ اس کو شمعِ محفل کی ضرورت تھی جس کے ذریعے وہ بڑے، بڑے رکے ہوئے کام نکلوا سکے۔ اپنی فائلیں سرکاری افسروں سے پاس کروا سکے۔ ٹینڈر حاصل کر سکے اور سیاسی لوگوں سے تعلقات بڑھا سکے۔ اس نے سیڑھی کی طرح مجھے استعمال کیا۔ دل بھر کر میرے ساتھ کھلواڑ کیا اور میں احمقوں کی جنت میں رہنے والی وہ کرتی گئی جو وہ کہتا گیا۔ شروع، شروع میں تو یہ سب میرے لیے بھی شغل میلہ تھا۔ آہستہ، آہستہ جب مجھے زاہد کی چالبازیوں کا علم ہوا تو اس وقت تک میں گردن تک دلدل میں دھنس چکی تھی۔ دن دکھ سے بھرے اور راتیں زہر آلود۔ ہر سانس میں بے وقعتی اور بے بسی! درد اور ضمیر کی کیلوں نے روح کو لہولہان کر دیا۔ ان گزرے برسوں میں کیا، کیا نہ دیکھا، کیا، کیا نہ سہا۔ سوچتی ہوں کاش...... کاش...... مگر کیا کروں اب میرے پاس اتنے کاش ہیں کہ ایک پر بھی بات کروں تو صدیاں گزر جائیں اور اب وقت بھی نہیں ہے۔ جب جوانی کی نقدی ختم ہوئی تو زاہد نے پرانے ڈبے اور خالی بوتلوں کی طرح مجھے گھر سے نکال پھینکا۔ اس نے تو اسپتال تک پہنچانے کی زحمت نہ کی، دھوکے اور فریب کے زہر سے میری زندگی کو یوں ڈسا کہ سارا وجود نیلا پڑ گیا۔ مرنے والے کو تو صبر کیا جا سکتا ہے اور کوئی جو اس طرح چھوڑ جائے...... تعلق میں بھی دکانداری کر جائے تو اسے کیونکر معاف کیا جا سکتا ہے۔ کاش گھر سے بھاگنے کے بجائے اس دن میں مر جاتی تو میرے پیاروں کو صبر آ جاتا۔''

میں اس کی باتوں پر سسک پڑی تھی۔

''نگہت آپ رو رہی ہیں؟ میرے لیے اپنے آنسو ضائع نہ کریں، میں اس قابل نہیں۔ اب جب سارے دروازے بند ہو چکے ہیں تو آپ میرا ایک کام کریں گی۔'' اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔

''ارے پگلی پہلے کبھی منع کیا ہے، بولو کیا بات ہے؟'' میں نے اس کے اجڑے ہوئے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''امی ابو تو مجھ سے ناراض دنیا سے چلے گئے۔ میں نے غم ہی ایسا دیا تھا۔ اب میں کچھ ہی دنوں کی مہمان ہوں۔ میں جبران کا سامنا نہیں کر سکتی۔ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے ان سے معافی مانگ لیجیے گا۔ ان کا دل بہت بڑا ہے، مجھے یقین ہے وہ اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہوں گے، وہ مجھے معاف کر دیں گے۔ کاش ایک بار میں ان کے پیر پکڑ کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگ سکتی۔ ہائے پھر کاش آ گیا۔ نگہت بولیں ناں میرا کام کریں گی ناں آپ؟''

''ناامیدی کی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ ہم تمہارا علاج کروائیں گے۔ انشاء اللہ پھر تم پہلے جیسی ہو جاؤ گی۔'' میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر اس نے ہذیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ''ہاں یہ بیماری بھی دوسروں کا ہی تحفہ ہے۔'' اس نے ایسی بیماری کا نام لیا جسے دہراتے ہوئے بھی میری زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

اس روز شام کو جب جبران بھائی کو حرا کی کہانی سنائی تو وہ اگلے دن پہلی فلائٹ لے کر پاکستان پہنچ گئے۔ ہم ائرپورٹ سے ان کو سیدھے اسپتال لے کر پہنچے تو ایدھی ایمبولینس اس کو لے جانے کے لیے کھڑی تھی۔ لاوارثوں کے وہی تو وارث ہیں لیکن ہم حرا کا بے جان وجود اپنے گھر لائے اور عزت و آبرو کے ساتھ اسے اس کے آخری سفر پر روانہ کیا۔ جبران کو دیکھنے کی آخری خواہش اس کی کچھ اس انداز سے پوری ہوئی تھی۔



امرت

شیریں حیدر

قسط نمبر:2

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک... کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی... اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کرلیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ... یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ وخم اور نشیب وفراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر......

اِک بخیہ اُدھیڑا اِک سیا

''یہ لو میری پیاری، اسے سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھو، گھر جا کر اس کا طریقہ استعمال پڑھو اور اپنا شک رفع کرلو!'' سارہ نے ایک گلابی سی ڈبیا میری طرف بڑھائی۔

''یہ کیا ہے اور اس سے میرا شک کیسے رفع ہوگا؟'' میں نے سارہ کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ میں منتقل ہونے والی



گتے کی اس ڈبیا کو الٹ پلٹ کر حیرت سے دیکھا۔

''اندر رکھو یار اسے اپنے بیگ کے...... کوئی دیکھ لے گا۔'' اس نے فوراً ڈبیا چھین کر میرے بیگ میں گھسیڑنے کی کوشش کی۔ ''کیسی بے وقوف ہو تم!''

''مگر مجھے سمجھاؤ تو سہی کہ یہ ہے کیا؟'' میں حیران تھی۔

''اس پر سب کچھ لکھا ہے اردو میں اور انگریزی میں بھی...... تم دونوں زبانیں پڑھ تو سکتی ہو ناں بے وقوف!''

''ہاں پڑھ سکتی ہوں دونوں زبانیں مگر مجھے کیسے علم ہوگا کہ......''

''یا اللہ...... میں اپنا سر دیوار سے دے ماروں گی۔'' اس نے مجھے دھکیلا۔ ''جاؤ تمہیں لینے کوئی نہ کوئی آیا ہوگا اور دیر کرنے پر خواہ مخواہ ڈانٹ پڑ جائے گی۔'' میں نے اپنے بیگ میں اس ڈبیا کو ٹھیک طریقے سے رکھا اور گیٹ کی طرف لپکی جہاں مما میرا انتظار کر رہی ہوتی تھیں۔

''کیا بات ہے......؟'' گاڑی میں بیٹھنے کے دوران ہی سوال کیا گیا۔ ''کیا کر رہی تھیں تم اتنی دیر سے اندر، باہر اپنے انتظار میں کھڑے ہوؤں کا بھی خیال کر لیا کرو۔''

''وہ میں......'' میں ہکلائی، سوچنے لگی کہ کیا بہانہ کروں۔ ''اصل میں سارہ سے کوئی ضروری بات کر رہی تھی، نکلتے، نکلتے کچھ یاد آ گیا۔''

''تم سمجھتی ہو کہ مجھے یہاں باہر کھڑے ہو کر تمہارا انتظار کرنے کے سوا دنیا میں اور کوئی کام نہیں؟''

''آپ کیوں آئیں مما......؟'' میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''کسی اور کو بھیج دیتیں۔'' ڈرائیور چھٹی پر تھا اس لیے ان دنوں مما کو مجھے لینے کے لیے آنے کی زحمت کرنا پڑ رہی تھی۔

''کوئی بھی اتنا فارغ نہیں ہے......'' انہوں نے نخوت سے کہا، حالانکہ سارہ کہہ بھی رہی تھی کہ گھر سے کسی کو زحمت نہ دوں، وہ مجھے ڈراپ کرتی ہوئی چلی جایا کرے گی۔ ''مجھے سارہ کے ساتھ تمہاری دوستی پسند ہے نہ یوں اسکول کے اوقات کے بعد اس سے بے مقصد اور فالتو باتیں کرنا...... حیرت ہے کہ تم اپنے اور اس کے اسٹیٹس کے فرق کو جانتے ہوئے بھی......'' میں جواب میں خاموش رہی، یہی اس گفتگو کا موضوع بدلنے کا بہترین طریقہ تھا۔ ''آج کے بعد میں نے تمہیں سارہ کے ساتھ دیکھا یا اس کی وجہ سے تمہیں دیر ہوئی تو......'' دھمکی نامکمل چھوڑ کر انہوں نے گاڑی تیزی سے چلا دی تھی...... سارہ کو یہ بتانا میرے لیے آسان نہ تھا کہ وہ اس کے لیے کیا رائے رکھتی ہیں۔

☆☆☆

عباس...... ہاجرہ کی زندگی کا وہ تاریک باب تھا جسے پڑھنا جانے کیوں اس کے مقدر میں لکھا گیا تھا۔ شادی کی پہلی رات تقریباً جاگتے ہی گزری تھی، باہر سے آوازیں آنا شروع ہوئیں تو اس نے اپنی ساس (جو کہ اس دن سے پہلے اس کی بڑی خالہ بھی تھیں اور تائی بھی) کے کمرے کی راہ لی، اسے اسی طرح دلہن کے روپ میں لال انگارہ آنکھوں سے دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔

''کیا بات ہے ہاجرہ میری جان، تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' اس کے چہرے پر غصہ وہ دیکھ ہی چکی تھیں۔

''عباس کہاں ہیں خالہ؟'' انہیں علم تھا کہ اس نے کمرے میں جانے کی زحمت ہی نہ کی تھی، وہ باہر ہی لیٹا رہا تھا۔ ان کے جگانے پر ہی جاگا تھا اور ایک گلاس لسی کا پی کر ماں کو کسی کام کا کہہ کر باہر چلا گیا تھا، وہ سمجھیں کہ ولیمے کی تیاریوں کا کام دیکھنا چاہتا ہوگا۔

''عباس یہیں کہیں کام سے باہر گیا ہے ذرا دیر کو بیٹا......''

''رات سے ان کی ذرا دیر نہیں ہوئی......'' اس کے لہجے میں غصہ تھا، انہی کا خون تھی اور ماں باپ کی اکلوتی

نازوں پلی بیٹی، عباس بیک وقت اس کا خالہ زاد اور تایا زاد تھا، اس کے ہاتھوں اپنی ناقدری پر وہ کیونکر خاموش رہ سکتی تھی، وجہ جاننا تو اس کا حق تھا...... اس نے بچپن سے جو نام اپنے نام کے ساتھ سنا تھا وہ عباس ہی کا تھا...... وہ دل سے اسے چاہتی تھی، اسے دیکھ کر خود کو خوش قسمت سمجھتی تھی۔ جوانی کی سرحد پر قدم رکھتے ہی ہاجرہ کو عباس کی میٹھی، میٹھی نظروں کا احساس ہو گیا اور ماں اور خالہ کی طرف سے گاہے بگاہے کان میں پڑنے والی باتوں کی وجہ سے اس نے خواب میں بھی کسی دوسرے کو نہ سوچا تھا۔

ترجمے کے ساتھ قرآن پاک پڑھ کر فارغ ہوئی تو ماں نے اسے سلیقہ شعار بنانے کا عزم کیا۔ اسے وہ اوصاف سکھائے جانے لگے جو اس سے قبل کسی لڑکی نے نہ سیکھے تھے کیونکہ وہ خاندان میں اس نسل کی سب سے پہلی لڑکی تھی جس نے قرآن پاک کے ساتھ، ساتھ پانچ جماعتوں کی درسی کتب کے علاوہ کئی اور کتابیں پڑھ لی تھیں اور فرانٹے سے اردو پڑھتی اور بول بھی سکتی تھی۔ اس کے بعد کا مرحلہ اسے کھانا پکانا سکھانا، سلائی کڑھائی اور گھرداری کے کام میں ماہر کرنا تھا، جس کام پر اس کی طبیعت مائل ہوتی اسے وہ دلجمعی سے کرتی اور جس کام پر اس کا دل نہ مانتا وہ دو چار دن کوشش ضرور کرتی مگر پھر ماں سے کہہ کرا سے چھوڑ دیتی۔

اسے سولہ کا سن لگا تو دونوں بہنوں نے ایک چھوٹی سی رسم کر کے ہاجرہ کو باقاعدہ عباس سے منسوب کر دیا تھا، اس کے بعد وہ عباس کو ڈھونڈے سے بھی تنہا نہ ملتی۔ خاندان کی کسی تقریب میں وہ چوری چھپے اسے دیکھتا، وہ جونہی اس کی نظروں کی گرمائش محسوس کر کے اس پر توجہ کرتی، وہ کوئی ایسا اشارہ کر دیتا کہ وہ چھوئی موئی بن جاتی۔ عباس نے ماں کی لاکھ منت سماجت کی کہ جلدی سے اسے گھر بیاہ لائے مگر اس کی ماں کو گوارا نہ تھا کہ ان کا بیٹا اپنی شادی کے معاملے میں اتنی بے تابی دکھائے، عباس کے سر پر چڑھا ہوا بھوت انہیں اپنے تاریک مستقبل کی جھلکیاں دکھاتا...... وہ بہولانا چاہتی تھیں، اپنے بیٹے کے دل کی ملکہ نہیں۔ انہوں نے ہی منور احمد اور نور احمد سے کہہ کر عباس کو شہر بھجوا دیا۔ سال میں تین بار کسی نہ کسی کو شہر...... جا کر منڈی میں اپنی فصلوں کے سودوں کی نگرانی کرنا ہوتی تھی، عباس کا دھیان اپنی شادی کی شدید خواہش سے ہٹانے کو اس سے اچھا اور کیا طریقہ ہو سکتا تھا۔

عباس شہر جانا شروع ہوا تو اس کا اندازِ فکر بھی بدلنے لگا، صحبت اور دوست بدلے، اس کا رنگ بدلا، سوچ بدلی، پسند ناپسند بدلی، مصروفیات، عادات اور پھر ترجیحات بدلیں اور پھر وہ دن بھی آ گیا تھا جس دن اس نے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا...... ''اماں میں اب ہاجرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' یہی تو عصمت سننا چاہتی تھیں شاید، وہ سمجھیں کہ وہ ''اب'' نہیں بلکہ ''ابھی'' شادی نہ کرنے کا کہہ رہا ہے مگر غور کیا تو دماغ میں بات بیٹھی۔ اس کے بعد کے اختلافات اور جدوجہد کا تو میں تمہیں بتا ہی چکی ہوں۔ پھر سکندر احمد کی وفات کے بعد عباس کو جانے کس نے اور کس طرح سمجھایا یا پھر خود ہی اس کے دل میں سوچ آئی کہ وہ مان گیا مگر شادی ہوتے ہی اندازہ ہوا کہ سب کچھ غلط ہو گیا۔ کسی کو زبردستی شادی کرنے پر تو مجبور کیا جا سکتا ہے مگر کسی کو چاہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا......

وہ رات بھر اپنے کمرے میں انتظار کی سولی پر ٹنگی رہی اور عباس اس کمرے کے قریب بھی نہ گیا، جس حسن کو سراہنے میں کسی نے کنجوسی سے کام نہ لیا تھا، عباس نے اس حسن کی جھلک تک نہ دیکھی تھی......

''تو ان کے ساتھ ایسا ظلم کیوں کیا آپ لوگوں نے...... اگر انہوں نے کسی اور لڑکی کو پسند کر لیا تھا تو کیوں زبردستی ان کی شادی ہاجرہ سے کروا دی؟'' مجھ سے رہا نہ گیا مگر اب دادی کو میرے سوال پر غصہ نہیں آیا تھا۔

''کہتے ہیں...... عورت کی محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے، اس خاندان میں کئی نسلوں سے خالص خون چلا آ رہا تھا، اس میں کسی کو ملاوٹ گوارا نہ تھی اور یہ سوچ کر عباس پر دباؤ ڈالا گیا کہ ہاجرہ اپنی محبت سے اس کا دل جیت لے گی مگر علم نہ تھا کہ مقابلے پر بھی ایک عورت ہی تھی جس کی تربیت میں مردوں کا دل جیتنے کے سارے گر موجود

تھے...... ہم سب کی یہ سوچ غلط ثابت ہوگئی کہ وہ الفت کو بھول جائے گا۔''

''پھر تو انہیں کسی بھی صورت اس شادی کے لیے ہامی ہی نہیں بھرنی چاہیے تھی ناں دادی جان!'' میری معصوم سوچ یہیں تک تھی۔

''باپ کے اچانک دنیا سے چلے جانے کے بعد عباس اپنی ماں کی امیدوں کا واحد سہارا تھا، اس کا سب سے بڑا بیٹا اور جانے کس سوچ کے تحت، کسی جذباتی لمحے میں اس نے ماں کے سامنے ہاجرہ سے شادی کرنے کی ہامی بھر لی، ماں بھی اس کے دل کی کیفیت کو نہ جان پائی اور نہ صرف اسے بلکہ ہاجرہ کو بھی آزمائش کی سولی پر چڑھا دیا......''

''دادی جان...... آپ نے اپنے جیٹھ یا جیٹھانی زینت کو بتا دینا تھا ناں...... شاید وہی اس رشتے سے انکار کر دیتے۔'' میں نے دادی کو وہ تجویز دی جس پر اس وقت سوچنا بھی ممکن نہ تھا۔

''وہ دونوں جوڑے آپس میں دُہرے رشتوں میں بندھے ہوئے تھے...... اماں جان کے ہاتھوں گھر کے اختیارات مجھے تفویض کیے جانے کے بعد سے ان کا رویّہ بھی میرے ساتھ کچھ ایسا موافق نہ تھا اور میری طرف سے کی جانے والی ایسی کوئی بھی بات ان دونوں کے دلوں میں یہ خیال بٹھا دیتی کہ میں اس شادی کی مخالف تھی...... اور یوں بھی تمہارے دادا مجھے ہر بات بتا تو دیتے تھے مگر اس بات کا چرچا کرنے کی مجال تھی میری نہ مجھے اس کی اجازت!''

''میں آپ کی جگہ ہوتی تو میں تو نہ ہونے دیتی یہ شادی......'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''دو لوگوں کی زندگیاں خراب کر دیں آپ لوگوں کی غلط امیدوں نے۔''

''بسا اوقات ہم اس جگہ پر ہوتے ہوئے بھی بے بس ہوتے ہیں میری جان، دوسروں کے لیے تجاویز دے دینا اور سوچ لینا کہ میں وہاں ہوتی تو یہ ہوتا، کہنا بہت آسان ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا...... کبھی کبھار بڑے، بڑے دعوے کرنے والے بھی حالات کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں۔''

''آگے سنائیں ناں دادی جان...... کیا ہوا ہاجرہ اور عباس کی کہانی میں؟ ہاجرہ عباس کا گھر چھوڑ کر واپس چلی گئی تھی ناں اپنی شادی کے دوسرے ہی دن؟''

''تم خود ہی قیافے لگا لو!'' وہ مصنوعی خفگی سے بولیں۔

''سوری دادی جان!'' میں نے بڑے معصوم چہرے سے کہا تو اُن کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

''اب آگے خاموشی سے سنو، بیچ میں نہ بولنا......'' وہ پھر شروع ہوئیں۔

''ہاجرہ کو ماضی میں اپنے اوپر پڑنے والی عباس کی نظروں سے یقین تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا، اس کی بے تابیوں کو بھی وہ جانتی تھی اور اس کی زندگی میں بھی عباس کے سوا کبھی کسی کا وجود اس انداز سے نہ آیا تھا مگر شادی کی پہلی رات گزرتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ عباس کی زندگی میں کوئی اور بھی تھی، کہاں تھی اور کس انداز سے تھی اس کا اندازہ اسے نہ ہوا۔ ساس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور اسے فی الحال اپنی زبان بند رکھنے کو کہا، اسے بتایا کہ کوئی شہری ''کلموہی'' تھی جس نے ان کے ''معصوم'' بچے کو اپنے جال میں پھنسا لیا تھا مگر اسے کہا کہ وہ اپنی محبت سے اس کا دل جیتے کیونکہ عباس نے ماں کی خوشی کی خاطر اس سے شادی کی تھی تو وہ اسے نبھاتا بھی، اب ہاجرہ پر منحصر تھا کہ وہ اسے کتنا اپنا بنا کر رکھ سکتی ہے۔

ہاجرہ نے ساس کے سامنے زباں بندی کا عہد بھی کیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ عباس کا دل جیتنے کی پوری کوشش کرے گی، اسے عباس سے بچپن سے لگاؤ تھا اور اب تو اس سے اس کا شرعی رشتہ تھا۔ ساس نے سمجھایا کہ پیسے والوں کی زندگیوں میں ایسی عورتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں، اس کی حیثیت تو مستحکم تھی کیونکہ وہ اب عباس کی بیوی تھی اور اس کا دل جیتنے کا کام کیا مشکل ہوتا اس کے لیے! مگر ہر گزرتے دن نے اسے بتا دیا کہ وہ شہر کی اس کلموہی کے نقوش

عباس کے دل سے کبھی نہیں مٹا سکتی تھی۔ مارے باندھے وہ اس وقت گھر آتا جب گھر لوٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا، ہاجرہ سے بات کرنا تو درکنار اس کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا، یونہی جیسے گھر میں کوئی فالتو سامان لا رکھا ہو۔ عصمت لاکھ کوشش کرتیں کہ وہ اب شہر نہ جائے مگر اسے کس طرح باندھا جا سکتا تھا؟ گھر سے وہ گاؤں کے کام کا ہی کہہ کر نکلتا تھا مگر بعد میں علم ہوتا کہ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے شہر چلا گیا، یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ شہر جاتا تھا تو اس کی ملاقات الفت سے ہوتی بھی تھی کہ نہیں۔

عصمت نے چند ہفتوں کے بعد بہو سے ڈھکے چھپے الفاظ میں پوچھا تو اس نے جھجکتے ہوئے بتایا کہ اس کے اور عباس کے بیچ نکاح کے بولوں کے سوا کوئی تعلق نہ تھا۔ "مجھے یہ بات بتاتے ہوئے ان کے اپنے چہرے کا رنگ لال ہو گیا۔ "تم کسی سے کہنا نہیں بیٹی یہ سب باتیں...... شاید مجھے یہ سب باتیں تمہیں بتانا ہی نہیں چاہئیں، کنواری بچیوں سے ایسی بات کہنا مناسب نہیں لگتا۔"

"ارے نہیں دادی جان...... آپ فکر نہ کریں، کس سے کہوں گی میں یہ سب باتیں بھلا، مجھے تو خود ہی دلچسپی ہے کہانیاں سننے میں اور کسی اور کو اس میں کیا دلچسپی ہے بھلا!"

"عصمت نے اپنے بیٹے عباس کو پکڑ لیا اور اسے خوب برا بھلا کہا، اسے ڈانٹ سے سمجھایا، پیار سے بھی کہا، ناراض ہوئیں، ترلے منتیں کیں اور اسے اپنے دودھ کی قسم دی، مرے ہوئے باپ کی قسم دی، اس نے اُن سے وعدہ کیا کہ وہ الفت کو بھلانے کی کوشش کرے گا مگر اب اس سے یہ اصرار نہ کیا جائے کہ وہ ہاجرہ کو اپنے من کے سنگھاسن پر زبردستی بٹھا لے......

عصمت، عباس کی ماں تھیں تو ہاجرہ کی خالہ بھی اور تائی بھی اور جانتی تھیں کہ ہاجرہ میں اس کے ماں باپ کی جان ہے، اگر اس کے ماں باپ کو علم ہو جاتا کہ ان کی بیٹی کی اتنی ناقدری تھی اس گھر میں تو وہ اسے ایک دن بھی وہاں نہ ٹکنے دیتے۔ عباس کے آگے ہاتھ باندھے کہ وہ ان کی لاڈلی ہاجرہ کو بیوی کا درجہ دے دے، اپنا دوپٹا اتار کر اس کے پیروں میں رکھنے کو تھیں کہ اس نے ماں کے ہاتھ پکڑ لیے کہ اسے گناہ گار نہ کریں...... جانے کن ترلے منتوں کا اور کسی ان چاہی نظر کرم کا صدقہ تھا کہ جلد ہی عصمت کو ہاجرہ نے خوش خبری سنائی کہ وہ دادی بننے والی تھیں، دادی بننے سے زیادہ عصمت کو اپنے مرحوم شوہر، اپنے دیور اور اپنی بہن کی نظروں میں سرخروئی کی خوشی تھی۔ ہاجرہ کو انہوں نے اس سارے وقت میں ہتھیلی کے چھالے کی طرح رکھا اور عباس پر اپنی محبتوں کے خزانے اور بھی لٹانے لگیں...... مگر ان کی نظروں سے چھپا نہ تھا کہ عباس خوش تھا نہ ہاجرہ ویسی مسرور جیسی اس کی طرح کی نو بیاہتا اور پیا من بھاتی لڑکیاں ہوتی ہیں یا اس حالت میں اس پر جو ویسا روپ چڑھا تھا۔

ہاجرہ نے اپنے میکے میں ایک پیاری مگر کمزور سی بیٹی کو جنم دیا، خود بھی تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچا سی بن گئی تھی۔ زچگی کے وقت اس کی ماں، بیٹی کو اپنے پاس لے گئی تھیں اور بات بے بات اس کی بھیگ جانے والی آنکھوں سے وہ اس کے دل کا راز پا گئیں۔ یہ ان کی وہ ہاجرہ تو نہ تھی جو بات بے بات مسکراتی تھی پر اب گھنٹوں کچھ کہے بنا گزار دیتی، بچی کی طرف خوشی سے دیکھتی تک نہ تھی۔ عباس بھی دو دن کے بعد بیٹی کو دیکھنے آیا تھا اور اس کے بعد سے سنا تھا کہ شہر گیا ہوا ہے...... زینت کب تک بیٹی کے درد کو نہ سمجھتیں اس سے پوچھا تو اس کی خاموشی اور نم آنکھیں ان کے سوال کا ان کہا جواب بن گئیں۔

کمزور اور عدم توجہ کا شکار ہاجرہ کی بچی چند دن میں ہی بیمار پڑ گئی، ہاجرہ کے ماں باپ اور ساس، بیٹی اور نواسی کو لے کر بھاگ رہے تھے مگر ڈاکٹروں نے بتایا کہ مریضہ کو ذہنی سکون میسر نہ تھا جس کی وجہ سے ماں اور بیٹی پر پیدائش سے پہلے سے ہی اثرات ہیں۔ بچی اور ماں دونوں خون کی انتہائی کمی کا شکار تھیں، انہوں نے کوشش تو بہت

کی مگر بچی جانبر نہ ہوسکی...... بچی کے مرنے پر ہاجرہ تو سکتے میں چلی گئی مگر زینت پھٹ پڑیں اور اپنی بہن اور داماد کو خوب بھلا برا کہا۔ فیصلہ صادر کیا کہ اس کے بعد ہاجرہ واپس سسرال نہیں جائے گی، ہاجرہ خود تو ایسا نہیں چاہتی تھی مگر ماں کے فیصلے کے سامنے کچھ کہنے کی تاب نہ تھی۔ کمزور سا احتجاج کیا، سوچتی تھی کہ شاید بچی کی موت عباس کے دل کو بدل دے مگر عباس دنیاداری نبھانے کو، بچی کی وفات پر تعزیت کے لیے آنے والوں کے پاس تو بیٹھتا رہا مگر نہ ہوا تو کوئی لفظ معذرت کا، نہ افسوس کے کلمات، اس سے کہے جس کی گود اجڑ گئی تھی، جس نے اس نازک اور کمزور وجود کو اپنی جان پر کھیل کر جنم دیا تھا اور چند دن تک اپنے وجود کی پوری طاقت سے سینچا تھا۔ اس کی عدم توجہ کا شکار ماں کس طرح اس بچی کے بوجھ کو سہہ پائی اور کس مشقت سے اسے جنم دیا...... اس کی وفات نے اس کی ہمت اور برداشت کو بھی ختم کر دیا تھا۔

عصمت منتیں ترلے کرتی رہیں مگر ان کی کسی نے نہ مانی اور منور احمد نے عباس سے اپنی بیٹی کے لیے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ ہاجرہ نے اس وقت بھی احتجاج کیا، روئی اور کرلائی، اس نے مجھ سے بھی کہا کہ میں اس کے ماں باپ کو سمجھاؤں مگر میری کون سنتا تھا، نہ ہی مجھے لگتا تھا کہ عباس کبھی ہاجرہ کو وہ مقام دے پائے گا جس کی وہ مستحق ہے۔

عباس کو سمجھانے کی کوشش ضرور کی مگر میرے اصرار کرنے کی بھی کوئی حد تھی، ہم آپس میں یوں رشتوں کی نازک ڈوروں میں الجھے ہوئے تھے کہ کھل کر کوئی نہ کسی کی مخالفت کر سکتا تھا نہ حمایت، عصمت نے صاف کہہ دیا تھا کہ عباس، ہاجرہ کو کبھی طلاق نہیں دے گا، چاہے جو بھی ہو جائے......

ہاجرہ کی طرف سے خلع کا مقدمہ درج کروا دیا گیا، اس خاندان میں ایسا کب ہوا تھا پہلے بھلا۔ یوں اس رشتے کے باعث کہ جس سے خاندان مضبوط ہوتا، ہم تنکوں کی طرح بکھر گئے۔ ہاجرہ اجڑ گئی تھی اور ہمیں اپنی خوشیاں بھی خوشیاں نہیں لگتی تھیں۔ سکندر بھائیاجی کی وفات کے بعد یہ بھی ایک وفات جیسا سانحہ ہی لگتا تھا، منور بھائی اور زینت نے اپنے اور عصمت آپا کے گھر کے بیچ ایک بلند دیوار اٹھا دی تھی اور اس سے بھی بلند دیوار دلوں میں بن گئی تھی۔ خاندان کے لوگ دیوار کے دونوں پار دیکھتے مگر سمجھ میں نہ آتا کہ کس پار جائیں اور کس پار نہیں......

زندگی میں پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ طلاق کو جائز کاموں میں اللہ تعالیٰ نے سب سے ناپسندیدہ کام کیوں کہا تھا کیونکہ طلاق سے ایک یا دو گھر نہیں بلکہ خاندان ٹوٹ جاتے ہیں، دلوں میں میل آ جاتا ہے۔ تم اس ایک گھر کے ٹوٹنے سے ہونے والی پیچیدگیوں کا اندازہ کرو ذرا، سکندر بھائیا کے بیٹے موسیٰ کا رشتہ حلیمہ آپا کی بیٹی تسنیم کے ساتھ اور سلطان کا رشتہ میری گل بانو کے ساتھ طے تھا جبکہ میرے کمال احمد کے ساتھ سکندر بھائیا کی عائشہ کا بیاہ ہو چکا تھا اور...... اب ہم اپنی بیٹیاں وہاں بیاہتے تو منور احمد اور زینت نہ صرف یہ کہ ان شادیوں میں شریک نہ ہوتے بلکہ ہم سے قطع تعلق کر لیتے، اماں کے ہاتھوں سے طے پانے والے سب رشتے خطرے میں پڑ گئے تھے، حالات کس طرح درست ہوتے کہ ہم میں کوئی بزرگ بھی نہ رہا تھا جو ان معاملات کو سلجھاتا۔

حلیمہ آپا کے گھر سے ناچاقی اور قطع تعلقی تو سکندر بھائیاجی کی وفات کے بعد سے ہی چل رہی تھی، جنہیں ان کے گھر میں کسی کی اندھی گولی چاٹ گئی تھی۔ گاؤں میں سب لوگ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے گھر سے جو لوگ مبارک باد کے لیے گئے تھے وہ اصل میں اس بات پر جھگڑا کرنے گئے تھے کہ وہ لوگ ہمارے گھر کے مخالف الیکشن کیوں لڑے تھے جبکہ اندر کی حقیقت فقط ہم ہی جانتے تھے۔ مگر اس سانحے کے بعد ہم لوگ سیاست کا نام بھی لیتے ہوئے ڈرتے تھے، اس سیاست نے ہم سے اتنا کچھ چھین لیا تھا کہ اب جی ہی اس کوچے میں جانے کو نہ مانتا تھا۔

عباس کو تو جیسے بہانہ مل گیا تھا...... ماں کو دھمکی دی کہ وہ اسے الفت سے شادی کی اجازت دیں ورنہ وہ خود کو کچھ کر لے گا، ماں بھی اس وقت اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف سے ہٹ دھرمی اور خلع کے مقدمے کی وجہ سے ان

سے بددل تھی...... عباس کے مطالبے کے جواب میں خاموش رہیں، اس نے ماں کی خاموشی کو ہی اجازت سمجھا، ہاجرہ کو طلاق دے دی اور شہر سے الفت کو بیاہ کرلے آیا۔''

''کیا......'' میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔''عباس تایا نے ہاجرہ پھپو کو طلاق دے دی تھی...... تو پھر تمنا...... کیسے ہوسکتا ہے یہ؟''

''تم پھر بیچ میں بولیں......'' وہ نروٹھی سی ہوگئیں، میں نے فوراً معذرت کی۔''صبر کرو تو کہانی کا سفر جاری رہے گا ناں!''

''الفت کی ماں، جو کہتی تھی کہ جب تک عباس کے خاندان سے کوئی رشتہ مانگنے نہیں آئے گا وہ اس کا بیاہ عباس کے ساتھ نہیں کرے گی مگر تب نہ جانے کس طرح وہ مان گئی اور عباس تنہا ہی جا کر الفت کو بیاہ کر دھڑلے سے اپنے گاؤں والے گھر میں لے آیا، اس کے اس اقدام نے سارے خاندان کو اس کے ساتھ بائیکاٹ کرنے پر مجبور کردیا، کسی نے اس کی بیوی کی پزیرائی کی نہ کوئی اسے ملنے گیا......

عباس سے تو خیر سب نے ہی بات چیت بند کردی تھی مگر باقی ماندہ رشتوں کے معاملے پر سب خاموش تھے۔ سب گھروں کی بہوؤں اور دامادوں کے لیے عجیب سا مسئلہ ہوگیا تھا، وہ ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے، انہیں سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کے ماں باپ اور سسرال والے کس بات پر ان سے خفا ہوجائیں گے۔ عباس کی دوسری شادی کے بعد اس کی بہن عائشہ نے اپنے میکے کا بائیکاٹ کردیا وہ وہاں جانے کا نام نہ لیتی تھی، جس طرح تسنیم، سکندر بھائیا جی کی وفات کے بعد سے اپنے میکے نہیں گئی تھی اور حلیمہ آپا اور شہر بانو اگر آتیں بھی تو کوئی کھل کر ان کی پزیرائی نہ کرتا، ادھر ہم بھی تذبذب میں تھے کہ گل بانو کا بیاہ اس گھر میں کریں یا کہ نہیں......

اس روز اچانک عصمت آپا ہمارے گھر چلی آئیں، ان کی بہو تسنیم ان کے ساتھ تھی، ہم ان کے یوں آجانے پر یوں ہوگئے جیسے کہ ہم چور ہوں، انہیں گھر سے نکال بھی نہ سکتے تھے اور انہیں بیٹھنے کو بھی کہنا بھول گئے۔

''میں بیٹھ سکتی ہوں حوا؟'' ان کے پوچھنے سے میں چونکی، تمہارے دادا تو ان کے سلام کا جواب دے کر، تسنیم کے سر پر ہاتھ پھیر کر وہاں سے نکل گئے۔ عائشہ باورچی خانے سے نکلی تو اپنی ماں کو باہر میرے پاس بیٹھا دیکھ کر اپنی بے تابی پر قابو نہ رکھ سکی اور بھاگ کر اُن سے لپٹ گئی، اپنی بھابی کو گلے ملی اور بچوں کی خیریت پوچھنے لگی۔

''چائے بنالو بیٹا اپنی اماں جان کے لیے......'' میں نے عائشہ سے کہا تو وہ اٹھ گئی، تسنیم اس کے ساتھ ہی باورچی خانے میں چلی گئی۔

''بچیاں کہاں ہیں حوا؟'' انہوں نے دائیں بائیں دیکھ کر پوچھا۔

''اپنے، اپنے گھروں میں ہیں بھابی!'' میرے لہجے میں رکھائی تھی۔

''گل بانو......'' انہوں نے صرف نام لیا۔

''وہ اسکول گئی ہے......'' میرا جواب مختصر تھا۔

''اب کیا پڑھ رہی ہے وہ؟'' وہ حیرت سے پوچھنے لگیں۔

''پڑھ نہیں رہی، پڑھا رہی ہے بھابی!''

''کیا؟'' انہوں نے حیرت سے تقریباً چیخ کر کہا۔''ہمارے خاندان کی بچیوں کو نوکریاں کرنے کی کیا ضرورت ہے...... کیا کوئی کمی ہے اس گھر میں پیسے روپے کی؟''

''وہ اپنی مرضی سے چھوٹی بچیوں کو پڑھا رہی ہے بھابی اور اس کام کی وہ کوئی تنخواہ نہیں لیتی......'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ہمارے بیٹے کی منگ ہے وہ، اسے ملازمت پر لگانے سے پہلے آپ لوگ کم از کم ہم سے مشورہ تو کرتے، اجازت چاہے نہ مانگیں۔'' انہوں نے چتون چڑھا کر کہا۔

''عائشہ چائے نہیں بنی ابھی تک؟'' میں نے ان کی بات کو نظر انداز کیا اور بلند آواز سے عائشہ کو پکارا۔

''جلدی لاؤ بیٹا، بھابی چائے پیے بغیر ہی نہ چلی جائیں!'' فوراً چائے آ گئی تھی، وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے زبانی خدا حافظ کہہ کر بغیر کچھ کھائے پیے رخصت ہو گئیں۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے گل پھپو کا رشتہ ختم کر دیا تھا ان کے گھر سے؟'' بے تابی سے میں نے سوال کیا۔

''بتایا ہے ناں کہ ہم سب اس معاملے پر خاموش تھے اور یہی فیصلہ تھا کہ کسی رشتے کے معاملے کوئی بیان نہیں دیا جائے گا...... جو رشتے خاندان میں طے تھے اور سب برادری' خاندان کو معلوم تھے انہیں یوں توڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اگلے ہی روز زینت بھابی کی طرف سے ہم دونوں کا بلاوا آ گیا، وہاں گئے تو عصمت بھابی بھی وہاں موجود تھیں، ان کے ساتھ موسیٰ اور تسنیم بھی تھے......

''ان سے پوچھیں کہ یہ کس لیے آئی ہیں یہاں!'' زینت بھابی نے تمہارے دادا سے کہا۔

''مجھے معاف کر دو میری پیاری...... میں تو خود مرگئی ہوں اس کی اس حرکت سے، تم لوگ مقدمہ نہ کرتے تو میں اسے کبھی یہ اقدام نہ اٹھانے دیتی، اب اس کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا تلافی کرنا چاہتی ہیں آپ بھابی؟'' نور احمد نے سوال کیا۔

''عباس کو میں گھر سے نکال دوں گی اگر آپ لوگ ہاجرہ کو واپس بھجوانے پر تیار ہو جائیں تو۔''

''اس گھر سے ہاجرہ کا اور ہمارا ناتا ختم ہوا اب، اس گھر میں کس حیثیت سے جا سکتی ہے وہ؟''

''میری بیٹی تو وہ اب بھی ہے ناں، میں آپ کے آگے جھولی پھیلاتی ہوں...... میرے باقی بیٹوں میں سے جس کے ساتھ بھی آپ کو مناسب لگے......''

''کیا؟'' حیرت سے زینت بھابی چیخیں۔ ''کس بیٹے کے لیے دامن پھیلا رہی ہیں آپ...... اس کے خاوند کے لیے (انہوں نے تسنیم کی طرف اشارہ کیا) یا ان کے (ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہونے والے داماد کے لیے......'' انہوں نے ہماری طرف اشارہ کیا۔

''کہا ہے ناں بہنا کہ جو تمہیں مناسب لگے...... مرد کیا ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے؟''

''ایک لمحہ اور برداشت نہیں کر سکتی میں......'' انہوں نے غصے سے کہا۔ ''فوراً سے پہلے آپ اس گھر سے اٹھ کر چلی جائیں......'' کہہ کر وہ اس منظر سے ہٹ گئیں، اندر جا کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا، ہم دونوں وہیں بیٹھے رہ گئے، ان دونوں بہنوں کے معاملے میں ہم کیا دخل اندازی کرتے۔

وہ کچھ کہے سنے بغیر اٹھ کر چلی گئیں، ان کے جانے کے بعد زینت بھابی باہر نکلیں، ان کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کس کیفیت میں تھیں، ہم نے ان سے اجازت چاہی۔

''بیٹھو تم لوگ......'' ان کے کہنے پر ہم بیٹھ گئے۔ ''میں یوں بھی تم لوگوں کو بلانے ہی والی تھی، اس سے پہلے ہی یہ کچھ بتائے بنا آ گئی تھیں، میں نے تم لوگوں کو بلا لیا تاکہ میرے منہ سے کچھ غلط سلط نہ نکل جائے......''

''آپ دکھی ہیں بھابی، غصے سے کچھ کہہ بھی دیتیں تو انہیں برداشت کرنا چاہیے تھا۔'' نور احمد نے ان سے کہا۔

''میں اسی لیے خاموش تھا کہ معاملہ آپ دونوں بہنوں کے بیچ تھا تو......''

''کون بہن اور کہاں کی بہن؟ مر گئیں بہنیں...... شکر کریں کہ وہ ایسے وقت آئیں کہ منور احمد اور ہاجرہ گھر پر نہ تھے ورنہ جانے یہاں سے وہ کس حال میں واپس جاتیں۔''

''انہیں چاہیے تھا کہ آنے سے پہلے پیغام بھیج کر آپ سے پوچھ لیتیں۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

''میں نے تم لوگوں کو اس لیے بلایا تھا نور احمد کہ تم لوگ ہماری وجہ سے خود کو مجبور نہ سمجھو، نہ تم، نہ حلیمہ آپا اور آپس میں تم لوگوں میں جو رشتے طے ہو چکے ہیں یا جن بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں، ان رشتوں کو اس وجہ سے کمزور نہیں پڑنا چاہیے کہ ہاجرہ کا اس گھر سے ناتا ٹوٹ چکا ہے...... ہمارے لیے تو ان کے ساتھ حالات ٹھیک رکھنا ممکن نہیں مگر تم لوگ اپنے رشتے ان کے ساتھ نہ بگاڑو۔ میں جانتی ہوں کہ ہمارا خاندان آپس میں رشتوں کی وجہ سے اس طرح منسلک ہے کہ جیسے تسبیح، جس کا ایک موتی ٹوٹ جائے تو سارے موتی بکھر جانے کا ڈر ہوتا ہے مگر تم لوگ باقی تسبیح کو سنبھالو...... ہماری بیٹی کا جو مقدر تھا، جو اس کی قسمت میں لکھا تھا وہ تو ہو گیا لیکن اس کے نصیب کی خرابی کے باعث باقی لوگ تو آپس میں نہ ٹوٹیں۔''

''ہاجرہ ہم سب کی بھی بیٹی ہے بھابی اور اس کا دکھ ہم سب کا دکھ ہے......'' میں نے ان سے کہا۔ ''اس ایک ناتے کے ٹوٹنے سے ہمارے دلوں میں محبتیں کمزور پڑ گئی ہیں، جو شادیاں ہو چکیں وہ تو ہو چکیں مگر اب نئی شادیوں کا صرف سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ آیا ہمیں یہ شادیاں کرنی بھی چاہئیں کہ نہیں!''

''ہرگز ایسا نہ سوچو، تم لوگوں کو ہر وہ رشتہ کرنا ہے جو اماں جان طے کر گئی ہیں، یوں بھی جو شادیاں ابھی نہیں ہوئیں اگر ان سے انکار کریں گے تو ان بچوں کے حالات خراب ہوں گے جو اپنے، اپنے گھروں میں خوش اور آباد ہیں۔'' ان کا لہجہ اٹل تھا۔

''مگر یقین کریں بھابی! جی ہی نہیں چاہتا......'' نور احمد نے کہا۔ ''وہ خوشی کیا خوشی ہوگی جس میں آپ شامل نہ ہوں گی۔''

''تمہارے اور حلیمہ آپا کے گھر کی ہر خوشی میں جی جان سے شریک ہوں گے ہم۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکیں گے۔''

''یہ بھی ہمارے بچوں کی کیا خوشیاں ہوں گی کہ جہاں وہ بیاہ کر جائیں گے، وہاں ان کے ماں باپ جاتے ہوئے جھجک محسوس کریں گے اور تایا، تائی جائیں گے ہی نہیں......''

''کوئی بات نہیں پیاری...... ہمارا کیا ہے، بچوں کی خوشیاں اہم ہیں، تم لوگ اپنے گھروں اور اپنے بچوں کی خوشیوں کو ہاجرہ کی وجہ سے خراب مت کرو۔''

''ہاجرہ بھی ہماری بچی ہے بھابی اور اس کے دکھ تکلیف کو ہم اپنے کسی بھی دوسرے بچے کی خوشی کے باوجود نہیں بھول سکتے......''

''محبت ہے تمہاری اس کے لیے......'' وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ ''میں تمہیں کئی بار غلط سمجھ بیٹھتی تھی اور کبھی نہ کبھی کوئی دل جلانے کی بات کر دیتی تھی، بڑی بہن کے بہکاوے میں آ کر...... مجھے معاف کر دینا حوا!'' انہوں نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''ارے بھابی!'' میں نے فوراً ان کے ہاتھ تھام لیے۔ ''کیوں گناہ گار کرتی ہیں......'' انہوں نے محبت سے مجھے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

ایسا نہیں تھا کہ میں نے محض رسمی طور پر ان سے کہا تھا، میں واقعی ہاجرہ کے درد کو اپنے دل سے محسوس کرتی تھی، مجھ سے اس کا دکھ نہیں دیکھا جاتا تھا۔

''میرے ماں باپ ضد میں نہ آ جاتے چاچی تو میں جیسے تیسے نباہ لیتی عباس کے ساتھ، اس محبت کے ساتھ جو

مجھے اس کے ساتھ تھی، اسے چاہے، مجھ سے محبت ہوتی یا نہ ہوتی......'' یقین کرو بیٹی جب ہاجرہ نے مجھ سے یہ کہا تھا تو میرا دل کٹ، کٹ گیا تھا۔ کیسے ان بچوں کے معصوم ذہنوں میں ڈال دیا جاتا ہے کہ کس کی قسمت کس کے ساتھ بندھی ہے، بڑے ہوکر بچوں کے دلوں میں محبت کا پودا جڑ پکڑ لیتا ہے اور ایسے میں اگر کوئی عباس کی طرح دغا کر جائے تو اس معصوم کے ارمانوں کے خون کا الزام کس پر ڈالا جائے؟ میرے ناقص ذہن میں ایک تجویز آئی جو میں نے تمہارے دادا کو بتائی اور ہم نے زینت بھابی اور منور بھائی کے سامنے اپنے بیٹے جمال کا رشتہ ہاجرہ کے لیے پیش کر دیا......

''ارے ہاجرہ تو جمال سے بڑی ہے!'' جواباً کہا گیا۔

''تو کیا ہوا بھابی!'' میں نے فوراً کہا۔ ''ہمارے مذہب میں عمروں کے تفاوت کی بڑی گنجائش ہے......''

''جمال ابھی پڑھ رہا ہے، اس کے بہت اونچے خواب ہیں نور احمد، اس کے خوابوں میں اس قسم کے بے وقوفانہ فیصلے کی گنجائش نہیں نکلتی، میں اچھی طرح جانتا ہوں اسے......نہ ہی تم اسے مجبور نہ کرو۔'' منور بھائی نے کہا تھا۔

''وہ پڑھ رہا ہے تو اسے کون پڑھنے سے منع کر رہا ہے......'' نور احمد نے فوراً کہا۔ ''ہاجرہ ہماری بیٹی بن کر ہمارے پاس رہے اور وہ پڑھتا رہے جہاں اور جو کچھ بھی پڑھنا چاہتا ہے۔''

''اس بات کو فی الحال مت چھیڑو، ہماری بیٹی کے زخم ابھی بھرے نہیں، اسے ہمارے پاس خوش رہنے دو، ہم نے اللہ سے ہمیشہ زندگی والی اولاد مانگی، کبھی بیٹی یا بیٹے کا مطالبہ نہیں کیا، کاش ہم اپنی بیٹی کی پیدائش کے وقت اس کے اچھے نصیب کی دعا مانگ لیتے......میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنا آپ قربان کر کے بھی اپنی بیٹی کے چہرے پر مسکراہٹ لا سکتا......'' ان کا کہنا تھا کہ ہم سب کی آنکھیں لبریز ہو گئیں۔

بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں رہی، کوئی واضح فیصلہ نہ ہوا تھا، میں نے ہی نور احمد کو یہ تجویز دی تھی، اس سے پہلے کہ وہ دونوں میاں بیوی اپنی بیٹی کے دکھ کو روگ کی طرح اپنے ساتھ لگا کر اپنی صحت گنوا بیٹھتے، ہم اپنے بیٹے جمال کے ساتھ اس کا رشتہ طے کر لیتے اور ان کی زندگی میں بھی کوئی خوشی آ جاتی۔ مگر ہم نے اتنی اہم بات ان کے ساتھ کرنے سے پہلے جمال سے پوچھنا تو درکنار اسے بتایا تک نہ تھا، نور احمد کو اور مجھے اپنی اولاد پر اعتماد تھا، یقین تھا کہ ہمارے بچوں کو ماں باپ یا اپنی دادی کے کیے گئے فیصلوں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، ہمیں اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کی تربیت پر فخر تھا۔

جمال احمد نے چند سال پہلے بی اے کر کے اس وقت بننے والے ملک کے نئے دارالخلافہ کا رخ کیا تھا، وہاں اس نے کسی محکمے میں سرکاری نوکری حاصل کر لی تھی، مہینے میں ایک آدھ بار وہ گھر آتا تھا، ہم نے سوچ لیا تھا کہ اگلی بار جب وہ آئے گا تو اس سے ہاجرہ کے سلسلے میں بات کریں گے، دل میں پورا یقین تھا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مہربانو کی شادی کا ارادہ تھا تو سوچا کہ دونوں بہن بھائی کی شادی اکٹھے کریں گے، چند دن کے بعد عید آ رہی تھی، اب کے وہ عید پر آتا تو ہم اس سے بات کر کے اس کی طرف سے ہامی بھرتے ہی اعلان کر دیتے۔

جمال عید پر چھٹی آیا تو ہم نے اس کے ساتھ بات کی، جمال تو یہ سنتے ہی بدک اٹھا۔ کہاں وہ اور کہاں اس سے کئی برس بڑی ہاجرہ......طلاق شدہ اور ایک مر جانے والی بچی کی ماں!' ہم دونوں میاں بیوی تو دنگ رہ گئے، یہ ہم نے کیا کر دیا تھا، پہلے اسے عباس کے گھر سے اپنے وجود کی نفی ملی اور اب ہم نے اس کے رشتے کی بات کر دی تھی اور جمال باغی ہو رہا تھا......

جمال کو سمجھانے کی ہم دونوں نے مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ کوششیں بھی کیں اور اقبال اور کمال کے ذریعے بھی سمجھایا مگر اس کی نہ ہاں میں نہ بدلی......

''چلو بیٹا کچھ وقت لے لو، جلد بازی میں ہمیں کوئی جواب نہ دو!'' اس کے ابا جان نے اس سے کہا۔ ''ہم

اگلوں کے گھر بات کر چکے ہیں، ہماری زبان کی بھی کوئی اہمیت ہے اور ہماری کوئی عزت بھی...... سوچ لو، دل مانے تو ماں باپ کی عزت رکھ لینا ورنہ ہم سمجھیں گے کہ ہمارا بیٹا بھی ہمارے لیے عباس ہی ثابت ہوا......'' وہ جتنے دن گھر میں رہا، خاموش رہا اور کسی سے کوئی بات نہ کی۔

☆☆☆

اندر خانے میں نے مہربانو کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں، گل بانو میری ہر طرح سے مددگار تھی، اس کا ذوق بہت عمدہ تھا...... گل بانو میری بہت لاڈلی اور سلجھی ہوئی بیٹی تھی، تعلیم نے اس کی شخصیت کو جو انفرادیت عطا کی تھی وہ ہمارے خاندان کی کسی اور لڑکی کا مقدر نہ تھا۔ ایک روز رات کو جب میں کچھ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے جلد سونے والی تھی تو وہ میرے پاس آئی، اس کے ابا اس روز شہر میں گئے ہوئے تھے۔ ''اماں سو رہی ہیں کیا؟''

''کون ہے......'' میں نے نیم اندھیرے میں سوال کیا۔ ''گل بانو؟''

''جی اماں......'' اس کی نرم سی آواز آئی۔ ''آپ سے کوئی بات کرنا تھی مجھے!''

''کہو بیٹا......'' میں نے پلنگ پر ذرا ہٹ کر اپنے پہلو میں اس کے لیے جگہ بنائی۔ ''آؤ بیٹھو میری جان!'' وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ ''کچھ چاہیے بیٹا؟''

''وہ اماں جان......'' وہ جھجکی۔ ''آپ سے کچھ کہنا تھا۔''

''کہو بیٹا......'' میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''خیریت تو ہے ناں؟'' مجھے اس کے لہجے سے لگا کہ وہ کسی الجھن میں ہے۔

''اماں مجھے سلطان سے شادی نہیں کرنی......'' اس نے میرے سر پر بم پھوڑا تھا، ابھی ہم جمال کے دیے گئے صدمے سے ہی نہ سنبھل پائے تھے کہ یہ دوسرا جھٹکا۔

''آپ پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں، میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں...... مجھے وہ اچھا نہیں لگتا۔''

''کیا فضول بات ہے، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟'' میں پورے ہوش و حواس میں آ گئی تھی، میری نیند اڑ گئی تھی۔ ''میرے سامنے جو کچھ تم نے کہہ دیا سو کہہ دیا، اس کے بعد اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا اور نہ ہی کسی سے دوبارہ ایسی بات کہنا...... سمجھ لینا کہ نہ تم نے کچھ کہا نہ میں نے کچھ سنا!''

''اماں ایسے تو نہ کہیں......'' اس نے میرے کندھے تھام لیے۔ ''آپ ماں ہیں میری، میرے ساتھ ایسا نہ کریں، آپ سے نہ کہوں تو کس سے بات کروں، آپ کی بیٹی ہوں اماں، آپ میرا مسئلہ کیوں نہیں سمجھ رہیں!''

''کیا مسئلہ ہے تمہارا...... کیوں پسند نہیں وہ تمہیں؟'' میں نے اس سے غصے سے پوچھا تھا۔

''اس لیے اماں...... کہ......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کوئی اور ہے کیا؟'' میں نے وہ سوال پوچھا جس کا میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

''میں سلطان کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتی اماں!'' وہ سسکی۔

''کون ہے وہ؟'' میرا لہجہ سپاٹ تھا۔

''اماں......'' اس کا وجود لرزنے لگا۔ ''میرے بس میں کچھ نہیں اماں!''

''کون ہے وہ......'' مجھے آج تک اپنا وہ اجنبی لہجہ یاد ہے۔ ''مجھے اس کا نام بتاؤ......''

''اماں......'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ ''آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں اماں!'' مگر میں نے اسے اپنے پلنگ سے تقریباً دھکا دے کر اٹھا دیا۔

''میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ......'' میرے اندر سے غصے میں کئی مغلظات نکل گئیں۔ ''مار ڈالو اپنے اندر کی خواہشات کو اور جان لو کہ وہی ہوگا جو تمہارے ماں باپ چاہیں گے، ہمارے خاندان کو برباد کرنے اور

ٹکڑوں میں توڑ دینے کے لیے ایک عباس ہی کافی ہے، اس کا اقدام کچھ ایسا خوشگوار نہیں کہ ہماری ساری کی ساری نسل اس کی تقلید کرنے لگے۔'' وہ روتی ہوئی میرے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

مہربانو کی شادی کے لیے احتراماً اور روایت کے مطابق میں عصمت آپا کے ہاں بلاوا دینے کے لیے خود گئی، کمال احمد میرے ساتھ تھا، وہ ان کا داماد تھا، اس لیے اسے اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔ نور احمد نے خود ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا، ہم دروازے سے ابھی داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ اندر سے اُن کی کڑک دار آواز آئی، ہم وہیں ٹھٹک کر رک گئے......

''اتنی بے پروائی اچھی نہیں الفت بیگم......'' انہوں نے اپنی بہو سے غصے میں کہا تھا، غالباً اسی وقت اس کی سویر ہوئی تھی ورنہ ملازمائیں بتاتی تھیں کہ وہ خود نور کے تڑکے اٹھتیں اور اسی وقت اس گھر کے ملازمین کا سارا طبقہ بھی بیدار ہو جاتا تھا۔ ان کے لیے راجو ناشتا بناتی تھی اور وہ دونوں ماں بیٹا مل کر ناشتا کرتے، ان کا بیٹا عباس ناشتے کے بعد اپنے کام پر نکل جاتا تھا، جو کہ اپنے علاقے کا بڑا کاشتکار مانا جاتا تھا، عباس کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ ایک گھنٹے کی نیند پوری کر لیتی تھیں اور جب جاگتیں تو اس وقت الفت جاگ کر باہر نکلتی تھی۔ اس روز بھی کسی ایسے ہی دن کا آغاز تھا۔ ''سارے میں دھوپ کا راج ہو جاتا ہے تو الفت خانم کا جلوہ دیکھنے کو ملتا ہے اور اس کے بعد بھی لڑکیاں کتنی ہی دیر تک نظر نہیں آتیں، صبح سویرے اٹھا کرو اور بچیوں کو بھی جگایا کرو......نحوست پھیلتی ہے دیر تک گھر میں سوئے رہنے سے، غضب خدا کا، گھر کی عورتیں اگر یوں سونے لگیں تو گھر اجڑ جائیں!'' میں انتظار کر رہی تھی کہ وہ اپنی بہو کی بے عزتی سے فارغ ہو جائیں تو تب ہم اندر داخل ہوں۔

''سونے دیں اماں، ابھی ان بیچاریوں کی عمر ہی کیا ہے، ان کو کیوں سویرے، سویرے جگا کر اپنے سروں پر سوار کر لوں؟'' اس نے اپنا غصہ دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ساری عمر انہوں نے جلدی جاگنا ہے، جانے کیسے، کیسے نصیب ملیں گے انہیں بِکل کو!''

''جب تمہارے جیسی مکار عورت کو بے ضرر ساس اور کاٹھ کا الو شوہر مل گیا ہے تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ اس سے بہتر ہی مل جائے گا، آخر کو شریف خاندان کا خون ہیں۔'' عصمت بھابی خود ہی خود کو بے ضرر کہہ رہی تھیں، میں دل ہی دل میں مسکرائی۔ شوہر کی وفات کے بعد سے اور بالخصوص عباس کی الفت کے ساتھ شادی کے بعد اسے اس گھر میں لا کر رکھنے سے ان کا جو جلالی رنگ نکل کر سامنے آیا تھا اس سے سب لوگ پناہ مانگتے تھے، ان کا غصہ سورج چڑھنے کے ساتھ شروع ہوتا اور ان کے سونے کے وقت تک قائم رہتا، اپنے بچوں اور دیوروں سے یوں تو وہ نرمی سے بات کرتیں مگر جب ان پر غصہ ہوتا تو وہ بھی ان کے غصے سے کانپتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے ان سے ہر کوئی بات کرتے ہوئے کتراتا تھا......اسی بات نے انہیں اپنے گھر کا بے تاج حکمران جیسا بنا دیا تھا جہاں ان کا سکہ چلتا تھا، ان کا حکم اور ان کے منہ سے غلطی سے بھی نکلی ہوئی بات مستند ہوتی تھی۔

''ان کے خون میں آدھی آمیزش میری ہے اماں!'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''اسی لیے راتوں کو جاگتی اور دن چڑھے تک سوتی ہیں منحوسیں!''

''اپنے جیسی صنف کو آپ جیسی عورتیں ہی منحوس بنا دیتی ہیں اماں اور میرا پس منظر کوئی ایسا نہیں ہے، راتوں کو جاگنے اور دنوں کو سونے والا، ان بچیوں میں بری عادات اگر کوئی ہیں تو اپنے باپ کی طرف سے ہوں گی......''

''وہ نور کے تڑکے اٹھتا ہے، نماز اور قرآن کے بعد میرے ساتھ ناشتا کرتا ہے اور پھر کام پر چلا جاتا ہے، دن بھر محنت مشقت کرتا ہے تم لوگوں کے پیٹ بھرنے کے لیے! شریف گھروں کی بیٹیوں والے اوصاف سیکھو اور اپنی

اولاد کو سکھاؤ...... شریفوں کے گھر کی بہو بنی ہو تو شرافت بھی سیکھو!'' وہ دہاڑیں۔'' اور زبان سنبھال کر بات کیا کرو، تمہاری ماں سے بڑھ کر عزت کی مستحق کہ تمہارے شوہر کی ماں ہوں!''

''میں شریفوں کے گھر کی بہو ہوں اماں، بیٹی نہیں اور پھر کس نے کس گھر میں پیدا ہونا ہے اس کا اختیار کسی کے پاس کہاں ہوتا ہے...... آپ کے مطابق شریفوں والے اوصاف تو مجھے نہیں سکھائے گئے کیونکہ میں آپ جیسے شریف گھرانے میں پیدا نہیں ہوئی مگر جو خوش قسمتی سے شریف گھرانے میں پیدا ہوئے آپ نے تو انہیں بھی شرافت نہیں سکھائی۔''

''جو میں ہوتی تمہاری ماں، تو سب سے پہلے تو تمیز سکھاتی تمہیں!'' وہ غرائیں۔ ''کون سی شرافت میں نے اپنی اولاد کو نہیں سکھائی؟'' ان کی جیسے کسی نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا، دل سے ایک آگ اٹھی اور سر تک گئی۔

''اماں آپ کا بیٹا مجھے بیاہ کر لایا تھا اور آپ کی اجازت سے......'' اس نے تنک کر کہا۔ ''میں اس کے پیچھے آپ کے گھر تک نہیں آئی تھی؛ وہ میرے ٹھکانے تک پہنچا تھا اور میرے عشق میں مبتلا ہوا تھا کیونکہ آپ پیسے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ گھروں میں بیویاں ہوتے ہوئے بھی میرے جیسی لڑکیوں کے پاس جانا ان کی مردانگی کی شان ہے! میں قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہوں کہ مجھے آپ کے بیٹے کے سوا کسی نے چھوا تک نہیں، اس نے بھی شادی کے بعد...... کیا آپ اپنے اس بیٹے کے بارے میں یہ قسم دے سکتی ہیں مجھے...... شرافت کی بات کرتی ہیں آپ، شرافت کس چڑیا کا نام ہے، معلوم بھی ہے آپ کو؟'' اس نے بھی دوبدو کہا۔

''دفعان ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے اور آوارہ عورتوں کی طرح ساس سے منہ ماری نہ کیا کرو سمجھیں!'' ان کے پاس کہنے کو کچھ اور نہ تھا۔

''ارے حوا...... آؤ آؤ، کب آئیں تم...... آؤ کمال بیٹا!'' ان کی نظر ہم پر پڑی تھی، الفت پیر پٹختے ہوئے اپنے

کمرے میں چلی گئی، اس نے ہمیں سلام تک نہ کیا تھا، اندر سے اس کی بیٹیوں کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں، ان کی ماں اور دادی کے معرکے پہ تو مُردے بھی جاگ جاتے، یہ معصوم بچیاں کیسے سوتیں۔ الفت کے ہاں دو بیٹیاں اس وقت تک پیدا ہو چکی تھیں اور اسے دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ پھر تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ کمال کام کا بہانہ کر کے نکل گیا تھا، میں ان کے پاس بیٹھی تھی، مہربانو کی شادی کا بلاوا دیا انہیں، اتنی دیر میں راجو جائے بنا کر لے آئی تھی۔

''تسنیم کہاں ہے بھابی؟'' میں نے حلیمہ آپا کی بیٹی کا پوچھا جو کہ اُن کی منجھلی بہو تھی۔

''میکے گئی ہوئی ہے اور یوں بھی انہیں علیٰحدہ کر دیا ہے میں نے...... اوپر کے حصے میں، میں نہیں چاہتی کہ ان کے بچے الفت کے بچوں سے اثر لیں......''

''موسیٰ کا کام کیسا جا رہا ہے بھابی؟'' میں نے ان کی اس بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''ہماری امانت ہمیں کب ملے گی حوابی بی؟'' انہوں نے اس کا جواب گول کر کے سوال کیا تھا، ان کا سوال میں سمجھ گئی تھی مگر اسے نظر انداز کیا۔

''اچھا ہی ہوتا جو ساتھ ہی یہ نیک کام بھی ہو جاتا...... ہمارے گھر کی رونق ہمارے گھر آجاتی۔''

''آپ کے گھر میں تو کافی رونق ہے ماشاءاللہ......'' میں نے مختصراً کہا۔

''یہ نحوست کی ماری میرے گھر کی کیا رونق ہو گی...... جانے میرے نصیبوں میں کیا خرابی تھی جو اس کے ساتھ پالا پڑ گیا میرا، (گالی) میرے گھر میں بھی ایک ساتھ دو بیٹیاں پیدا کر لیں......''

''کیا نام ہیں آپ کی پوتیوں کے؟'' میں نے ان کی تلخ بات کو نظر انداز کیا۔

''پتا نہیں کیا عجیب عجیب سے نام رکھے ہیں اس نے......'' انہوں نے بیزاری سے کہا۔ ''مجھے تو یاد بھی نہیں رہتے۔''

''بڑی کا نام رانیہ ہے اور چھوٹی ثانیہ ہے چچی جان!'' اب اس نے قرینے سے لباس پہن رکھا تھا، پھیلا کر دوپٹا اوڑھے ہوئے تھی، دونوں بچیوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے لگا رکھا تھا۔ ''معذرت چاہتی ہوں کہ آپ کو سلام کیے بِنا اندر کو بھاگی، بچیاں بھی جاگ گئی تھیں اور پھر کمال بھائی بھی تھے تو مجھے اس حالت میں ان کے سامنے رکنا اچھا نہیں لگا......'' وہ میرے ساتھ بڑی تہذیب سے بات کر رہی تھی، میں نے اپنے پرس سے دو لال نوٹ نکال کر اس کی بیٹیوں کو دیے اور کچھ رقم راجو کو بھی دی......

''قافیے جوڑ رہی ہے کم بخت...... نامراد جانے کیا ہر وقت بیٹیوں کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہو گی، ان کے ہاں بیٹیوں ہی کی تو قدر ہوتی ہے......''

''بیٹیوں کی قدر ہم سب مسلمانوں کے گھروں میں ہونی چاہیے اماں!'' اس نے کوشش کر کے اپنا لہجہ نرم کیا تھا۔ ''بیٹیاں اتنی ہی بری ہوتیں تو اللہ اپنے پیارے نبی کو کیوں بیٹیوں سے نوازتا......''

''بیٹا ساس ماں جیسی ہوتی ہے، ان سے یوں بات نہ کیا کرو۔'' مجھے سن کر برا لگا تھا۔ سو میں نے اسے بے دھڑک کہہ دیا۔

''آپ نے سنا نہیں جو کچھ وہ مجھے کہتی ہیں...... ہر وقت مجھے طوائف کہتی ہیں حالانکہ میں ہوں بھی نہیں!'' میں نے اپنے لب بھینچے، اس سے زیادہ میں اسے کیا کہتی، کمال مجھے واپس آنے کا کہہ کر گیا تھا مگر میں سمجھ گئی تھی کہ وہ مجھے دانستہ واپس نہیں لینے آیا تھا، بھابی کو سلام کر کے میں راجو کے ساتھ گھر لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

''تو دادی جان...... کیا جمال چچا نے ہاجرہ پھپو سے شادی کی؟ گل پھپو کی شادی کس کے ساتھ ہوئی، انہیں صرف سلطان پسند نہیں تھا یا کوئی اور پسند تھا ان کو؟ ہاجرہ پھپو کو کیا ہوا پھر؟ وہ کیسے مریں، کیا انہوں نے خودکشی کی تھی؟ پھر تمنا کس کی بیٹی ہے، اسے کوئی اپنی بیٹی کھل کر کیوں نہیں کہتا؟'' میرے منہ سے یکے بعد دیگرے کئی سوال

نکلے، ابھی تک وہ سارے سوال خاموشی کے وعدے کے باعث دل میں مچل رہے تھے مگر دادی جان کی آنکھوں میں نیند دیکھ کر اور ان کے لہجے کی تھکاوٹ سے مجھے لگا کہ میرے سارے سوال اس روز بھی نامکمل رہ جائیں گے۔

''ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو پیاری......'' انہوں نے میرے بالوں کو اپنے ہاتھ سے سلجھایا۔ ''ان سوالوں کے جواب دینے میں تو زندگی کا سفر تمام ہو جاتا ہے......صدیوں کی کہانیاں ایک رات میں کیونکر ختم ہو سکتی ہیں!''

''مختصر آبتا دیں ناں دادی جان!'' میں نے اصرار کیا۔

''اب تو بالکل سکت نہیں رہی بیٹا، سو جاؤ اب......'' انہوں نے کروٹ بدل لی اور میں سمجھ گئی کہ اس کے بعد وہ بالکل کچھ نہیں کہیں گی، میں اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ گئی، اس سے آگے کہانی کا موڑ یقیناً بہت دلچسپ تھا، مجھے اشتیاق ہو رہا تھا مگر دادی جان کا بھی اپنا ہی طریقہ تھا، مجھ سے وہ بہت دوستانہ انداز میں بات کرتیں مگر جہاں وہ تھک جاتیں اس سے آگے وہ کچھ نہ سنا پاتیں، شاید وہ بھولنے لگی تھیں یا نیند کے باعث کہانی کا تسلسل نہ رکھ پاتی تھیں۔ ان سے یہ کہانی سننے کا مقصد یہ بھی تھا کہ بزرگوں کی کہانیاں نئی نسل میں بھی کسی کو معلوم ہونی چاہئیں......میں اگلے روز ان کی اس نامکمل کہانی کے سفر کے جاری رہنے کی امید پر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

مگر دوسرے پلنگ پر پڑا وجود یادوں کے زلزلوں کی زد پر تھا، اس سے آگے کی کہانی میں وہ پیچ و خم تھے اور ایسے زخم تھے جنہیں آج بھی چھونے سے اُن کا وجود تڑپ اٹھتا تھا، وہ آنکھیں موند کر ان یادوں کو بھلانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر مشکل سے۔

☆☆☆

جمال کا انکار زینت بھابی اور منور احمد تک پہنچانا انہیں دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا، شادی کا وقت جوں جوں قریب آ رہا تھا انہیں اور بھی پریشانی ہو رہی تھی کہ انہوں نے ان سے کہا تھا کہ وہ دونوں شادیاں ساتھ ہی کرنا چاہتے تھے۔ اس روز مہر بانو کا فرنیچر بن کر آیا تھا، منور احمد اور زینت بیگم شام کو ان کے ہاں چلے آئے، کافی لوگ خاندان اور برادری کے موجود تھے......دونوں میاں بیوی دیر تک اُن کے ہاں بیٹھے رہے، ہاجرہ بھی اندر کمرے میں بچیوں کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ تشویش میں مبتلا ہو گئیں، انہیں اندازہ ہوا کہ وہ لوگ اس بات کے منتظر تھے کہ لوگ اپنے، اپنے گھروں کو چلے جائیں تو ان کے ساتھ بات کریں، ایسا ہی ہوا، جب گھر کے لوگ رہ گئے تو منور احمد نے نور احمد سے کہا کہ وہ ان کے پاس کوئی خاص بات کرنے کے لیے آئے ہیں۔

''کہیں لالہ جی؟'' ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس منظر سے کہیں غائب ہو جائیں، کس منہ سے وہ ان سے کہیں گے کہ ان کا بیٹا نہیں مانا۔

''تم نے اور حوا بی بی نے ہم سے ہاجرہ کے بارے میں بات کی تھی ناں!'' ان کا اتنا کہنا تھا کہ ان کا دل چڑیا کے دل کی طرح کانپنے لگا۔ ''اسی سلسلے میں ہم بات کرنے کے لیے آج یہاں آئے ہیں۔'' ان دونوں کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ ''میں دراصل......'' ان کی آنکھوں سے تو ان کے اتنا کہنے سے ہی آنسو رواں ہو گئے تھے۔

''وہ لالہ جی......'' نور احمد کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔

''ہم دل سے قدر کرتے ہیں تم دونوں کے جذبے کی جو تم لوگوں کے دل میں ہماری بیٹی کے لیے ہے، جس طرح تم نے ہمارے دکھ کا مداوا کرنے کی کوشش کی ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی، جانتے ہوئے بھی کہ جمال، ہاجرہ سے کہیں چھوٹا ہے، تم نے اپنے بیٹے کا رشتہ ہماری بیٹی کے لیے پیش کیا۔'' ادھر وہ سوچ رہی تھیں کہ کاش ایسا وقت کبھی نہ آتا، کس منہ سے وہ انہیں بتائیں گی کہ ان کا بیٹا جمال نہیں مان رہا ہے۔ ''ہماری ہاجرہ معصوم اور بے گناہ سہی مگر اب وہ بچی نہیں رہی، ایک بار کی بیاہی، ایک بچی کو جنم دے چکی ہے اور مطلقہ بھی ہے......'' اب کے زینت بھابی

بولی تھیں۔'' ہم نے سوچا کہ اس کی دوبارہ شادی کرنے سے پہلے اس کی رائے لے لی جائے تو اس نے کہا کہ جمال اس کے چھوٹے بھائیوں جیسا ہے، تاہم ہم نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ عمر بھر یونہی بیٹھ کر تو نہیں گزار سکتی تو پھر وہ ہماری بات مان گئی۔'' ان کا اتنا کہنا تھا کہ حوابی بی کے تو گویا جسم سے جان نکل گئی، انہیں علم تھا کہ نور احمد کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہ ہوگی۔

''اصل میں ہمیں بھی آپ سے کچھ کہنا تھا......'' نور احمد دبی سی آواز میں بولے۔'' جمال بھی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا، اس لیے......''

''بات یہ ہے نور احمد، میں تم لوگوں سے شرمندہ ہوں کہ ہاجرہ نے جمال سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے......'' ان کی اس بات سے ان دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اتنا سکون اترا کہ حد نہیں، ہاجرہ کے انکار نے ان دونوں کا سر بڑے بھائی بھاوج کے سامنے نیچا ہونے سے بچا لیا تھا۔

''ہوں!'' نور احمد نے گہری سانس لی تھی جسے منور احمد تو رنج کی سمجھے ہوں گے مگر وہ سکون کی سانس تھی۔

''کوئی بات نہیں لالہ جی، جہاں آپ کہیں یا ہاجرہ کا دل مانے، ایک بار اس کے ساتھ زیادتی ہو چکی، اب کی بار ہمیں اس کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے......''

''یہی بات آپ سے کہنے آئے ہیں، آپ بھی سوچ سمجھ لیں، ہم جانتے ہیں کہ آپ دل سے ہماری بیٹی کے خیر خواہ ہیں، خصوصاً حوابی بی......نور احمد، آپ کے بارے میں بھی مجھے علم ہوا ہے کہ آپ نے عباس کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی اور یہاں تک کہ اس کی دوسری بیوی کی ماں تک بھی آپ نے جا کر بات کی مگر...... جو اللہ کو منظور تھا۔'' نور احمد بھابی کی بات پر سر جھکائے بیٹھے تھے، جانے کس نے یہ اندر کی ساری باتیں ان کو بتائی تھیں۔'' مگر کاش تم مجھے اس وقت بتا دیتے کہ عباس اڑی کر رہا ہے تو یقین مانو ہم اپنی بیٹی اس ناقدرے کو دے کر اسے داغدار نہ کرواتے......''

''میں نے تو اس لیے کوشش کی کہ کہیں آپ دونوں بھائی اور بہنیں آپس میں نہ بچھڑ جائیں اور پھر ایک مقام پر اس سے کہنا چھوڑ بھی دیا، عصمت بھابی سے کہا بھی کہ اس کی ضد مان لیں مگر وہ مصر رہیں اور پھر سکندر بھائیا کی وفات کے بعد جانے انہوں نے کس طرح اور کیا کہہ کر اسے خود ہی منا لیا......''

''چلیں اب گڑے مُردے نہ اکھاڑیں اور وہ بات کریں جس کے لیے ہم آئے ہیں۔'' زینت بھابی نے منور احمد کی بات میں مداخلت کی۔

''ہاں نور احمد......'' وہ پھر گویا ہوئے۔'' اگر تم لوگوں کو واقعی اس بات کا احساس ہے اور میری بیٹی کے دکھ کا مداوا کرنا چاہتے ہو اور اسے اپنی بہو بنانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تو وہ ارادہ اب بھی پورا ہو سکتا ہے، جمال نہ سہی...... کمال بھی تو ہے ناں!'' انہوں نے ایک اور بم پھوڑا تھا ہمارے سروں پر۔

''مگر کمال تو شادی شدہ اور بال بچے دار ہے......'' نور احمد گھگیائے۔

''عصمت آپا بھی تو ہماری ہاجرہ کے لیے موسیٰ اور سلطان کا رشتہ لے کر آئی تھیں، انہوں نے ہی کہا تھا ناں کہ مرد کئی، کئی شادیاں بھی کر سکتے ہیں۔'' زینت بھابی نے کہا۔

ہمیں سوجھ ہی نہیں رہا تھا کہ انہیں کیا کہیں کیونکہ ان کی نیت اور اس پیشکش کے پیچھے چھپی وجہ کو ہم دونوں جان چکے تھے...... وہ دونوں میاں بیوی اس طریقے سے عصمت بھابی کو ایذا پہنچانا چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی عائشہ پر اپنی بیٹی کو سوتن بنا دیں۔

''کمال صاحبِ اولاد ہے بھابی، ہم اقبال کے لیے سوچ سکتے ہیں، اس کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں اور اس کی بیوی کو شاید اس پر کوئی اعتراض بھی نہ ہو کیونکہ اولاد کے لیے دوسری شادی کرنا ہر مرد کا حق ہے، اگر اس کی

بیوی میں نقص ثابت ہو چکا ہو۔'' نور احمد نے رسان سے کہا تھا۔ ''اقبال بھی تو ہمارا ویسے ہی بیٹا ہے جیسے کمال...... اور اقبال، کمال سے صرف ایک سال بڑا ہے، آپ کو یاد ہے کہ جب آپ کے ہاں کوئی اولاد زندہ نہیں بچتی تھی تو آپ اکثر مجھے کہتی تھیں کہ اقبال آپ کو دے دوں۔'' انہوں نے ان کو یاد دلایا۔

''وہ اور بات تھی حوابی بی......'' انہوں نے فوراً کہا۔ '''' اب صورتِ حال اور ہے۔''

''مگر یہ......'' نور احمد نے کہا۔

''اگر مگر نہ کرو نور احمد......'' منور احمد نے کہا۔ ''صاف انکار کر دو اگر یہ بات منظور نہیں تو!''

''ہمیں کچھ وقت دیں لالہ جی......'' نور احمد نے تحمل سے کہا...... '' آپس میں مشورہ بھی کر لیں اور اپنے بچوں سے بھی بات کر لیں تو پھر بتائیں گے۔''

''ٹھیک ہے...... وقت چاہے تم جتنا بھی لو مگر اقبال کے لیے نہیں، کمال کے لیے!'' اتنا کہہ کر دونوں روانہ ہوئے، ان دونوں میاں بیوی نے بھی مصلحت آمیز خاموشی اختیار کر لی تھی کہ کم از کم مہر بانو کی شادی تو کسی پریشانی اور مسئلے کے بغیر ہو جائے کیونکہ عائشہ کے بھائی کے ساتھ گل بانو کا رشتہ طے ہوا تھا، اس پر سوتن لانے کا جواب انہیں کس طرح مل سکتا تھا اس کا اندازہ انہیں بخوبی تھا۔

☆☆☆

''کیوں آئے ہو اس وقت یہاں...... چلے جاؤ ورنہ کوئی دیکھ لے گا!'' مہر بانو کی شادی کے ہنگامے میں وہ باورچی خانے میں کسی کام سے گئیں تو سنا...... بلاشبہ یہ ہلکی سی اور دبی ہوئی آواز گل بانو کی تھی، انہوں نے کام کرتے ہوئے ملازمین کو دیکھا، کچھ سوچا اور انہیں یونہی کچھ ہدایات دینے لگیں، کوشش تھی کہ بات کرتے، کرتے غیر محسوس انداز میں باہر کی طرف نکلیں اور دیکھیں کہ گل بانو کس کے ساتھ بات کر رہی تھی، جواب جس نے بھی دیا تھا اس کی آواز اتنی ہلکی اور انجان تھی کہ وہ پہچان نہ سکیں۔

''اچھا اس وقت چلے جاؤ...... رات کو میں وہیں آنے کی کوشش کروں گی۔'' گل بانو نے کہا تھا، غالباً وہ ان کی آواز سن چکی تھی، جب تک وہ دبے قدموں سے وہاں پہنچیں وہاں گل بانو کے سوا کوئی اور نہ تھا، وہ جا چکا تھا، وہ تن کر کھڑی ہو گئیں، گل بانو اندر آتے ہوئے انہیں سامنے دیکھ کر گھبرا گئی۔

''کیا کر رہی تھیں وہاں گل بانو؟'' انہوں نے سوال کیا۔ ''کون تھا اُدھر؟''

''کوئی بھی نہیں اماں...... میں اکیلی تھی، کوئی بھی نہیں تھا۔'' جھوٹ بولتے ہوئے اس کی آواز کی لرزش نمایاں تھی مگر اس سے ملازموں کے سامنے تفتیش نہیں کی جا سکتی تھی، یوں بھی انہیں خاموشی سے جائزہ لینا تھا کہ حالات کیا تھے، کون تھا وہ اور نوبت کہاں تک پہنچ چکی تھی اور ان کی بیٹی کس کے جال میں پھنس چکی تھی۔ انہیں رات کو جاگ کر دیکھنا تھا کہ وہ کہاں جائے گی، رات دیر تک جاگ کر وہ سننے کی کوشش کرتی رہیں کہ گل بانو کے کمرے کا دروازہ کھلے مگر شومئی قسمت کہ گرم بستر میں نیند نے آ لیا، اس طرح کی پریشانی کے حالات میں ان کا یوں سو جانا بلاشبہ ناممکنات میں سے تھا مگر نیند کا تو کہتے ہیں ناں کہ سولی پر بھی آ جاتی ہے......

☆☆☆

سامنے والے گیٹ پر تو پہرے دار ہوتا تھا، اس نے حویلی کے پچھلے دروازے سے نکلنے کا ارادہ کیا...... رات کے رنگ کی چادر اپنے پورے وجود کے گرد مضبوطی سے لپیٹے وہ دبے پاؤں اپنے کمرے کی پچھلی طرف کی کھڑکی سے نکلی اور حویلی کی پچھلی طرف چلی جہاں ملازمین کے کوارٹر تھے۔ حویلی کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور فرش بھی کچی مٹی سے لپائی کیے ہوئے تھے، اس کے چلنے سے کوئی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی، بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر رکی،

چوکنا انداز سے ہر طرف دیکھا اور لکڑی کا چھوٹا بوسیدہ سا دروازہ آہستگی سے کھولا، یہ راستہ حویلی کے ملازمین کی گزر گاہ تھا۔ سردیوں کی ایسی رات میں اگر ملازموں میں سے کسی کو ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز آتی بھی تو اس وقت کوئی اپنے کمروں میں گرم بستروں سے نکل کر باہر نہ آتا۔

سرد ہوا آرے کی طرح اس کی ہڈیوں کو چیر رہی تھی، موٹے کھدر کی شلوار، قمیص اور اس پر کھدر ہی کی بڑی سی چادر...... اس نے چادر کو اپنے گرد اور بھی مضبوطی سے لپیٹ لیا تھا، باہر نکل کر اس نے اپنے پیچھے دروازہ بھیڑ دیا تھا، ذرا رکی اور مڑ کر دیکھا، اس کوچے میں اسے دوبارہ کبھی نہیں آنا تھا، ایک کسک پھانس کی طرح دل میں چبھی۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا مگر جانے کون سا جذبہ اس کی اندھیرے میں راستہ دیکھنے والی آنکھ بنا ہوا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں آیتوں کا ورد شروع کر دیا تھا، سردی کا مقابلہ کرتی اور اندھیرے کا سینہ چیرتے ہوئے چلتی، چلتی وہ اس پیڑ کے پاس پہنچ کر رکی جہاں اس نے آنا تھا، وہ نسبتاً ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں سے اسے وہ دور سے آتا ہوا نظر آ جاتا۔

کھڑے، کھڑے اس کا وجود برف کی طرح جمنے لگا تھا...... انتظار کی گھڑیاں کس طرح طویل ہو رہی تھیں اس کا اندازہ صرف اسی کو ہو سکتا تھا، نہ اس کے پاس گھڑی تھی نہ چاند کی روشنی کہ وہ وقت کا کچھ اندازہ کرتی، دور کسی اور گاؤں کی مسجد میں سے تہجد کی اذان کی آواز سنائی دی تو اس کا پورا وجود پتے کی طرح کانپنے لگا، وہ سوچنے لگی کہ اب اماں بھی تہجد کے لیے جاگ جائیں گی، ملازمہ ان کے.... وضو کے لیے پانی گرم کرنے کے لیے اندر جانے کو دروازہ کھٹکھٹائے گی مگر وہ دروازہ تو کھلا ہو گا اور...... اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہ سکی، دل ہی دل میں ورد کرنے لگی اور اس کے جلد از جلد آنے کی دعائیں کرنے لگی، انہوں نے تو سوچا تھا کہ کسی کے علم میں آنے سے پہلے، پہلے وہ گاؤں سے بہت دور جا چکے ہوں گے مگر! دونوں ہاتھوں کو چادر کے اندر ہی وہ آپس میں رگڑنے لگی، جانے کتنا ہی وقت اور گزر گیا، اس کی مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

اپنے گاؤں کی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی، فلاح کی طرف پکارا جا رہا تھا، وہ مرے، مرے قدموں سے واپسی کے راستے پر چل پڑی کیونکہ سردی سے اس کی ٹانگیں بھی شل ہو چکی تھیں اور مسجدوں سے بھی فجر کی اذان کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہی کئی لوگ مسجد کا رخ کرتے اور کوئی نہ کوئی اسے کھڑے ہوئے دیکھ کر متعجب ضرور ہوتا...... پھر جتنے منہ اتنی باتیں ہوتیں۔ ’’مجھے اس بات سے خوف آ رہا ہے کہ مجھے یہاں کھڑے ہوئے دیکھ کر دوسرے لوگ کیا باتیں کریں گے اور جو میں باپ کے منہ پر رات کے اندھیرے میں کالک مل کر چلی جاتی تو.....‘‘ قدم گھر کی طرف موڑے تو وہ سوچنے لگی...... جن راہوں اور قدموں پر چل کر وہ چند گھنٹے پہلے حویلی سے نکلی تھی، آبلہ پائی اور مایوسی کا سفر تمام کر کے وہ انہی راہوں پر اپنے قدموں پر واپس جا رہی تھی، وہ سمجھ رہی تھی کہ اس نے وقت کے پہیے کو واپس موڑ دیا ہے مگر.....!

☆☆☆

’’کہاں سے آ رہی ہے تو؟‘‘ اندر داخل ہوتے ہی بڑے ہال کمرے میں گھر کا ہر نفس کھڑا نظر آیا تھا، اس کا پورا وجود سن ہو گیا، الفاظ تھے یا خنجر...... اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس کی زبان بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، یقیناً ملازمہ نے اماں کو بتایا ہو گا کہ باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور پھر یہ جاننے میں کیا وقت لگتا کہ کس نے دروازہ کھولا تھا۔

’’وہ ابا جان میں.....‘‘ وہ گھگیائی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

’’کس کو ملنے گئی تھی رات کے اس پہر اور کیا کر کے آ رہی ہے؟‘‘ اماں جان کے سوال نے اس کے جسم کی رہی سہی طاقت کو بھی ختم کر دیا تھا، اماں جان کچھ نہ کچھ تو جانتی تھیں کہ انہیں تو اسی دوپہر اس پر شک ہو گیا تھا جب وہ اسے باورچی خانے

کے پیچھے پلی تھیں، کیسی جرأت کر کے وہ اس کے ہاں آ گیا تھا کیونکہ وہ کافی دنوں سے کوئی بہانہ کر کے گھر سے نکل نہیں پا رہی تھی، اسکول میں بھی سردیوں کی چھٹیاں تھیں جہاں سے واپسی پر اکثر ان کی ملاقات ہو جاتی تھی۔

''کسی کو بھی نہیں ملی، میرا یقین کریں، میں غلطی سے چلی تو گئی تھی مگر اب لوٹ آئی ہوں ابا جان......''

''آخ تھو...... '' ابا جان نے تھوکا تو زمین پر تھا مگر اس کا گویا سارا منہ اس تھوک سے لتھڑ گیا تھا۔

''میں راستے سے ہی لوٹ آئی ہوں ابا جان، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، میرا یقین کریں۔''

''جوان لڑکی جب گھر سے باہر تنہا نکلتی ہے اور رات گزار کر لوٹتی ہے تو اس کے سچ پر بھی کوئی یقین نہیں کرتا گل......'' اماں جان نے کہا۔ ''صرف اس بے غیرت کا نام بتا دو جو تمہارے ساتھ شریک تھا۔''

''میں اسے ملنے کے لیے تو گئی تھی اماں جان مگر میں اسے ملے بغیر لوٹ آئی ہوں، آپ میری ماں ہیں، آپ تو میری بات کا یقین کریں۔''

''تڑاخ!'' گال پر پڑنے والے ابا جان کے مضبوط ہاتھ کے تھپڑ نے اس کا سارا وجود ہلا دیا تھا، اماں تو اسی طرح کھڑی تھیں اپنے شوہر اور بیٹوں کے سامنے جیسے وہ قصوروار ہوں...... ابا جان نے اسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ زمین پر جا گری۔

''خدا کے واسطے ابا جان، اتنے ظالم نہ بنیں، میری بات تو سن لیں ایک بار!'' اس نے زمین پر نظریں گاڑے، گاڑے باپ کے پاؤں تھام لیے جو اسے ٹھوکریں مار، مار کر تھک چکے تھے اور اس کے جسم کے ہر حصے میں درد بھر گئے تھے۔

''کچھ رہ گیا ہے سننے کو؟ کچھ رہ گیا ہے دیکھنے کو؟ میں تو حیران ہوں کہ میں مر کیوں نہیں گیا یہ وقت دیکھنے سے پہلے......''

''ایسا نہ کہیں ابا جان!'' کئی سسکیاں کمرے میں گونجی تھیں...... ''مجھے چاہے مار ڈالیں مگر ایسا نہ کہیں، میں...... بے قصور ہوں، میں نے کچھ غلط نہیں کیا، میری بات تو سنیں!'' ان دو کے علاوہ باقی سارے نفوس خاموش تھے اور سسکیاں لے رہے تھے۔ ''میں آپ کی بیٹی ہوں، مجھ پر اعتبار کریں۔''

''بے حیا......'' اماں جان کی آواز ابھری۔ ''بہتر ہوتا کہ اسی دن تمہارا گلا گھونٹ دیتی جس دن تم پیدا ہوئی تھیں تو آج ہم سب لوگ یوں مُردوں کی طرح نہ کھڑے ہوتے......''

''کسی کو چاہنا کوئی گناہ نہیں اماں......'' وہ سسکی۔ ''ہم نے کچھ غلط نہیں کیا صرف ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے......'' اس کی پسلی میں پڑنے والی ٹھوکر سے اس کی چیخ نکل گئی اور اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''بے غیرت......'' ٹھوکر مارنے والے نے اضافہ کیا۔ ''دفع کریں چاچا جی اس بے حیا کو اسی کے ساتھ جس کے ساتھ عشق لڑاتی پھرتی ہے...... اور اس پر اس گھر کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔'' پڑوس سے آوازیں سن کر وہ بھی پہنچ گیا تھا...... وہ اس کے بچپن کی منگ تھی، خاندان کی سب سے خوب صورت لڑکی، جب بھی وہ اس سے اظہارِ محبت کرتا تو وہ اسے ناراضی سے دیکھتی۔ کئی بار کہہ چکی تھی کہ اسے اس کے ساتھ بیاہ نہیں کرنا تھا، ان کے خاندان میں بیاہ شادی کے معاملے میں کسی لڑکی کو بولنے کی جرأت نہ تھی، اسے کیونکر اس کی اجازت دی جا سکتی تھی۔

''نہیں ابا جان......'' وہ چیخی۔ ''جو بھی ہو گا آپ کی مرضی سے ہو گا...... مجھے معاف کر دیں، جہاں آپ کہیں گے میں شادی بھی کر لوں گی، مجھے مار ڈالیں مگر ایسی سزا نہ دیں۔''

''کوئی بے غیرت ہی ہو گا جو تم جیسی سے شادی کرے گا جو رات بھر گھر سے باہر گزار کر جانے کیا کالک منہ پر مل کر لوٹی ہے......'' سلطان کا غصہ اس کے منہ سے گالیوں کی صورت ابل رہا تھا، اس کے زور، زور سے بولنے سے

آواز باہر تک جا رہی تھی۔ گھر کے ملازمین بھی نہ صرف یہ سب سن رہے تھے بلکہ کچھ دیکھ بھی رہے تھے۔

''باہر نکال دو اس کو اس گھر سے اور اپنی زندگیوں سے......'' اسے گھسیٹا جانے لگا، وہ مدافعت کے لیے کوشاں تھی مگر اسے مضبوطی سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلنے والوں میں طاقت تھی اور غصہ...... جبکہ وہ تو، پٹ پٹ کر یوں ہی نڈھال ہو رہی تھی۔ اسے گھسیٹ کر اور دھکے دے کر باہر نکالا جانے لگا، وہ چیخ رہی تھی، فریادیں کر رہی تھی مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر ان لوگوں کو روک سکتا جو اس وقت طاقت اور غصے کے امتزاج سے بپھرے ہوئے تھے، وہاں تھا بھی کون ان سب کے علاوہ، جن کے چہروں سے ہی اس وقت نفرت ٹپک رہی تھی، اسے گھر کے ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا......

☆☆☆

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے، بیٹھے سو گئی تھی، ہلکی سی آہٹ سے اس کی آنکھ کھلی، کھڑکی کی طرف سے آواز آئی تھی، اس نے اٹھ کر کھڑکی کھولی جس کے لکڑی کے پٹ کے باہر جیل کی سلاخوں جیسی سلاخیں تھیں۔

''گل بانو!'' وہ تڑپ کر رہ گئی۔

''میرے ویر، میرے لالہ!'' اس نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں صدقے جاؤں، تم اس طرف کیوں آئے ہو؟''

''گل بہت درد ہو رہا ہوگا ناں تمہیں؟'' اس نے بہن کا ہاتھ تھام لیا، اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ ''نہ روؤ، میں بھائیوں سے بات کروں گا اور ابا جان سے بھی وہ اس وقت بہت غصے میں ہیں اور سلطان لالہ بھی!'' اس نے اس کے منگیتر کا نام لیا۔ ''مگر میں ہوں ناں اور میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس کا بھائی اسے دلاسے دے رہا تھا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ سب سے چھوٹا اور سب سے نرم دل، اس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ ''اماں بھی تم سے ملنے کے لیے آئی ہیں!'' وہ سامنے سے ہٹا تو رو، رو کر لال کی ہوئی آنکھوں والی اس کی بے بس ماں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کون ہے وہ گل؟'' ماں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا، اس کے وجود میں سکون اترنے لگا۔ ''ماں کو تو بتا دو میری جان، شاید میں کچھ کر سکوں۔''

''کیا کر سکیں گی اماں جان آپ...... ابا جان کے سامنے کس کی چلتی ہے......'' وہ سسکی۔

''پھر بھی مجھے تو بتاؤ کہ کون ہے وہ؟''

''ہاشم......'' اس نے سسکی لے کر بہ مشکل نام لبوں سے آزاد کیا، ماں کو تو گویا برچھی لگی۔

''یہ تم نے کیا، کیا گل؟'' اماں کا دل حلق تک آ گیا۔ ''یہ تم نے کیا کر دیا گل بانو؟''

''میرے بس میں کچھ نہیں ہے اماں جان!'' اس نے آنسوؤں بھری آواز سے کہا۔ ''میں اس دل کا کیا کروں اماں جان جو سلطان سکندر کے ساتھ کو مانتا ہی نہیں......''

''دل سلطان کے ساتھ کو نہیں مانتا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں بیٹا کہ تم آگ سے کھیلنے کی خواہش کر بیٹھو!'' اماں نے روتے ہوئے کہا۔ ''اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے ماں کو بھی نہیں بتایا؟''

''جانتی تھی اماں جان کہ یہ ناممکن ہے اسی لیے اپنے دل کو مار لیتی تھی، آپ کو بتاتی تو آپ کیا کر لیتیں، اسی لیے خاموش ہو جاتی تھی، اسی نے حوصلہ دیا تو میں بھول گئی کہ میں کس خاندان کی بیٹی ہوں، ابا کا مزاج اور بھائیوں کی زبان اور غصہ...... سب بھول گئی تھی اماں جان، اسی لیے اس آگ سے کھیل گئی۔'' دروازے کی طرف سے کھٹکے کی آواز آئی تو دونوں چونکیں۔

''تمہیں کہنا تھا کہ......'' ماں نے جاتے، جاتے اس کا ہاتھ مضبوطی سے دبایا۔
''کیا اماں جان؟'' اس نے حیرت سے ماں کے چہرے کو دیکھا جہاں بات مکمل کرنے کے لیے کشمکش جاری تھی۔
''اب تمہارے ابا جان تمہیں سلطان کے نکاح میں دیں گے تو وہ ہر روز تمہیں طعنے دے دے کر مارے گا...... اس لیے اگر تمہارے ساتھ زبردستی نکاح کرنے کی کوشش کریں تو ہرگز نہ ماننا...... قدرت کو منظور ہوا تو......'' دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی ماں کا چہرہ غائب ہوگیا اور کمرے میں آنے والوں کے چہروں پر جو عبارت درج تھی اسے پڑھ کر وہ ششدر رہ گئی...... ابا کے ساتھ اقبال لالہ، کمال لالہ اور سلطان تھے...... اور ہاں ان کے ساتھ باریش مولوی صاحب جن کے ہاتھ میں ایک بڑا سا رجسٹر تھا، وہی رجسٹر جس پر لڑکیوں کو نکاح کے وقت انگوٹھا لگانا ہوتا تھا یا چار جماعتیں پڑھی لڑکیاں دستخط کرتی تھیں۔
''سیدھی ہو کر بیٹھو......'' ابا جان کی بھاری اور غصیلی آواز اس نے اس سے قبل کہاں سنی تھی۔ ''مشکل سے مانا ہے سلطان...... تم جیسیوں کے ساتھ کوئی نکاح نہیں کرتا مگر وہ میرا خون ہے تو میری عزت رکھنے پر تیار ہوگیا ہے۔''
''ابا جان......'' اس نے فریاد کی۔ ''میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں...... مجھے اس طرح ذلیل نہ کریں، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی سزا آپ مجھے دے رہے ہیں۔''
''مسمات گل بانو بنت نور احمد...... تمہیں سلطان سکندر ولد سکندر احمد کے ساتھ، بعوض ساڑھے بتیس روپے سکہ رائج الوقت، نکاح قبول ہے؟'' مولوی صاحب نے نکاح کے روایتی الفاظ دُہرائے۔
وہ لب بھینچے خاموش تھی، نہ منہ سے کچھ بولی نہ سر کو کسی طرح ہلایا، تین دفعہ مولوی صاحب نے وہی الفاظ دُہرائے مگر جواب نہ پا کر وہ سوالیہ نظروں سے نور احمد کو دیکھنے لگے۔
''ہوگیا ناں نکاح؟'' نور احمد نے پوچھا۔
''نہیں ابا جان......'' وہ بلکی۔
''نہیں جناب...... مجھے لگتا ہے کہ بچی کی مرضی نہیں ہے اور میں زبردستی اس کا نکاح نہیں پڑھا سکتا۔'' انہوں نے اٹل لہجے میں کہا۔
''ساری بچیاں اسی طرح شرماتی، جھجکتی ہیں مولوی صاحب...... کون سا وہ منہ پھاڑ کر 'قبول ہے، قبول ہے' کہتی ہیں......''
''بچیوں کی خاموشی کو تو ان کی نیم رضامندی سمجھا جا سکتا ہے چوہدری صاحب مگر ان کی طرف سے حجت کا مطلب ان کی ناپسندیدگی ہوتا ہے۔'' مولوی صاحب نے حتمی لہجے میں کہا۔
''بے وقوف اور جذباتی بچی ہے، چار جماعتیں پڑھ کر دماغ خراب ہوگیا ہے اس کا، اس کا رشتہ بچپن سے میرے بھتیجے سلطان سکندر سے طے ہے اور یہ رشتے پتھر پر لکیر کی طرح ہوتے ہیں، اس سے انکار کس طرح کر سکتی ہے یہ۔'' نور احمد مصر تھے۔
''اس کا رشتہ ہی نہیں...... بچپن میں نکاح بھی ہو چکا ہوتا تو یہ اس بات کی مجاز ہے کہ اس نکاح کو قبول کرے یا رد کر دے...... نکاح کی اولین شرط لڑکے اور لڑکی کی رضامندی ہے......''
''چھوڑیں آپ شرطوں کو، لڑکیوں کا نکاح تو ان کا باپ بھی بطور ولی کر سکتا ہے......'' نور احمد نے کہا۔
''بطور ولی، ایک باپ صرف نابالغ لڑکیوں کا نکاح کر سکتا ہے اور اس نکاح کو بھی بچی کی طرف سے بالغ ہونے پر قبول یا رد کرنے کا اختیار رہتا ہے۔'' مولوی صاحب اپنے موقف پر قائم تھے، اس کے ابا اور بھائی کہاں اس کی یا مولوی کی طرف سے ایسی اڑی کی توقع کر رہے تھے، ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات تو پتھر پر لکیر ثابت ہوتی

تھی اور وہ مولوی خود کو کیا سمجھ رہا تھا۔ سلطان کے چہرے پر طیش دیدنی تھا، اسے تو اپنی مخالفت میں ایک لفظ بھی بولنے والوں کو چٹکی میں مسل دینے کی عادت تھی۔

''تم زیادہ عالم دین نہ بنو......'' اس کے ابا چراغ پا ہوئے۔ ''اٹھاؤ اپنا بستہ اور غائب ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔'' انہوں نے مولوی کو دو چار تلخ تلخ سنائیں اور دھمکیاں بھی دیں، وہ خاموشی سے اپنا سامان سمیٹ کر باہر نکل گیا۔ ''کل کسی اور مولوی کا بندوبست کرو!'' اپنے بیٹوں اور سلطان کو کہہ کر وہ اس کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

اپنی ایک انتہائی معتمد ملازمہ کے ساتھ وہ چادر اوڑھ کر کسی بہانے سے گھر سے نکلیں، انہوں نے اپنے گاؤں کے ساتھ والے گاؤں کے قبرستان کا رخ کیا، ملازمہ گاؤں میں ہی ان سے ان کی ہدایت کے مطابق علیحدہ ہو گئی تھی، وہ قبرستان میں مختلف قبروں کے پاس رک کر فاتحہ پڑھتیں اور دائیں بائیں محتاط انداز میں دیکھتی رہیں۔ ملازمہ واپس آ گئی، وہ ایک جالی دار دیوار والی قبر کے پاس کھڑی تھیں، اس کے دوسرے پار کوئی آ کر کھڑا ہوا، ملازمہ ذرا فاصلے پر چلی گئی۔

''تم اسے بلا کر خود کیوں نہیں آئے تھے اس رات؟'' انہوں نے صرف اتنی آواز میں کہا کہ اس تک آواز پہنچی۔ ''کیا دل لگی کر رہے تھے اس کے ساتھ؟''

''السلام علیکم......'' جواباً اس نے کہا۔ ''بھابی جان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا پڑا، کوئی طریقہ نہ تھا کہ اسے اطلاع دے سکتا، دل لگی نہیں کر رہا، اسے بہت چاہتا ہوں، آپ سے جھوٹ نہیں کہہ رہا، وہ بھی مجھے بہت چاہتی ہے اور اس کا اور سلطان کا کوئی جوڑ نہیں بنتا......''

''کیا ہوا شہر بانو کو؟'' ان کا دل تڑپا۔

''کچھ نہیں......بس وہ......'' وہ کچھ کہتے، کہتے جھجک کر رک گیا۔ ''اب ٹھیک ہیں وہ، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ہو جاتا ہے ایسا!'' اس کے یوں جھجک کر کہنے سے انہیں اندازہ ہو گیا کہ ان کی بیٹی شہر بانو دوبارہ تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔

''تمہارے گھر میں کسی کو علم ہے کہ تم اور نگل......''

''ہاں سب جانتے ہیں اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں سوائے اماں جان کے......انہیں بھی اعتراض نہیں، بس ماموں جان کی ناراضی یا ان کا دل دکھانے سے ڈرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس وقت کا انتظار کرو جب دونوں گھروں کے حالات بہتر ہوں گے تو وہ مناسب موقع دیکھ کر بات کریں گی، وہ سمجھتی ہیں کہ پہلے ہی ہمارے گھروں میں اتنی ناچاقی ہے......ہماری پسندیدگی ظاہر ہو گی تو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات کو اور بھی بڑھا دے گی......مگر مجھے علم ہے کہ اس سے پہلے ہی کچھ ایسا ہو جائے گا کہ......''

''دیر تو بہت ہو چکی، آج رات کو ہی اس کا نکاح زبردستی سلطان سے کر دیا جائے گا۔''

''وہ ایک پڑھی لکھی اور بالغ لڑکی ہے، اس کا نکاح کوئی اس طرح کیسے کر سکتا ہے؟''

''تم اپنی روایات اور اپنے بڑوں کے غصے کو نہیں جانتے کیا؟''

''میں کیا کروں ممانی جان؟'' اس نے بے بسی سے کہا۔ ''آپ کچھ مدد کریں، آپ کو گل بانو سے اپنی محبت کا واسطہ......''

''تم ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہو، میں دیکھتی ہوں کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔'' انہوں نے اسے سمجھایا۔ ''اب میں جاتی ہوں، تم واپس گاؤں نہ آنا، کوئی نہ کوئی شک میں پڑ جائے گا، اِدھر اُدھر گھومتے رہو کم از کم آدھا گھنٹہ......''

''آپ کی ملازمہ؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔
''اس کی طرف سے تم فکر نہ کرو، وہ میری انتہائی معتمد ملازمہ ہے۔'' کہہ کر وہ مڑیں اور ملازمہ کو ساتھ لے کر تیز، تیز قدم اٹھاتی ہوئی گاؤں کی طرف چل دیں۔

☆☆☆

''میں نے گل سے بات کی ہے......'' دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اور نور احمد اپنے کمرے میں تھے۔ ''اور اس نے مجھے اس کا نام بتا دیا ہے۔''
''کون ہے وہ حرام کا جنا؟'' نور احمد نے غصے سے کہا۔
''جو بھی ہے وہ سلطان سے لاکھ درجے بہتر ہے...... آپ اچھی طرح جانتے ہیں نور احمد کہ سلطان کس مزاج کا لڑکا ہے اور اس کے بارے میں لوگ کیا باتیں کرتے ہیں...... شراب خور، جوا باز اور لڑکیاں!''
''ہوتی ہیں ایسی عادتیں جوان لڑکوں میں، شادی کے بعد سب چھوٹ جاتا ہے......''
''عباس کے بارے میں بھی آپ کا یہی دعویٰ تھا نور احمد......''
''عباس ایک بدتمیز اور بگڑا ہوا لڑکا ہے۔''
''سلطان بھی اس کا بھائی اور اس جیسا ہی ہے...... آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ مختلف ہوگا۔'' حوا بی بی نے رسان سے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اب جو مطالبہ منور لالہ اور زینت بھابی کی طرف سے ہو رہا ہے اگر اس کو پورا کریں تو آپ کو لگتا ہے کہ سلطان ہماری بیٹی کو خوش رکھ سکے گا؟''
''کیا کروں میں پھر...... میں تو خود کو کسی ایسے جال میں پھنسا ہوا محسوس کرتا ہوں کہ جس سے میں مر کر بھی نہیں نکل سکتا...... اوپر سے میری بیٹی نے ہی میری عزت کا جنازہ نکال دیا ہے......'' ان کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔
''بات گھر کی گھر میں ہی رہ جاتی جو ہم خود ہی اتنا شور نہ مچاتے اور وہ سلطان یہاں نہ آن ٹپکتا!'' حوا بی بی نے نرمی سے کہا۔ ''دنیا کے سب والدین سب سے پہلے اپنی اولاد کا بھلا چاہتے ہیں نور احمد...... آپ نے میرے ساتھ کی خواہش کی تو اسے قبولیت بخشی گئی، عباس کی الفت سے شادی کی خواہش بھی پوری ہو گئی...... کیا بیٹیاں اس کی مستحق نہیں ہوتیں کہ ان کی خواہش کو قبول کر لیا جائے؟''
''میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا حوا......'' انہوں نے بے بسی سے کہا۔ ''مری ہوئی ماں کے فیصلوں سے روگردانی کروں گا تو کس منہ سے قیامت کے دن ماں کے سامنے کھڑا ہوں گا؟ مرے ہوئے بھائی کو کیا جواب دوں گا، عصمت بھابی کا سامنا کس طرح کروں گا؟''
''جو لوگ مر جاتے ہیں وہ ہمیں اپنی جوابدہی کی فکروں سے آزاد کر جاتے ہیں...... زندہ لوگوں کی اہمیت بہر طور زیادہ ہوتی ہے...... اپنی بیٹی کو ہم ہاجرہ کی طرح سولی پر چڑھا دیں؟ جانتے ہوئے بھی کہ سلطان کا ظرف اتنا بڑا نہیں کہ اس کی بھول کو بھول جائے...... اپنی بیٹی کو ہر روز مرتا ہوا دیکھ کر ہم بھی نہ زندوں میں ہوں گے نہ مردوں میں...... میں نے آپ سے کبھی اپنے لیے بھی کچھ نہیں مانگا...... اپنی بیٹی کی خوشیوں کی بھیک مانگتی ہوں آپ سے، ہماری پڑھی لکھی اور سب سے باشعور و سمجھدار بچی ناقدرے لوگوں کے ہاتھوں رُل جائے گی۔''
''کون ہے وہ جس کے ساتھ......؟'' وہ جھجک کے مارے اپنی بات بھی پوری نہ کر سکے اور اس کا نام بتانے پر تو وہ چیخ ہی اٹھے۔ ''دماغ ٹھیک ہے تمہارا بھی اور اس کا بھی؟''
''آہستہ بولیں......'' انہوں نے تحمل سے کہا۔ ''تاکہ آپ کی آواز باہر نہ جائے۔''
''اس عباس نے خاندان کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے میں جو کسر چھوڑی تھی اسے یہ پورا کر دے گی۔'' انہوں نے

کوشش کر کے اپنی آواز دھیمی کی۔

''اگر آپ تحمل کا مظاہرہ کریں گے تو سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے......'' انہوں نے انہیں کچھ سمجھانا شروع کیا۔ آپ صرف فی الحال سلطان کے ساتھ اس کا نکاح ملتوی کریں، باقی معاملات مہربانو کی شادی کے بعد طے کرلیں گے......اور ہاں، یہ سب باتیں فقط میرے اور آپ کے بیچ رہنی چاہئیں، ہمارے بچوں کو بھی ان میں سے کسی بات کا علم نہیں ہونا چاہیے، یہ راز ہمارے مرنے تک ہمارے سینوں میں امانت کی طرح محفوظ رہے۔''

جانے کس طرح انہوں نے سلطان اور اپنے بیٹوں کو سمجھایا اور نکاح کا فیصلہ ٹال دیا گیا، مہربانو کی شادی...... حلیمہ آپا کے گھر سے شہربانو اور اعظم کے علاوہ کسی کی بھی شرکت کے بغیر ہوگئی، وہ دونوں بھی مہمانوں کی طرح آئے اور رخصتی ہوتے ہی چلے گئے، ویسے میں بھی شرکت نہ کی، حوا بی بی کا دل کڑھتا مگر کچھ چارہ نہ تھا اور گل بانو اور ہاشم کے بیچ جو کچھ بھی تھا اس کے باعث وہ بظاہر شہربانو کو اور بھی رکھائی دکھا رہی تھیں، تقریب میں مہمانوں کے رش کی وجہ سے ان ماں بیٹی کو تنہائی کا کوئی بھی ایسا لمحہ میسر نہ آیا کہ وہ کوئی بات کر سکتیں۔

☆☆☆

جمال......مہربانو کی شادی کے بعد واپس گیا تو اس نے بتایا کہ اس نے گاڑی لے لی ہے......اس زمانے میں گاڑی خریدنا بہت بڑی بات ہوتی تھی اور ان کا بیٹا اپنے علاقے کا پہلا شخص تھا جس نے گاڑی خریدی تھی، چند دن کے بعد اس نے بتایا کہ اس نے اپنے لیے لڑکی بھی پسند کرلی ہے......یوں ان کا بیٹا خاندان اور برادری کا پہلا شخص ٹھہرا جس نے خاندان، برادری، گاؤں یا اپنا شہر چھوڑ کر ایک شہری لڑکی پسند کی تھی۔ ماں باپ نے اس سے اختلاف کیا، کچھ عرصہ ناراض بھی رہے مگر کب تک بالآخر ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی، ان کی بہو، جمال کے کاروباری ساجھے دار کی بیٹی تھی، صرف نام ہی زیبا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے نام کی تفسیر تھی، حسن اور اس پر ادا، پڑھی لکھی اور طرح دار، نازک مزاج سی زیبا، جمال کے دل کو بہت بھائی تھی اور اسے پا کر ہی اس نے دم لیا تھا مگر زیبا کو نہ بھایا تو جمال کے گاؤں کا ماحول اس لیے جمال کا بھی آہستہ آہستہ گاؤں آنا جانا کم ہوا اور پھر عید، شبِ برات یا کسی خوشی غمی پر ہی اس کا گاؤں جانا ہوتا تھا۔

جمال احمد اپنی پسند سے اور خاندان برادری سے باہر شادی کے اقدام کے علاوہ، انتہائی فرمانبردار بیٹا تھا، شہر میں رہنے کے باوجود اسے اپنے ماں باپ کے آرام کا خیال رہتا، وہ انہیں اپنے پاس شہر لا کر اچھے سے اچھے ڈاکٹروں سے ان کا علاج کرواتا، گاؤں کے گھر کی مرمت، تعمیر اور از سرِ نو تزئین بھی اس نے شہر سے بہترین کاریگروں کو بلوا کر کروائی......یہ اس کی زندگی کا بہترین دور تھا، ہر طرف سے ہن برس رہا تھا۔ اس نے شہر میں اپنا گھر بھی بنوانا شروع کر دیا تھا، اسلام آباد کے ایک انتہائی مہنگے سیکٹر میں اس کے پاس دس کنال زمین تھی اسی کو اس نے گھر کے لیے منتخب کیا تا کہ بڑا گھر بن سکے اور زیبا اس میں خوش رہے کیونکہ اس سے قبل کا وقت اس نے کرائے کے چھوٹے موٹے مکانوں میں گزارا تھا......گاؤں کے کھلے ماحول سے شہر میں آ کر چھوٹے گھروں میں اس کا اپنا دم بھی گھٹتا تھا اور پھر زیبا بڑے باپ کی بیٹی تھی، اسے بھی شایانِ شان رکھنا تھا۔ جس روز اس کے گھر کی تعمیر مکمل ہوئی وہ خود جا کر اپنے والدین کو ساتھ لے آیا اور اس کے نئے گھر میں پہلے قدم رکھ کر ان بزرگوں نے اسے بہت سی دعائیں دیں، اپنے بیٹے کا عالیشان گھر دیکھ کر انہیں دلی سکون اور اطمینان ہوا انہیں بیٹے کے محنت کر کے کمانے پر بھی خوشی تھی اور اس کی بیوی اور اولادوں کو خوش دیکھ کر بھی ان کے پاؤں خوشی کے مارے زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ زیبا کے والدین بھی اپنی بیٹی کی اس راجدھانی کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے......

مہینے میں بھی ایک بار ڈرائیور گاڑی بھیج کر جمال احمد اپنے ابا کو اپنے گھر پر ہفتے بھر کے لیے بلواتا......کبھی

کبھار وہ ابا کو لینے کے لیے خود گاؤں چلا جاتا اور اسے اگر کسی وجہ سے وہاں رات رکنا پڑ جاتا تو اس کے لیے یوں ہوتا جیسے کسی نے اسے کالے پانی کی سزا دے دی ہو، گاؤں سے اس کی کئی تلخ یادیں وابستہ تھیں...... ابا جان کو دل کا دورہ پڑا تو اس کے بعد وہ مستقل جمال کے پاس ہی رہنے لگے تھے کیونکہ ڈاکٹر کی تجویز تھی کہ انہیں اسپتال سے قریب رکھا جائے کہ دوبارہ دل کا دورہ پڑا تو وہ زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے...... کبھی کبھار جمال کے ساتھ گاؤں کا چکر لگا لیتے جمال احمد جب باپ کو لے کر گاؤں جاتا تو بیزاری اس کے چہرے سے عیاں ہوتی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کے عظیم الشان گیٹ سے داخل ہو کر اندر کی طرف جاتے ہوئے، پُر اعتماد رہنے کی کوشش میں ان کے قدم عجیب انداز میں پڑ رہے تھے، کالج تک تو وہ اپنی ذہانت کے جھنڈے گاڑتی ہوئی آئی تھیں یہاں جانے کس طرح کے حالات سے واسطہ پڑنے والا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ تازہ، تازہ وہاں وارد ہوئی ہیں اور کوئی نہ کوئی انہیں فول بنانے کی کوشش کرے گا، جو بھی ان سے کوئی سوال کرتا یا مدد کی پیشکش کرتا تو۔ ”جی نہیں، شکریہ!“ کہہ کر وہ آگے بڑھتیں، اسی وقت لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ایک بڑا گروہ ان کے پاس پہنچ گیا۔

”کہاں سے آئی ہیں آپ مس؟“ سیاہ اسکارف والی کی طرف ابروؤں سے اشارہ کر کے سوال کیا گیا تھا، وہ ذرا سا جھجکی تھی مگر اگلے ہی لمحے سنبھل کر اس نے دیکھا۔

”کیا میں آپ کو بتانے کی پابند ہوں کہ ہم کہاں سے آئے ہیں؟“ اس نے اچانک در آنے والے خوف پر قابو پالیا تھا۔

”کسی حد تک پابند ہیں بھی!“ ایک لڑکے نے شوخی سے کہا۔

”ہم نئے آنے والوں کا بائیو ڈیٹا جمع کر رہے ہیں مس!“ ایک لڑکی نے ایک کاغذ لہرایا۔ ”ہماری ڈیوٹی لگی ہے سو اس لیے آپ سے پوچھا ہے ورنہ ہمیں کوئی شوق نہیں۔“

”میں اپنا بائیو ڈیٹا ہر کسی کو یوں نہیں دیتی، یونیورسٹی کے ریکارڈ میں تمام معلومات موجود ہیں، اس کے علاوہ اگر کسی نے آپ کی ڈیوٹی لگائی ہے تو اسے کہیں وہ خود مجھ سے پوچھ لیں۔“ اس نے اپنے اعتماد کے سارے سرے جوڑے اور جواب دیا۔

”واؤ......“ ایک لڑکی نے ہونٹ سکیڑے...... اس کے ہونٹ میں چاندی کی بالی پروئی ہوئی تھی جس میں دو لال موتی بھی تھے، اسے دیکھ کر کراہت محسوس ہوتی تھی مگر جانے یہ کس طرح کا فیشن تھا۔ ”بڑی ادا ہے!“ اس نے فقرہ کسا۔ ”یعنی کہ یونیورسٹی کے ڈین آپ سے آ کر پوچھیں کہ آپ کہاں سے آئی ہیں؟“

”ہاں!“ اس نے فوراً کہا۔ ”کیوں نہیں؟ کیا وہ انسان نہیں یا انہیں سوال کرنا نہیں آتا؟“ اس کے بلا کے اعتماد کو دیکھ کر وہ گروپ پسپا ہوا......

”چلو یار......“ اسی بالی والی لڑکی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا، نظروں ہی نظروں میں اشارے ہوئے اور ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹا۔ ”اس سے تو پوچھنے والے خود ہی پوچھ لیں گے......“ اس نے ان کے جاتے ہی گہری سانس لی تھی۔

”ہم بھی چلیں؟“ اس نے اپنی ساتھی سے پوچھا، جواب نہ پا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ اسے سکتے میں نظر آئی۔ ”تمنا!“ اس نے اس کے آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

”ہوں!“ اس نے بے خیالی سے کہا۔

”کہاں کھو گئی ہو؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کھو نہیں گئی، متاثر ہوگئی ہوں تم سے۔'' اس کے انداز میں شوخی تھی۔

''باز آؤ ورنہ مار کھاؤ گی۔'' اس نے ہولے سے اس کی کمر پر دھموکا جڑا۔

''ایمان سے میں اکیلی ہوتی تو اچھی خاصی بے وقوف بن جاتی مگر تم نے تو چاروں شانے چت کر دیا اس سارے گروپ کو۔''

''بن جاتیں؟'' اس نے مسکرا کر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا ہو نہیں تم بے وقوف، کسر ہی کہاں ہے مزید بننے کی۔''

''اچھا...... یہ سنہری خیالات ہیں تمہارے میرے بارے میں؟'' اس نے منہ بسورا۔

''اب بھی خطرہ باقی ہے...... آج کا دن کسی پر اعتماد نہ کرنا، پہلا دن ان کا ہوتا ہے، میں نے ان کی شکلوں سے جانچ لیا تھا کہ خواہ مخواہ میں ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

☆☆☆

''چلو اب...... راستہ سمجھ لیا ہے ناں ٹھیک سے؟'' بیزاری لہجے اور چہرے دونوں سے عیاں تھی۔

''جی جناب!'' الیاس کی زندگی میں سب سے زیادہ بولے جانے والے الفاظ غالباً یہی تھے، وہ محتاط انداز سے گاڑی چلاتا تھا اور مالکوں کی موجودگی میں خاموش رہتا، اسے مالکوں کی باتیں سن کر دوسرے ملازمین کے ساتھ ان کا چرچا کرنے کی عادت نہ تھی اس لیے اس پر از حد اعتماد کیا جاتا تھا اور اس کی تنخواہ اور سہولیات باقی ملازمین سے زیادہ تھیں۔ اب چند سالوں سے تو اس کی بیوی اور بچے بھی یہیں کوارٹر میں اٹھ آئے تھے کہ گاؤں میں اس کی ماں کی وفات کے بعد اس کے بیوی بچوں کا تنہا رہنا مشکل تھا، الیاس نے تو جانے کی اجازت چاہی کہ اس کے بال بچوں کا مسئلہ ہے اور وہ گاؤں میں رہ کر کاشتکاری کر لے گا مگر اسے مالکوں نے اجازت نہ دی، تجویز دی کہ اپنے بال بچے بھی یہیں لے آئے تاکہ اس کے بچے بھی شہر میں پڑھ لیں اور اسے بے فکری ہو...... اس کے گھر والوں کو اپنے گھر میں منتقل کرنے میں ان کا بھی فائدہ تھا کہ اس کے بعد الیاس کا چھٹی پر جانا کم ہو جاتا۔

بھٹے سے گزر کر گاڑی اینٹوں کی سولنگ والی سڑک پر چڑھی تو راستہ اتنا ہموار نہ تھا سو ہچکولے سے لگنے لگے، چاروں پہیوں کے زور پر چلنے والی بھاری گاڑی تھی تو اندر بیٹھے ہوؤں کو ہچکولے اتنے محسوس نہیں ہو رہے تھے ورنہ عام گاڑی پر تو ٹھیک ٹھاک کمر توڑ جھٹکے لگتے۔

''مجھے ایک رات پہلے بھیجنے کی کیا تک ہے الیاس...... پاپا کی بھی کچھ سمجھ نہیں آتی۔'' الیاس جانتا تھا کہ وہ مخاطب ضرور تھا مگر اسے اس سوال کا جواب نہیں دینا تھا، مالکوں کی خود کلامی کے بارے میں اسے علم تھا کہ اس میں ملازمین دخل اندازی نہیں کر سکتے۔

دو تین میل...... سات آٹھ کلو میٹر کے بعد ختم ہوئے اور نور پور کی پلیٹ دور سے نظر آئی، ایک گہری سانس کی آواز آئی۔ ڈرائیور آنے والی مشکل کی بابت سوچ رہا تھا۔ چھوٹے صاحب کو تو لندن سے واپس آ کر اپنے ملک کی ہر چیز بری لگنا شروع ہوگئی ہے، انہیں تو شہر میں کچھ پسند نہیں آتا تو گاؤں میں اتنے دن، گرمی میں کیسے رہیں گے۔''

''ایک بات تو اچھی ہے اس گاؤں کی جناب کہ گلیاں اتنی چوڑی ہیں کہ گاڑی...... بلکہ اتنی بڑی گاڑی بھی سہولت سے حویلی تک چلی جائے گی۔'' الیاس نے مثبت بات ڈھونڈ کر نکالی۔

''تو...... اس میں ایسا کیا خاص ہے، ہر گاؤں کی گلیاں ایسی ہی ہوتی ہوں گی۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''تمہیں یوں ہی عادت ہے ہر چیز میں سے کچھ نہ کچھ اچھائی نکالنے کی۔'' الیاس مسکرا کر رہ گیا، اس نے اپنی عمر ان بچوں کے ساتھ گزار دی تھی، اس کے ہاتھوں میں جیسے پل کر جوان ہوئے تھے پانچوں بہن، بھائی۔ اسکول جانا شروع کیا تھا

چھوٹے صاحب نے تو الیاس کو اس کے ساتھ بطور ڈرائیور رکھا گیا تھا، اس وقت گھر میں صرف دو بچے تھے، پھر چند سالوں میں پانچوں بہن بھائی اس کے ساتھ اسکول پھر کالج اور پھر یونیورسٹیوں میں جانے لگے...... شروع میں کبھی کبھار دادا جی ساتھ چلے جاتے تھے مگر الیاس ان کا انتہائی با اعتماد ڈرائیور تھا، اس کی غیر موجودگی میں بیگم صاحب یا صاحب خود بچیوں کو کالج چھوڑنے جاتے تھے، چھوٹے صاحب کے علاوہ باقی سب بچوں کے نام بلاتا تھا اور اس کے ساتھ تعظیم کے لیے صاحب اور بی بی۔

چھوٹے صاحب ایف اے کر کے لندن سدھارے تھے...... پانچ سال تک وہاں پڑھتے رہے، پانچ سال میں پانچ بار گھر آئے تھے اور چند ماہ پہلے ہی وہ مستقل لوٹ آئے تھے اور اب اپنے پاپا کے کاروبار میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے، ان دنوں اس سے چھوٹے بیٹے کی باہر جانے کی تیاریاں تھیں اور اس سے دو تین برس کے بعد اس سے چھوٹے کی تیاری ہوتی......

''ارے نہیں، جناب ہر گاؤں ایسا خوب صورت اور منظم نہیں ہوتا......'' الیاس کو اپنے گاؤں کی وہ تنگ گلیاں یاد آگئیں جن کے دونوں اطراف نالیاں تھیں، جن میں سے پورے گاؤں کے گھروں کا کوڑا کرکٹ گزر کر بو اور گندگی پھیلاتا تھا، بارش ہو جاتی تو نالیوں کا کوڑا ابل کر گلیوں میں پھیل جاتا اور پھر کئی دن تک راہ گیر اس غلاظت میں سے گزرتے رہتے۔

''منصوبہ برائے تعمیر گلیاں اور نالیاں......'' ایک گلی کے موڑ پر بورڈ نظر آیا، اوپر کی موٹے حروف کی عبارت اس نوجوان نے جوڑ توڑ کر کے پڑھ لی اس کے بعد کی تفصیل گاڑی کی رفتار کے باعث اور کچھ اپنی اردو کی کمزوری کی وجہ سے نہ پڑھ سکا...... ممبر یونین کونسل، چوہدری محمد اعظم، اوپر والی موٹی عبارت سے نچلی لائن میں لکھا تھا، اس کے نیچے منصوبے کی دیگر تفصیلات درج تھیں مگر اس کی اردو پڑھنے کی صلاحیت یہیں تک تھی۔

''وہ سامنے حویلی کا گیٹ ہے جناب!'' الیاس کے کہنے پر اس نے چونک کر دیکھا، فاصلے سے نظر آنے والے گیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا الیاس نے...... حویلیاں، اس نے فلموں اور ڈراموں میں ہی دیکھی تھیں، حقیقی زندگی میں حویلی دیکھنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ ہوتا، اس کی نظر ساکت ہو گئی، شام اتر رہی تھی، وہ چند لمحوں میں حویلی میں داخل ہو چکے تھے...... وسیع و عریض حویلی اور اس وقت اس میں سیکڑوں رنگ برنگے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر...... اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے 'زین ان ونڈر لینڈ!' اس کے دماغ میں اپنے لیے تشبیہ آئی، شہروں میں بنے ''ویلج ریسٹورنٹ'' کی شکل سے ملتی جلتی عمارت یا نہیں، فقط باہر سے اس کا رنگ ویسا تھا، دور سے ستونوں اور محرابوں والے برآمدے نظر آ رہے تھے اور یہ سب کچھ کتنا واضح تھا، شاید اس لیے کہ بجلی بند ہونے کے باعث باقی گاؤں تو تقریباً اندھیرے میں تھا، ماسوا ہلکی، ہلکی روشنیوں کے جو...کسی چھوٹے موٹے یو پی ایس کے مرہون تھیں یا پھر لالٹینوں کی مگر اس حویلی کا ایک، ایک گوشہ جگمگا رہا تھا...... اس کے ابرو حیرت سے کمان دار ہو گئے۔

''اتنے لوگوں میں کوئی مجھے کیسے پہچانے گا الیاس؟ کتنا پہلے میں یہاں آیا ہوں گا۔ شاید آٹھ یا دس سال، الجھن ہوتی تھی مجھے گاؤں آنے سے......'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ ''اب بھی سمجھ میں نہیں آرہا کہ پاپا نے ''مجھے'' ہی کیوں اس طرح پہلے بھیجا ہے؟'' اس نے مجھے پر زور دیا۔

''پریشان نہ ہوں چھوٹے صاحب...... سب لوگ آپ کو پہچان لیں گے، آپ بڑے صاحب کی گاڑی میں آئے ہیں اور اس گاڑی کو اس علاقے کی سڑکیں بھی پہچانتی ہیں، بڑے صاحب ہمیشہ خود یہ گاڑی چلا کر یہاں آتے ہیں، آپ کو صرف انتظامات کا جائزہ لینا ہے اور آپ کے ہاتھ بڑے صاحب نے انتظامات کے لیے رقم بھی بھیجی ہے جو آپ نے کمال صاحب کو دینی ہے۔''

''یہ کام تم اکیلے بھی کر سکتے تھے الیاس، مجھے انتظامات کا کیا معلوم اور میں کہاں جانتا ہوں کہ انتظامات کیسے ہوتے ہیں؟'' اس نے گاڑی سے نکلتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

''بڑے صاحب کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو خود آ جاتے مگر چونکہ اس وقت ڈاکٹر نے انہیں سفر سے منع کیا ہے اس لیے اس گھر سے کسی نے حویلی میں نمائندگی تو کرنا تھی ناں...... وہ ان کے بڑے بیٹے کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے، باقی لوگ شہر کے مہمانوں کو دیکھ رہے ہیں...کیونکہ وہاں بھی مہمان اُمڈے پڑے ہیں۔'' الیاس نے اسے سمجھانے کو کہا، وہ الیاس کی معیت میں حویلی کی سمت چلا، اس کی گاڑی کو دیکھ کر لوگ اس کی طرف بڑھ رہے تھے، شاید وہ سمجھ رہے تھے کہ جمال احمد آ گئے ہیں...... رونے کی آوازیں تھیں سسکیاں اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں، اسے پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ اس کے دادا نور احمد کی وفات اس کے خاندان سے بڑھ کر ان کے گاؤں کے لوگوں کے لیے المیہ تھی جو اس وقت غم سے نڈھال ہو رہے تھے، اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بند کر کے مسل دیا تھا......

☆☆☆

''کیسا رہا شٹ؟'' وہ یوں مجھ سے پوچھ رہی تھی جیسے کسی امتحان کی بابت پوچھ رہی ہو۔

''نہیں کر سکی......'' جواب مختصر ترین۔

''کیا؟'' سارہ چلائی تھی۔ ''کہاں تو تم مچل رہی تھیں اور کہاں سستی کا یہ عالم!''

''تم نہیں سمجھو گی سارہ......'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''مجھے واقعی موقع نہیں ملا۔''

''تمہیں واقعی لگتا ہے کہ میں تمہارا مسئلہ نہیں سمجھتی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''معلوم نہیں سارہ...... مجھے تو لگتا ہے کہ اپنے مسئلے کو میں خود بھی نہیں سمجھتی۔'' میں نے کھوئے، کھوئے لہجے میں اعتراف کیا۔ جانے کس طرح میری سارہ سے دوستی ہوئی تھی مگر دنیا میں وہ شاید واحد ہستی تھی کہ جس کے سامنے میں اپنے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا کر لیتی تھی اور دل میں یقین ہوتا کہ وہ کسی سے کہے گی نہیں۔

''تو پھر کسی دن اسکول میں......'' اس نے تجویز دی۔

''اونہوں اسکول میں کیونکر ممکن ہے...... دیکھتی ہوں، کوشش کرتی ہوں کہ اگلے ایک دو دن میں موقع مل جائے۔''

''کوشش کرنا کہ جلدی ہو جائے، دیر ہونا تمہارے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے، ویسے تو میں مناسب ہی نہیں سمجھتی کہ تم ایسا سوچو!''

''مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں استعمال شدہ چیزیں کہاں پھینکوں گی...... مما کی نظر سے کوڑے میں پھینکی گئی چیز بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔'' میں نے اس کی نصیحت کو نظر انداز کیا۔

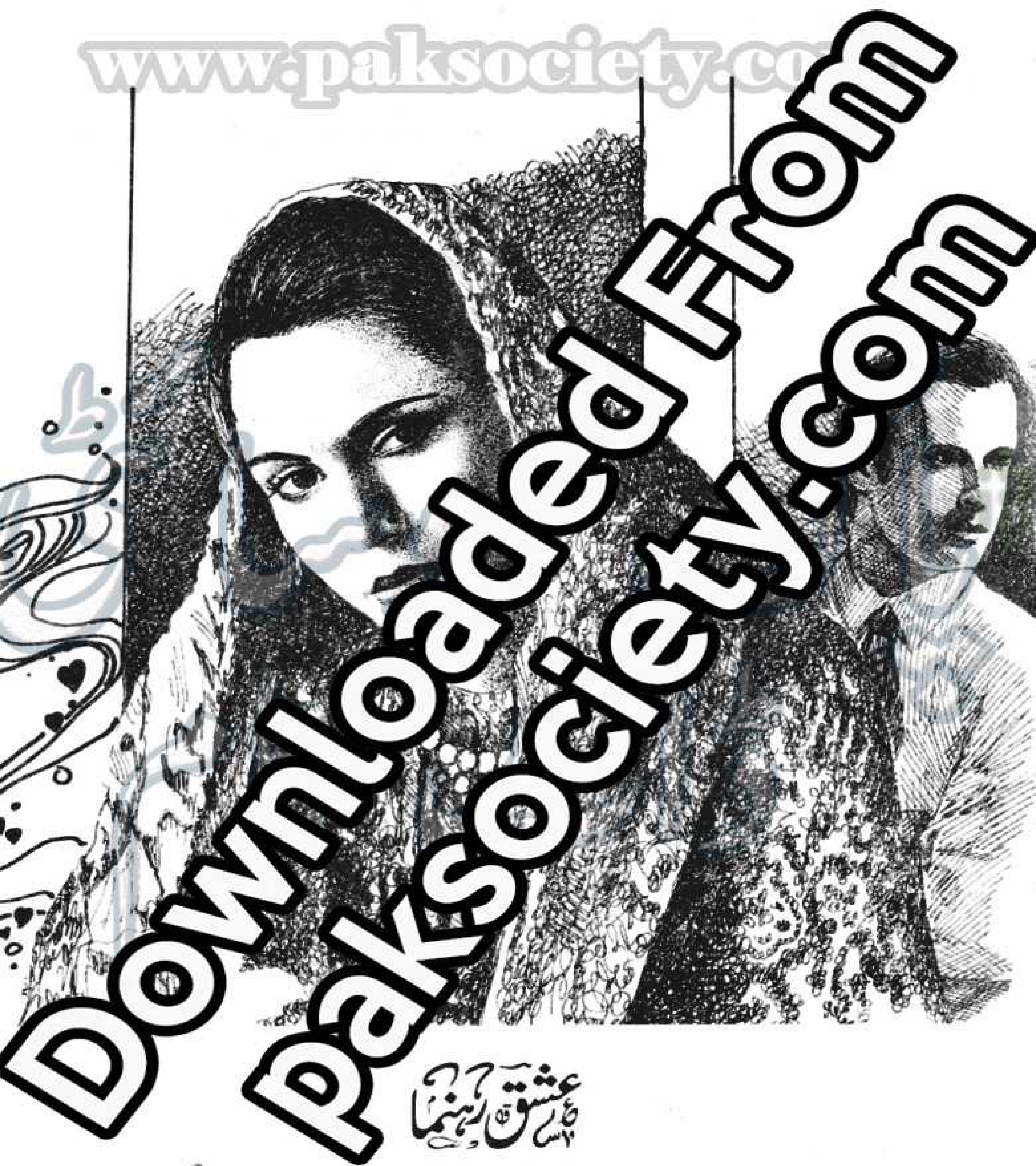
''ہوں......'' سارہ نے ہنکارا بھرا۔ ''چلو اس کا بھی کوئی حل سوچتے ہیں! امید ہے کہ بریک کے وقت تک کوئی نہ کوئی راستہ سوجھ جائے گا۔''

''لگتا ہے کہ دنیا میں اس ایک کام سے ضروری کوئی کام نہیں ہمیں۔'' ہم دونوں کھل کر ہنسے تھے۔

''ڈیوٹی پر دو ٹیچرز کو ہنستے ہوئے دیکھ لیا ناں میڈم نے تو...... تمہیں تمہاری مما کی ڈانٹ بھول جائے گی۔''

''چلو یار اگر ہمارے مقدر میں ڈانٹیں کھانا ہی لکھا ہے تو......'' دونوں نے ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں قدم بڑھائے، دونوں اس وقت کھیل کے میدان میں ڈیوٹی پر تھیں، مڑتے ہی سامنے نظر پڑی تو وائس پرنسپل ان کے قریب ہی کھڑی ان دونوں کو گھور رہی تھیں۔

(جاری ہے)



عشق رہنما

بنتِ زہرا

وہ چاند کے دہکتے وجود کی دلر... نوں سے ہم کلام تھا...... رنگ برنگی پریوں کے نرم گرم پروں کے میٹھے لمس محسوس کرتا سلمان چاندنی رات میں محوِ پرواز تھا' اس کا سارا بدن ایک خوشبو دار گیان کا مہمان تھا۔

چاروں طرف نقرئی وجود جن کے نرم و ملائم سراپے دل میں میٹھی میٹھی چٹکیاں لے رہے تھے۔ وہ پریوں کے دیس کا راجا بن کر بہت آگے تک پرواز کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بازو بڑے، بڑے سفید پروں میں تبدیل

ہو چکے تھے اور سارا آسمان اسے اپنی اڑان کے لیے ناکافی لگ رہا تھا...... جمال فطرت حوروں جیسی رنگ برنگی پریاں اس کے گرد ایک عاشقانہ حصار باندھے اس کی ہم سفر تھیں۔ چاندنی اس کے اڑتے وجود میں لطف کی دھمال ڈال رہی تھی کہ یکا یک آسمان غرانے لگا۔ ساری کائنات میں زلزلہ برپا ہو گیا اور سلمان کا سارا وجود خزاں رسیدہ پتے کی طرح بے قیمت ہو گیا۔ اس کی سماعت میں ایک دھاڑتی آواز نے حشر برپا کر دیا۔

''مریم کیا مُردوں کی طرح پڑتی سوتی ہے، اٹھ جائے بنا تہجد پڑھنے کا وقت ہو گیا ہے......'' حقیقت کی دنیا کتنی کڑوی اور بے رنگ تھی۔ سلمان ماں کے پہلو سے لگا سوچ رہا تھا۔ کیا تہجد پڑھنے کے لیے کسی کی آنکھوں سے خواب چھیننا ضروری ہیں، تیسرے پہر کے میٹھے خواب ہمیشہ ابا کی خوفناک آواز سے ٹوٹتے رہے اور سلمان باپ کی پکار کو رقیب سمجھ کر اپنے مہکتے خوابوں کے جنازے اٹھاتا رہا۔ غصے میں بھری قہرناک آواز اس کے معصوم اور لطیف دل پر خوف کے نیزے چلاتی اور اس کا پورا وجود نفرت کے الاؤ میں سوکھی لکڑی کی طرح جلنے لگتا...... اذان کی آواز ایک نئے جبر کا اعلان کرتی جہاں مولوی لطف اللہ کی کڑک دار آواز اس کے کسمساتے وجود پر کرختگی کے کوڑے برساتی۔

''اٹھ سلمان چل مسجد......'' اور ساتھ ہی مولوی لطف اللہ کی طاقتور ٹھوکر اس کی چارپائی کی چولیں ہلا دیتی۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھتا گویا حکم کی بجا آوری میں تاخیر ایک نئے طوفان کا پیش خیمہ لگتی' وہ میکانکی انداز میں اٹھتا، وضو کرتا اور باپ کے تیز قدموں سے قدم ملاتا مسجد کی طرف چل پڑتا۔ واپسی پر اکثر اس کا اداس اور بے چین چہرہ ماں کے دل پر دلگیری کے تازیانے برساتا' وہ بڑے دھیمے انداز میں سلمان کو پہلو میں بٹھا کر سمجھاتی۔

''دیکھ سلمان صبح تو تجھے رب کی طرف سے نئی زندگی دینے کا اعلان ہے، دیکھ تیرے رب نے تیری نئی زندگی کے استقبال کے لیے کتنی پیاری صبح بنائی ہے مگر تیرے چہرے پر کیسی ویرانی اور اداسی چھائی ہوئی ہے۔'' سلمان کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا اور دور کہیں وجود کے پاتال میں ایک کافرانہ سوچ جنم لینے لگی۔

''یہ صبح ہے یا ابا کی نخوت بھری بادشاہت کا اعلان' جسے سنتے، سنتے کان پک چکے ہیں۔'' غصے میں بھرا سرخ چہرہ تصور میں آتے ہی سلمان ایک عجیب بے چینی اور نفرت سی محسوس کرتا، کراہیت کا ایک معصوم تصور ابھرتا جب مولوی لطافت اندر مسجد میں جا کر نرمی کا لبادہ اوڑھ لیتا، گفتگو میں ایک مبلغانہ رنگ بھرے جب نمازیوں کو محبت، دوستی اور بھائی چارے کے سبق گنواتا تو سلمان کا ننھا سا دل بے چین ہو اٹھتا اس کا جی چاہتا کہ سارے زمانے کو چیخ، چیخ کر بتائے کہ مولوی لطف اللہ پکا منافق ہے، محبت کی بات کر کے ظلم کے کوڑے برساتا ہے اور عورتوں سے نرمی کی تلقین کرنے والا اماں کو پاؤں کی ٹھوکر سے جگاتا ہے مگر اس کی زبان پر خوف کے تالے تھے اور شاید چابی کسی خواب کے آنگن میں گم ہو چکی تھی۔

سلمان کی زندگی میں مولوی لطف اللہ کا جبر ایک ڈراؤنا خواب تھا جو اس کے معصوم جذبوں کو نفرت کی بھٹی میں سلگا کر آتش فشاں بنا رہا تھا۔ ایک خوفزدہ چپ تھی جو سلمان کے وجود میں الاؤ بن کر دہک رہی تھی اور ایک دن اس الاؤ سے اٹھتی چنگاری لبوں سے نکل کر نوٹ بک پر اتری تو کاغذ بھی کانپ اٹھا۔ اس نے اپنی کاپی پر اسکول کی بریک میں اکیلے بیٹھ کر لکھنا شروع کیا۔

''مجھے سونا ہے...... مجھے خواب اچھے لگتے ہیں، خدا (نعوذ باللہ) اور مولوی لطف اللہ دونوں اچھے نہیں لگتے، ابا کا خدا بھی ابا جیسا ہے، سارے لوگ ابا کے ہاتھ چومتے ہیں مگر مجھے ابا کے ہاتھ بہت برے لگتے ہیں۔'' سلمان کی ناپختہ تحریر میں بلا کی شکایت تھی...... مگر یہ سب کچھ لکھنے کے بعد سلمان کا دل بہت ہلکا ہو گیا اسے یوں لگا جیسے کوئی بھاری پتھر سینے سے

سرک کر دور جا گرا ہو......اور پھر سلمان نے ایک کاپی پر روزانہ ایسے ہی تحریری احتجاج کرنا شروع کیا...... یہاں تک کہ اس کے بیان کی ابجدی ترتیب سنورنا شروع ہوگئی۔ گھر میں ابا کے قول و فعل کا تضاد عروج پر تھا اور سلمان کی کاپی گویا مولوی لطف اللہ کا نامۂ اعمال بن چکی تھی۔ زبردستی کی نمازیں سلمان کو اندر سے باغی بنا چکی تھیں۔ وہ اکثر مریم کی اداس آنکھوں میں جھانک کر کہتا۔

''اماں مجھے یہ گھر، مسجد، ابا اور یہ دنیا کچھ بھی اچھا نہیں لگتا......'' مریم کا دل ہول اٹھتا۔

''نہ سلمان ایسا کفر مت بک، تجھے معلوم ہے کہ مسجد اس کا گھر ہے، جو تجھے اور مجھے سانس دیتا ہے، زندہ رکھتا ہے، محبت کرتا ہے۔''

''اونہہ محبت......کون سی محبت اماں؟ کیا خدا ابا سے بھی محبت کرتا ہے، مجھے تو خدا بھی ابا کی طرح لگتا ہے۔'' اور مریم بیچاری کم علمی کی چادر کی بکل مارے کچھ اور اداس ہو جاتی۔

اسکول سے کالج کا سفر بھی باپ کی سخت گیری اور تنگ مزاجی کے سائے میں طے ہوا۔ اب سلمان بلوغت کی سرحد پر کھڑا تھا...... گھر میں مذہب، عبادت اور اخلاق کے سارے بت ٹوٹ چکے تھے۔ وہ تہی دامن کھڑا خالی نظروں سے زندگی کے روشن دور کو ملاحظہ کر رہا تھا......چاروں طرف جبر کی کڑی دھوپ تھی جو اس کے پاؤں جلائے ڈال رہی تھی۔

انہی بے رنگ دنوں میں سلمان کے کالج میں ایک ملک گیر مشاعرے کا اعلان ہوا، ملک کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے شاعروں نے محبت کے نغمے گنگنائے تو سلمان کا اداس دل گنگنا اٹھا۔ اس کے دل میں محبت کی پھوار برسی تو نرم زمین سے خیال کی کونپل نے سر اٹھانا شروع کیا۔ کاش یہ محبت کے تحن اس کے بچپن کی خالی بانہوں میں ہوتے تو زندگی کتنی حسین ہو جاتی۔ یہ مشاعرہ سلمان کے لیے ایک انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا، سلمان کا خالی دل ایک ان دیکھے محبوب کے تصور سے جی اٹھا۔ اسے مولوی اور مذہب ایک ڈھونگ معلوم ہوتے تھے، خدا سے اس کا اعتبار اٹھ چکا تھا، سلمان خالی ہاتھ خالی دل تھا...... جب اس کے جاگتے لمحوں نے سہانے خواب کا روپ بدلا......اس کا قلم کسی کے پیار کی...۔ روشنائی سے سرسبز لمحوں کے گیت لکھنے لگا، جبر کی بھٹی سے آزاد ہوا تو شاخِ خیال پر بلبلِ عشق گنگنانے لگی۔ سلمان موزوں اشعار لکھنے لگا۔

جون کی سلگتی دوپہر تھی جب سلمان کے دل پر مولوی لطف اللہ کے تیز دھار جملوں کی بجلی گری، اشعار کی کاپی مولوی لطف اللہ کے جلال سے کانپتے ہاتھوں میں تھی اور انگارے برساتی آنکھوں میں سلمان کے لیے نفرت اور غصہ......''مریم اس لعنتی سے کہہ دے آئندہ یہ کفر بکا تو گھر سے نکال دوں گا۔'' اشعار سے بھری کاپی کو چولھے میں ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ گویا سلمان کا دل جل جل کر راکھ ہو گیا۔

مشقِ سخن جاری رہی یہاں تک کہ سلمان کسی وومین کالج میں طالب علم شاعر کی حیثیت سے شریک ہوا اور دنیا کا سارا نظام دل کی لے پر محبت کے نغمے گنگنانے لگا۔ لڑکوں سے وہ کھچا کھچ بھرا ہال جس میں چاند چہروں اور ستارہ آنکھوں کا پہرہ تھا۔ اپنی باری پر سلمان کچھ ہڑبڑایا ہوا، شرمایا ہوا آگے بڑھا، غزل کا مطلع پیش کیا۔

ہمارے دل پر وحی کی صورت گلاب اترے
ہماری آنکھوں پر ساری دنیا کے خواب اترے

سیٹیوں اور داد کے شور نے سلمان کے دل کو گدگدانا شروع کیا، اسے محسوس ہوا جیسے وہ ماں کے پہلو میں وہی سہانا خواب دیکھ رہا ہے، جس میں وہ رنگ برنگی خوشبودار اور مہربان پریوں کے حصار میں اڑانیں بھرتا آسمان کی طرف اُڑتا چلا جاتا تھا۔ غزل کے بقیہ اشعار سناتے ہوئے اس کی نظر ہال کے ایک کونے میں پڑی جہاں ایک چہرہ سارے جہان کا حسن سمیٹے سر نہوڑائے کلام لکھنے میں مشغول تھا، بس نگاہ اٹھانے کی

دیر تھی کہ سلمان کا سارا وجود کسی میٹھے پانی کے کنویں میں اترنے لگا۔ جہاں بس وہ تھا اور کنویں کی گہری خاموشی میں میٹھے پانی کا جلترنگ...... جو اس کے پیاسے لبوں کو بے قرار کرتی چلی جارہی تھی۔ پیاسا کنویں تک پہنچ گیا تھا...... واد کے شور میں اس کی آنکھیں اس پری چہرہ پر مرکوز رہیں جو سفید آنچل سر پر ٹکائے بڑی سنجیدگی سے اس کے اشعار کاپی پر لکھتی چلی جارہی تھی......

سلمان پر ایک ناقابلِ بیان، انوکھی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کا خالی دل ایک مسرور بھری چبھن محسوس کر رہا تھا، ایک عجیب سی بے قراری کی کیفیت تھی، مشاعرہ ختم ہوا اور سلمان کی نئی زندگی شروع ہوئی۔ واپسی پر اس کے قدم ایک نئی چال سے متعارف ہو رہے تھے۔ لڑکیاں ٹولیاں بنائے قہقہے لگاتی ہال سے رخصت ہو رہی تھیں۔ کالج کی پرنسپل اور اسٹاف شاعروں کی خاطر تواضع کے لیے انہیں اپنے آفس سے منسلک روم میں لے آئیں، چائے پینے کے بعد جب سلمان کالج کے گیٹ کی طرف روانہ ہوا تو اس کی بے قرار نظریں سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیوں میں اس پری چہرہ کو تلاش کرتی رہیں جو ایک لمحے میں سب کچھ چرا کر لے جا چکی تھی۔

اس دن شام کو سلمان چارپائی پر تکیے کی ٹیک لگائے مسلسل کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، مریم دو مرتبہ آکر اسے دیکھ چکی تھی، آج سلمان کا چہرہ کھلا کھلا اور تروتازہ لگ رہا تھا۔ مغرب کی اذان ہوئی تو مریم نے نرمی سے اس کا کندھا ہلایا۔

''بچے اٹھ ناں، مغرب ہو چلی ہے، نماز کا وقت ہے رب کی بارگاہ تجھے بلا رہی ہے۔'' سلمان کی ایک ناراض نظر نے مریم کو ہولا دیا۔

''ہائے میرا بچہ کیسا نادان ہے مولوی کے گھر میں نماز سے کترانے لگا ہے۔'' اسی اثنا میں مولوی لطف اللہ اپنی کرخت صورت اور گونجدار چاپ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔

''مریم بول تیرا لاڈلا مسجد کیوں نہیں آیا، کفر اختیار کرنے چلا ہے یا گمراہ ہو گیا ہے؟ عشا میں مسجد نہ پہنچا تو ٹانگیں توڑ دوں گا اس حرام خور کی......'' یہ جملے سماعت میں اترتے ہی سلمان کے کان غصے سے سرخ ہونے لگے۔

''ابا مسجد کا ٹھیکدار بنا پھرتا ہے وہاں اخلاقیات کے درس دیتا ہے اور گھر میں بد اخلاقی کے ریکارڈ توڑنے میں لگا رہتا ہے۔ ڈنڈے والی نماز پڑھا کر سمجھتا ہے کہ خدا راضی ہو گیا۔ مگر خدا نے اپنی مسجد کے لیے ایسے ڈنڈا بردار نمائندے کیوں بنا رکھے ہیں جو ہر ایک پر کفر کے فتوے لگا کر ان سے جبری عبادت کرواتے ہیں۔'' بہت سی باغیانہ سوچوں نے سلمان کا منہ کڑوا کر دیا آج سلمان نے بغیر نماز پڑھے سر بستر پر رکھا اور بغیر کچھ کھائے سو گیا۔

بہت سے اداس دن گزر گئے، سلمان کے کلام میں ایک خاص قسم کی تاثیر اور بیدار جذبوں کی آمیزش ہوئی تو شعروں میں عاشقانہ تغزل پوری آب و تاب سے نکھر کر سامنے آنے لگا۔ ادیبانہ مہارت اور شاعری کی بدولت اسے کالج کی لٹریری سوسائٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ دل بے قراری سے بھرا تھا۔ اب سلمان کے خواب پریوں سے چھڑ کر اسی ستارہ آنکھوں والی حسینہ سے آباد ہو چکے تھے، کبھی سوچتا کہ گرلز کالج کے دروازے پر کھڑا ہو کر سارا دن اس حسینہ کا انتظار کرے مگر دوسرے ہی لمحے عقل مشورہ دیتی کہ ''میاں کل مشاعرے میں واد سمیٹ کر آئے ہو تمام لڑکیاں کیسی معنی خیز نظروں سے گھوریں گی تمہیں...... کیا، کیا باتیں بنائیں گی۔'' کوئی ہمراز تھا نہ ہمدم سختیوں کی دھوپ میں سلمان تنہا رہ گیا تھا نہ کوئی جگری یار نہ کوئی ہمراز بس ماں تھی جو کبھی، کبھی بڑی متفکر نظروں سے گھور کر کہتی۔

''بچے تو کالج میں کیا پڑھتا ہے؟ کھویا، کھویا سا رہتا ہے، اب تو ابا کی جھڑکیوں پر بھی بے پروا رہتا ہے۔'' اب وہ ماں کو کیا بتاتا کہ دل پر ایا ہو گیا ہے اب میں کیا اور میری اوقات کیا؟

وہ دسمبر کی سنہری صبح تھی جب سورج دھند کے

نقاب پلٹ کر دھیرے سے جگمگایا تھا...... سینے تک ٹھنڈک پھیلاتی سانسیں سلمان کے اندر کی تپش کم کر رہی تھیں، جب پرنسپل نے سلمان کو دفتر طلب کیا اور حکم جاری کیا کہ اگلے ہفتے کالج میں تقریری مقابلہ ہے، ارد گرد کے مقامی کالجز میں دعوت نامے تقسیم کرنا ہے اور امیدوار طلبا کے نام فہرست میں شامل کرنا تھے، سلمان کا دل سینے سے نکلنے کو بے تاب ہوا جب اس نے کالجز کی فہرست میں اس گرلز کالج کا نام دیکھا۔ جہاں وہ اپنا سب کچھ ہار کر آیا تھا۔ وہ ساری رات جاگ کر صبح کا انتظار کرتا رہا۔

کالج میں داخل ہوتے ہی دعوت نامے سنبھالے اور تیز قدموں سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ صبح کے نو بجے تھے، سفید لباس پہنے لڑکیاں اٹھلاتی، گنگناتی کالج کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھیں...... سلمان کی دھڑکن تیز تھی اور آنکھوں میں ستارے دمک رہے تھے، ایک عجیب سی گھبراہٹ تھی، جس میں قدم لڑکھڑا رہے تھے، وہ جانے کب پرنسپل کے آفس پہنچا...... دعوت نامہ پیش کیا اور طالبات کے ناموں کا انتظار کرنے لگا، پرنسپل نے فون اٹھا کر حکم جاری کیا کہ لٹریری سوسائٹی کی صدر کو بھیجو فوراً۔ سلمان صوفے پر اس طرح ساکت بیٹھا تھا... جیسے ذرا سا ہلا تو خواب ٹوٹ جائے گا۔ اس کے دل میں ایک عجیب وسوسہ اٹھا کہ کہیں یہ خواب ابا کی چنگھاڑتی آواز سے ٹوٹ نہ جائے...... کوئی لڑکی کاغذ سنبھالے آفس کے دروازے سے اندر داخل ہوئی...... سلمان کی نگاہیں اٹھیں اور پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ وہ غیر ارادی طور پر کھڑا ہو گیا، ہاتھوں میں موجود دعوت نامے زمین پر گر پڑے اور ہونقوں کی طرح ساکت اور ششدر کھڑا اس پری چہرہ کے خدوخال میں کھو ...... سا گیا۔ تعبیر خود چل کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ لڑکی نے بھی کئی مرتبہ پلکیں جھپکا، جھپکا کر اسے پہچاننے کی کوشش کی چند ہی لمحوں کے بعد اس کے ہونٹوں پر ایک شناسائی سے بھری مسکراہٹ ابھری گویا اسے اذنِ بار یابی مل چکا تھا...... آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک نامعلوم سی شناسائی کا رشتہ استوار ہو چکا تھا، لڑکی نے دوپٹا درست کرتے ہوئے طالبات کے ناموں کی لسٹ سلمان کے حوالے کی، وہ کاغذ جو اس پری وش کے ہاتھوں سے سلمان کے ہاتھوں میں منتقل ہوا، ایک عجیب سی تسکین کا سامان بن گیا۔ واپس جاتے ہوئے سلمان نے پہلے پرنسپل اور پھر اس دشمنِ جاں کو ہاتھ ماتھے تک لے جا کر خدا حافظ کہا اور اس سفید کاغذ کو باہر نکل کر کئی مرتبہ اپنے چہرے سے لگا کر لمبی، لمبی سانسیں لیں، کبھی تحریر کو آنکھوں سے دل میں اتارا گویا یہ کاغذ کا حقیر سا پرزہ نامۂ محبوب کی طرح اس کے دل کو گدگدا رہا تھا۔

دو دن گزر گئے۔ سلمان کا دل اسی ایک مختصر کی ملاقات کے لمحے ورد کرتا رہا۔ سفید دوپٹے میں اس کا پاکیزہ حسن سب سے الگ سب سے منفرد تھا۔ تقریری مقابلے کا دن آ پہنچا، صبح سے سلمان پاگلوں کی طرح اس پروگرام کے انتظامات کر رہا تھا۔ سارے شہر کے کالجز مدعو تھے، سلمان چاہتا تھا کہ ایک یادگار پروگرام ترتیب دے تا کہ پرنسپل اس کی کارکردگی سے مسرور ہو جائیں۔ کالج کے داخلی دروازے پر کھڑا آنے والے مہمانوں کا استقبال کرتا ہوا سلمان سانس بھی لینا بھول گیا جب ایک خاتون پروفیسر کے ساتھ تین لڑکیاں داخل ہوئیں، باوقار انداز میں چلتی وہ لڑکی جو سلیقے سے دوپٹا لیے ہوئے تھی کوئی اور نہیں اس کی خوابوں کی حسین شہزادی تھی جس کے نام تک سے ناواقف سلمان اپنا سب کچھ اس کے نام کر چکا تھا، ایک جھر جھری لے کر سلمان ہوش کی دنیا میں آیا، اسے چاروں طرف مانوس سی خوشبو محسوس ہو رہی تھی کوئی بہت ہی دھیمی سی مسکراہٹ اس گلاب سراپے سے نکل کر اس کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔

تقاریر شروع ہوئیں، اسٹیج سے اعلان ہوا۔ ”اب آپ کے سامنے فاطمہ گل اپنے خیالات کا اظہار کریں گی۔“ سلمان سانس روکے دیکھ رہا تھا کہ وہی ہوش اڑا

دینے والی لڑکی دھیمی چال چلتی بڑے وقار سے ڈائس پر آئی آنکھ بھر کر سامعین کو دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ ڈائس کے کونوں پر رکھ کر پورے اعتماد سے بولنے لگی اسے دہشت گردی اور موجودہ حالت کے حوالے سے تقریر کرنا تھی اور وہ لفظوں کی ساحرہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے لفظوں میں ایسی .... روانی تھی جو سننے والوں کو مبہوت کیے ہوئے تھی، آخر میں بڑے درد بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

”ساری ماؤں کے کلیجوں سے دھواں اٹھتا ہے
اب تو موسیٰ کسی فرعون کے گھر سے نکلے“

حاضرین نے کھڑے ہو کر داد دی اور الوداعی تالیاں بڑی دیر تک پنڈال میں گونجتی رہیں۔ سلمان ساکت بیٹھا تھا، اس کی ذہنی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ کبھی اس حسین ساحرہ کے میٹھے اور بے ساختہ لہجے کی مٹھاس سے اعصاب معطر ہوتے اور پھر اس کے کانوں میں مولوی لطف اللہ کی مغلظات سے بھری دلشکن دھمکیاں سنائی دینے لگتیں......سلمان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، اسی کیفیت میں کسی لڑکے نے پرنسپل کا پیغام پہنچایا۔

”سلمان یار تمہیں پرنسپل یاد فرما رہے ہیں......“

سلمان تیز قدموں سے پرنسپل تک پہنچا۔ پرنسپل صاحب کا فرمان ہی جیسے سلسبیل حیات کا کوئی انوکھا پروانہ تھا جب سلمان کے کانوں میں ان الفاظ نے رس گھولا کہ۔

”بیٹے سلمان تمام امیدوار طلبا اور طالبات کو ڈراپ کرنے کی ذمے داری ہماری ہے، تم کالج بس پر اپنی نگرانی میں سب اسٹوڈنٹس کو ان کے گھروں تک ڈراپ کر دو۔“

سلمان کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے، ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے جب اس نازک سی لڑکی نے بس میں قدم رکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی ستارہ آنکھوں میں شناسائی کا سایہ لہرایا۔ مگر پھر نگاہیں جھکیں اور اس نے اپنی سیٹ سنبھال لی، اس کے ساتھ اس کی تین ساتھی طالبات بھی موجود تھیں۔ سلمان عین ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا لڑکیاں فاطمہ گل کو اس کی بہترین پرفارمنس پر مبارک باد دے رہی تھیں۔ اور وہ بڑے میٹھے لہجے میں ان کا شکریہ ادا کر رہی تھی...... یکایک اس نے سلمان کی طرف دیکھا اور بس اتنا کہا۔

”جناب آپ کی شاعری اس دن بہت پسند آئی۔“ یہ جملہ تھا کہ سلمان کے لیے کھل جا سم سم کا اسم اعظم تھا۔ سلمان نے جھک کر شکریہ ادا کیا، آواز گلے میں اٹک گئی لہجہ بھرا گیا اور سلمان اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اس کا دل چاہا کہ ماں کے پہلو میں آنکھیں بند کر کے سو جائے اور آسمان پر اس حسینہ کے ساتھ اتنا اڑے کہ پر جواب دینے لگیں جہاں کوئی مولوی لطف اللہ نہ ہو اور نہ ہی... خواب ختم ہو۔

لڑکیاں دوبارہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”فاطمہ یار اتنی بڑی کامیابی کو کیسے سیلبریٹ کرو گی؟“ وہ ہمہ تن گوش تھا جب فاطمہ گل کا محبت سے بھرا میٹھا جملہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

”بھئی سب سے پہلے جا کر اپنے رب کا شکر ادا کروں گی۔ اپنے انیس کو سجدہ کروں گی جس نے میری زبان میں گویائی کی طاقتیں بھر کر مجھے ہزاروں لوگوں میں خاص بنا دیا۔“ فاطمہ کے چہرے پر ایک عجیب عاشقانہ مسکراہٹ تھی، سلمان کو محسوس ہوا جیسے وہ خدا کو دیکھ رہی ہے۔

”میں روز صبح اپنی ساری کامیابی اس کے حضور پیش کرتی ہوں جو ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کی حضوری مجھے اپنے وجود کے گرد ایک مہربان حصار کی طرح محسوس ہوتی ہے وہ جو کچھ عطا کرتا ہے، اس کا عوض بھی طلب نہیں کرتا ایسا سخی محبوب مل جائے تو دل پھر کسی محبوب کا متمنی نہیں رہتا۔“ فاطمہ اپنی سہیلیوں سے نہیں خود اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ ایک خود سپردگی کا نور تھا جو اس کے چہرے پر کھل رہا تھا اور

پھر اس نے اپنی ساتھ والی دوست کا ہاتھ پکڑا اور رسیلے لہجے میں ایک شعر گنگنانے لگی۔

''دیارِ خواب میں رہتی ہوں اس یقین کے ساتھ
میرے لیے میرا رب صبح شام جاگتا ہے''

سلمان کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا اس نے تو خدا کو مولوی لطف اللہ کی غضب ناک ڈکشنری میں فقط زبردستی کے سجدوں میں پایا تھا...... وہ سوچ رہا تھا کہ میری ساری صبحیں اور سہانی راتیں اذانِ مسجد اور نماز کی نذر ہوئیں، نیم خوابیدگی کی حالت میں لڑکھڑاتے ہوئے مسجد پہنچا اور پھر بازو پر ابا کی بے رحم گرفت، بغیر قرآت کے نمازیں جو ابا کے جبری حکم پر پڑھیں، اسے یاد آ رہا تھا کہ ابا سے بدلہ لینے کے لیے وہ نماز میں کوئی قرآت کیے بغیر اٹھتا بیٹھتا رہتا تھا...... خدا کے ذکر پر سلمان کو عجیب وحشت نے آگھیرا...... فوراً اٹھ کر ڈرائیور کے پاس جا بیٹھا۔

''خدا بھلا کسی کا دوست و غمخوار کیسے ہو سکتا ہے، وہ تو ڈر خوف اور زبردستی کا خدا ہے۔'' اس کے دماغ کے کسی کونے سے آواز ابھری، سلمان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ نمائش پر بس پہنچی تو فاطمہ گل نے ڈرائیور کو رکنے کے لیے کہا۔

''بس مجھے یہیں پر اتار دیجیے۔'' سلمان ایک... جھرجھری لے کر حقیقت کی دنیا میں آیا اور فوراً بولا۔

''نہیں محترمہ، آپ گھر کا پتا بتائیں ہم آپ کو گھر پر ہی ڈراپ کریں گے۔'' فاطمہ نے تشکر بھری نظر اس پر ڈالی اور آہستہ سے بولی۔

''بس یہیں سامنے سولجر بازار میں ہی گھر ہے۔'' سلمان نے ڈرائیور کو اس کی بتائی گئی سمت کی طرف مڑنے کا کہا سامنے والی اونچی بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر چھوڑنے کی اجازت مانگی اور پھر ڈور بیل پر دروازہ کھلا، ایک انتہائی خوش شکل نورانی اور باریش شخص نے بڑے محبت بھرے میٹھے لہجے میں سلام کیا۔ سلمان نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔ ایک عجیب محبت بھرا لمس تھا سلمان کو اپنے بے رحم باپ کا غضب ناک

چہرہ یاد آنے لگا اور گھر سے باہر ایک، ایک نمازی کے ساتھ محبت بھری مسکراہٹ نچھاور کرتا مولوی لطف اللہ یاد آیا...... اسے محسوس ہوا جیسے یہ شخص بھی گھر سے باہر آ کر منافقت کا لبادہ اوڑھ چکا ہے...... بس دل میں ایک اطمینان تھا کہ فاطمہ گل کا گھر اسے معلوم ہو چکا تھا۔

''آپ؟'' مسکراتے ہوئے شفیق لہجے میں اس شخص نے سلمان کو مخاطب کیا۔

''جناب میں بوائز کالج کی لٹریری سوسائٹی کا صدر ہوں، آج ہمارے کالج میں تقریری مقابلہ تھا اس کے بعد طلبا و طالبات کو گھر تک پہنچانے کی ذمے داری میرے سر تھی سو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں......'' سلمان نے فوراً کہا۔ بزرگ نے بڑی محبت سے سلمان کا کندھا تھپتھپایا اور اپنا تعارف کرایا۔

''میں مولوی معظم علی ہوں، یہیں ایک مقامی مسجد میں پیش نماز ہوں۔'' سلمان کا دل ڈوبنے لگا اسے چاروں طرف اذان کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور ساتھ ہی مولوی لطف اللہ کے چار پائی کو غضب ناک ٹھوکر لگاتے پاؤں، اماں کا خوفزدہ چہرہ اور مسجد کی طرف دوڑتا ہوا سلمان، بے روح نماز اور پھر ابا کے ساتھ واپسی جس میں بے شمار منافقانہ مناظر اس کے دل کو نفرت سے بھر دیا کرتے تھے...... سلمان غیر ارادی طور پر تیزی سے واپس پلٹا بغیر خدا حافظ کیے تیز قدموں سے بس میں سوار ہو گیا۔

دو دن تک وہ انتہائی بے قرار رہا، اسے ساری دنیا کے مرد مولوی لطف اللہ معلوم ہوتے تھے...... مگر پھر اس کا دل باغی ہو کر اپنی سنانے لگا...... اور اس کے قدم مولوی معظم کے گھر کی طرف اٹھنے لگے...... دروازے پر بیل دینے کے بعد سلمان کا دل چاہا کہ الٹے پاؤں دوڑ جائے مگر دیر ہو چکی تھی، دروازہ کھل چکا تھا اور مولوی معظم علی کا مسکراتا چہرہ سامنے تھا۔ سلمان نے جلدی سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں آنے کا مقصد بیان کیا۔

''قبلہ، وہ میں آپ سے...... دراصل میں آپ سے مل کر ایک شرعی مسئلہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔''

''کیوں نہیں برخوردار بڑے شوق سے پوچھو...... بلکہ چلو عصر کی اذان ہونے والی ہے مسجد کی طرف چلتے ہیں۔ نماز بھی پڑھ لینا اور مسئلہ بھی دریافت کر لینا۔''

سلمان کا منہ کڑوا ہو گیا۔ ''مسجد! کیا قسمت ہے کہ ہر مرتبہ بات مسجد تک ہی پہنچتی ہے۔'' اسے مولوی معظم کی جگہ مولوی لطف اللہ کھڑا محسوس ہوا جو خونخوار نظروں کے خنجروں سے اسے مسجد کی طرف ہانک رہا تھا...... اس کا دل چاہا چیخ، چیخ کر کہے۔ ''مولوی معظم علی، تمہیں تمہاری مسجد مبارک، مجھے مسجد نہیں جانا میرے جسم پر جتنے نشان ہیں وہ مسجد کے دیے ہوئے ہیں......'' مگر سلمان مجبور تھا مرے، مرے قدموں سے مولوی معظم علی کے ساتھ، ساتھ چل پڑا...... مولوی صاحب نے سلمان کا ہاتھ تھاما اور بڑے مہربان انداز میں دباتے ہوئے کہنے لگے۔

''میاں!''

''سلمان نام ہے میرا قبلہ......''

''اچھا، اچھا سلمان تم نے کبھی غور کیا۔ یہ کیسی بے انصافی ہے کہ وہ جھولیاں بھر، بھر دیتا ہے اور ہم پانچ منٹ کی نماز پڑھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ حق ادا ہو گیا...... یہ سانسیں، یہ صبح شام کی نعمتیں، یہ مسلسل اٹھتے قدم، یہ بیکراں بصارت، یہ انعامات کی فراوانیاں، یہ صحت و تندرستی، یہ قوت گویائی سب کچھ عطا کرنے والا کتنا بے نیاز ہے۔ کبھی احسان نہیں جتلاتا کبھی عوض طلب نہیں کرتا بس کچھ عاشقانہ سخن سننے کا منتظر رہتا ہے اور ہم تیرہ بخت چند لمحوں کی ستائش بھی نہیں کر پاتے۔'' وہ ان کی طرف ہونق نظروں سے دیکھ رہا تھا، گیا۔ وہ اس کی ناگواری بھانپ گئے تھے۔

''سلمان میاں کبھی سجدے میں سر رکھ کر نعمتوں کو یاد کرو تو تمہارا وجود سراپا عشق ہو جائے اور اس معشوق کا کیا کہنا جو تمہیں ٹھوکر تک نہیں لگنے دیتا۔ تمہارے پل، پل میں شریک رہتا ہے۔'' مولوی معظم علی دھیمی چال چلتے میٹھے لہجے میں بولتے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



چلے جارہے تھے اور سلمان آنکھیں ملتا ہوا بیداری کے پہلے زینے پر قدم رکھ چکا تھا۔

''سلمان مجھے فاطمہ نے بتایا ہے کہ تم بہت اچھے شاعر ہو۔ بھئی کتنا کریم ہے وہ محبوب جو اپنے عاشق کی زبان کو لوگوں میں محبوب بنا دیتا ہے۔ سلمان اس کو پانے سے پہلے خود کو اتنا خالص کرلو کہ وہ خود تم تک آجائے خود تمہیں منظورِ نظر بنالے...... مجھے بیس سال ہوگئے مسجد میں پیش نمازی کرتے مگر ہر دفعہ نماز میں اس کی ملاقاتِ عشق کا اپنا ہی سرور ہوتا ہے اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔ میں بے قرار رہتا ہوں اس سے اگلی ملاقات کے تصور میں...... بس جب اس سے ملاقات کی نیت باندھ لو تو دنیا سے ہوائی جہاز کی طرح اپنے پہیے اٹھالو پھر صرف تم اور تمہارا خدا...... بندہ عشق کی یہ اڑان تمہیں ایسے جہانوں پر لے اڑے گی کہ دنیا اور دنیا والے سب حقیر نظر آئیں گے...... تم عشق کے پروں سے اتنا اونچا اڑو گے کہ کائنات تمہیں ہیچ معلوم ہوگی اور یاد رکھنا سلمان یہاں عاشق کبھی ناشکرا اور احسان فراموش نہیں ہوتا، وہ محبوب کے دیے ہوئے ایک، ایک تحفے کو سنبھال کر رکھتا ہے۔ اس کی ایک' ایک لطف کی نظر کا ممنون رہتا ہے۔ آؤ آج ہم دونوں ایک نئے انداز سے اس کے گھر چلتے ہیں جو اتنا کریم ہے کہ بادشاہوں کا بادشاہ ہو کر بھی اپنے پیاروں سے ملنے کا مشتاق رہتا ہے۔ اپنے گھر بلاتا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ میرے گھر نہیں آتے تو چلو اپنے گھر بلالو، میں وہاں پر بھی تمہیں ملنے آؤں گا۔'' یہ باتیں تھیں یا کوئی جادو...... سلمان نے غیر ارادی طور پر مولوی صاحب کا ہاتھ تھام لیا اور گلوگیر لہجے میں بولا۔

''مولوی صاحب میں نے تو خدا کو اپنے باپ کی زبان سے سمجھا مگر آج میری تنہائی، محرومی اور اداسی کی برف پگھل رہی ہے میرے دل میں ایک عجیب سی کیفیت ہے، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں...... ایسا ملاقاتی ہوں جو آج پہلی مرتبہ اس سخی محبوب کا در کھٹکھٹائے گا، کیا اذنِ باریابی مل جائے گا؟ وہ خواب جو میری زندگی کی واحد خوشی تھے وہ بھی تو اسی نے دکھائے...... اور آج یہ شعر وسخن کی طاقت بھی تو اسی نے دی جسے میں نے کبھی دل سے یاد کیا۔ کبھی ایک کلمۂ شکر تک ادا نہ کیا اور وہ دیتا چلا گیا...... کاش مولوی صاحب آپ مجھے بہت پہلے مل گئے ہوتے۔''

''نہ سلمان میاں نہ، ایسا نہیں کہتے میں کیا اور میری اوقات کیا؟ یہ بھی اسی کی مہربانی ہے جو ہاتھ پکڑ کر اپنے بیمار بندے کو طبیب کے حوالے کرتا ہے۔ موسیٰؑ نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد خدا کے سامنے سرخروئی کے کلمات کہے تو خدا نے کہا نہ موسیٰؑ نہ جب فرعون غرق ہورہا تھا تو اس نے تجھ سے کہا تھا موسیٰؑ تجھے اپنے رب کا واسطہ مجھے غرق ہونے سے بچالے۔ مگر موسیٰؑ تو نے اسے نہ بچایا اگر میں تیری جگہ ہوتا اور فرعون تیرے صدقے میں امان مانگتا تو میں خدا اس خدائی کے مجرم کو بھی معاف کردیتا...... وہ تو معاف کرنے پر آمادہ ہے ہر لمحہ، ہر پل...... مگر ہم ہی فرعون بنے رہتے ہیں، سلمان میاں! نوحؑ مٹی کے برتن بناتے تھے ایک مرتبہ ایک گاہک نے برتن خرید کر نوحؑ کے سامنے توڑنا شروع کیے نوحؑ تڑپ اٹھے کہا اے بندۂ خدا میرے سامنے میرے بنائے ہوئے برتن مت توڑ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اور پھر خدا نے نوحؑ سے کہا تھا اے نوحؑ میں نے بھی دنیا اسی چاؤ اور محبت سے بنائی تھی تیری ایک فرمائش پر ختم کر ڈالی...... ہاں سلمان میاں وہ تو اپنے بندے کی چاہت کو اپنی چاہت بنالیتا ہے اس کے اشارے پر زندوں کو مردہ کردیتا ہے۔'' مولوی معظم علی اسے کس دنیا کی سیر کرا رہے تھے اس کے دل ودماغ کی پرتیں کھلتی جارہی تھیں یہ لفظ تھے کہ کوئی نشہ تھا جو سلمان کے رگ و پے میں عشق کی پُرلطف کیفیت بپا کرتا چلا جارہا تھا۔ اس کا دل چیخ چیخ کر اقرار کررہا تھا۔'' میں کتنا احسان فراموش تھا، کتنا بے ادب تھا کتنا بے عقل تھا جس نے اپنی شہ رگ سے قریب محبوب کو مولوی لطف

اللہ کے کردار میں تلاش کیا۔“

مسجد میں مولوی معظم علی نے نماز کی اقتدا کی تو سلمان کو لگا کہ آج وہ پہلی مرتبہ نماز پڑھ رہا ہے، ایسا دلربا لہجہ اور ایسا شیریں انداز کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہوئے سلمان کا دل چاہا کہ وہ اس عاشقانہ صدا کو دُہراتا چلا جائے...... یہاں تک کہ سانس بدن سے جدا ہو جائے۔ آنسو اس کی آنکھوں سے کھل کر رخساروں پر رواں تھے۔ اس کے اندر کی دنیا میں ایک بھونچال برپا تھا اور پھر بہت سارا رو لینے کے بعد اس کے وجود میں ایک میٹھی تسکین نے سر اٹھایا، سکون کا وہ احساس آج تک نہ مل سکا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خدا ہمہ تن گوش ہے اس کے ایک، ایک اظہار پر جواب دے رہا ہے اس کی اشک بھری آنکھوں میں سکون کا نور بھر رہا ہے...... اسے چاروں طرف اس کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ نماز تمام ہو چکی تھی مگر وہ ہنوز دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھائے بیٹھا تھا۔ روتے، روتے سلمان نے جیب سے قلم نکالا اور مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگا۔ ایک حمدیہ نظم لکھ کر اٹھا تو حیران تھا کہ عشقِ خدا کتنا بلیغ ہے جو الہام بن کر قلب و نظر کو اپنا اسیر بنا لیتا ہے۔ سلمان کے دل کی دنیا بدل چکی تھی، واپسی پر مولوی معظم علی کے ہاتھ چوم کر رخصت ہوا تو بہت پُرسکون تھا۔

رات بستر پر لیٹا تو آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔ سہانا خواب شروع ہو چکا تھا سلمان آسمان کی بلندیوں پر محوِ پرواز تھا...... اس کی آنکھیں مزید...... اونچائیوں کو ناپ رہی تھیں۔ اسے اپنا بدن ایک پرندے کی طرح بے وزن معلوم ہو رہا تھا۔ آج کوئی مہربان پری اس کے ساتھ نہیں تھی فقط ایک سرور اور لطف کی کیفیت تھی جو سلمان کو مزید بلند کرتی چلی جا رہی تھی صبح اٹھا تو ابا سے پہلے وضو کر کے مسجد کی طرف روانہ ہوا۔ دو رکعت نفل پڑھ کر اس نے بغیر کچھ کہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور پھر شرمندہ ہو کر سوچا۔ ”کس منہ سے مانگوں؟ کیا، کیا نہیں دیا تو نے! اور میں ساری عمر ایک حرفِ شکر تک تیری نذر نہ کر سکا اب مانگنے کا حوصلہ نہیں......“ مگر دینے والا بھی تو ربِ کریم ہی تھا۔

اس رب نے بصارت و بصیرت عطا کی تو باپ کی ظاہری سختیاں اسے تربیت کے انداز نظر آنے لگیں...... اس کا دل و دماغ مثبت اندازِ فکر اختیار کر چکا تھا۔

جنوری کی وہ ایک روشن صبح تھی جب سلمان سے ملنے مولوی معظم علی کالج تک آ پہنچے...... سلمان حیران تھا اور بے انتہا خوش بھی...... بن مانگے مراد مل جائے تو اس کی کریمی پر بے پناہ پیار آتا ہے سلمان بھی انہی جذبوں کے زیرِ اثر تھا۔ آنسو اس کی پلکوں سے اتر کر رخساروں پر رواں تھے جسم ہولے، ہولے لرز رہا تھا جب مولوی معظم علی بڑے پیار سے کہہ رہے تھے۔

”سلمان بیٹا آج گھر پر آنا تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“

جنوری کی وہ گلابی شام اس کے لیے مہربان شام بن گئی کہ جس شام مولوی صاحب نے بذاتِ خود اسے اپنی فرزندی میں لینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ حیران تھا اس کے دل کی خواہش پروردگار نے جان لی تھی کہ نہ کوئی عہد و پیمان ہوئے نہ مولوی صاحب کے سامنے اظہار بس اوپر ہی اوپر فرمان جاری ہوا اور سلمان اور فاطمہ ایک ہو گئے۔ فاطمہ کے دل میں عشق کا بیج کس نے بویا، مولوی صاحب کو رشتہ طے کرنے کا حکم کس نے دیا؟ یہ معما انہیں ہی سمجھ آ سکتا ہے جو اپنے زمینی عشق میں خدا اور اس کی حدود کو شریک رکھتے ہیں اور پھر خدا اپنے بندے کو اس کے مقصود تک پہنچا دیا کرتا ہے۔ آج سلمان ملک کا نامور شاعر جس کا کلام عشقِ حقیقی میں ڈوبا ہوا ہے اور اس میں اتنی اثر انگیزی ہے کہ دوسری زبانوں میں اس کے شعری تراجم شائع کیے جا رہے ہیں‘ اس سے پوچھیں تو وہ فقط ایک ہی جملہ دُہرائے گا...... کہ ”سلمان اسی کا دیا کھاتا ہے اور اسی کے بول بولتا ہے۔“ آج وہ مولوی لطف اللہ اور مریم کا فخر ہے۔

ناولٹ

یہ عشق نہیں آساں

غزالہ عزیز

ہوا ساکن تھی۔ لان میں خوشنما شجر جیسے سر نیہوڑائے خاموشی کے سکوت میں ڈوبے تھے۔ ہر طرف سناٹا، بے رونقی اور ویرانی تھی۔ تتلیاں بھی گویا اس اجنبی ماحول کا رستہ بھول چکی تھیں۔ جہاں کبھی ہنستے مسکراتے چہرے ان کے تعاقب میں بھونروں کی طرح پیڑ، پیڑ، ڈالی، ڈالی منڈلاتے...... اور پھر اپنی، اپنی ہتھیلیوں پر خوشنما رنگ چھوڑتی تتلیوں کو خوشی و انبساط سے دمکتے چہروں کے ساتھ ہوا کے سپرد

کردیتے۔ کیسے خوشنما منظر ہوا کرتے تھے۔ غنچے بھی سرشار ہوا کی مستی کے ساتھ جھوما کرتے...... لان کا گوشہ گوشہ بہار کی رنگینیوں میں ڈوبا ہوتا۔ خوشنما رنگوں کی تتلیاں خوشبودار پھولوں پر منڈلاتیں...... اور ان کے پیچھے ان کے تعاقب میں دو معصوم چہرے سارا دن دوڑا کرتے۔ لڑکی جلدی سے کسی خوش رنگ تتلی کو پکڑ کے لڑکے کی ہتھیلی پر شوق سے رکھتی تو وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگتا۔ اور پھر تتلی ان کے جوش اور تالیوں کے شور سے گھبرا کے پھر سے ہوا میں اُڑ جاتی تو لڑکا یک دم اداس ہو جاتا۔ لڑکی سے لڑکے کی اداسی دیکھی نہیں جاتی وہ جلدی سے کسی دوسری تتلی کے تعاقب میں لان کے عقبی حصے کی جانب بھاگتی۔

جہاں لمبی کیاری میں قطار در قطار لگے ڈھیر سارے خوشنما پھولوں کے گرد رنگین تتلیاں محوِ رقص ہوتیں۔ اور لڑکی بھاگ کر کسی رنگین تتلی کو پکڑ کے اپنی ہتھیلی کی مٹھی میں قید کر کے لڑکے کے سامنے کھولتی تو لڑکا پھر سے مسکرانے لگتا۔ تتلی پھر سے اڑ جاتی اور اپنے خوشنما رنگ لڑکی کی ہتھیلی پر چھوڑ جاتی۔ جسے لڑکا خوش ہو کر دیکھتا۔ دونوں گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ مگن رہتے اور پھر وقت کے رتھ پر سوار...... وقت کے سفر کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔

وہ ان خوشنما منظروں کی چشم دید گواہ تھیں۔ تب وہ ان معصوم چہروں کی مسکراہٹ، لگن اور خوشی دیکھ کر خود بھی مسکراتی اور خوش ہوا کرتی تھیں۔ مگر پھر جانے کیا ہوا...... شاید کالی آندھی چلی تھی۔ جس کے بعد سارے خوشنما منظر بے رنگ اور پھیکے پڑ گئے۔ حالات کی...... بے اعتنائی نے سب کچھ ختم کر دیا۔ ان کے ایک فیصلے سے صرف لان ہی نہیں اس ''خوشنما وِلا'' سے بھی بہاریں روٹھ گئیں۔ ویرانی گھر کی دیواروں پر ہی نہیں لان کے گوشے گوشے میں سما گئی لان کے داہنی حصے میں بنی لمبی سی کیاری میں سجے خوش نما پھولوں کے کنج مرجھا گئے۔ تتلیاں رستہ بھول کر اجنبی دیسوں کو روانہ ہو گئیں۔ بہار نے بھی انہیں اداس دیکھ کر رختِ سفر باندھ لیا۔ ہوا کی شرارتوں پر ساتھ جھومتے پیڑ، پودے بھی خاموشی کے سناٹوں میں ڈوب گئے۔ ہوائیں سسکیاں بھرنے لگیں اور تنہائی ''خوشنما وِلا'' سے نکل کر لان کے گوشوں میں آنکھ میں آنسو بھرے حسرت سے ان غنچوں کو تکا کرتی جہاں معصوم شرارتی قہقہے گونجا کرتے تھے۔ وہاں اب ہوائیں چپکے، چپکے سسکیاں بھرتیں...... سناٹے دل ہولایا کرتے۔ تنہائی نے اداسی سے ٹیرس پر کھڑی صباحت بخاری کو دیکھا جو شاید اندر کی گھٹن، وحشت و تنہائی سے گھبرا کر وہاں آئی تھیں مگر لان میں پھیلے گہرے سناٹے اور جامد منظر نے ان کی آنکھوں کو بھی پُرنم کر دیا۔ اور شاید اس کی ذمے دار بھی وہ خود تھیں۔ تنہائی نے انہیں ترحم کے بجائے ناراضی سے دیکھا تھا...... لیکن وہ تو اس وقت عالمِ موجود سے بہت دور کہیں اور سفر کر رہی تھیں۔

ماضی چاہے جتنا بھی خوشگوار ہو انسان کو زمانۂ حال میں بے چین و مضطرب ہی رکھتا ہے۔ وہ بھی مضطرب و مضمحل سی افسردہ دل اور نم آنکھوں کے ساتھ ماضی کی وادی میں اترتی چلی گئیں۔

☆☆☆

''جیا پلیز...... مجھے یہ دیکھنا ہے۔'' زین نے مسکین سی صورت بنا کر ملتجی لہجے میں کہا۔ جانتا تھا وہ اس کی آنکھوں میں اداسی نہیں دیکھ سکتی اور جھٹ سے ٹی وی کا ریموٹ اس کے حوالے کر دے گی۔ اس لیے جان بوجھ کر اپنے لہجے میں رقت سموتے ہوئے ہیزل براؤن آنکھوں کو اس کے صبیح چہرے پر ٹکاتے ہوئے کہا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ مگر آج وہ بھرپور شرارت کے موڈ میں تھی۔ شاید زین کو تنگ کرنا بھی مقصود تھا۔ اس لیے بے پروائی کی زبردست ایکٹنگ کرتے بدستور ٹی وی ریموٹ ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے لِونگ روم کے لانگ صوفے پر ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھی ٹی وی اسکرین پر انہماک سے نظریں جمائے ڈراما دیکھنے میں مگن رہی...... اور شاہ زین نے اس کی اس بے رخی کو حیرت سے دیکھا۔ وہ ایسی کٹھور کب تھی مگر وہ

بھی حوصلہ ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس لیے پہلے سے زیادہ لہجے کو ملتجی بنایا تھا۔

''پلیز جیا...... آج برازیل اور ارجنٹائن کا فائنل میچ ہے اور میں اسے ہرگز مس نہیں کرسکتا۔''

''آئی ایم سوری زین...... مگر میں اپنا فیورٹ ڈراما مس نہیں کرسکتی۔ تم رات کو میچ کی ہائی لائٹ دیکھ لینا۔'' زویا نے بھی اپنی مسکراہٹ کو لبوں میں دباتے ہوئے زین کی مسکین صورت کو جبراً نظر انداز کیا تھا۔ جانتی تھی کہ ابھی میچ شروع ہونے میں کچھ وقت ہے......اور یہ بھی جانتی تھی کہ شاہ زین کو فٹ بال میچز دیکھنے کا کریز ہے...... یہ اس کا فیورٹ گیم جو تھا۔ جبکہ شاہ زین، جیا کی بے مروتی پر کلس کے رہ گیا۔ اس کی ہر کوشش ناکام گئی تھی مگر زویا ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اس لیے نروٹھے پن سے جتایا۔

''تم بھی تو ڈراما ریپیٹ ٹیلی کاسٹ میں دیکھ سکتی ہو ناں...... مگر مجھے میچ کی جھلکیاں دیکھنے میں بالکل بھی مزہ نہیں آئے گا۔''

شاہ زین اب سنگل صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جیا نے فوراً سے پیشتر کسی اندیشے کے پیشِ نظر ٹی وی ریموٹ پر اپنی انگلیوں کی گرفت مزید مضبوط کردی لیکن پھر شاہ زین کے چہرے پر نظر پڑی تو وہ لمحوں میں اپنی ساری شرارت فراموش کر بیٹھی۔ یہ سچ تھا وہ کسی صورت اسے مایوس اور اداس نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کا سب سے اچھا دوست اور بچپن کا ساتھی تھا۔ وہ اسے مایوس و اداس تو دور ناراض بھی کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ اس کا دوست ہی نہیں فرسٹ کزن بھی تھا۔ وہ اپنے ماں، باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ مگر شاہ زین کی ذات میں اس نے وہ سارے رشتے پالیے تھے جن کی خواہش اس کے دل میں کسک بن کر ابھرتی رہی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی گھر میں ساتھ پلے بڑھے تھے۔ ایک دوسرے کے مزاج آشنا، رفیق اور ہمدم تھے۔ پھر جیا اپنے معصوم سے دوست کو ہرٹ کیسے کرسکتی تھی۔ اس نے فوراً ہی ٹی وی ریموٹ شاہ زین کی طرف بڑھا دیا اور شاہ زین نے غیر یقینی نظروں سے جیا کو دیکھا پھر جلدی سے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا۔ مبادا وہ اپنا ارادہ ہی نہ بدل دے۔ اور اس کی اس حرکت پر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہی۔

''اوتھینک یو سوچ جیا...... یو آر ریئلی سو، سویٹ تم واقعی میری سب سے اچھی والی دوست ہو۔'' شاہ زین نے صوفے پر ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے ٹی وی چینل چینج کرتے ہوئے خوش دلی سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جس پر وہ مسکراتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر شاہ زین کو سکون سے اسپورٹ چینل لگائے دیکھ کر ہاتھ بڑھا کے اس کے سلیقے سے بنے بالوں کے اسٹائل کو شرارت سے بگاڑتے ہوئے مسکرا کر پلٹتی ہوئی لونگ روم کی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ جواباً شاہ زین نے اسے صرف مسکرا کے نہیں دیکھا بلکہ اس کی آنکھوں میں عجیب سی دلفریب چمک بھی تھی۔ اور یہ منظر کچھ فاصلے پر ڈائننگ ایریا میں کھڑی صباحت بخاری نے مسکرا کر دیکھا تھا۔ لیکن شاہ زین کے لبوں پر پھیلی دل فریب مسکراہٹ اور چہرے کے نرم تاثر نے اگلے لمحے ان کے لبوں کی مسکراہٹ لمحوں میں غائب کی تھی۔ انہوں نے بے ساختہ شاہ زین کی نگاہوں کے تعاقب میں لونگ روم کی اوپر جاتی سیڑھیاں چڑھتی زویا کی پشت کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے ان کی سوچ بدگمان ہوئی تھی مگر اگلے لمحے وہ اپنے اچانک در آنے والے خیالات پر شرمندگی سے سر جھٹک کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھے کرسٹل گلدان میں تازہ پھولوں کو سجانے لگیں۔ جو مالی بابا نے لان کی کیاری میں سے توڑ کر انہیں لا کر دیے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا فیضان اور شاہ زین کو پھولوں سے عشق تھا۔ اسی لیے تو گھر کا ہر کونا خوشنما رنگ برنگے پھولوں سے بھرے گلدانوں سے مہکتا تھا۔ ان خوش نما پھولوں کی طرح اب صباحت بخاری کے چہرے پر بھی پُرسکون مسکراہٹ تھی۔ انہیں ایسا خیال آیا بھی کیسے؟ یہ تو ناممکن تھا، غیر یقینی، ناقابلِ قبول، بھلا زین اور جیا......

وہ سر جھٹک کر رہ گئیں۔

☆☆☆

''تو تم نے کیا سوچا ہے اس بارے میں؟'' فیصل نے اپنی نوٹس فائل پر جھکی کچھ پوائنٹس لکھتی زویا کے صبیح چہرے پر نگاہیں جمائے سنجیدگی سے کہا تو زویا نے چہرہ اٹھا کر اچنبھے سے اسے دیکھا جو اس وقت واقعی سنجیدہ تاثر کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت بزنس انسٹی ٹیوٹ میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کی انٹرنس سیڑھیوں پر بیٹھے تھے۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو زویا...... مجھے تمہارا جواب چاہیے ابھی اور اسی وقت...... پلیز...... اس نوٹس فائل کو بند کرو۔'' فیصل نے اسے اپنی جانب اچنبھے سے دیکھتے پا کر ہاتھ بڑھا کر نوٹس فائل بند کی اور واضح لفظوں میں اپنا مدعا دہرایا تھا۔ وہ جانتا تھا زویا بھی اسی خوب صورت، اچھوتے جذبے کی اسیر ہے۔ جس کا دو سال پہلے وہ اسیر ہوا تھا۔ اسے ہیزل براؤن مگر ذہین چمکتی آنکھوں والی یہ دلکش سی لڑکی پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھی۔ اور رفتہ رفتہ ایک ڈیپارٹمنٹ اور پھر کلاس فیلو ہونے کی وجہ سے اس سے اچھی دوستی کے بعد وہ اس کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا گیا۔ زویا بھی اسے پسند کرنے لگی تھی۔ ان کے مابین اتنی اچھی انڈراسٹینڈنگ ڈیولپ ہو چکی تھی کہ دونوں کو اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لیے لفظوں کے سہارے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ دونوں ایم بی اے کر رہے تھے۔ اب فائنل ایگزامز قریب تھے۔ اسی لیے فیصل چاہتا تھا کہ ایگزامز سے پہلے ہی زویا اور اس کا رشتہ طے ہو جائے۔ کیونکہ ایم بی اے کے بعد اس نے اپنے ڈیڈ کا بزنس ہی سنبھالنا تھا۔ اسی لیے وہ اس وقت زویا سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کے گھر اپنے پیرنٹس کو پروپوزل کے لیے کب بھیجے...... اس لیے اس نے اب صاف لفظوں میں اپنا مدعا بیان کرنا ہی مناسب سمجھا۔

''کم آن زویا...... میں اپنی اور تمہاری شادی کی بات کر رہا ہوں۔ آخر تم کب اپنی فیملی سے میرے اور اپنے بارے میں بات کرو گی؟ مام، ڈیڈ میری شادی کا سوچ رہے ہیں۔''

اس بار زویا نے سہم کر فیصل کو دیکھا، وہ اس سے جواب مانگ رہا تھا اور وہ اسے کھو دینے کے ڈر سے سراسیمہ ہوئی تھی۔ اگر ماموں، مامی کو ان کی دوستی بری لگی انہوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا تو......! اسے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ فیضان بخاری اور صباحت سے اپنے اور فیصل کے رشتے کے بارے میں کیسے بات کرے۔ اگرچہ صباحت بخاری روایتی طور پر نند کی بیٹی کے لیے منفی جذبات رکھنے والی خاتون نہیں تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر فیضان بخاری کی طرح بچپن سے اپنے گھر میں اس کے ساتھ مشفقانہ رویہ رکھا تھا۔ مگر لڑکی ہونے کی حیثیت سے وہ مامی اور ماموں دونوں سے اتنی فرینک نہ تھی کہ اپنی زبان سے اپنی شادی کی بات ان سے کر سکتی۔ اس لیے اس نے بے بسی سے لبوں کو کاٹتے ہوئے فیصل کی طرف خاموشی سے دیکھا تو وہ لمحوں میں زویا کی مجبوری بلکہ کمزوری کو سمجھ گیا۔

''آئی ایم سوری فیصل...... میں چاہنے کے باوجود اب تک مامی سے اس بارے میں بات نہیں کر سکی۔ حالانکہ وہ لوگ کوئی تنگ نظر یا فرسودہ سوچ کے مالک بھی نہیں ہیں مگر پھر بھی میں ان کے سامنے تمہارے اور اپنے رشتے کے بارے میں بات نہیں کر سکی۔''

زویا نے دلگرفتگی سے اداس ہو کر مایوسی سے سر جھکایا ...تو فیصل نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے نرم ہاتھ کی پشت پر رکھ کر جیسے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی تھی۔

''اٹس او کے زویا مگر تمہیں اتنا ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی اس پرابلم کا حل نکال لوں گا...... مگر پلیز تم یوں اداس مت ہوا کرو، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔'' اور فیصل کے ہاتھ کے نرم لمس کی حدت نے زویا کی حیا بار جھکی پلکوں کو اٹھا کر فیصل کا پُرکشش، پُرسکون چہرہ دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ نرمی سے مسکرا رہا تھا۔ جیسے وہ سب کچھ سنبھال لے گا

اور زویا نے تشکر آمیز نگاہوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ جو صرف اس کا اچھا دوست ہی نہیں اس کی چاہت بھی تھا جو دل کی دھڑکنوں میں سانس بن کر، رگوں میں خون کے ساتھ خواہش بن کر دوڑنے لگا تھا۔ اس سے جدائی کا تصور محال تھا جو زویا کی خاموشی میں چھپی وجوہات بھی بن کہے جان لیتا تھا۔ شاہ زین کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جو بنا کہے زویا کے خاموش جذبوں کی زبان کا ہر مفہوم جان لیتا تھا۔ اور بنا جتائے اس کی ہر پرابلم کا حل بھی پیش کر دیتا لہٰذا زویا، فیصل کے حوصلہ دیتے محبت کا احساس جتاتے انداز پر مسکرا کر دی۔ اب وہ پُرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ریلیکس زویا...... میں سب سنبھال لوں گا...... اور مجھے امید ہے تمہارے ماموں، مامی اتنے ہینڈسم نوجوان کا پروپوزل اپنی بھانجی کے لیے بھی ریجیکٹ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔ ریئلی...... میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ فیصل نے اسے مزید پُرسکون کرنے کے لیے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ کر اسے دیکھنے لگی۔

”چلو، اب کیفے ٹیریا چل کر تمہیں اچھی سی کافی پلاتا ہوں۔ تاکہ تم فریش فیل کر سکو اور اس ٹاپک کو ہم ایگزامز کے بعد ڈسکس کریں گے۔“ فیصل نے اس کا ہاتھ تھام کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے دھیرے سے اپنا ہاتھ فیصل کی پُرحدت ہتھیلی کی گرفت سے نکال کر جھک کر سیڑھی پر رکھا اپنا بیگ اور فائل اٹھا کر اس کے ہمراہ چل پڑی۔

☆☆☆

امجد بخاری اور نور العین بیگم کے دو ہی بچے فائزہ اور فیضان تھے۔ فائزہ اور فیضان کی عمروں میں دس برس کا فرق تھا۔ امجد بخاری اپنا ذاتی کاروبار کرتے تھے گھر میں خوشحالی تھی۔ فائزہ چونکہ بڑی تھی۔ اس لیے فیضان کے کالج پہنچنے تک اس کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کی ایک ہی بچی زویا تھی۔ جب اچانک ہی ایک دن آفس میں کام کرتے ہوئے امجد بخاری کا دل کام کرنا چھوڑ گیا۔ ان کا ہارٹ فیل ہوا تھا اور لمحوں میں زندگی کی ڈور موت کے بے رحم پنجوں نے دبوچ کر کاٹ دی تھی۔ فیکٹری سے ان کا مردہ وجود لاش کی صورت میں ”خوشنما وِلا“ لایا گیا تھا۔ نور العین بیگم تو جیسے صدمے سے گنگ رہ گئیں...... برسوں کی محبت بھری رفاقت لمحوں میں ریت کے ذروں کی طرح ہاتھوں سے پھسل گئی تھی۔ مگر آفرین ہے ان کے حوصلے پر نہ اونچی آواز میں بین کیے، نہ ملک الموت کو دہائیاں دیں۔ بس چپ چاپ گیلی آنکھوں سے صبر کی سل سینے پر رکھ دی۔ اور دونوں بچوں کو باپ اور ماں بن کر سروں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگرچہ بچے بھی اس اندوہ ناک حادثے پر گم صم اور شدتِ غم سے نڈھال تھے مگر نور العین بیگم کے کمزور وجود کی مضبوط دیواروں کے سہارے رفتہ رفتہ سنبھل گئے۔ اور کوئی چارہ نہیں تھا فیضان گریجویشن کر رہا تھا۔ لہٰذا فائنل ایگزامز کے بعد مزید تعلیم کو خیر باد کہتے ہوئے اس نے بنا کسی کے جتائے اپنی ذمے داریوں کو سمجھتے ہوئے نہ صرف باپ کے بزنس کو سنبھالا بلکہ ماں اور گھر کی ذمے داری بھی کو بھی کسی سرپرست کی طرح اپنے مضبوط کاندھوں پر اٹھا لیا۔ فائزہ اپنے گھر کی تھی کچھ عرصہ ماں اور بھائی کے ساتھ رہ کر واپس اپنی سسرال چلی گئی۔

فیضان کے کاروبار سنبھالتے ہی نور العین بیگم بیٹے کی شادی کا فیصلہ کرتے ہوئے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے مصداق محض چند ماہ میں اپنی بھانجی صباحت کو بہو بنا کر اپنے گھر لے آئیں۔ فیضان کو ماں کے فیصلے پر اعتراض نہ تھا۔ صباحت خوب صورت ہی نہیں خوب سیرت بھی تھی۔ لہٰذا فیضان نے دل و جان سے اس کی رفاقت قبول کرتے ہوئے اپنے دل اور گھر میں خوش آمدید کہا تھا۔ اس نے بھی جلد ہی ساس اور شوہر کے ساتھ گھر کی ذمے داریوں کو خوش اسلوبی سے سنبھال لیا پھر کچھ وقت آگے بڑھا تو اس کی گود میں شاہ زین آ گیا۔ جس کے آنے سے ”خوش نما وِلا“ کے بھاگ جاگ اٹھے۔ ہر طرف خوشیاں بکھر گئیں اور تو اور فیضان

کے بزنس میں بھی لاکھوں کا فائدہ ہوا۔ لہٰذا فیضان نے بھی بیٹے کے اچھے مستقبل کے لیے بزنس کو مزید پھیلانے کا فیصلہ کرلیا۔ البتہ یہ قسمت اور نصیب کا فیصلہ تھا کہ شاہ زین کی پیدائش کے بعد کچھ پیچیدگیوں کے باعث ڈاکٹر نے صباحت کو یہ افسوس ناک خبر سنائی کہ اب وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکیں گی۔ جسے سن کر سب کے دلوں میں مایوسی کی لہر پھیل گئی...... لیکن پھر رفتہ رفتہ شاہ زین کی کھلکھلاہٹوں سے ''خوشنما وِلا'' کی فضا کھل اٹھی...... اور سب اللہ کی رضا میں راضی ہو کر اپنی بے پناہ محبتیں شاہ زین پر لٹانے لگے...... مگر انہیں کیا پتا تھا کہ تقدیر کی ستم ظریفی ابھی مزید ان پر ستم ڈھانے والی ہے، ایک کار حادثے میں کسی تقریب سے واپس آتے ہوئے فائزہ اور اس کے شوہر اسد موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ امجد بخاری کی ناگہانی موت کے بعد یہ دوسرا اندوہ ناک حادثہ تھا۔ جس نے ''خوشنما وِلا'' کے در و دیوار ہی نہیں مکینوں کو بھی پھر سے ہلا کر رکھ دیا۔ زویا صرف آٹھ برس کی تھی جبکہ موت کے خونی پنجوں نے اس کے مہربان پیاروں کا سایہ سر سے چھین لیا اور روتی بلکتی زویا کو صباحت بخاری نے اپنی آغوش میں سمیٹا تھا۔ نور العین بیگم تو شدید صدمے سے نڈھال تھیں، پہلے شوہر کی محبت بھری رفاقت کا ساتھ چھوٹا تھا اور اب جوان بیٹی، داماد کی موت نے انہیں پہلے سے زیادہ ناتواں اور کمزور بنا دیا تھا۔ فیضان اور صباحت ان کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن بیٹی، داماد کی بے وقت موت نے ان کے وجود کو اندر سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

یوں بھی بڑے حادثے اور طوفان مضبوط عمارتوں کو پہلے اندر سے کمزور کر کے ان کی بنیادیں ہلاتے ہیں پھر وہ عمارت خود بخود اچانک ہی ڈھے جاتی ہے۔ نور العین بیگم کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ پے در پے حادثوں نے پہلے ان کے وجود کی بنیادوں کو ہلایا اور پھر رفتہ رفتہ وجود کی عمارت قضائے اجل کے ہاتھوں سپردِ خاک ہوگئی۔ ایک رات وہ عشا کی نماز پڑھ کر سوئیں تو تہجد میں اٹھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ روح سوتے میں ہی بڑے سکون سے جسم کے پنجرے سے آزاد ہوگئی۔ اس وقت زویا نو برس اور شاہ زین ایک سال کا تھا۔ فیضان کا مضبوط وجود بھی جیسے صدمے سہہ، سہہ کر کمزور پڑنے لگا تھا۔ اگر جو صباحت کا ساتھ اور حوصلہ نہ ہوتا تو وہ بھی ہمت ہار دیتے مگر انہیں بڑی بہن کی اکلوتی نشانی زویا کو بھی سنبھالنا تھا، اسے پروان چڑھانا تھا۔ اب وہ ان کی اور ان کی بیوی کی ذمے داری تھی جسے ان دونوں نے مل کر محبت و لگن سے بہ حسن و خوبی نبھایا تھا۔

وقت ہر دکھ، ہر زخم پر مرہم بن کر گہرے سے گہرے زخم کو بھی بھر دیتا ہے...... ماموں، مامی کے شفیق سائے میں پروان چڑھ کر زویا بھی ماں، باپ اور نانا، نانی کی جدائی کے دکھ سے سنبھل چکی تھی۔ وہ اب آئی بی اے سے ایم بی اے کر رہی تھی۔ جبکہ شاہ زین او لیول کے ایگزامز سے فارغ ہوا تھا۔ فیضان کا ارادہ اسے ہائیر اسٹڈیز کے لیے ملک سے باہر بھیجنے کا تھا۔

اگرچہ گھر میں کاموں کے لیے ملازم موجود تھے۔ لیکن سب کاموں کو مینج کرنا، اپنی نگرانی میں ملازمین سے کام کروانا صباحت ہی کی ذمے داری تھی۔ البتہ زویا نے شعور کی منازل طے کرتے ہوئے شاہ زین کے چھوٹے موٹے کاموں کی ذمے داری سنبھال کر مامی کو شاہ زین کی طرف سے ٹینشن فری کر دیا تھا۔ جیسے اس کے کھانے پینے سے لے کر اس کی اسٹڈیز، ہوم ورک، ایگزامز کی تیاری وغیرہ وہ مامی کے کہے بغیر ہی نہایت احسن طریقے سے سرانجام دے رہی تھی۔

شاہ زین بھی زویا کے ساتھ کا عادی ہو چکا تھا۔ بچپن سے ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے تھے۔ دونوں کی عمروں کے فرق کے باوجود بہت اچھی دوستی تھی۔ شاید اس لیے کہ دونوں ہی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ اس لیے دونوں نے ایک دوسرے کی ذات میں سارے رشتوں کو پا لیا تھا۔ زویا تو اپنے بڑے ہونے کا رعب بھی جماتی تھی لیکن شاہ زین کبھی اس بڑے پن کو خاطر میں نہیں لایا تھا۔ ہمیشہ سے اسے اس طرح ٹریٹ کرتا جیسے وہ چوبیس سال کی لڑکی نہیں اس کی ہم عمر کلاس

فیلو ہو۔ وہ اس کا نام لیا کرتا تھا گھر میں سب زویا کو نک نیم جیا سے بلاتے تھے۔ شاہ زین بھی یہی پکارتا تھا۔ اور یوں یہ دوستی کزن اور دوست کے رشتے سے بڑھ کر شاہ زین کے لیے دل کی دیواروں پر آکاس بیل بن کر لپٹتی چلی گئی اور وہ بے خبر اس لگن میں اس مقام تک جا پہنچا جس کا علم اگر زویا کو ہو جاتا تو شاید قیامت ہی آجاتی مگر شاہ زین کی طرح وہ بھی بے خبر تھی۔ شاہ زین بچپن میں اس کے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتا تھا۔ وہ بڑے ہو کر اسے آئیڈیا لائز کرنے لگا تھا اور یہ.... بے خبری فی الوقت ان دونوں کے لیے ایک نعمت تھی۔

☆☆☆

فیصل کے ڈیڈ محسن ملک بزنس ٹور کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے۔ اس لیے فیصل نے ان کے پاکستان آنے کے بعد انہیں مام کے ساتھ زویا کے گھر اپنے پرپوزل کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ زویا اس بات سے آگاہ تھی۔ اس لیے آج کل اطمینان سے اپنے فائنل سمسٹر کی تیاریوں میں مگن تھی۔ اسے اپنی برتھ ڈے کا دن بھی یاد نہیں رہا تھا وہ تو رات بارہ بجے کے بعد فیصل نے فون پر اسے وش کیا تو خوشی کے بھرپور احساس سے چند لمحوں تک وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

''کیسا لگا میرا سرپرائز......؟'' فیصل کے چہکتے ہوئے لہجے پر وہ جواباً بولی تو اس کے لہجے میں فیصل کی محبت کا مان اور فخر تھا۔

''تھینکس فیصل، میں تو واقعی بھول گئی تھی۔''

''لیکن مجھے یاد تھا......اور ہمیشہ یاد رہے گا......شادی کے بعد بھی......'' فیصل نے برجستہ کہا تو اس کے شوخ لہجے پر وہ جھینپ کر رہ گئی۔ اسی وقت اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ شاید باہر کوئی تھا۔

''میں تم سے بعد میں بات کروں گی فیصل......شاید دروازے پر کوئی ہے، کہیں ماما کسی کام سے اٹھ نہ گئی ہوں، میں دیکھتی ہوں۔'' زویا نے جلدی سے کہا تو جواباً فیصل نے بھی جلدی سے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''اوکے......پھر کل کی ٹریٹ کے لیے تیار رہنا......اور ٹریٹ میری طرف سے ہوگی...... خدا حافظ اینڈ ٹیک کیئر......''

''خدا حافظ......!'' زویا نے جواباً مسکرا کر کال ڈس کنیکٹ کی تھی کیونکہ اس وقت وہ فیصل سے مزید بات کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر بیڈ سے اتر کر دروازے تک آئی، ہاتھ بڑھا کے ڈور کھولا تو سامنے سرونگ ٹرے میں اس کا فیورٹ چاکلیٹ کیک پکڑے شاہ زین کھڑا تھا۔ موم بتی کی روشنی میں وہ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ بخوبی دیکھ رہی تھی۔ شاہ زین کے چہرے پر بھی بڑی دلفریب مسکان تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......ہیپی برتھ ڈے......ڈیئر جیا......ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

شاہ زین نے باقاعدہ ترنم بھرے لہجے میں اسے برتھ ڈے وش کیا تو وہ آج کے اس دوسرے خوب صورت سرپرائز پر خوشی سے گنگ کھڑی تھی کیونکہ ہر سال اس کی برتھ ڈے پر زین صبح خاموشی سے اس کے روم میں اس کے فیورٹ ریڈ ٹیولپس کا بنچ اور وشنگ کارڈ رکھ دیتا تھا پھر شام میں فیضان بخاری سب کو ڈنر پر لے جاتے تھے۔ مگر اس بار شاہ زین نے واقعی اسے سرپرائز کر دیا تھا۔

''کیا ہوا...... اندر آنے کے لیے نہیں کہیں گی......کیک یہیں کھڑے، کھڑے کاٹنا ہے کیا......''

شاہ زین نے اسے خاموش کھڑا دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو زویا نے مسکرا کر ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ شاہ زین نے کیک ٹرے لا کر سینٹرل ٹیبل پر رکھی تھی۔ پھر ہاتھ پکڑ کے زویا کو ٹیبل کے پاس لے آیا۔

''چلیں...... جلدی سے کیک کاٹیں......'' شاہ زین نے خوب صورت ربن میں لپٹی چھری اس کی طرف بڑھائی تھی۔ جسے زویا نے تھام کر صوفے پر بیٹھ کر کیک کاٹا تھا۔ شاہ زین نے باقاعدہ تالیاں بجائی

تھیں۔ زویا نے کیک کا ایک پیس کاٹ کر پہلے خود کھایا پھر زین کو اسی پیس میں سے کھلایا تھا۔ وہ گھریلو عام سے حلیے میں بھی بہت اچھی لگ رہی تھی یا پھر شاہ زین کو ہی وہ ہر روپ میں اچھی لگا کرتی تھی۔ وہ چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر زویا کا دھیان اس کی آنکھوں سے چھلکتی چمک پر نہیں تھا۔ ورنہ عورت تو اپنے اوپر پڑنے والی مرد کی ہر نظر کو لمحوں میں پہچان لیتی ہے اور شاہ زین اندر ہی اندر محبت کی دھیمی آنچ سے پگھل رہا تھا۔ زویا کے ساتھ گزارے یہ لمحے کسی قیمتی متاع سے کم نہیں لگ رہے تھے جبکہ زویا کو تو بچوں کی طرح کیک کاٹنا ہی عجیب لگا تھا مگر وہ شاہ زین کی خوشی کی خاطر چپ رہی۔ پھر بے ساختہ شرارت سے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو شاہ زین کے سامنے پھیلا دیا۔

''اور میرا برتھ ڈے گفٹ کہاں ہے۔'' زویا نے تو اسے تنگ کرنے کے لیے صرف مذاق کیا تھا مگر جب زین نے مسکراتے ہوئے جیب سے ایک ویلوٹ باکس نکال کر زویا کی طرف بڑھایا تو بے اختیار اس کے لبوں کی مسکراہٹ تھمی تھی۔ وہ اچنبھے سے ویلوٹ باکس کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ آپ کا برتھ ڈے گفٹ ہے اور آپ کو لینا پڑے گا۔'' شاہ زین نے ویلوٹ باکس کو زویا کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ ساتھ میں جتا بھی دیا کہ اسے قبول کرنا پڑے گا۔

زویا نے ویلوٹ باکس کھول کر دیکھا تو اندر گولڈ کی نازک سی پازیب رکھی تھیں۔ زویا نے بے ساختہ زین کی طرف دیکھا۔ وہ اس قسم کے گفٹ کو شاہ زین کی طرف سے expect نہیں کر رہی تھی۔ وہ تو ہمیشہ اسے اس کے فیورٹ فلاورز گفٹ کرتا تھا۔ آج پہلی بار اس نے باقاعدہ کوئی گفٹ زویا کو دیا تھا۔ اور وہ بھی گولڈ کی پازیب......!

زویا کو واقعی عجیب سا لگا تھا۔ وہ الجھی نظروں سے شاہ زین کو دیکھ رہی تھی۔

''اچھی ہیں ناں...... آپ کے پیروں میں بہت اچھی لگیں گی۔ کیونکہ آپ کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی شاہ زین کی اگلی بات نے بے ساختہ اسے چونک کر جھینپنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اس کی ڈریسنگ کی، شاپنگ چوائس کی، اس کے خوشنما دھیمے لہجے میں باتیں کرنے کی مگر آج زویا کو کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ آج وہ پورے چوبیس سال کی ہو گئی تھی اور شاہ زین سولہ سال کا تھا۔ اس نے سنجیدگی سے شاہ زین کے چہرے کو دیکھا جو اگلے دن کا پروگرام بہت بے فکری سے طے کر رہا تھا۔ اور اگلے دن زویا کا پیپر تھا۔ اس لیے اس نے رسانیت سے شاہ زین کو منع کر دیا۔

''اوکے...... ویسے تو آپ جیسی ذہین ترین لڑکی کو چند گھنٹوں کے لیے باہر جانے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا...... لیکن اگر آپ ایزی فیل نہیں کریں گی تو کوئی بات نہیں...... لیکن ایگزامز کے بعد آپ کو میرے ساتھ ڈنر پر جانا ہوگا۔ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے اور میں کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گا۔''

شاہ زین نے اس کی معذرت قبول کرتے ہی اگلا پروگرام فائنل کر دیا تو وہ بنا کسی تردید کے صرف مسکرا دی۔ وہ اسے کسی بات کے لیے منع نہیں کر سکتی تھی۔

''اوکے...... آپ ریسٹ کریں...... صبح بریک فاسٹ ٹیبل پر ملاقات ہوگی...... گڈ نائٹ......''

شاہ زین اسے ریسٹ کرنے کا کہہ کر چلا گیا تو وہ ہاتھ میں پکڑے ویلوٹ باکس میں رکھی آنکھوں کو خیرہ کرتی چمکتی پازیب دیکھنے لگی...... پھر اسے بند کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر بیڈ کی جانب چلی آئی...... اور نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے وہ صرف اپنے اور فیصل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پر صباحت اور فیضان بخاری نے بھی اسے برتھ ڈے وش کیا تھا اور اس نے مسکرا کر عقیدت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے ان کا

شکریہ ادا کیا......جنہوں نے واقعی اسے کسی بھی موقع پر ماں، باپ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ جس کی وہ دل ہی دل میں ہمیشہ ان کی احسان مند رہی تھی۔

''زویا بیٹا......شام میں تیار رہنا، ہم سب باہر ڈنر کریں گے، تم اپنی برتھ ڈے تو اب سیلیبریٹ کرتی نہیں ہو۔ اس لیے گفٹ تم اپنی پسند سے لے لینا......مجھے تو بچیوں کی پسند ناپسند کا کچھ آئیڈیا نہیں ہے۔'' ماموں نے کہا اور والٹ سے کچھ بڑے نوٹ نکال کر زویا کو دیے۔

''اس کی کیا ضرورت ہے ماموں......میرے پاس پہلے ہی سب کچھ ہے۔ اور میں کوئی بچی تھوڑی ہوں جو برتھ ڈے سیلبریٹ کروں گی۔ میرے لیے تو آپ لوگوں کی محبتیں اور دعائیں ہی سب سے قیمتی گفٹ ہیں۔'' زویا نے بے ساختہ جھینپتے ہوئے ان کے ہاتھ سے نوٹ لیے تھے۔

''کوئی بات نہیں بیٹا......اسی لیے تو تمہارے ماموں برتھ ڈے پارٹی گھر پر ارینج کرنے کے بجائے ڈنر پر لے جاتے ہیں اور یہی ہم سب کی خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش و آباد رکھے۔''

مام کی بات پر شاہ زین نے شرارت سے مسکراتے ہوئے برجستہ آمین کہا تھا......سب اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔ البتہ آج کا ڈنر زویا کے پیپر کی وجہ سے کچھ دن بعد تک کے لیے کینسل ہو گیا تھا مگر زویا کو بار، بار شاہ زین کے بدلے ہوئے انداز پر حیرانی ہو رہی تھی۔ پھر وہ پیپرز کی تیاری کا کہہ کر اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی۔ کیونکہ فی الحال وہ شاہ زین کے بدلے ہوئے رویوں اور اطوار پر غور کرنے کے بجائے اپنی اسٹڈیز پر فوکس کرنا چاہتی تھی......جبکہ شاہ زین اپنے ڈنر والے پروگرام کے بارے میں سوچ کر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

اس کے پیپرز بہت اچھے ہو گئے تھے۔ وہ خوش ہی نہیں پرسکون بھی تھی۔ اسی دوران شاہ زین کا رزلٹ

بھی آ چکا تھا۔ اس نے اپنے اسکول میں پوزیشن لی تھی جس پر فیضان بخاری نے پوری فیملی کے ساتھ اسے ڈنر کے نام پر شاندار ٹریٹ دی تھی۔ اور شاہ زین کو گفٹ میں اسپورٹس کار دی۔ مام نے برانڈڈ لیپ ٹاپ اور زویا نے خوب صورت رسٹ واچ دی تھی۔ اگرچہ وہ صرف زویا کے ساتھ ڈنر کرنا چاہتا تھا، اسے زویا سے ضروری بات بھی کرنی تھی۔ دراصل وہ اسے پروپوز کرنا چاہتا تھا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ فیصل کا فون آ گیا تھا۔ اس کے ڈیڈ پاکستان واپس آ گئے تھے اور اب وہ لوگ اگلے دن ہی زویا کی طرف فیصل کا پروپوزل لے کر آ رہے تھے۔ فیصل ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کی پسند پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ زویا ان لوگوں سے مل چکی تھی اور فیصل کے پیرنٹس کو بھی وہ بہت پسند آئی تھی۔

اور ایک کامیاب بزنس مین کی حیثیت سے وہ فیضان بخاری کے نام سے بھی واقف تھے مگر باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ پڑھے لکھے، روشن خیال لوگ تھے۔ اگر فیضان بخاری کوئی عام آدمی ہوتے تو بھی انہیں ان کی بھانجی کو اپنی بہو بنانے پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ان کے لیے بیٹے کی خوشی اور پسند زیادہ مقدم تھی۔

البتہ فیصل کے فون پر ان لوگوں کی آمد کا سن کر زویا کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ اس نے تو ابھی تک ممانی کو اپنے اور فیصل کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اب اس کے پیرنٹس پروپوزل لے کر آ رہے تھے۔ وہ بے حد نروس تھی۔ اگرچہ اس نے کئی بار ممانی سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار ہمت جواب دے گئی۔ اسے یہ سوچ کر گھبراہٹ ہوتی تھی کہ فیصل کے بارے میں جان کر ان کا ردِعمل کیا ہوگا؟ وہ زویا کے بارے میں کیا سوچیں گی کہ اس نے خود ہی اپنے لیے لڑکا پسند کر لیا جبکہ اس نے تو اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار پہلے ہی ماموں، مامی کو دے رکھا تھا۔ وہ تب کب جانتی تھی کہ محبت کا جذبہ اتنا بے اختیار کر دینے والا ہوتا ہے۔ وہ کوشش کے باوجود بھی اس خوب صورت جذبے کی کشش سے خود کو دور نہ رکھ سکی۔ اور فیصل کے خالص جذبوں کی اسیر ہوتی چلی گئی۔ اب اس کے لیے فیصل کے بغیر زندگی جینے کا سوچنا بھی محال تھا۔ وہ تھا ہی چاہے جانے کے قابل...... اس کا انتخاب کھرا اور راست تھا۔ پڑھا لکھا، خاندانی اور خوشحال گھرانے سے تعلق رکھنے کے باعث کسی کے لیے بھی فیصل کا پروپوزل ناقابلِ قبول نہ ہوتا مگر زویا یہ سوچ کر ڈر رہی تھی کہ اسے پہلے ہی صباحت بخاری کو فیصل کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا...... بہرحال اب اس کے ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسے اسی وقت فیصلہ کرنا تھا کہ وہ ممانی کو سب کچھ بتا دے۔ اور وہ فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

''ارے مامی...... کیا ہوا آپ کو...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' زویا ان کے بیڈروم میں داخل ہوئی تو صباحت بخاری بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ وہ تیزی سے ان کے پاس آئی اور بیڈ پر بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھاما جو حرارت سے تپش دے رہا تھا۔ زویا نے بے ساختہ ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ارے...... آپ کو تو بخار ہو رہا ہے، آپ نے بتایا کیوں نہیں...... میں ابھی ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتی ہوں آپ کو۔'' زویا بیڈ سے اٹھنے لگی تو صباحت نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روکا تھا۔ وہ فکرمندی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا...... ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے میڈیسن لے لی ہے۔ شام تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' صباحت کے منع کرنے پر زویا کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو گھر بلوانے کی بات کی تو انہوں نے رسانیت سے منع کر دیا۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھیں۔

''بیٹا تم پریشان مت ہو...... میں ٹھیک ہوں، کچھ دیر آرام کروں گی تو طبیعت بہتر ہو جائے گی۔ تم بس فضیلت سے اپنی نگرانی میں کچن میں کام کرا لینا'' صباحت نے

نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر ہدایت دی تھی۔

''ٹھیک ہے ماما...... آپ اس کی فکر مت کریں...... میں ابھی جا کر آپ کے لیے سوپ تیار کرتی ہوں...... لیکن اگر شام تک طبیعت بہتر نہیں ہوئی تو آپ کو ماموں جان کے ساتھ ڈاکٹر کے کلینک ضرور جانا ہوگا۔'' زویا نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے فکر بھرے لہجے میں کہا تو صباحت اسے اس قدر پریشان دیکھ کر ہلکے سے مسکرا دیں تاکہ وہ ریلیکس ہو سکے...... مگر وہ شروع سے ڈاکٹروں کے کلینک اور اسپتال جانے کے نام سے گھبراتی تھیں اس لیے چھوٹی موٹی بیماریوں پر کبھی اینٹی بایوٹک اور کبھی گھریلو ٹوٹکوں کے ذریعے بھلی چنگی ہو جاتیں۔ آج صبح بھی انہوں نے یہی کیا تھا...... ناشتے کے بعد دوا لے کر آرام کے لیے لیٹ گئیں...... حالانکہ فیضان صاحب نے انہیں کلینک چلنے کے لیے کہا تھا مگر صباحت نے معمولی بخار کا کہہ کر کلینک جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا مجبوراً ان کے اصرار پر ہی فیضان صاحب آفس جانے کے لیے تیار ہوئے تھے پھر انہیں اپنا خیال رکھنے کی ہدایت دے کر آفس چلے گئے۔ زویا کو بتانے سے صباحت نے ہی منع کیا تھا۔ وہ صبح، صبح اپنے حوالے سے بچوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھیں...... اور اب زویا ان کے لیے سوپ بنانے گئی تھی۔

صباحت بخاری کی طبیعت خرابی کا جان کر اسے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ان کے پاس کس مقصد سے آئی تھی...... اور کچھ دیر بعد وہ اس کے بیڈروم میں بیٹھی انہیں سوپ پلا رہی تھی۔ شاہ زین بھی کالج سے آ کر ان کے پاس ہی بیٹھا تھا اور وہ انہیں زبردستی پورا سوپ ختم کرنے پر مجبور کر رہے تھے مگر صباحت نے آدھے سوپ کے بعد مزید پینے سے منع کر دیا تو مجبوراً دونوں کو ان کی بات ماننی پڑی تھی کیونکہ ان کا بخار بھی اب صبح کے مقابلے میں کم تھا۔ کچھ دیر پہلے فیضان صاحب نے فون کر کے ان کی خیریت دریافت کی تھی...... اس لیے انہوں نے شاہ زین اور زویا کو آرام کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ دونوں کب سے ان کی تیمارداری میں لگے لنچ کرنا بھی بھول چکے تھے۔

''بس بیٹا...... میں اب کافی بہتر ہوں...... تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔ تم لوگ بھی جا کر لنچ کرو......'' صباحت بخاری نے نرمی سے کہا تو وہ دونوں ان کے آرام کا سوچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ٹھیک ہے ماما...... آپ آرام کریں۔'' زویا سوپ باؤل ٹرے میں رکھ کر شاہ زین کے ساتھ بیڈروم سے باہر چلی گئی...... اور اپنے لیے زویا کی محبت و حساسیت دیکھ کر صباحت کا دل محبت و ممنونیت کے احساس سے لبریز ہو گیا...... اگر ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو زویا کی طرح ہی ان کی خدمت کرتی...... انہوں نے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ جبکہ شاہ زین کے ساتھ کچھ دیر بعد لنچ کے دوران باتیں کرتے ہوئے زویا کو خیال ہی نہیں رہا کہ اگلے دن فیصل کے گھر والے اس کے پرپوزل کے لیے آ رہے تھے...... اور اسے آج ہر حال میں ممانی سے اس بارے میں بات کرنی تھی ...... شاہ زین اور وہ کھانے کے دوران بھی ان کی طبیعت کے حوالے سے فکرمند ہو رہے تھے۔ زویا ان کی فکر میں سب کچھ فراموش کر چکی تھی۔ حالانکہ صباحت بخاری کو پہلے سے پتا چل جاتا تو وہ شوہر سے بھی خود ہی ساری بات کر لیتیں۔ زویا کو ماموں کے سامنے اس طرح اپنے رشتے کے حوالے سے بات نہ کرنی پڑتی...... مگر شاید قدرت کو بھی کچھ اور ہی منظور تھا۔ تب ہی تو زویا ان کی طبیعت خرابی کے باعث بھول گئی...... اور زویا کی بھول اس کی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش بلکہ سزا بنا دی گئی۔

☆☆☆

اگلے دن چھٹی تھی۔ موسم نے بھی اچانک ہی کروٹ لی تھی۔ اور کالے بادلوں نے آسمان کو چاروں طرف سے گھیر کر موسم اور ماحول کو سہانا بنا دیا۔ فیصل کے پیرنٹس شام کے بجائے لنچ ٹائم کے بعد ہی آ گئے تھے۔ فیصل ان کے ساتھ تھا۔ زویا صحیح معنوں میں

حواس باختہ ہوئی جارہی تھی۔ وہ تو صباحت بخاری نے کسی حد تک معاملے کو سمجھتے ہوئے بات کو سنبھال لیا تھا اور مہمانوں کو پتا چلنے نہیں دیا کہ وہ لوگ ان کی آمد سے بے خبر تھے جبکہ زویا کی تو اُن کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہورہی تھی......اور فیصل کی ماما سارہ بیگم کی گفتگو کی تمہید سے ہی صباحت اور فیضان صاحب کو ان کی آمد کے مقصد کا علم ہوا تھا......سارہ بیگم نے صباحت اور فیضان صاحب سے زویا کے لیے فیصل کے پروپوزل کی بات کی تو فیضان صاحب کو اچنبھا ہوا تھا۔ البتہ ان کی بیگم یوں ظاہر کررہی تھیں جیسے یہ معمول کا حصہ ہو۔ انہوں نے آنکھ کے اشارے سے فیضان صاحب کو کسی قسم کا ردِعمل ظاہر کرنے سے روکا تھا جبکہ سارہ بیگم اپنی سادگی میں فیصل اور زویا کی دوستی اور پسند کے بارے میں بتارہی تھیں۔ اور خاصے روشن خیال اور پڑھے لکھے ہونے کے باوجود فیضان اور صباحت کو زویا کے بجائے سارہ بیگم کی زبان سے ان دونوں کے تعلق کا جان کر کچھ اچھا نہیں لگا مگر انہوں نے بدمزگی اور ناگواری کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

''جی......ہم نے بھی اس کی بہت محبت سے بیٹی کی طرح پرورش کی ہے۔ ہمیشہ اس کی خوشی کا خیال رکھا ہے اور آئندہ بھی رکھیں گے۔'' صباحت بخاری ان کی بات کے جواب میں یہی کہہ سکی تھیں۔ جب سارہ بیگم نے اپنے بیٹے کے لیے باقاعدہ ان سے زویا کا ہاتھ مانگا تھا۔

''ہمیں بھی آپ کی بیٹی بہت پسند ہے۔ اور آپ یقین کریں ہم آپ کی بیٹی کو بہو نہیں، بیٹی بنا کر عزیز رکھیں گے۔ بس آپ لوگ اسے جلد ہی ہمارے گھر کی رونق بنانے کا عندیہ دے دیں۔ ہمیں آپ لوگوں کا جواب صرف ہاں میں چاہیے۔''

زویا محجوب سی بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ مامی اور ماموں کے سامنے بے حد شرمندگی محسوس کررہی تھی اور صباحت نے ہی اسے مہمانوں سے ملنے کے لیے بلایا تھا۔ سارہ بیگم نے تو باقاعدہ اس کی بلائیں لی تھیں۔ اور وہ اپنی کوتاہی پر سارا وقت بس خاموش ہی بیٹھی رہی۔ سارہ بیگم کی بات پر انہوں نے فیضان صاحب کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا تھا۔ زویا ان کی بھانجی تھی انہیں بھی اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

''جی سارہ بہن......ہمیں آپ کی محبت اور خواہش کا بے حد احترام ہے لیکن زویا کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ ہم سوچ سمجھ کر ہی لیں گے۔ انشاء اللہ......آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔''

اور فیضان صاحب کے جواب نے صباحت اور زویا پر ہی نہیں وہاں بیٹھے ہر شخص کے چہرے پر سکون آمیز طمانیت بکھیر دی تھی۔ جسے سن کر سب سے زیادہ فیصل پُرسکون نظر آرہا تھا۔

''بہت شکریہ بھائی صاحب...... آپ بھی ہمارے گھر ڈنر پر فیملی کے ساتھ تشریف لائیے گا......ہمیں بہت خوشی ہوگی۔'' سارہ بیگم نے انہیں بڑے خلوص سے اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔

''جی......ہم ضرور آئیں گے۔''

فیضان صاحب کے جواب پر کچھ دیر بعد انہوں نے رخصت کی اجازت لی حالانکہ وہ لوگ انہیں ڈنر کے لیے روک رہے تھے......لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ وہ ان کا جواب ہاں میں سننے کے بعد ہی ڈنر کے لیے آئیں گے۔ اور شادی کی تاریخ طے کردیں گے۔ لہٰذا ان لوگوں نے مزید اصرار نہیں کیا البتہ زویا مہمانوں کے جانے کے بعد ماموں، مامی کے سامنے حد سے زیادہ شرمندہ نظر آرہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح ان سے اپنی کوتاہی کی معذرت کرے۔ شاہ زین بھی اس وقت اس کی مدد کے لیے موجود نہیں تھا۔ سنڈے کی وجہ سے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اسپورٹس کلب جاچکا تھا۔ اس لیے اب زویا، ماموں، مامی کے سامنے جواب دہی کے لیے کھڑی معذرت کے لیے الفاظ ترتیب دینے لگی۔

''آئی ایم سوری مامی......میں اس بارے میں

بہت پہلے آپ سے بات کرنا چاہتی تھی...... مگر چاہ کر بھی اپنے اندر حوصلہ پیدا نہیں کر سکی کہ آپ لوگوں سے اپنے دل کی بات کہہ سکوں...... مگر سچ یہی ہے کہ میں فیصل کو پسند کرتی ہوں، وہ بہت اچھا ہے، بہت اچھی فیملی سے ہے اور مجھے ہمیشہ خوش رکھے گا۔ لیکن میں آپ دونوں سے بہت شرمندہ ہوں، پلیز مجھے معاف کر دیں۔ ماموں میں نے آپ لوگوں کے اعتماد کو دانستہ ٹھیس نہیں پہنچائی۔ بس میں آپ لوگوں کو اس بارے میں آگاہ کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکی، وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے تھی۔ جبکہ صباحت، فیضان صاحب کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کیا ردِعمل دکھاتے ہیں۔ کیونکہ زویا کی کوتاہی پر انہیں بھی افسوس ہوا تھا۔ مگر اس کے افسردہ لہجے کی شرمندگی نے فیضان صاحب کے دل کو نرم کر دیا...... وہ زویا کی فطری جھجک کو سمجھ گئے تھے۔

''ارے بیٹا، تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شادی کے لیے کسی کو پسند کرنا بری بات نہیں...... اور نہ ہی ہم اتنے تنگ نظر سوچ کے مالک ہیں کہ تمہاری پسند پر ناگواری یا اعتراض کا اظہار کرتے۔ مگر بیٹا......!''

وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوئے تو زویا نے بے اختیار چہرہ اوپر اٹھا کے انہیں دیکھا...... وہ واقعی اس سے ناراض نہیں تھے مگر چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر وہ خود سے خائف ہو رہی تھی۔ صباحت بھی سنجیدگی سے فیضان کو دیکھ رہی تھی۔

''مگر بیٹا...... اگر تم مہمانوں کی آمد کے بارے میں پہلے سے بتا دیتیں تو ہم لوگ ذہنی طور پر تیار رہتے...... مجھے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ میں فیصل کے پیرنٹس کو کیا جواب دوں۔'' فیضان صاحب کے نرم رویے اور لہجے نے اسے کافی حوصلہ دیا اور وہ ایک بار پھر ان سے اپنی کوتاہی کی معذرت کرنے لگی۔

''آئی ایم سوری ماموں...... میں واقعی بہت شرمندہ ہوں، میں کل مامی سے اس بارے میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن مامی کی طبیعت خرابی کو دیکھ کر مجھے فیصل کے پیرنٹس کے آنے کے بارے میں بات کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ میں تو مامی کے لیے پریشان ہو گئی تھی۔'' اور یہ سن کر صباحت بھی اس کی وضاحت پر نہ صرف کنونس ہوئیں بلکہ اپنے لیے اس کی فکرمندی پر زویا پر پیار بھی بہت آیا۔

''ارے بیٹا...... میں نے تو پہلے ہی کہا تھا میری وجہ سے اتنی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں معمولی سا بخار تھا۔ شام تک ٹھیک ہو جانا تھا مگر اب تمہیں اتنا گلٹی فیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی زندگی تمہیں گزارنی ہے۔ اس لیے تمہاری شادی کے فیصلے میں تمہاری پسند اور رضامندی کا ہونا سب سے زیادہ اہم ہے۔ مجھے تو فیصل اور اس کی فیملی اچھی لگی ہے اور ہمیں تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیوں فیضان...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں؟'' صباحت نے تائید کے لیے شوہر کی طرف دیکھا تو زویا بھی پُرسکون ہو کر ماموں کو دیکھنے لگی۔

''آف کورس بیگم صاحبہ...... مجھے کیوں اعتراض ہو گا...... لیکن میں کوئی بھی فیصلہ جلد بازی میں کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ فیصل اور اس کی فیملی کے بارے میں پوری تسلی کرنے کے بعد ہی ان لوگوں کو جواب دوں گا...... کیونکہ زویا مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔ اور اس کے مستقبل کے لیے مجھے اپنا پورا اطمینان کرنا ہے تاکہ اپنے فرض سے احسن طریقے سے...... سبکدوش ہو کر اپنی مرحومہ بہن اور بہنوئی کی روح کے سامنے سرخرو ہو سکوں۔''

زویا کو ان کی باتوں پر جہاں دل میں ڈھیروں سکون اترتا محسوس ہوا تھا۔ وہیں ماں، باپ کے ذکر پر آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

''شکریہ ماموں...... آپ دونوں نے مجھے کبھی ماں، باپ کی کمی کا احساس ہونے نہیں دیا...... اور یہ دیکھ کر می، پاپا کی روحیں بہت پُرسکون ہوں گی۔''

''جیتی رہو بیٹا...... میں نے تو صرف اپنا فرض پورا کیا ہے۔ بس اب جلد...... ہی فیصل کے گھر

والوں سے مل کر تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔''

انہوں نے فیصل کے گھر جانے کا عندیہ دیا تو زویا جھینپ کر ان دونوں کو آگے کی پلاننگ کرنے میں مصروف چھوڑ کر اٹھ کر اپنے روم میں چلی آئی...... ابھی شاہ زین کو بھی تو یہ سرپرائز دینا تھا۔ وہ بے چینی سے اس کے اسپورٹس کلب سے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ شرمگیں مسکراہٹ لبوں پر سجائے شاہ زین کو اپنے اور فیصل کے بارے میں بتارہی تھی......اور وہ شاک کی کیفیت میں گم صم بیٹھا زویا کے سرشاری سے دمکتے چہرے کی چمک میں کھویا جیسے کچھ بھی سوچنے، سمجھنے یا بولنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکا تھا۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تو زویا کے چہرے پر پھیلی... سرشاری اور فیصل کے لیے اس کے لہجے سے چھلکتی وارفتہ محبت کے بارے میں سن کر گنگ بیٹھا تھا، وہ اسے جانے کون سے قصے سنا رہی تھی تب ہی کچھ لمحوں بعد شاہ زین کی برداشت اور حوصلے نے جواب دے دیا۔ اگلے لمحے اس نے جنونی کیفیت میں اٹھ کر سامنے کھڑی زویا کو بازوؤں سے پکڑ کے جھنجوڑ ڈالا تھا اور وہ بت بنی دہشت زدہ چہرے سے اس کے اس غیر متوقع ردِعمل پر سراسیمہ کھڑی رہ گئی، وہ تو اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی مگر خود سرپرائزڈ ہو گئی۔

''یہ کبھی نہیں ہو سکتا، میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا......آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے...... آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں، آپ تو میری دوست ہیں...... مجھ سے محبت کرتی ہیں پھر یہ فیصل ہمارے بیچ میں کہاں سے آگیا۔''

زویا گنگ کھڑی شاک کی کیفیت میں مبتلا شاہ زین کے لبوں سے جو انکشاف سن رہی تھی اس نے اسے صرف صدمے سے دوچار نہیں کیا بلکہ جیتے جی مار بھی دیا تھا۔ وہ اسے کیا سمجھتی رہی تھی اور وہ اسے کیا سمجھ بیٹھا تھا۔

''کیونکہ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں......بچپن سے آج تک، ہمیشہ سے اور ہمیشہ کرتا رہوں گا اور آپ صرف میری اور صرف میری ہیں...... کوئی بھی آپ کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتا اور اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اسے اور اپنے آپ کو شوٹ کر لوں گا۔''

''بس......'' اس سے زیادہ زویا کی قوتِ برداشت نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے غیر یقینی، ملامت سے پُر، غصے اور صدمے کی کیفیت میں شاہ زین کو دیکھا اور اگلے لمحے اس کا ہاتھ اٹھا تھا۔ زویا کے زوردار تھپڑ نے شاہ زین کے مضبوط وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ جواباً صدمے، حیرت اور بے یقینی سے گال پر ہاتھ رکھے زویا کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ لڑکھڑایا تھا مگر خود کو نیچے گرنے سے بچانے کے باوجود وہ زویا کی نظروں میں گرنے سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکا تھا۔ وہ اسے غصے اور ملامت سے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی شاہ زین...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میرے بارے میں اتنی گندی سوچ رکھتے ہو......میں تمہاری بڑی بہن کی جگہ ہوں۔ اور تم میرے بارے میں اس طرح سوچتے رہے ہو؟ مجھے تو خود سے بھی شرم آرہی ہے۔ میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا۔ اور تم کیا نکلے...... ایک سطحی ذہنیت رکھنے والے عام سے مرد......''

شاہ زین بڑے ضبط سے کھڑا زویا کی ملامتی نگاہوں کا سامنا کر رہا تھا۔ اسے زویا کے ایسے شدید... ردِعمل کا اندازہ نہیں تھا۔

''ارے اور کچھ نہیں تو میرے اور اپنی عمروں کے درمیان فرق کا ہی لحاظ کر لیتے۔ میں تم سے پورے آٹھ برس بڑی ہوں۔ تمہیں اپنی گود میں کھلایا ہے میں نے......اور تم! مامی اور ماموں کو پتا چلے گا تو وہ کیا سوچیں گے میرے بارے میں؟ تم نے تو مجھے ان کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں ان سے

نظریں کیا ملا سکوں گی۔'' زویا کے کاٹ دار ملامتی لہجے نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا مگر وہ بے اختیار جنونی انداز میں آگے بڑھا تھا اور اس سے پہلے کہ زویا اسے اور ملامت کرتی اس نے اپنا ہاتھ سختی سے زویا کے منہ پر جما کر اسے بولنے سے روکا تھا۔

''بس کریں آپ...... میں نے کوئی جرم نہیں کیا، کسی کو پسند کرنا، چاہنا جرم نہیں ہوتا۔ ہاں میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اپنے فعل پر کوئی ندامت نہیں ہے کیونکہ میرے جذبے پاکیزہ ہیں جسے آپ گندی سوچ کا نام دے رہی ہیں۔''

وہ حیرت اور صدمے سے شاہ زین کو دیکھ رہی تھی۔

''ہوں گی آپ مجھ سے بڑی...... مگر میں عمروں کے فرق کو نہیں مانتا...... اور نہ ہی میں نے کبھی آپ کو اپنی بہن سمجھا ہے، آپ صرف میری کزن اور دوست ہیں۔'' زویا نے اگلے لمحے جھٹکے سے اسے دور دھکیلا تھا۔

''نہیں ہو تم میرے دوست...... میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری دوستی پر...... اس سے تو اچھا تھا کہ میں اپنے ماں، باپ کے ساتھ ہی اس روڈ ایکسیڈنٹ میں مر جاتی۔ کم از کم آج یہ دن تو دیکھنا نہیں پڑتا۔'' شاہ زین اب دکھی ہو کر زویا کو دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اسے اپنی سچی محبت کا یقین دلائے۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تو زویا دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اسے شاہ زین کی ہٹ دھرمی پر غصہ آرہا تھا۔

''دور رہو مجھ سے...... تم نے رشتوں کے تقدس کو پامال کیا ہے۔ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔'' زویا نے تنفر بھرے لہجے میں کہا۔

''پلیز جیا...... میرا یقین کریں...... میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ کو ماما، پاپا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ ہم دونوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں انہیں منالوں گا...... پلیز جیا...... میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتا، نہیں جینا چاہتا۔''

وہ واقعی ! اس وقت ہوش و خرد سے بیگانہ لگ رہا تھا۔ ایک جنونی عاشق...... جس پر زویا کی ملامت و غصے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ زویا کو اس کی جرأت و بے باکی سے خوف آرہا تھا۔ اپنی رسوائی کا سوچ کر وہ اس کے سامنے سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے شاہ زین کی ہر غلط فہمی کو دور کرنا تھا یا پھر اس کے سر پر سوار عشق کے سودے کا جنون اتارنا ضروری تھا۔

''اسٹاپ اٹ شاہ زین...... اب تم ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔ اگر تمہیں اپنے اور میرے درمیان رشتے کی حرمت کا پاس نہیں رہا ہے تو میں تمہیں مزید اپنی انسلٹ کرنے نہیں دوں گی۔ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس لیے میں ہی یہاں سے چلی جاتی ہوں مگر جانے سے پہلے تمہیں بتا دوں، میں نے صرف فیصل سے محبت کی ہے اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔ لیکن جس طرح تم نے مجھے دوستی کے نام پر رسوا کیا ہے، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

زویا بھری آنکھوں کے ساتھ شاہ زین کو ملامت سے دیکھتی لونگ روم کی سیڑھیاں تقریباً بھاگتے ہوئے طے کر کے اپنے روم میں جا کر بند ہوگئی...... پیچھے زویا کی ملامتوں کی بازگشت میں گھرا شاہ زین جس کے جنون کی شدت کو زویا کی ملامتوں نے بھی کم نہیں کیا تھا۔ وہ نہ اپنے اعترافِ محبت پر شرمندہ تھا اور نہ ہی اپنے جذبوں کی سچائی سے پھرنے والا تھا۔ البتہ نارسائی کے دکھ اور زویا کی جدائی کے ساتھ اس کی ناراضی کا سوچ کر وہ سچ مچ پاگل ہونے لگا اور اسی جنون کے ساتھ وہ ماں کے سامنے آکھڑا ہوا۔ کیونکہ وہ زویا کو کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

☆☆☆

زویا اپنے بیڈ پر صدمے سے چور بیٹھی تھی۔ شدتِ گریہ سے اس کی آنکھیں متورم تھیں۔ آنکھ کے ڈورے گلابی ہو رہے تھے۔ جو کچھ شاہ زین نے اس کے بارے میں کہا تھا اسے سن کر وہ اب تک بے یقین تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر اس سے کہاں کوتاہی ہوئی ہے۔ مگر اس سے زیادہ اس کا دل یہ سوچ کر

شرمندگی و ندامت میں غرق ہو رہا تھا کہ جب ماموں اور مامی کو شاہ زین کی اس سوچ کا علم ہوگا تو وہ زویا کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ وہ کیسے خود کو بے گناہ ثابت کر سکے گی۔ کیسے ان لوگوں کو فیس کرے گی؟ یہ کیسی محبت تھی اس کی...... کیسا جنون تھا جو زویا کو رسوائی اور ذلت کے گڑھے میں دھکیل رہا تھا۔ اسے اپنی ہی نہیں زمانے کی نظروں میں بھی گرانا چاہتا تھا۔ وہ ہراساں تھی، فکرمند اور دلگرفتہ بھی......

☆☆☆

اس وقت وہ اپنے ماں، باپ کے بیڈروم میں ان کے سامنے کھڑا زویا اور اپنے رشتے کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ جسے سن کر صباحت ہی نہیں فیضان صاحب بھی شاک کی کیفیت میں مبتلا غیر یقینی نگاہوں سے اپنے سولہ سترہ سالہ بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔ جس کے معصوم چہرے پر ابھی مردانہ وجاہت کے فطری خدوخال بھی پوری طرح نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ اور وہ اپنے سے آٹھ سال بڑی لڑکی سے شادی کرنے کی بات کر رہا تھا۔

''پاپا پلیز...... آپ مجھے غلط مت سمجھیے گا۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ میں واقعی جیا سے محبت کرتا ہوں، اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، پلیز آپ لوگ مجھے......''

اس سے پہلے کہ شاہ زین مزید کچھ کہتا...... صباحت بخاری کا زوردار تھپڑ اسے خود بخود چپ کرا گیا۔ وہ غصے کی شدت سے پھٹ پڑی تھیں۔

''بس کرو زین...... اس سے آگے میں تمہاری فضول بکواس ہرگز نہیں سنوں گی۔ تم اپنے ہوش میں نہیں ہو ورنہ کبھی ہمارے سامنے اتنی بے ہودہ بکواس کرنے کی جرأت نہ کرتے...... تمہیں اندازہ بھی ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔'' وہ غصے کی شدت سے ہانپنے لگی تھیں۔ اور شاہ زین شاک سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے تو کبھی اس سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی تھی۔ اور آج اس پر ہاتھ اٹھالیا، اسے شرمندگی کے بجائے غصہ آیا تھا۔ باپ کے سامنے ہتک محسوس ہوئی تھی...... اور اب وہ چپ نہیں رہا تھا۔

''مام پلیز...... آپ میرے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتیں۔ آپ کو میری بات سننی پڑے گی۔'' شاہ زین کی ہٹ دھرمی نے انہیں اور تاؤ دلایا تھا۔ وہ غصے سے آگے بڑھیں...... تب ہی فیضان صاحب تیزی سے بیڈ سے اٹھ کر ان کے درمیان آ کھڑے ہوئے اور بیگم کو روکا تھا۔

''کیا کر رہی ہو تم...... جوان بیٹے پر ہاتھ اٹھا رہی ہو...... بند کرو یہ تماشا زین...... تمہیں اندازہ بھی ہے تم زویا کے لیے کیا کہہ رہے ہو۔'' انہوں نے ملامت سے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ بے بس سے اپنے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑ کے رہ گیا...... اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی فیلنگز کو جسٹی فائی کرے۔ سب اسے غلط سمجھ رہے تھے۔

''ارے، یہی تربیت اور پرورش کی ہے میں نے تمہاری...... تم اپنے ماں باپ کا لحاظ، شرم بھی بھول چکے ہو اور زویا...... ! مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی۔ وہ بے شرم لڑکی میرے ہی گھر میں، میرے ہی ٹکڑوں پر پل کر نقب لگائے گی۔'' صباحت بخاری صدمے اور غصے میں شاید سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو گئی تھیں۔ تب ہی تو بنا سوچے سمجھے معصوم زویا پر اتنا بڑا بہتان لگا رہی تھیں۔ فیضان صاحب کے ساتھ شاہ زین نے بھی انہیں اس الزام پر ناگواری سے دیکھا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی...... ارے...... وہ اپنی عمر کا ہی لحاظ کر لیتی...... شاہ زین کو اپنی گود میں کھلایا ہے اس نے...... اور وہ بے غیرت لڑکی اس سے شادی کے خواب دیکھ رہی ہے۔'' صباحت واقعی دکھ اور صدمے کی کیفیت میں زویا کی طرف سے بدگمانی میں ہذیان بک رہی تھیں۔ اور ان کے تیور دیکھ کر فیضان بھی دم بخود کھڑے تھے۔ اور شاہ زین! اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے اندھے جنون کے آگے زویا ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی کی کھائی میں جا گرے گی۔

"تم ہوش میں تو ہو...... یہ کیا فضول بکواس کر رہی ہو صباحت بیگم...... تم زویا کے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو۔" فیضان بخاری اتنی دیر سے خاموش کھڑے تھے مگر معصوم بھانجی پر اتنا کریہہ الزام برداشت نہیں کر سکے۔ شاہ زین بھی ماں کے غصیلے تیوروں کو دیکھ کر سہم گیا تھا۔

"ہاں، پاگل ہو گئی ہوں میں...... کوئی بھی ماں اپنے اکلوتے بیٹے کی ایسی دیوانگی پر پاگل ہو سکتی ہے مگر میں شاہ زین کو یہ پاگل پن نہیں کرنے دوں گی۔ میں ابھی جا کر زویا کا دماغ درست کرتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ فیضان انہیں روکتے وہ آندھی طوفان کی طرح روم سے تیزی سے باہر نکل گئی تھیں، شاہ زین نے گھبرا کر باپ کی طرف دیکھا جو پہلے ہی اسے ملامت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اسی کی وجہ سے زویا پر اتنا گھناؤنا الزام لگا تھا۔ انہیں اس پر ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔ وہ شاہ زین کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے بیگم کے پیچھے روم سے باہر نکلے تھے اور شاہ زین وہیں بے بس سا کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

شاہ زین کی زبان سے نکلے انکشاف نے جہاں زویا کو جیتے جی مار دیا تھا اب صباحت مامی کے بے بنیاد الزام نے زندہ درگور بھی کر دیا۔ وہ غیر یقینی سے اس عورت کو شعلے اگلتے دیکھ رہی تھی جسے اس نے ہمیشہ ماں کا درجہ دیا تھا...... اسے ماں ہی سمجھا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی میری ناک کے نیچے میرے ہی گھر میں اتنا گندا کھیل، کھیل رہی ہو گی تم...... میری پرورش اور تربیت کو یوں داغ دار کرو گی۔ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ کر وار کرتی ہے، تم نے تو میرے ہی گھر میں نقب لگا کر پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ مجھے کیا پتا تھا یتیم سمجھ کر پالنے والی بچی جوان ہو کر آستین کا سانپ بن کر مجھے ہی ڈس لے گی۔" ان کی زبان الزامات کی بوچھاڑ نہیں، زہر میں بجھے تیر برسا رہی تھی۔ جس سے زویا کی روح تک زخمی ہو کر چھلنی ہو رہی تھی۔ وہ بھری آنکھوں سے انہیں دیکھ کر سوچ رہی تھی کیا انہیں اپنی تربیت پر اتنا ہی بھروسا تھا کیا وہ زویا کو اتنا ہی جانتی تھیں......

"پہلے اپنے کالج کے لڑکے کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی...... اور اب میرے معصوم بچے کو اپنی گندی ہوس کا شکار بنانا چاہتی ہو۔ ایسی بے شرمی! اتنی بے حیائی، ایک طرف کالج کے لڑکے سے افیئر چلا رکھا ہے اور دوسری جانب چھوٹے بھائیوں کی عمر کے کزن کو اپنے عشق میں دیوانہ بنا کر ہمارے سامنے کھڑا کر دیا...... ارے، میری تو عمر بھر کی پونجی لٹ جائے گی۔" اس کی برداشت جواب دینے لگی تو اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ وہ ان کے سامنے اپنی صفائی دینا چاہتی تھی مگر حلق میں آنسوؤں کا گولا جیسے اسے قوت گویائی سے محروم کر گیا تھا۔ وہ انہیں چیخ چیخ کر بتانا چاہتی تھی کہ ان کے لگائے الزامات میں کوئی سچائی نہیں ہے مگر چاہ کر بھی وہ ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکی۔ شاید ان کی تربیت و پرورش کا پاس تھا یا احسان مندی کا خراج جسے زویا کی زباں بندی اور خاموشی نے آنسوؤں کے ساتھ ادا کیا تھا۔

صباحت بخاری منہ سے کف اڑا رہی تھیں لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک پڑھی لکھی، مہذب خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون ہیں۔ وہ اب بھی کچھ اور زہر افشانی کرتیں اگر جو فیضان بخاری انہیں زویا کے روم سے گھسیٹتے ہوئے باہر نہ لے جاتے۔ زویا کے آنسوؤں اور سسکیوں نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کی سسکیاں کمرے کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر بین کر رہی تھیں۔ اور دور کھڑی افسردہ تنہائی نے ناگواری سے صباحت بخاری کو جاتے ہوئے دیکھ کر اسی وقت اس گھر میں ہمیشہ کے لیے ڈیرا ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

اس سارے ہنگامے سے قطع نظر شاہ زین اپنی ضد پر قائم تھا اور اس نے صاف لفظوں میں اپنی ماما اور پاپا کو باور کرا دیا کہ وہ زویا کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرے گا۔ اور اگر انہوں نے زویا کی شادی فیصل

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد
نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی
فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم
نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیم الحق
رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

سے کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ یہ گھر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا۔ شاہ زین کا فیصلہ سن کر فیضان بخاری کی سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی۔ وہ صباحت بخاری کی ضد کے آگے مجبور ہو گئے۔ جنہوں نے شاہ زین کی دھمکی کی پروا کیے بغیر ایک ہفتے کے اندر زویا کو فیصل کے ساتھ شادی کر کے اس طرح رخصت کر دیا جیسے کوئی ناسور کو جسم سے کاٹ کر پھینکتا ہے اور وہ اپنے حق میں کوئی وضاحت، کوئی دلیل دیے بغیر اس گھر سے چپ چاپ سارے الزام اپنے سر پر لے کر بھاری دل کے ساتھ رخصت ہو گئی۔

شاید یہ ان کی پرورش کا خراج تھا۔ جو زویا کی زباں بندی نے ادا کیا تھا۔ ان محبتوں کا خراج جو اس گھر میں اس پر لٹائی گئی تھیں جب تقدیر اور وقت دونوں اس پر مہربان تھے مگر اسے تقدیر کی نامہربانی سے شکایت نہیں تھی۔ اپنی پیاری مامی سے گلہ تھا جنہوں نے اپنی پرورش کو جھٹلا دیا تھا۔ شاہ زین بخاری سے تھا جس نے اس کے اعتماد کو توڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ زویا بھی ٹوٹ گئی تھی کبھی نہ جڑنے کے لیے۔

☆☆☆

زویا کو پا کر فیصل تو بہت خوش تھا اس کی دلی مراد جو پوری ہو گئی تھی یہ تو شکر تھا کہ صباحت بخاری نے اس کے سسرال والوں کے سامنے کوئی ہرزہ سرائی کرنے کے بجائے اس کا بھرم رکھ لیا۔ ورنہ زویا کے لیے تو جینے کا جواز ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ عورت محبت کے بغیر جی سکتی ہے مگر عزت کے بغیر نہیں...... اگر فیصل کو سچائی کا علم ہو جاتا تو وہ بے گناہ ہو کر بھی اس کے سامنے نظریں ہی نہیں سر اٹھانے کے قابل بھی نہ رہتی۔ اور یہ مر جانے کا مقام ہوتا ویسے بھی جو کچھ کے اس کی روح پر لگائے گئے تھے اس کے بعد زندہ تو صرف اس کا وجود ہی تھا۔ ورنہ فیصل کی محبت بھری رفاقت پا کر بھی اس کے وجود میں خوشی کا احساس مردہ ہو چکا تھا۔ وہ فیصل کی محبت اور خوشی کی خاطر خوش رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خود کو سنبھالنے کی، دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش...... البتہ

فیضان صاحب نے شادی کے بعد صباحت بخاری کے چاہنے کے باوجود زویا پر ”خوشنما ولا“ کے دروازے بند نہیں ہونے دیے تھے۔ وہ اس کا میکا تھا جو ہر لڑکی کا مان ہوتا ہے۔ وہ سسرال میں زویا کا مان قائم رہنے دینا چاہتے تھے۔ وہ جب چاہے اپنے میکے آسکتی ہے اور شروع میں وہ آتی بھی رہی تھی لیکن صرف ماموں سے مل کر چلی جاتی۔ مامی اس سے نہیں ملتی تھیں۔ جبکہ شاہ زین نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا تھا۔ اے لیول کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر چلا گیا۔ اور وہاں جا کر اس نے پاکستان کبھی واپس نہ آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ البتہ فون پر اس نے ماں کو ساری سچائی بتا دی تھی۔ اس سارے ہنگامے میں جو الزامات انہوں نے زویا کی ذات پر لگائے تھے اس میں کوئی صداقت نہیں تھی۔ اس نے لفظ بہ لفظ وہ ساری باتیں ماں کو بتا دیں جو زویا نے اسے اس کے پروپوز کرنے پر کہیں تھیں اور یہ بھی کہ انہوں نے معصوم زویا پر الزام لگا کر اپنی بیٹی ہی کو نہیں کھویا بیٹے کو بھی کھو دیا ہے۔ اس گناہ کے لیے وہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اور ان کی سزا یہی ہے کہ اب وہ عمر بھر اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ترسیں گی جبکہ صباحت بخاری تو سچائی جان کر پہلے ہی صدمے اور ندامت سے گنگ تھیں۔ شاہ زین نے ان کے جرم کی سزا سنا کر وجود سے روح بھی کھینچ لی۔ وہ روئی..... گڑگڑائی تھیں اس کے سامنے لیکن شاید وہ خود کو ہر جذبے سے عاری و بے حس کر چکا تھا۔ اور پھر اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔

☆☆☆

ادھر صباحت مامی نے رو، رو کر زویا سے اپنی بدگمانی اور ناروا سلوک کی معافی مانگی تھی۔ اور اعلیٰ ظرف زویا نے انہیں معاف بھی کر دیا تھا۔ اس نے انہیں ماں کا درجہ دیا تھا۔ وہ واقعی احسان فراموش نہیں تھی۔ اپنی پرورش کا خراج شاید اسے ساری زندگی ادا کرنا تھا۔ اس لیے کہ وہ صباحت کی بیٹی نہیں فیضان بخاری کی بھانجی تھی۔ مگر ان کے اپنے خون نے انہیں

معاف نہیں کیا۔ اپنی اسٹڈیز مکمل ہونے پر شاہ زین وہیں کینیڈا میں سیٹل ہوگیا اور پچھلے دس سالوں سے وہیں تھا۔ اور ان دس سالوں میں اس نے پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ وہ سب کو ایسے بھول گیا جیسے دنیا میں اکیلا ہو۔ اس کی ذات سے کوئی رشتہ جڑا نہ ہو۔ وقت بہت سست رفتاری سے آگے بڑھا تھا یا پھر صباحت بخاری کو لگتا تھا جو پوری طرح ٹوٹ چکی تھیں، جانتی تھیں بیٹا بہت ضدی ہے۔ فیضان صاحب بھی اسے واپس پاکستان لانے کی ہر کوشش میں ناکام ہو کر خود کو بزنس کے جھمیلوں میں مصروف کر چکے تھے۔ بالآخر صباحت بخاری کو "خوشنما ولا" میں پھیلی تنہائی اور ویرانی کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑا تھا۔ وہ اتنے بڑے گھر میں تنہا رہ گئیں۔ شاہ زین کی طرح گھر کی رونقیں بھی ان سے روٹھی ہوئی تھیں۔ انہیں بھی ان پر ترس نہیں آتا تھا۔ وہ بھی گھر کے ہر کونے میں کھڑی صباحت کی بے بسی پر مسکرایا کرتی تھیں۔ وہ اکثر ٹیرس میں کھڑی لان کے اس حصے کو تکا کرتیں۔ جہاں بچپن میں شاہ زین اور زویا تتلیاں پکڑا کرتے تھے۔

آج بھی وہ پژمردہ سی اداس کھڑی لان کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے سالوں پہلے جو کچھ معصوم زویا کے ساتھ کیا تھا۔ اس کا پچھتاوا، ندامت بن کر ان کی آنکھیں گیلی رکھتا تھا۔ آج بھی انہیں وہ ساری باتیں اور سارے الزامات یاد تھے۔ شاید کچھ زخموں کا مداوا وقت بھی نہیں کرتا۔ وہ پژمردہ و مضمحل سی کھڑی سود و زیاں کا حساب کتاب کر رہی تھیں۔ شاید تلخ ماضی کا سفر انسان کو ایسے ہی تھکا دیتا ہے۔ اور پچھتاوے یوں ہی ندامت کے آنسو بن کر رہ جاتے ہیں۔ وہ افسردہ سی پلٹنے لگی تھیں۔ جب اچانک ہی لان کے ویران منظر میں ایک جیتی جاگتی تصویر نمودار ہوئی۔ جواب لان کے خوشنما پھولوں پر بیٹھی رنگین تتلی کے تعاقب میں بھاگنے لگی تھی۔ صباحت کے لبوں پر اسے دیکھ کر بے ساختہ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ ابھری اور لبوں سے لفظ عنایہ ادا ہوا تھا۔ بے بی پنک کلر کی

موت اور جہنم

انسان موت سے بھاگنے کی عمر بھر جستجو کرتا رہتا ہے اور جہنم سے بچنے کی تدبیر نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر انسان جہنم سے بھاگنے کی تدبیر کرے تو اس سے بچ سکتا ہے۔ وہ جس موت سے بچنے کے لیے عمر بھر بھاگتا ہے، وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ اس لیے موت سے فرار کے بجائے جہنم سے فرار کی تدبیر کریں۔ اس سے پہلے کہ موت آئے اور جہنم سے چھٹکارے کے لیے دامن خالی ہو۔

مرسلہ: ساجدہ ظفر، کمالیہ

گھٹنوں سے اوپر فراک اور وہائٹ ٹائیٹس میں آٹھ سالہ عنایہ نے اچانک ہی صباحت کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی۔ ان کے پژمردہ چہرے پر اس معصوم پری کو دیکھ کر رونق آئی تھی۔ وہ مسکرانے لگیں اب وہی تو ان کے جینے کا سہارا اور "خوشنما ولا" کی جیتی جاگتی رونق تھی۔ وہ عنایہ کے پاس جانے کے لیے بے چین ہوئیں اور پلٹ کر ٹیرس کی نیچے جاتی سیڑھیوں کی جانب بے تابی سے لپکی تھیں۔

☆☆☆

دو سال پہلے زویا چھ سالہ عنایہ کو لے کر "خوشنما ولا..." میں فیضان صاحب کے ساتھ ان کے بے حد اصرار پر آئی تھی۔ ورنہ فیصل کے ماں، باپ تو اسے اور عنایہ کو اپنے ساتھ کینیڈا لے جا رہے تھے۔ فیصل کی ڈیتھ کے بعد سارہ بیگم کینیڈا میں اپنے بھائی کے پاس ہمیشہ کے لیے سیٹل ہونے جا رہی تھیں۔ اب پاکستان سے ان کا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ جوان بیٹے کی.... بے وقت موت نے ان میاں، بیوی کو توڑ کے رکھ دیا تھا۔ اگر زویا اور عنایہ کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ دونوں جینے کا حوصلہ ہی ہار دیتے۔ فیصل کو جگر کا کینسر تشخیص ہوا تھا۔

محسن صاحب اسے یورپ کے بڑے سے بڑے اسپتال میں علاج کے لیے لے جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے سارے انتظامات بھی کر لیے تھے۔ مگر شاید فیصل کی زندگی کی جمع پونجی ختم ہو چکی تھی۔ اور علاج کے لیے باہر جانے سے پہلے ہی وہ ملک عدم سدھار گیا۔ سارہ بیگم کا تو صدمے سے برا حال تھا۔ محسن صاحب بھی غم سے نڈھال تھے۔ اور زویا کے لیے خوشنما ولا میں صباحت بخاری کے سلوک کے بعد یہ ایک اور بڑا صدمہ تھا جسے اس نے بڑے صبر سے جھیلا تھا۔ عنایہ اس کی شادی کے دو سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ باپ کی موت کے وقت وہ محض چھ برس کی معصوم بچی تھی۔ جسے اپنے قیمتی نقصان کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ تو بس ماں کی آغوش میں سارے نقصانات سے بے نیاز تھی۔ باپ کو یاد کرتی تھی اور زویا جانے کس طرح بہلایا کرتی تھی۔ اس نے خود کو ہی نہیں ساس، سسر کو بھی بڑے حوصلے و ہمت سے سنبھالا تھا۔ عنایہ کی معصوم ذات ہی تو اب ان سب کے جینے کا مقصد اور سہارا تھی۔ اور پھر وقت نے کچھ آگے سفر کیا تو سارہ بیگم نے بڑے بھائی کے اصرار پر کینیڈا ان کے پاس سیٹل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ زویا اور عنایہ کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن فیضان صاحب خود سے اتنی دور انہیں بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے اصرار پر ہی محسن صاحب اور سارہ بیگم نے زویا کو ماموں کے ساتھ جانے کی اجازت دی تھی۔ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ ان سے ملنے پاکستان آتے رہیں گے۔ یوں زویا دو سال پہلے ''خوشنما ولا'' میں ماموں کی خاطر دوبارہ آنے پر مجبور ہوگئی۔ وہ چاہ کر بھی ان کی محبتوں کا قرض نہیں اتار سکتی تھی۔ جہاں سے اسے کچھ برس پہلے اجنبی بنا کر ہر رشتہ توڑ کے نکالا گیا تھا۔ وہ ان محبتوں کی خاطر مامی کو معاف کر چکی تھی۔ جو اپنے حصے کی سزا آج تک بیٹے کی جدائی کی صورت جھیل رہی تھیں اور پھر قدرت کو بھی ان کے پچھتاوؤں و ندامت پر رحم آ گیا۔

☆☆☆

کینیڈا میں شاہ زین کی ملاقات فیصل کے پیرنٹس سے ہوئی تھی۔ جن کی زبانی اسے زویا کی زندگی اجڑنے کا علم ہوا تو اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے تو اپنی زندگی سے زویا کے جانے کے بعد اس کی دائمی خوشیوں کی دعا کی تھی مگر پھر بھی اس کی خوشیوں کو بدقسمتی کی نظر لگ چکی تھی۔ لیکن وہ آج بھی زویا سے محبت کرتا تھا۔ اور اس کی خاطر اب تک تنہا زندگی گزار رہا تھا۔ کیونکہ دل پر صرف جذبات کی حکمرانی چلتی ہے۔ پھر وہ اپنے دل کا کیا کرتا...... جو بچپن میں اچھی لگنے والی مہربان پری زویا پر نوجوانی کی عمر میں اپنا دل ہار بیٹھا۔ بچپن کے ساتھ انسیت ولگاؤ کب چاہت کے احساس میں ڈھلے تھے، اسے پتا ہی نہیں چلا۔ فیصل سے اس کے رشتے کا سن کر ہی اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ زویا سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ اس کی توقع کے برخلاف تھا۔ اس نے غلط وقت پر اپنی چاہت کا اظہار کر کے نادانی کی تھی مگر سولہ برس کی عمر میں اسے یہ اندازہ ہرگز نہیں تھا کہ اس کے اور زویا کی عمروں کے فرق کو جواز بنا کر اسے مجرم ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے نزدیک تو محبت عمر یا ذات دیکھ کر نہیں ہوتی۔ یہ تو وہ الہامی جذبہ ہے جو دلوں کو اسیر کرتا ہے، وہ اس جذبے کا اسیر ہو گیا پھر کیا ہوا جو زویا اس کے لیے وہ جذبات نہیں رکھتی تھی۔ جو شاہ زین کے دل میں اس کے لیے تھے۔ لیکن اس نے پھر زویا کے جذبات کا پاس کیا تھا اور اس کے انکار کے بعد خاموشی سے گھر تو کیا ملک ہی چھوڑ آیا تھا۔ جہاں اس کی یاد اسے زندگی میں بھی آگے بڑھنے نہ دیتی۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے بعد پریکٹیکل لائف شروع کر کے زندگی میں آگے ضرور بڑھ گیا تھا۔ مگر تنہا اور اکیلے اب اتنے سالوں بعد زویا کے حوالے سے اتنی دردناک سچائی کا علم ہوا تو اس نے دیارِ غیر سے کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

شاہ زین کی اتنے سالوں بعد ''خوشنما ولا'' میں

واپسی سے گھر کی روٹھی ہوئی خوشیاں اور رونقیں لوٹ آئی تھیں۔ وہ سب سے نارمل انداز میں بی ہیو کررہا تھا۔ سوائے صباحت بخاری کے جن سے اس کا رویہ ہنوز لیا دیا سا تھا۔ شاید اس نے انہیں اب تک معاف نہیں کیا تھا۔ صباحت کو اس کے غیر جذباتی رویوں سے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔ وہ تو اس کی سالوں کی جدائی سہتے ٹوٹ چکی تھیں۔ اب مزید اس کی بے رخی و... بے اعتنائی سہنے کی ہمت نہیں تھی اور وہ جانتی تھیں انہیں شاہ زین سے معافی صرف ایک ہستی ہی دلا سکتی تھی۔

اور وہ زویا تھی۔ جس کی اجڑی زندگی اور عنایہ کے معصوم بچپن کی محرومیوں کو دیکھ کر وہ حد سے زیادہ دکھی رہتی تھیں۔ ان کے اور فیضان بخاری کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ دوسری شادی کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب شاہ زین کی واپسی کے بعد وہ کچھ اور ہی سوچنے لگی تھیں۔ انہوں نے اس بارے میں فیضان صاحب سے بات کی تو پہلے وہ بیگم کی بات پر حیران ہوئے تھے پھر خوشی کا اظہار کر کے ساری ذمے داری ان کے سر ڈال دی تھی۔ اکلوتے بیٹے کی ویران زندگی میں بہاریں کس طرح واپس لانی ہیں، اب یہ ان کا ہیڈک تھا اور آج اتنے سالوں بعد انہیں سمجھ آیا تھا کہ دلوں پر دماغ کی نہیں جذبات کی حکمرانی چلتی ہے۔ اس وقت وہ بیٹے کے جذبات کی سچائی کو نہیں سمجھ سکی تھیں۔ مگر اب احساس ہوا تھا کہ اگر جذبات میں خلوص و صداقت ہو تو عمروں کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ کیا ہوا جو زویا ان کے بیٹے سے آٹھ سال بڑی تھی۔ وہ ان کے بیٹے کی خوشی تھی۔ جس کی انہوں نے شوہر کی بھانجی سمجھ کر نہیں اپنی بیٹی سمجھ کر پرورش کی تھی۔ اور اس نے بھی بیٹی کا حق ادا کیا تھا۔ بس صباحت بخاری کی آنکھ پر وقتی بدگمانی اور کدورت کی پٹی بندھ گئی تھی۔ اب انہیں ایک ماں ہونے کا فرض ادا کرنا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زویا کی طرح عنایہ بھی عمر بھر باپ کی محرومی کے ساتھ پلے بڑھے۔ بس اب انہیں زویا کو راضی کرنا تھا اور انہوں نے سوچ لیا تھا کہ زویا کو منانے کے لیے اگر انہیں اپنی موت اور زندگی کا سوال رکھنا پڑے تو وہ یہ بھی کریں گی۔ یہ تین زندگیوں کے مستقبل اور خوشیوں کا سوال تھا۔ عنایہ تو صرف چند دنوں میں ہی شاہ زین کے وجود کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ وہ آفس سے واپس آتا تو سارا وقت پروانوں کی طرح اس کے آس پاس رہتی تھی۔ شاہ زین بھی تو اسے بے حد عزیز رکھتا تھا۔ جو چھوٹی سی عمر میں باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئی تھی۔ اور اب یہ کمی، یہ خلا شاہ زین کی ذات سے غیر محسوس طریقے سے پُر ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ بڑی امید اور مان کے ساتھ زویا کے پاس آئی تھیں اور بیڈ پر اس کے ہاتھ کو تھامے بیٹھی تھیں۔

''میں نہ تمہیں زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے آئی ہوں اور نہ ہی اپنی پرورش کا خراج تم سے مانگوں گی۔ میں تو بس تم سے ہاتھ جوڑ کر اپنے بیٹے کی خوشیوں کی بھیک مانگنے آئی ہوں۔ تم کہو گی تو وہ مجھے معاف کردے گا۔ کیونکہ وہ تمہاری بات کبھی نہیں ٹال سکتا۔ تمہاری ایک ہاں سے وہ جی اٹھے گا۔''

ان کی باتوں کے مفہوم کو نہ سمجھتے ہوئے زویا نے ان کے ہاتھوں کو عقیدت سے تھاما تھا جو اس کے سامنے ہاتھوں کو باقاعدہ جوڑ کر بیٹھی تھی۔

''یہ آپ کیا کررہی ہیں مامی...... آپ میری ماں کی جگہ ہیں، پلیز...... آپ اس طرح مجھے شرمندہ مت کریں اور آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ وہ تو آپ کا بیٹا ہے۔ آپ کو اس سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ زیادہ دیر آپ سے ناراض نہیں رہ سکے گا۔ میں اس سے بات کروں گی، اسے سمجھاؤں گی۔'' زویا نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو انہوں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں قید کرلیا۔

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے کیونکہ میرے بیٹے کی ویران زندگی میں صرف تم خوشیاں لے کر آسکتی ہو۔ صرف تمہاری ذات میرے بیٹے کی ہر خوشی کی ضامن ہے۔ اس نے تمہاری محبت میں دس سالوں کا بن باس

کاٹا ہے۔ میں تم سے اپنے بیٹے کی خوشیوں کی بھیک مانگتی ہوں زویا...... شاہ زین سے شادی کے لیے ہاں کہہ دو......'' اور زویا نے بے اختیار اُن کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت سے اپنے ہاتھوں کو چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر صباحت نے اور مضبوطی سے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔ اور وہ بیچارگی سے انہیں دیکھنے لگی کیونکہ ان کی بات ماننا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس نے صرف فیصل سے محبت کی تھی اور ساری زندگی اس کے نام کے ساتھ جڑے رہ کر باقی زندگی گزار دینی تھی اور اس کی آنکھوں میں اس احساس کو صباحت نے پڑھ لیا تھا۔ اسی لیے ملتجی لہجے میں گڑگڑائی تھیں۔

''خدا کے واسطے زویا...... انکار مت کرنا...... میں جانتی ہوں، تمہارے دل میں فیصل کے علاوہ کسی کی جگہ نہیں ہے۔ مگر مجھے اپنے بیٹے کی محبت اور جذبوں کی صداقت پر پورا بھروسا ہے۔ تمہارے دل میں اپنی جگہ ایک دن وہ خود بنالے گا کیونکہ میں جان گئی ہوں جذبوں میں خلوص وسچائی ہو تو عمروں کا فرق کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے تم بھی اس بارے میں کچھ مت سوچنا۔''

اور زویا ان کے جڑے ہاتھوں کو دیکھ کر بے بسی سے گم صم بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کیا اسے عمر بھر اپنی پرورش اور محبتوں کا خراج ادا کرنا ہوگا...... صباحت بخاری اس سے التجا کر رہی تھیں مگر اسے لگ رہا تھا وہ اس سے اپنی اتنے سالوں کی پرورش اور محبتوں کا قرض واپس مانگ رہی ہیں جو انہوں نے زویا پر لٹائی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ انہیں کیا جواب دے۔ شاہ زین کی تنہا، ویران زندگی اس کے سامنے تھی اور اس میں شاہ زین کا کیا قصور تھا کہ اسے زویا سے محبت ہوگئی۔ محبت سوچ سمجھ کر کب کی جاتی ہے؟ یہ تو بے اختیار ہوتی ہے اور انسان کو بھی بے اختیار کر دیتی ہے۔ یہ زویا سے بڑھ کر کون جانتا ہوگا۔ جس نے فیصل سے دل و جان سے محبت کی تھی اور اب شاہ زین اسی مقام پر کھڑا تھا۔

صباحت بخاری اسے امید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کی جواب کی منتظر تھیں...... اور شاید شاہ زین بھی جو ابھی کچھ دیر پہلے سوئی ہوئی عنایہ کو گود میں اٹھا کر زویا کے پاس لے کر آیا تھا مگر کمرے کے ادھ کھلے دروازے کے باہر ہی رک گیا تھا، صباحت بخاری اس سے اپنے بیٹے کی خوشیوں کے لیے التجا کر رہی تھیں۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا مگر انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ صرف شاہ زین ہی نہیں زویا اور عنایہ سے بھی بہت محبت کرتی ہیں۔ اور زویا ان کی محبت کے سامنے ہار گئی۔ اس نے انہیں مایوس نہیں کیا۔

''ٹھیک ہے مامی...... مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے کیونکہ میرے لیے آپ کی خوشی سے بڑھ کر مقدم کچھ نہیں ہے۔ آپ میری ماں کی جگہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔'' اور زویا کی ہاں سن کر صباحت بخاری نے بے ساختہ اس کی صبیح پیشانی پر محبت سے بوسہ دیا تھا۔ اس نے ان کا مان رکھ لیا تھا۔ وہ سرشاری کی کیفیت میں اس کے ہاتھوں کو لبوں سے چوم رہی تھیں۔ اور کچھ فاصلے پر کھڑے شاہ زین نے نرمی سے عنایہ کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا تھا۔ جیسے دل ہی دل میں عہد کر رہا ہو کہ وہ معصوم عنایہ کو کبھی باپ کی شفقت و محبت سے محروم نہیں ہونے دے گا۔ اس نے پُرسکون ہو کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ جواباً زویا کو گلے سے لگائے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر رہی تھیں اور زویا سوچ رہی تھی کہ معصوم عنایہ کو شاہ زین کے سوا کوئی شخص سگے باپ جیسی محبت وشفقت نہیں دے سکے گا۔ لہٰذا زویا کو لگا کہ یہ سودا خسارے کا نہیں ہے۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ منافقت کی زندگی نہیں گزارے گی کیونکہ نکاح ایک پاکیزہ رشتہ ہوتا ہے جو میاں، بیوی کے درمیان ایمان داری سے نبھانے کا عہد کہلاتا ہے لہٰذا وہ اس رشتے کو پوری ایمان داری سے نبھائے گی اور شاہ زین سوچ رہا تھا کہ وہ زویا کی زندگی میں کبھی فیصل کی جگہ لینے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ اس کے دل میں اپنی الگ جگہ خود بنائے گا۔ اس عہد نے اس کے لبوں کی مسکراہٹ کو پُراعتماد بنایا تھا۔





کرو کچھ ایسا

سیما بنتِ عاصم

ڈھولک بجی، نہ بارات سجی، نہ مایوں، مہندی کی فضولیات پر ہزاروں کا اسراف کیا گیا۔ نہ جہیز کے نام پر ایک تیلی لی گئی۔ اختر بھائی گنتی کے چند لوگوں کو لے جا کر اوصاف کی دلہن بیاہ لائیں۔ یہ اختر بھائی کے اکلوتے نورِ نظر اوصاف کی شادی تھی۔ جس کے چرچے کئی دن لوگوں کی زبان پر رہے۔ اوصاف کی شادی کی بابت اختر بھائی کا ہمیشہ سے یہی کہنا تھا کہ وہ اوصاف کے بعد کی چاروں بیٹیوں کو بھگتا کر ہی اوصاف کے

لیے سوچیں گی۔ اور ہوا بھی کچھ یہی تھا۔

ہر ماں کی طرح انہوں نے بھی بیٹے کے پالنے سے ہی اس کے سر پر سہرا سجانے کے خواب دیکھے تھے مگر اس کا کیا، کیا جائے کہ اوصاف کے والد سرفراز احمد کی وفات کے سبب ان کے گھر کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا تھا۔ وہ محکمۂ ڈاک میں ایک ایمان دار و فرض شناس ملازم تھے۔ اِک روز رستہ چلتے، چلتے ایسا گرے کہ پھر کبھی نہ اٹھ سکے۔ دل کا پہلا دورہ ہی جان لیوا ثابت ہوا۔ چھ بھائیوں میں ان کا پہلا نمبر تھا۔ سب جوائنٹ فیملی سسٹم کی ڈور میں بندھے تھے۔ دو سو چالیس گز کے گھر میں چھ کابک نما پورشنز تھے۔ سب کے دکھ سکھ پورشنز کی طرح الگ، الگ تھے۔ اپنی، اپنی ڈفلی، اپنا، اپنا ڈھول......

سرفراز احمد نے وراثت میں ایک پلاٹ اور اس کی تعمیر کا خواب، ایک چھوٹا ہوزری گارمنٹس کا کارخانہ، ایک نوجوان لڑکا اور اوپر تلے کی چار بیٹیوں کا پہاڑ جیسا بوجھ چھوڑا تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب اختر بھابی کی دو چھوٹی بیٹیاں اسکول میں پڑھتی تھیں۔ سب سے بڑی سعدیہ اور پھر مونا انٹر کر کے فارغ تھیں اور ان کے لیے کسی اچھے بر کی تلاش تھی۔ اور اس کے بعد کی سامعہ اور نیہا نویں، دسویں میں تھیں۔ بیٹا اوصاف ۔بی کام کر رہا تھا۔ اس کے وہی لیل و نہار تھے جو اس عمر کے خوش فکر نوجوانوں کے ہوا کرتے ہیں۔ سرفراز احمد کی وساطت سے انھی کے محکمے میں کچی پکی سی نوکری بالآخر لگ چکی تھی جو اسی کے جیب خرچ کے کام آتی۔ باپ کی اچانک فوتگی کے باعث اس نے باپ کے عہدے کی نہ صرف ساکھ برقرار رکھی بلکہ دن رات ایک کر کے ہوزری گارمنٹس کارخانے کو بھی عروج بخشا تھا۔ اختر بھابی کے گھر کی گاڑی چل پڑی تھی۔ سرفراز احمد کے فنڈز اور دیگر امور کی رقم بینک میں بیٹیوں کی شادی کی نیت سے فکس کروادی گئی تھی۔ یہ اور بات کہ چار بیٹیاں بیاہنے کے تجربے نے اختر بھابی پر بخوبی آشکار کر دیا تھا کہ ہر

دوسرے گھر میں بن بیاہی بیٹیاں اپنی قسمت سے بڑھ کر معاشرے کی سفاک روایتوں کو رو رہی تھیں اس لیے کہ چھانٹنے کے معاملے میں دنیا کا اعلیٰ معیار و طمع پرستی اس معاشرے کی اِک سفاک روایت ہے۔

اور اب اپنی آخری بیٹی بیاہنے کے بعد جب سے انہوں نے اوصاف کی شادی کی ٹھانی تھی، مشورے ہی چل رہے تھے۔ اوصاف کے سر میں عمر کی دھوپ بھر رہی تھی۔ کوئی کہتا کہ کچی عمر کی کوئی نوخیز کلی ہو کہ اسے عمر گنوانے کا احساس نہ ہو، گھرانا اعلیٰ ہو کہ دھوم مچ جائے ایسی بہو آئے جو پشتوں میں کسی کے نہ آئی ہو......

اور انہیں کسی اچھے گھرانے سے رشتہ مل بھی سکتا تھا۔ مگر انہوں نے سیدھے سبھاؤ کہہ دیا تھا۔

”مجھے اپنے اوصاف کے لیے، ہم پلہ، عزت دار گھرانے کا رشتہ درکار ہے۔ لڑکی باسیرت و باکردار ہوگی تو ہر اچھے برے کی خود پہچان کرے گی۔ بس اتنا ہو کہ شخصیت میں اوصاف کی برابری ہو۔“

شکل صورت، قد کاٹھ، اسٹیٹس کا کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ اب یہ صفات کون کھنگالتا ہے مگر اختر بھابی کا مشاہدہ تھا کہ آسمان سے اتری حور کی تلاش میں در، در جھانکنے اور ایک کے بعد ایک لڑکیاں رد کرنے والی مائیں ہی بعد ازاں بہوؤں کے دکھ اٹھاتی ہیں۔

انہوں نے چھان پھٹک کر تمام تر ذمہ اپنی منجھلی دیورانی کی بہن کوثر آپا کو سونپا تھا کہ وہ اس کام میں ماہر تھیں اور بڑے قابلِ اعتبار رشتے کرائے تھے۔ ادھر اختر بھابی کی بات پر کوثر آپا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

”آپ ٹھیک کہتی ہیں اختر بھابی! اپنے ہاتھوں سے دس رشتے کرواتی ہوں مگر لڑکے والوں کے مزاج، الامان الحفیظ...... ہر ایک کو بس آسمان سے اتری حور درکار ہے۔ اس پر لالچ، اللہ کی پناہ......“

اور اختر بھابی سے بڑھ کر بھلا اس دکھ سے کون واقف تھا۔ اولاً انہوں نے پہلی بیٹی سعدیہ کے رشتہ کا ذمہ بھی کوثر آپا کو ہی بخشا تھا۔ سعدیہ سلونی رنگت کی بڑی، بڑی آنکھوں والی پُرکشش و ذمے دار لڑکی تھی۔

دیکھا جائے تو ان کی سب سے باسیرت اور اعلیٰ کردار بیٹی مگر اس کا کیا، کیا جائے کہ سعدیہ سے اگلی مونا پر زیادہ نکھار تھا۔ سو ہر دفعہ بات مونا پر آکر ٹھہر جاتی۔ اگرچہ سعدیہ کی حق تلفی و دل آزاری اختر بھابی کو کسی طور منظور نہ تھی۔ مگر کئی اچھے رشتوں سے ہاتھ دھونے کے بعد ہی انہیں اور اک نصیب ہوا تھا کہ جس بیٹی کے لیے رشتہ مناسب لگے، بھگتا دینے ہی میں عافیت ہے... فی زمانہ لوگوں کا یہی چلن ہے پھر انہیں کوئی ایک بیٹی تو بیاہنی نہیں تھی۔ سعدیہ، مونا کے بعد سامعہ اور پھر ہنیا سو اس بار انہیں ہامی بھرنی ہی پڑی مگر سعدیہ کے لیے نہیں اس سے چھوٹی مونا کے لیے......

یہ تو اختر بھابی کا سگھڑاپا تھا کہ وہ سعدیہ اور مونا کے لیے ایک ساتھ تیاری کرتی رہی تھیں۔ سوچا تھا کہ مونا کی شادی تک سعدیہ کے لیے بھی ضرور کوئی سبیل بن جائے گی۔ تب وہ دونوں کو ساتھ ہی بھگتا دیں گی۔ مگر ہائے ری قسمت......! اور شکر کہ لوگ بے تکے سہی لالچی نہ تھے۔ ان سے جو کچھ بن پڑا کیا تھا اور خیر سے مونا خاصی شان سے پیا دیس سدھاری۔

مگر وہ جو اختر بھابی کا اِک اور خیال تھا کہ مونا کی خوب صورتی کے باعث اس کی شادی ہو جانے کی صورت میں سعدیہ کے لیے رستہ صاف ہو جائے گا، خام ثابت ہوا۔ مونا ہی کی شادی میں اس سے اگلی سامعہ پڑوس کے لندن پلٹ احتشام کو بھا گئی۔ تو یہ اس کی قسمت تھی۔ اختر بھابی بھلا کیوں اٹکاؤ ڈالتیں کہ جلد یا بدیر انہیں سامعہ کو بھی تو بھگتانا ہی تھا۔ احتشام کم تعلیم یافتہ مگر ہنر مند تھا...... سب سے بڑھ کر دیکھا بھالا تھا۔ خاندان بڑا ہی رکھ رکھاؤ والا تھا۔ ان سے کچھ نہاں نہ تھا حالات تقریباً دونوں خاندانوں کے مماثل ہی تھے۔ اس میں کچھ شک نہ تھا کہ گھر بھر کی ذمے داریاں بھگتا لینے کے بعد اب احتشام کا نمبر آیا تھا۔ دیکھا جائے تو سامعہ سے ٹھیک ٹھاک عمر کا تفاوت بنتا تھا مگر اختر بھابی نے ہر بار معیار ہلکا ہی رکھا تھا۔ سعدیہ کی گزرتی عمر نے ثابت کر دیا تھا کہ اعلیٰ اور دل کو ایک دم

غزل

منصب تو ہمیں بھی مل سکتے تھے لیکن شرط حضوری تھی
یہ شرط ہمیں منظور نہ تھی بس اتنی سی مجبوری تھی

کہتے ہیں کہیں اِک نگری تھی سلطان جہاں کا جابر تھا
اور خیر کا اذن عام بھی تھا یہ رسم وہاں جمہوری تھی

ہم ٹھوکر کھا کر جب بھی گرے راہ گیروں کو آواز نہ دی
وہ آنکھوں کی معذوری تھی یہ غیرت کی مجبوری تھی

لہجے میں انا ماتھے پہ شکن اس وقت کا عین تقاضا تھا
اب ہر وہ بات ضروری ہے جو پہلے غیر ضروری تھی

ہم اہلِ سخن کی قیمت ہے اقبالؔ زبانی داد۔ دہش
کل محفل میں جو ہم کو ملی وہ داد نہ تھی مزدوری تھی

شاعر: اقبال عظیم
مرسلہ: کوثر خالد جڑانوالہ

غزل

تم نے بارشوں کو صرف برستے دیکھا ہے
میں نے اکثر بارشوں کو کچھ کہتے دیکھا ہے

تم دیکھتے ہو بارشوں کی جل تھل کو ہر سال
میں نے برسات کو پلکوں پر مچلتے دیکھا ہے

کیسے مانگوں پھر برستا ساون رب سے
کہ ان آنکھوں نے دلوں کو ساون میں اجڑتے دیکھا ہے

سیکھ گئے ہیں ہم بارشوں کو اپنے اندر اتارنے کا فن
اور پھر سب نے ہمیں ہر پل ہر دم ہنستے دیکھا ہے

مرسلہ: مہرین ضیا، کراچی

لگ جانے والے رشتے فی زمانہ نایاب ہیں، اس لیے مناسب و معقول پر اکتفا کیا جائے، آگے قسمت...... احتشام کے لیے بھی انکار کا جواز ہی نہ تھا۔ دیکھے بھالے لوگ تھے۔ کنبہ بڑا ہی پر لڑکا لاکھوں میں ایک تھا۔ سامعہ کی بات ٹھہرتے ہی اختر بھابی نے بڑی بیسی ڈال لی تھی اور شادی کے لیے دو سال کا وقت لے لیا تھا۔ لیکن اُدھر سے منگنی کے بجائے نکاح پر اصرار تھا۔ احتشام کو کاغذی کارروائی نمٹا کر سامعہ کو وہیں بلانا تھا۔ سو انہیں مانتے ہی بن پڑی۔ مگر وہ جو کہتے ہیں نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن...... نکاح ہوتے ہی غلغلہ سا اٹھا کہ دلہن تو ساتھ ہی جائے گی۔ اختر بھابی بہتیری ٹپٹائیں گو رخصتی کا تو بس اِک نام تھا کچھ عرصے بعد احتشام، سامعہ کو وہیں بلوالیتا...... کسی دوسری لغویات کا ٹنٹا ہی نہ تھا۔ مگر وہ فی الفور اس افتاد کے لیے تیار کب تھیں۔ پھر بات وہیں آکر ٹھہری۔ کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب...... لہٰذا مونا کے بعد اب سامعہ بھی بیا ہی گئی۔

سعدیہ ایک بار پھر بیٹھی رہ گئی...... ہر بار سعدیہ کی بجھتی نگاہوں کے دیپ اختر بھابی کو خود اپنی نظروں میں بے مول کر دیتے...... دیکھا جائے تو وہ ان کی سب سے بابصیرت، حساس و ذمے دار بیٹی تھی مگر دنیا ظاہر بین ہے۔ ان کی پھول جیسی بیٹی مرجھا کے رہ گئی تھی۔ سامعہ کو بیاہ کر اِک نیا عذاب گلے پڑ گیا تھا۔ سوچا تھا کہ جہیز سے خلاصی پائی مگر نہ جی......! رسوم و رواج کے نام کا طوق سمدھیانہ کے گلے میں آن پڑا۔ ابھی بیٹی بیاہے چند ماہ گزرے تھے۔ اور اس عرصے میں مانو خون ہی چوس لیا تھا۔ شادی کا تو بس نام ہی رہا احتشام شادی کے بعد جو گیا تو لوٹنے کا نام نہ تھا، گھر داری کا سارا بار سامعہ پر آن پڑا۔ کنبہ بھرا پُرا تھا۔ ان کی بچی پس کر رہ گئی تھی۔ احتشام کی کاغذی کارروائیاں ہی مکمل ہونے میں نہ آتی تھیں۔ چار گھر پرے ہر اچھی بری خبر اختر بھابی کے کانوں میں پڑتی مگر ان کی بچیاں صابر و شاکر تھیں۔ خود وہ لین دین میں کمی نہ کرتیں۔ بالآخر ان کی دعائیں رنگ لائیں اور سامعہ کا ویزا آن پہنچا...... یوں وہ پیا دیس سدھار گئی۔

اب اختر بھابی نے قدرے سکون کی سانس لی تھی۔ اوصاف کی تعلیم مکمل ہوتے ہی نوکری میں بھی ترقی ہوئی اور باپ کا لگایا ہوا کاروبار بھی ترقی کرتا گیا۔ مشینیں اگرچہ وہی تھیں مگر اب کئی شفٹوں میں دن رات کام ہوتا، آرڈر پر آرڈر چلتے...... اپنا گھر سرفراز احمد کا خواب تھا۔ ان کا یہ خواب پورا کرنے کے لیے اوصاف نے دن رات ایک کر دیے۔ مانو گھر بھر کے لیے اپنا آپ بھلا دیا تھا۔ وہ مزاجاً شوخ طبع تھا، اب اس کے لیے لوگوں نے رشتے ڈالنے شروع کر دیے تھے۔ کئی ایک جگہ تو زور ڈالا گیا مگر وہ جانتی تھیں کہ بیاہ کر بیٹے پرائے ہو جاتے ہیں۔ ابھی مکان کی تکمیل کا مرحلہ تھا۔ بیٹیاں بیاہنے سے مہمان داری میں بھی اضافہ ہوا اور اخراجات میں بھی۔ اوصاف کے سر میں دھوپ بھر رہی تھی۔ اس ضمن میں دنیا جو کچھ بھی کہتی، وہ ایک الگ کہانی تھی۔ وہ بیٹے کے سہارے ایک کے بعد ایک بیٹیاں بیاہنے میں لگی ہوئی تھیں۔ تو کیا غلط کر رہی تھیں، اوصاف نے بڑی ذمے داری سے گھر بھر کا بار اٹھا کر نہ صرف ان کے فرائض کی تکمیل کی تھی۔ بلکہ کبھی ایک پل کو انہیں بیوگی کا احساس تک نہ ہونے دیا تھا۔ پھر ابھی وہ خود بھی شادی کے نام سے دور بھاگتا تھا۔ فی الوقت اپنے سر پر سہرا سجانے کے حق میں کہاں تھا...... سعدیہ کا پہاڑ جیسا بوجھ اس پر ذمے داریوں کا بار پلاٹ حسبِ استطاعت رفتہ رفتہ بن رہا تھا۔ دو کمروں کا پورشن اب کم پڑنے لگا تھا۔ ارادہ تھا کہ اوصاف کی شادی بھگتا کر ہی نئے مکان میں شفٹ ہوں گی...... مگر ان کی جان بڑی بیٹی سعدیہ میں اٹکی تھی۔ اس نے ذمے داری سے سارے گھر کو سمیٹ رکھا تھا۔ مانو درست معنوں میں ان کا داہنا ہاتھ تھی۔ مگر وہ اسے ہمیشہ بٹھا کر تو نہیں رکھ سکتی تھیں۔ سعدیہ کے لیے رشتے اول تو آتے ہی نہیں تھے۔ جو

آتے وہ اتنے نامعقول کہ وہ دل مسوس کر رہ جاتیں۔ ہر بار وہ اپنوں کا منہ تاکتیں۔ بظاہر بھرا پُرا گھر تھا۔ رشتوں کی بھرمار تھی مگر زبانی جمع خرچ چلتا رہا۔ ان کی اعلیٰ صفات کی حامل خوب صورت بیٹیوں کو یتیم سمجھ کر اپنوں نے دیکھا تک نہ تھا۔ نظریں پھیر کر اِدھر اُدھر نکل گئے۔ اس میں کچھ شک نہیں تھا کہ سعدیہ کی شادی کی عمر نکل رہی تھی۔ نیہا برابر کی ہوگئی تھی۔ لوگوں کی سوئی اب نیہا پر اٹکنے لگی تھی مگر انہوں نے ٹھان رکھی تھی کہ سعدیہ سے پہلے وہ نیہا کے بارے میں سوچیں گی بھی نہیں...... مگر انسان جو سوچتا ہے وہ ہوتا کب ہے۔ نیہا کے لیے اس کے کوچنگ ٹیچر کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا، اس پر ایک ماہ میں شادی کی شرط شاید وہ رد کر دیتیں مگر نیہا کی آنکھوں کے جگمگاتے ستارے اس کی ایما کا پتا دیتے تھے یہ اور بات کہ فی الفور وہ اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھیں۔

سعدیہ کی قسمت نیہا کے سسرالی رشتے داروں میں سب سے آخر میں جا کر کھلی موصوف انیس گریڈ کے آفیسر پانچ، پانچ سال کے دو جڑواں بچوں کے باپ تھے۔ جن کی پیدائش پر بیوی داغِ مفارقت دے گئی۔ گھر اور بچوں کو ان کی والدہ نے تادمِ آخر سنبھالے رکھا...... سو اب تک دوسری شادی کے معاملے پر طرح دیتے چلے آئے تھے۔ اب گھر داری، بچوں کی دیکھ بھال اور سب سے بڑھ کر اپنا اکیلا پن پھر تو سمجھو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا معاملہ ٹھہرا۔

دونوں شادیاں ایک ساتھ بھگتائی گئیں تو مانو ان کی عرصے سے اٹکی سانس بحال ہوئی۔ یہ اور بات کہ اب درست معنوں میں اکیلی پڑ گئی تھیں۔ سعدیہ نے ان کے سارے گھر کو سنبھال رکھا تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ وہ بیٹے کے لیے سوچتیں اور جب سے انہوں نے اوصاف کی شادی کی ٹھانی تھی خاندان اور خاندان سے باہر کے لوگوں کے مشورے چل ہی رہے تھے۔ اب اس کے لیے کوئی کچی عمر کی نوخیز کلی ڈھونڈ لو...... تا کہ اوصاف کو وقت گنوانے کا احساس نہ ہو۔ اعلیٰ بڑھیا گھرانے سے بہو چھانیے گا کہ دنیا اش اش کر اٹھے۔ مگر وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی رہیں...... اگرچہ اب انہیں کسی اعلیٰ گھرانے سے بھی رشتہ مل سکتا تھا۔ خاندان اور خاندان سے باہر کئی لوگوں کی نظریں اوصاف پر ٹکی تھیں۔ مگر انہیں اپنی بیٹیوں کی بابت تلخ تجربات ازبر تھے۔ اپنی ہی دیورانیاں ٹھاٹ سے اعلیٰ گھرانے یا خوب صورتی کو معیار بنا کر بہوئیں بیاہ کر لائی تھیں۔ ان کی بیٹیوں کو رد کیا تھا۔ اب ان ہی بہوؤں کے رونے روئے جاتے۔

اختر بھابی بیٹیوں کی ماں تھیں۔ اس لیے ہر معاملے پر ہارتی رہی تھیں۔ مگر اس بار وہ بیٹے کی ماں تھیں اور بیٹے کی ماں بہت کچھ بدل سکتی ہے۔ سو انہوں نے رشتہ پکا ہوتے ہی صاف کہہ دیا تھا۔

"نہ جہیز آئے گا نہ بری سجے گی۔ اور نہ ہی رسوم و رواج کے نام پر کوئی دکھاوا ہوگا۔ میں لڑکی والوں پر مہمان داری کا کوئی بوجھ نہیں ڈالوں گی۔ بس چند لوگوں سمیت ہی مسجد میں نکاح ہوگا اور دعوت جتنے لوگوں کو کھلانی ہے اپنے گھر ولیمے میں کھلا دوں گی۔"

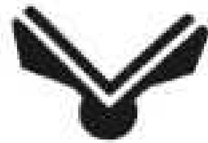
اور پھر جو انہوں نے کہا تھا وہی کیا...... بیاہی بہنیں دل مسوس کر رہ گئیں کہ اب تو لینے کا وقت آیا تھا دیکھنے والے انگشت بدنداں......

مگر اختر بھابی نے صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے سماج کی ہر فضول رسم کا قتل عام کیا تھا۔ یہ نام نہاد شان و شوکت اور رسوم و رواج کے نام پر فضول خرچیاں ان لوگوں کو بے مول کر دیتی ہیں جو ان کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتے......

اور یہیں آکر کوثر آپا سوچ رہی تھیں کہ اگر ہر بیٹے کی ماں اختر بھابی کی طرح روایت شکن ہو تو شاید کسی کی بیٹی بن بیاہی نہ رہ پائے۔



منی ناول



ہم کو محبت نے بدنام کیا

سیما رضا ردا

پانچواں حصہ

نفس کی گمراہی انسان کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ فاطر تو شیطان صفت تھا ہی اور روزی بھی اس کے دام میں گرفتار ہو چکی تھی۔

وہ اپنے ہی گھر میں ہوتے ہوئے چیخ کر کسی کو بلا نہیں سکتی تھی۔ اسے فاطر سے نفرت کے ساتھ، ساتھ شدید گھن بھی آرہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس شخص کو اٹھا کر پاتال میں پھینک دے۔ جس نے اسے پامال کیا تھا۔ وہ اس کی کمزوری..... اس کا راز اور

دوسرا روپ بھی جان گیا تھا۔ وہ اسے ایسی سزا دے گی کہ جس کے بعد وہ کسی قابل نہ رہے۔

☆☆☆

گزرتی رات کے سناٹے میں اچانک نیند سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سیدھی لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔

''پتا نہیں ریبال اس وقت کیا کر رہا ہوگا؟ یہاں تو گھور سیاہ رات ہے اور وہاں دن ہوگا یا پھر کوئی اور پل..... کیا اس کو بھی اسی لمحے میری یاد آئی ہوگی؟'' دماغ اور دل نے ایک ساتھ دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔

''لیکن مجھے تو فاطر کی زندگی میں شامل ہونا ہے..... پھر ریبال کو کیوں سوچتی ہوں میں؟'' وہ پھر اندر ہی اندر سسکنے لگی۔ ''مجھے وہ راستہ دکھایا اللہ جو میرے لیے بہتر ہو..... اگر فاطر میری زندگی میں ہے تو اس کو ہدایت عطا فرما۔''

☆☆☆

رات آہستہ آہستہ سفر کرتی رہی۔

اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا، اس کے بعد الماری سے ایک پڑیا نکال کر پانی کے گلاس میں ڈال کر اس میں پانی ڈالا اور بیڈ کی سائڈ ٹیبل سے انجکشن نکال کر اس گلاس میں سے بھرا اور فاطر کے بازو پر لگا دیا۔ وہ درد سے ذرا سا کسمسایا پھر اس کے بعد گہری نیند سو گیا تھا۔

روزی کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی جبکہ دوسرے ہی لمحے فاطر کا موبائل بجنے لگا تھا اس نے سائڈ میں رکھا موبائل اٹھا کر اس کی اسکرین پر نمبر دیکھا اور پھر موبائل فاطر کے سینے کی طرف اچھال دیا تھا۔

''جو تم نے مجھے اذیت دی ہے اس اذیت سے کہیں زیادہ میں تمہارے ساتھ کروں گی۔ ایک دم نہیں بلکہ دھیرے، دھیرے تمہیں موت کے گھاٹ اتاروں گی۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے ایک دم ہی چیخ کر اسے گالیاں دینے لگی۔ وہ وحشت زدہ ہو کر چلانے لگی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی تمام چیزیں ایک ہاتھ سے زمین پر گرا دی تھیں اور پھر زندگی میں پہلی بار وہ زمین پر بیٹھ کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر چیخ، چیخ کر رو رہی تھی۔ دوسری طرف فاطر بالکل بے خبر سو رہا تھا اس پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''میں روزی ہوں...... جسے تم نے اپنے گندے عزائم میں شکست..... دی ہے مگر روزی تمہیں نہیں چھوڑے گی......'' مرد شاید بنا ہی بے حس مٹی سے ہے جب ہی اسے زندگی میں بہت کم کسی بات کا دکھ ہوتا ہے ورنہ ہمیشہ تو وہ ہر خاص و عام بات کسی اپنے جیسے کے ساتھ شیئر کرتا ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ جبکہ عورت نازک احساسات کی مٹی سے بنائی گئی ہے وہ اگر پریشان ہے تو لاکھ ہنسنا بھی چاہے مگر اپنا دکھ اپنی ہنسی کی نذر نہیں کر سکتی مگر یہ بات بھی درست ہے کہ ٹوٹی ہوئی عورت بھی ایک زہریلی ناگن کی طرح ہوتی ہے جیسے روزی..... وہ ٹوٹ گئی تھی اور اب انتقام کی آگ میں سلگ رہی تھی، اسے خبر تھی کہ فاطر جلدی نہیں اٹھے گا اس لیے آنسو شاور کے پانی کے ساتھ بہاتی وہ تیار ہو کر گھر سے نکل گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں کی لالی چھپانے کے لیے کالے چشمے کا سہارا لیا تھا۔

اس کی منزل اس وقت کہیں بھی نہیں تھی وہ بس یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہی تھی کہ اچانک اس کا موبائل فون بجا تھا' اس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کی دوسری سیٹ پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور اس پر اجنبی نمبر دیکھ کر محتاط انداز میں کال ریسیو کی تھی۔

''روزی، میں وانیہ بات کر رہی ہوں۔'' اس کے بولنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو متعارف کروایا گیا تھا۔

''کہاں ہو تم؟'' وہ اپنے لہجے میں پریشانی لاتے ہوئے بولی۔ ''کیسی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں، پتا نہیں کہاں ہوں، تم بس پولیس کو یا اعزاز شاہ کو انفارم کر دو پلیز جلدی، میری زندگی خطرے میں ہے۔'' اور اس کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

''اب میں کیسے اس کی مدد کروں؟'' اس نے خود

کلامی کے انداز میں کہا تھا۔ وہ اس وقت خود اذیت میں تھی جب ہی اس کی مشکل بھی بہ آسانی سمجھ پا رہی تھی لیکن اگر وہ پولیس میں رپورٹ درج کرواتی تو اعزاز شاہ کو بھی اس کا پتا چل جاتا اور وانیہ کے اغوا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھ دیا جاتا اس لیے اسے جو بھی قدم اٹھانا تھا بہت سوچ سمجھ کر اور بہت جلد...... کیونکہ آگے وانیہ کی زندگی کا مسئلہ تھا اب تو اس کا مقصد بھی پورا ہو چکا تھا اور اسے وانیہ اعزاز سے کوئی غرض نہیں تھی لیکن کہیں اس کی ضرورت نہ پڑ جائے... یہ سوچ کر وہ اس کی مدد کرنے کے لیے اپنے ذہن میں پلاننگ کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ صبح ناشتے کی ٹیبل پر بھی اسے نظر نہیں آیا تھا اور اتنی ہمت اس میں نہیں تھی کہ خود سے اس کا ذکر کرتی...... تائی جی نے تو نہ جانے کیوں چپ سادھ لی تھی اب تو وہ بات بے بات اسے بھی کچھ نہیں کہتی تھیں گو کہ یہ اچھی علامت تھی لیکن تشمیرہ کو ان کی باتوں، طنز و غصے کی عادت ہو چکی تھی اس لیے اسے اب ان کا یوں چپ رہنا تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، یہ نہیں تھا کہ وہ خود سے ان سے بات نہیں کرتی تھی لیکن مختصر بات کے ساتھ ان کا سرد رویہ اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیتا تھا۔

اس وقت بھی وہ دوپہر کے کھانے کے برتن ڈائننگ ٹیبل سے اٹھا کر کچن میں رکھتے ہوئے کن انکھیوں سے فاطر کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں خاموشی کا راج تھا۔ وہ برتن کچن میں رکھ کر کمرے میں آکر اس کے بارے میں سوچنے لگی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ پہلی بار گھر سے غائب تھا، وہ تو اکثر ہی گھر سے دو یا تین دن اور کبھی مہینوں نہیں آتا تھا لیکن اس وقت بات دل کی تھی اور پھر وہ تصدیق چاہتی تھی کہ آیا جو وہ بات کر رہا ہے اس میں کتنی صداقت پوشیدہ ہے، وہ ہر طرح سے اپنے دل کا اطمینان کرنے کے بعد ہی اس کے حق میں فیصلہ کرنا چاہتی تھی حالانکہ اس کا کیا حق؟ لیکن ابھی دل عجیب سے اندیشوں میں گھبرا جا رہا تھا اور وجہ سمجھنے سے وہ قاصر تھی اس لیے جلے پیر کی بلی بنی وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی کہ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ بستر میں دبکی کوئی کتاب پڑھ رہی ہوتی یا پھر سو رہی ہوتی کیونکہ اس کی نظر میں دوپہر میں سونے کا اپنا ہی ایک الگ مزہ تھا اور سردیوں کی دوپہریں تو اسے ویسے بھی بہت پسند تھیں ہلکی، ہلکی ٹھنڈک اور کمبل کی نرم گرم سی گرمی میں اسے سونے میں بہت مزہ آتا اس وقت بھی آنکھوں کی چلمن بند ہونے کو بے قرار تھی مگر وہ دل کے عجیب سے اندیشوں سے نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔

اچانک موبائل کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی...... اس نے چونک کر تیزی سے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو......''

''کیا ہوا تشمیرہ' اتنی پریشان کیوں؟ کل بھی بات نہیں کی تم نے؟'' دوسری طرف ریبال کی آواز کی بے قراری جان کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی پھر فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

''کل تمہاری آواز صحیح سے نہیں آرہی تھی اس لیے میں سمجھی کہ شاید اب بھی......'' ایک عرصے کے بعد اس کی آواز سنی تو جیسے دل کو قرار آگیا پھر وہ فوراً بات بناتے ہوئے بولی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ اس کی بات پر اعتبار لے آیا تھا اور شاید اس کی وجہ ان دونوں کے درمیان دوری تھی۔

''تم کیسے ہو! وہاں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی؟''

''بہت زیادہ تو نہیں لیکن اپنے ملک کی بات ہی اور ہے، وہاں کے کھانے، امی کا ساتھ اور یونیورسٹی سب بہت مس کرتا ہوں۔'' وہ ان سب کے ساتھ کہنے والا تھا کہ خاص کر تمہیں بہت مس کرتا ہوں لیکن پھر فوراً ہی اپنے جذبات پر کنٹرول کر گیا اور بات بدل گیا۔

''تم سناؤ کیسی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں، پڑھائی بھی ٹھیک جا رہی ہے۔'' وہ خود ہی سب بتانے لگی کیونکہ اندر ڈر تھا کہ کہیں وہ پھر سے بے قراری کی وجہ نہ پوچھ لے۔ ''اب

تو امتحان قریب ہیں بس نوٹس وغیرہ کے لیے تمہیں بہت مس کر رہی ہوں پہلے تو تم تھے تو ہر جگہ میری ہیلپ کر دیا کرتے تھے مگر اب میں اکیلی پڑ گئی ہوں۔"

وہ انجانے میں اس کے دل کے تار چھیڑ رہی تھی اس کی بے قرار محبت اس کی باتوں اور اس کی آواز کے سحر میں بہہ رہی تھی دل کو ہلکا سا سکون محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ اپنے جذبات چھپائے... وقت کا انتظار کر رہا تھا' یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ وقت ہی دونوں کو کہیں اور لے جائے گا۔

"تم سن رہے ہو ناں؟" اس نے اپنی باتوں کے درمیان پوچھا۔

"ہاں، تمہیں ہی سن رہا ہوں اور گو کہ میں بہت دور ہوں لیکن پھر بھی تمہارے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا ہوں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"ہاں ایک مخلص دوست کی یہی پہچان ہے کہ آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں کیوں نہ ہوں وہ آپ کے حالات سے باخبر رہتا ہے۔"

"ہوں ...... سمجھدار بھی ہو گئی ہو ان چند دنوں میں۔" اس نے بات کو مذاق کا رنگ دیا تھا، اس کے بعد کچھ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس نے اجازت چاہی۔

تشمیرہ کی سوچ اب فاطر سے ہٹ کر ریبال کی طرف منتقل ہو گئی تھی اور اب وہ بیتے دنوں کو سوچ رہی تھی جو ریبال کی سنگت میں بیتے تھے۔

☆☆☆

"اللہ نے ہر انسان کو اپنی اطاعت کے لیے پیدا کیا اور آسمانوں پر ہی وعدہ لے کر اسے مختصر سی زندگی کے ساتھ اس دنیا میں بھیجا تا کہ وہ یہاں بھی اس کے شکر گزار رہیں اور اپنی زندگی اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر گزاریں مگر ایسا نہیں ہوتا، دنیا میں آتے ہی کچھ ہی عرصے میں وہ سب کچھ بھول کر غفلت میں پڑ جاتا ہے۔ اس میں کچھ غلطی اس کی اپنی اور کچھ اس کے والدین کی ہوتی ہے۔" ریبال سر جھکائے پروفیسر طاہر کی باتیں سن رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے پروفیسر طاہر علی ایک عرصے پاکستان میں درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہنے کے بعد جرمنی میں قرآن و سنہ کی تعلیم سے لوگوں کو منور کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک پاکستانی خاتون سے شادی کی تھی لیکن ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اور ان کی بیگم عبیرہ ایک نیک و باپردہ خاتون تھیں۔

"بچے تو سارے ہی مسلمان ہوتے ہیں بس دنیا میں آ کر ان کی تربیت اپنے والدین کے مذہب کے حساب سے ہوتی ہے۔ مگر پسندیدہ وہی ٹھہرتے ہیں جو اس کی اطاعت کر رہے ہیں اور گمراہ نہیں ہوتے، شرک نہیں کرتے۔" بات کرتے ہوئے ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی، ریبال کو ان کا ہر لفظ اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور وہ پہلی ہی نظر میں ان کی شخصیت سے متاثر ہوا تھا، نورانی چہرے پر سنت بھری داڑھی، سر پر ٹوپی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک کے ساتھ ہلکا سا سرمہ لگا تھا۔

"ویسے تو گناہ کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا سب ہی کی سزا ہے لیکن شرک سب گناہوں سے بدتر ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ واحد ہے اور قرآن پاک میں بھی اس کی وحدانیت کی گواہی ملتی ہے اور ایک بار نہیں بلکہ کئی بار اس لیے اس ایک اللہ کی عبادت کرو جو ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت میں ہر انسان کو اسی کے سامنے اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہونا ہے۔ دنیا فانی ہے اس نے ختم ہو جانا ہے اور ہر انسان اپنے اعمال کے برابر جزا و سزا پائے گا۔" وہ خاموش ہو گئے تو ان کے پاس سے ان کے شاگرد اٹھ کر جانے لگے، ریبال یونہی ان پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

"تمہیں کچھ پوچھنا ہے؟" انہوں نے سب کے جانے کے بعد پوچھا۔

"زندگی کا مفہوم کیا ہے؟" ریبال کے سوال پر ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اس کے قریب چلے آئے۔

"تم پاکستان سے آئے ہو؟"

''جی......''

''کب آئے یہاں......؟'' اب کی بار وہ خاموش رہا اور انہیں یوں دیکھنے لگا جیسے یہ میرے سوال کا جواب نہیں...... وہ اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئے۔

''زندگی کا مفہوم عشق ہے مگر اس میں سب سے پہلے رجا و اطمینانِ قلب بھی ضروری ہے۔'' وہ اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگے۔

''بہت بے صبرے ہو تم......'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''نام کیا ہے تمہارا؟''

''ریبال حیدر......''

''بہت خوب صورت نام ہے...... دیکھو عشق کے تین درجات ہیں۔'' وہ اس کے نام کی تعریف کرتے ہوئے موضوع کی طرف دوبارہ آتے ہوئے بولے۔

''عشق ہوتا تو سات پردوں میں ہے لیکن آہستہ آہستہ سامنے آکر اپنا آپ منوالیتا ہے۔''

''پھر محبت کیا ہے؟''

''محبت، عشق کی طرف جاتا ہوا راستہ......'' وہ کہہ کر قدرے توقف کے لیے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگے، وہ کافی الجھا ہوا نظر آرہا تھا اور مزید کیا پوچھنا چاہ رہا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔

''بیٹا تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''میں......؟'' وہ الجھ گیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چلتا ہوں پھر آؤں گا۔''

''ضرور آنا......'' ریبال کو دروازے تک پہنچنے پر ان کی آواز آئی تھی، اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ مڑ کر انہیں دیکھ سکتا اس لیے بوجھل قدموں سے ان کی اکیڈمی سے نکل کر سڑک کے ایک کنارے چلنے لگا تھا مگر تشنگی اب بھی اس کے اندر باقی تھی۔

محبت تو اسے ہوگئی تھی مگر ابھی آگاہی کے لمحے شاید میسر نہیں آئے تھے اس لیے وہ الجھتا جارہا تھا اور پھر جینی کے سوال نے بھی اسے پریشان کردیا تھا اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے نامکمل مسلمان ہو یا پھر نام کی حد تک......! ورنہ اسے دین کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں تھی اور

یہ ہی اس کے لیے لمحہ فکر یہ تھا۔

اس نے اس جگہ کو بھی چھوڑ دیا تھا جہاں جینی رہتی تھی فی الحال وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اب بھی جہاں رہ رہا تھا وہاں بھی اس کے جیسے ہی مسلمان بستے تھے لیکن وہ ان سے ضرورت کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتا تھا اس کی ذہنی الجھنیں اتنی تھیں کہ وہ گھر فون کر کے امی جی کی خیریت دریافت کرنے سے بھی قاصر تھا۔ اس کے لیے اس وقت سب سے زیادہ اہم اس کا اپنا آپ تھا کہ اس نے جو غلطیاں کی تھیں وہ کیوں کیں...... وہ ایک مسلم ملک میں رہتے ہوئے اپنے مذہب سے دور کیوں رہا جبکہ اور بہت کچھ جاننے کی جستجو اس کے اندر انگڑائیاں لیتی رہی تو مذہب کو جاننے کی شمع اس کے اندر روشن کیوں نہیں ہوئی؟ یہ تمام باتیں سوچتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے سویا تھا۔

☆☆☆

اسے جس وقت ہوش آیا آدھا دن گزر چکا تھا، اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھائی تھی اور وہ اپنے ذہن پر کافی بوجھ سا محسوس کر رہا تھا لیکن اٹھ کر بیٹھنے کی اس میں طاقت نہیں تھی۔

''پانی، پانی، پانی......'' اس نے مری ہوئی آواز میں کہا اور دھندلائی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود رہا کیونکہ وہاں کوئی موجود ہوتا تو اس کی مدد کرتا...... آہستہ، آہستہ اس پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی تو اس نے آنکھیں بند کرلیں اور بند آنکھوں کے پیچھے پھر ایک چہرہ آکر ہنسنے لگا تھا مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی سر نہیں جھٹک سکا تھا۔

ہر چیز کا وقت مقرر ہے انسان کے دنیا میں آنے کا، اس کے رزق اور موت تک کا لیکن اکثر انسان بے موت مارے جاتے ہیں زیادہ تر خودکشی کر لیتے ہیں اور وہ جس راہ پر تھا اس کے ساتھ یہ سب ہونا لازم تھا اسے کئی بار سدھرنے کے مواقع ملے مگر وہ لذتِ حسن کا شکار تھا۔ ہر حسین لڑکی اس کی کمزوری تھی اور وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا لیکن

اب جس لڑکی سے پالا پڑا تھا وہ اس کی زندگی کی ہر سانس اپنے ہاتھ میں لیے کھڑی تھی اور بہت جلد اسے آزاد کر کے خود کو سکون پہنچانا چاہتی تھی۔ مگر اسے قطرہ، قطرہ موت دے کر وہ اس کی پہنچائی گئی اذیت کو کم کرنا چاہتی تھی مگر وہ شاید بھول گئی تھی کہ مرد و عورت کے ملاپ سے ایک اور وجود کی بھی تخلیق ہوتی ہے اور وہ جن باتوں سے نظریں چرا رہی تھی وہ اسی وجود کے آثار تھے وہ جو ہر چیز کا خیال رکھتی تھی، وہ اس طرف سوچ ہی نہیں رہی تھی اور شاید یہ اللہ کی طرف سے تھا جو اس کا وجود کا اس دنیا میں آنا مقصود تھا اور اسے ایک بار پھر وانیہ اعزاز کا سہارا لینا تھا۔ مگر اس وقت وہ وانیہ اعزاز کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر اپنے کام میں مصروف تھی کہ اچانک موبائل بجنے لگا۔ فون اس کے گھر سے تھا اس لیے ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو......''

''میم اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی ہے۔''

''کیا......؟'' وہ ایک دم چونکی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ ملازم کس کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

''جی...... اور وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا ہے۔''

''تم نے اسے پانی تو نہیں دیا؟'' اس نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔

''نہیں...... وہ ہوش میں بھی نہیں ہے اس لیے کچھ بھی کرنے سے پہلے میں نے آپ سے رابطہ کیا، اب بتائیں کیا کرنا ہے اس کے ساتھ۔''

''اسے اٹھا کر کسی سنسان جگہ پر پھینک دو مگر ذرا محتاط انداز میں کہیں مجھ پر کسی کو شک نہ ہو۔''

''لیکن میڈم......''

''بس، مجھے اور کچھ نہیں سننا......'' اس نے کہہ کر ریسیور پٹخ دیا تھا، یہ بھی غنیمت تھا کہ اس وقت کمرے میں اس کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا...... زوار شاہ پچھلے کچھ دنوں سے آفس آ بھی نہیں رہے تھے اس لیے آفس کا تمام کام اسے اکیلے ہی سنبھالنا پڑ رہا تھا اور پر

سے طبیعت کی خرابی نے بھی ایک مسئلہ بنا رکھا تھا، وہ ایک فائل اٹھا کر کافی دیر سے ایک ہی صفحے پر نظریں جمانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہر تھوڑی دیر بعد سر چکرانے لگتا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا آ جاتا جس سے وہ جھنجلانے کے ساتھ کوفت کا شکار ہو رہی تھی۔ اس نے کبھی سوچا تھا کہ کوئی شخص اس طرح آ کر اس کی زندگی میں ہلچل مچا دے گا اور اس کی زندگی کو ایک نیا رنگ اور اس کی ذات کو ایک کہانی بنا کر رکھ دے گا وہ خود دوسروں کی زندگی میں کہانیاں بناتی تھی لیکن اب خود کو موضوع بنانے سے نہیں روک سکتی تھی۔ اس نے گل خان کو فاطر پر نظر رکھنے پر مامور کیا تھا تا کہ وہ اس شخص سے کام نکلوا سکے مگر اس بات سے انجان کہ وہ خود اس تک پہنچ کر اس کے ہر راز سے پردہ اٹھا دے گا اور اسے کہیں کا رہنے نہیں دے گا لیکن وہ بھی روزی تھی وقت آنے پر ہر معاملے سے نمٹنا جانتی تھی۔

فون بند ہوتے ہی ملازم نے حیرت سے ریسیور کو دیکھا پھر لمحے کی تاخیر کیے بغیر حرکت میں آ گیا تھا کیونکہ اسے معاوضہ اسی بات کا ملنا تھا۔ اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ روزی فون کر کے یہ سب کرنے سے منع بھی کر سکتی ہے۔ کیونکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ روزی ہے جو بہت کم اپنی بات سے پھرتی ہے اور کوئی دوسرا حکم صادر کرتی ہے۔ اس لیے شام گہری ہونے سے پہلے ہی وہ فاطر کو ایک سرکاری اسپتال کے پچھلے حصے میں جہاں دنیا جہاں کا کوڑا اور گندا نالہ بہتا تھا پھینک آیا تھا اس نے ہر کام بہت محتاط انداز میں کیا اور گھر آتے ہی اس نے روزی کو اپنے فرض کے مطابق اطلاع کر دی تھی۔

”بہت خوب.....“ روزی اس وقت آفس میں ہی تھی اور ملازم کی بات سن کر اسے ذہنی سکون ملا تھا جبکہ دل انجانے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔

”مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی تم ایسا کرو گاڑی شوروم میں کھڑی کر کے خود چھٹی پر چلے جاؤ.....“

”جی بہتر.....“

”اور ہاں اس شہر میں مت رہنا..... باقی بات بعد میں.....“ اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا جبکہ ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی۔ اس نے اپنا بدلہ کسی حد تک لے لیا تھا لیکن فاطر ابھی زندہ تھا اور یہ ہی بات کچھ حد تک خطرے کا باعث تھی کیونکہ وہ ہوش میں آتے ہی پولیس کو انفارم کر سکتا تھا لیکن اس صورت میں بھی دونوں سزاوار ٹھہرتے..... روزی اس نہج پر ہی سوچنے لگی۔

☆☆☆

گندگی اور نالے کی سڑاند اس کی سانسوں سے مسلسل ٹکرا رہی تھی اور اب مچھر بھی اس کے جسم پر بیٹھنے کے ساتھ سر کے اوپر منڈلا رہے تھے اور جانور تو رات کے اندھیرے کا انتظار کر رہے تھے کہ کب رات آسمان پر پھیلے اور وہ انسانی جسم کو اپنی بھوک کا حصہ بنائیں جو اس وقت نیم بے ہوشی میں پانی، پانی کی صدا لگا رہا تھا مگر اس کی پکار سننے والا وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا جو دو بوند اس کو پانی پلا دیتا۔

رات آہستہ، آہستہ سرمئی شام کو اپنے دامن میں لپیٹ رہی تھی ساتھ ہی کہیں، کہیں آسمان پر ایک دو ستارے بھی چمکنے لگے تھے۔ قریبی مسجدوں سے ”اللہ ہو اکبر“ کی صدا بھی بلند ہونا شروع ہو گئی تو گلی محلے کے آوارہ کتے اس کے نیم مردہ جسم کے پاس آ کر اسے سونگھنے لگے اور ساتھ ہی نالے اور کچرے کے ڈھیر سے چوہے بھی نکل کر اس کے جسم کو کاٹنے لگے تھے۔ اس نے ہلکی سی سسکی لی اور پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔

روزی رات بہت دیر سے گھر پہنچی تھی مکدر طبیعت کی وجہ سے جسم تھکا ہوا اور ذہن بوجھل سا تھا لیکن دل شام سے ہی فریاد کر رہا تھا اور وہ کسی صورت اس کی سننے پر آمادہ نہیں تھی اس لیے آفس سے نکل کر خود کو یونہی بے مقصد مصروف رکھا۔ کبھی شاپنگ تو کبھی ونڈو شاپنگ پھر ایک آدھ چیز خریدتی ہوئی وہ گھر پہنچی تھی۔ کمرے میں آ کر اس نے پہلے لائٹس آن کی اس کے بعد پنکھا اور اے سی دونوں ہی آن کرتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل سے روم اسپرے کی بوتل اٹھا کر اسے

تقریباً خالی کر کے ایک طرف اچھال دیا تھا۔ کمرے میں پھیلی اس خوشبو نے اسے چکرا دیا تھا۔ لیکن اب بھی اسے فاطر کے وجود کی خوشبو آرہی تھی۔ اس نے غصے سے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنالیں۔

''میرے ہاتھوں کتے کی موت مرو گے تم، سن رہے ہو! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ غصے سے چیختی ہوئی چکراتے سر کے ساتھ بیڈ پر اوندھی جا گری، ہلکی سی سسکی اس کے منہ سے نکلی۔ آنکھوں میں جما پانی رخسار پر آگرا تھا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں وہ نیند کی وادی میں اتر کر خوابوں کی راہ پر چل رہی تھی اور ساتھ وہی شخص تھا جسے وہ جاگتی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتی تھی، اس کے دل کی تمام گلیوں پر فتح کا جھنڈا لہرا کر خود کچرے کے ڈھیر پر مدد کا طلب گار تھا۔

☆☆☆

وہ انجان گلیوں میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی، اندھیری رات نے ہر طرف خاموشی پھیلا رکھی تھی اور وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ چاہ کر بھی کسی دروازے پر دستک دے کر مدد طلب نہیں کرسکتی تھی اور انہی انجان راستوں پر بھاگتے ہوئے اس کا دوپٹا اڑ کر دور جا گرا تھا اس نے اسے سنبھالنے کی بہت کوشش کی اور اسی چکر میں وہ دو جگہ سے پھٹ بھی گیا تھا۔ اب وہ بغیر دوپٹے کے یونہی انجان راستوں پر بھاگے چلی جارہی تھی۔ اس کی سانسیں غیر ہموار تھیں، دل کی دھڑکن اس کہیں زیادہ تیز بھاگ رہی تھی۔ اور پاؤں آگے کی منزل طے کرنے سے قاصر تھے وہ زمین پر گرنے ہی والی تھی کہ جب اسے دو مضبوط ہاتھوں نے تھاما اور ساتھ ہی اس کے سر پر سرخ رنگ کا آنچل ڈالا تھا اس نے حیران ہو کر پہلے آنچل کو اور پھر اس شخص کو دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر روشنی اتنی تیز تھی کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''کون؟'' اس نے کچھ خوفزدہ سے انداز میں پوچھا تو دوسری طرف مایوسی بھرا لہجہ تھا۔

''تم بھول گئی ہو مجھے شمیرہ......'' لہجے میں تمام تر جذبات سموئے وہ ذرا سا اس کے قریب ہوا تھا بہت زیادہ تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں، خوف سے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ رات کا ایک پہر گزر چکا تھا اور سردی میں بھی اضافہ ہوگیا تھا لیکن وہ پھر بھی پسینے میں شرابور اپنی غیر ہموار سانسوں کو ہموار کرنے کی کوشش میں منہ سے زور، زور سے سانس لے رہی تھی۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ یہ خواب وہ پچھلے دو روز سے مسلسل دیکھ رہی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیوں...... یہ بار، بار نظر آرہا ہے اس نے تایا جی سے سنا تھا کہ اگر انسان کے ساتھ کچھ برا ہونے والا ہو تو اسے علم ہو جاتا ہے اور وہ علم کسی بھی صورت ہوسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ کیا برا ہونے والا تھا اس طرف اس کی سوچ سفر نہیں کر رہی تھی بلکہ وہ اس روشنی اور آواز میں الجھ رہی تھی۔ اس نے تکیے کے پاس رکھا موبائل اٹھا کر اس میں وقت دیکھا اور اس کے بعد اسے واپس رکھنے کے بعد سائڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر گلاس تیزی سے ہونٹوں سے لگالیا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی اپنے اندر اتار کر اس نے ایک لمبی سانس لی تھی۔

زندگی مشکل تو ہر انسان کے لیے ہے مگر اس کے لیے روز بروز ایک نیا امتحان لیے سامنے آرہی تھی اور وہ اپنی حساس طبیعت کی بنا پر کمزور پڑ رہی تھی اور پھر اس کا تھا کون جو اس کو ہمت دیتا اور ان مشکلوں میں اس کا ساتھ دیتا، وہ تو تنہا تھی اور اب سے نہیں بچپن سے ہی محرومی کا شکار تھی، تایا جی نے اسے سنبھالا ضرور مگر باپ کی کمی کو پورا نہیں کر سکے تھے اور تائی جی نے کبھی اسے اپنا سمجھا ہی نہیں اور محبت کے جن لفظوں سے وہ نا آشنا تھی، وہ فاطر کی زبان سے سن کر سکون محسوس ہوا تھا اسے لگا تھا جیسے اس بھری دنیا میں کوئی اس کا اپنا بھی ہے جو اس سے محبت کرتا ہے لیکن اب پچھلے کچھ دنوں سے وہ نہ جانے کہاں تھا، نہ ہی اسے تنگ کر رہا تھا اور نہ ہی اس کے راستے میں آرہا تھا وہ کتنی شدت سے اس کی منتظر تھی اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے دل

میں کتنی دعائیں مانگ رہی تھی مگر وہ اپنی آواز سنا کر اس پر مزید ستم ڈھا گیا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کہاں تلاش کرے اور کہیں سے بھی اسے اپنے سامنے لاکر کھڑا کردے۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر پیروں میں سلیپر پہنتی شال اپنے گرد لپیٹتے ہوئے ٹیرس پر آکھڑی ہوئی تھی۔ اس وقت آسمان ستاروں سے جھلملا رہا تھا۔ بہت دور ٹریفک کی آواز مدھم سی آرہی تھی اس کی سوچ اب بھی اس خواب میں الجھی ہوئی تھی اور جب سے اس کے دل پر فاطر کی محبت نے دستک دی تھی، وہ اپنے اکلوتے دوست کو بھول ہی گئی تھی اور اس نے بھی تو ایک بار ہی رابطہ کیا تھا، یہ نہیں تھا کہ ثمیرہ نے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی اس کے فون آنے کے کچھ دن بعد ہی اسے کال ملائی تھی مگر جب تک وہ وہاں سے جاچکا تھا اور اس کی امی جی کا پتا اسے نہیں تھا' اس لیے ریبال کی طرف سے مایوس ہو کر وہ ڈائری لکھنے لگی تھی گو کہ وہ پہلے بھی ڈائری لکھتی تھی مگر اب اس میں شدت آگئی تھی۔

وہ ابھی وہیں ٹیرس پر ہی کھڑی تھی جب اسے تایا جی اور تائی جی تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر گھر سے جاتے ہوئے نظر آئے تھے۔ ''اس وقت یہ دونوں کہاں گئے ہیں؟'' اس کی سوچ کا نیا در وا ہوا تھا۔ ''اللہ خیر...... کہیں پھر کچھ فاطر کو نہ ہو گیا ہو۔'' وہ دل میں دعا مانگتی کمرے میں آکر ٹہلنے لگی اس کی سوچ اس وقت مسلسل تایا جی، تائی کے ساتھ فاطر میں اٹک گئی تھی اور دل انجانے خوف میں گھرا اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا، پہلے وہ دل کو یہ کہہ کر اطمینان دلا رہی تھی کہ وہ کہیں کام میں پھنس گیا ہوگا یا اپنے گھر چلا گیا ہوگا مگر اب ہر خدشہ دل کے دروازے سے ہوتا ہوا اس کے ذہن کے دریچے پر شور مچا کر اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا اور وہ اس وقت بہتے اشکوں کے ساتھ فاطر کی سلامتی کی دعا مانگ رہی تھی اور اللہ نے اس کی سن تھی یا پھر فاطر کو ڈھیل دی تھی جو چوبیس گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد اسے ہوش آگیا تھا لیکن اب وہ کچرے کے ڈھیر کے پاس نہیں بلکہ اسپتال میں زیر علاج تھا۔ اس کے پاس تائی جی اور تایا جی دونوں موجود تھے، تایا جی تو اس کے ہوش میں آتے ہی روم سے باہر نکل گئے تھے جبکہ تائی جی دل پر پتھر رکھے وہیں بیٹھی تسبیح کے دانے گراتی رہی تھیں۔

''ثمیرہ نہیں آئی؟'' اس نے بہت مدھم سی آواز میں پوچھا تھا، تائی جی نے غصے و نفرت سے ایک نظر اسے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں اور سر جھکا کر آنکھیں بند کرکے دوبارہ تسبیح کے دانے تیز، تیز گرانے لگی تھیں۔

''مجھے یہاں کون لایا تھا؟'' کچھ دیر بعد تایا جی کے ساتھ ڈاکٹر چیک اپ کے لیے روم میں آیا تو اس نے پوچھا۔

''تم ڈرگز کب سے لے رہے ہو؟'' ڈاکٹر نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے حیرت سے ڈاکٹر کو دیکھا جبکہ تائی جی اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوگئیں۔

''میں نے کبھی ڈرگز نہیں لیں۔''

''میں ڈاکٹر ہوں، مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے نرم لہجے میں فاطر سے کہا۔

پھر ڈاکٹر تایا جی کو ایک طرف بلا کر کہنے لگا۔

''رپورٹ کے مطابق اس کو ڈرگز پینے کی عادت ہے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے ڈرگز نہیں لیں...... لیکن بہت زیادہ مقدار ہے اس کے خون میں ڈرگز کی...... کیا وجہ ہوسکتی ہے؟''

تایا جی ڈاکٹر کی بات پر سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا کہ کہیں ثمیرہ کے فیصلے پر ان سے کوئی بہت بڑی غلطی تو نہیں ہو رہی اور اس فیصلے پر انہیں ساری زندگی پچھتانا نہ پڑے، جذبات میں آکر انہوں نے یہ فیصلہ کر تو دیا تھا اور ان کی بھتیجی نے تو بہت سعادت مندی سے ان کے اس فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش تھی اگرچہ اس کے ساتھ کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں تھی اور نہ ہی ثمیرہ ان کے احسانوں تلے دب کر پروان چڑھی تھی جو کچھ بھی تھا

اس کے والد کا تھا اور یہ بات صرف تایا جی کو ہی معلوم تھی، اس کا ذکر انہوں نے کبھی کسی سے نہیں کیا تھا اور اب اس حالت میں دیکھ کر وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ وہ تشمیرہ کی بھلائی کر رہے ہیں یا اسے کھائی میں دھکیل رہے ہیں۔ ان کی سوچ بھٹکتی ہوئی تشمیرہ کی طرف چلی گئی تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے اور اِدھر وہ اپنے نیم تاریک کمرے میں زمین پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اگر تایا جی کی بات مانتے ہوئے پہلے ہی فاطر سے نکاح کر لیتی تو شاید یہ نوبت نہیں آتی۔

''وہ میری محبت میں اس حد تک جا پہنچا ہے...... یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' اس نے دل میں سوچا اور آنکھیں سختی سے بند کرتی سجدے میں گر کر سسکنے لگی۔ وہ فاطر کے اس عمل کو بھی اپنی ذات میں شامل کر رہی تھی۔

☆☆☆

''تم سمجھتی کیوں نہیں روا......'' زوار شاہ نے فون پر جھنجلاتے ہوئے کہا۔ ''ہر بات تمہیں تفصیل سے بتانی پڑتی ہے اس کے باوجود تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، بچے جوان ہو گئے مگر تمہارا بچپنا ختم نہیں ہوا......''

''میں نے کوئی انہونی بات تو نہیں کی بس یہی پوچھا ہے کہ......'' وہ منمنائی تھیں۔

''انہونی نہیں فضول بول رہی ہو، یہ بھی جانتی ہو کہ میں اسپتال میں ہوں تم یہاں آ کر کیا کرو گی؟'' وہ ان کی بات کاٹ کر سختی سے بولے۔

''میں اس کی ماں ہوں۔''

''تو اطمینان رکھو اس کا باپ اس کے پاس ہے۔'' زوار شاہ نے کہہ کر لائن کاٹ دی تھی اور غصے اور پریشانی سے اسپتال کی لابی میں ٹہلنے لگے تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کے لیے ہی بزنس سیٹ کیا تھا اور ان کا خیال تھا کہ ان کے ہر فیصلے سے نہ صرف ان کی اولاد خوش ہے بلکہ مطمئن زندگی بھی گزار رہی ہے لیکن ان کی سوچ کس قدر غلط تھی اس بات کا احساس انہیں اب ہو رہا تھا اور وہ بھی اپنے بیٹے کو آئی سی یو میں دیکھ کر جو کچھ دن پہلے ان سے توجہ نہ دینے کی شکایت کرتے ہوئے پیٹ پکڑ کر بیڈ پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئے تھے ان کے تو جیسے جسم سے جان ہی نکل گئی تھی یہ منظر دیکھ کر وہ جیسے خواب کی کیفیت سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں واپس آئے تھے اور انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ واقعی دولت کمانے کے چکر میں اولاد کی طرف سے غافل ہو گئے تھے۔

''اعزاز شاہ۔'' فوری طور پر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، اس لیے اپنی جگہ سے بھاگتے ہوئے اس کے قریب آئے تھے اور اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر جھنجوڑ دیا تھا۔

''اعزاز شاہ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ سنا تم نے۔'' وہ جذباتی انداز میں بولے اور پھر انہیں چھوڑ کر ڈرائیور کو بلا لائے اور اس کے ساتھ مل کر اسے اٹھا کر گاڑی تک لائے تھے۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر انہیں بٹھا کر خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔

اسپتال پہنچتے ہی وہ اسے ایمرجنسی میں لے گئے تھے اور پھر چند گھنٹوں کے بعد اسے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا تھا۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق زیادہ شراب نوشی اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے وہ ڈپریشن کا شکار تھے اور شراب ان کے گردوں پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ وہ مکمل بے ہوش تھے اور یہ بے ہوشی کب تک رہے گی ڈاکٹر کچھ نہیں بتا رہے تھے یا شاید انہیں خود بھی پتا نہیں تھا۔ اور یہ ہی بات زوار شاہ کو پریشان کر رہی تھی، وہ پچھلے کئی دنوں سے نہیں سوئے تھے بس اعزاز شاہ کے ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہے تھے، آفس بھی مس تانیہ کو سنبھالنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ موبائل بجنے پر انہوں نے موبائل اسکرین پر فیضان شاہ کا نمبر دیکھا۔ جو فوراً ہی اٹینڈ کر لیا۔

''ہیلو......''

''پاپا، وانیہ کا کچھ پتا ہی نہیں چل رہا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟''

''مطلب یہ کہ وہ اغوا کاروں کے پاس سے فرار

ہو کر نہ جانے کہاں چلی گئی ہے۔"

"کہاں جاسکتی ہے وہ؟" وہ کہنے کے ساتھ سوچنے لگے تھے پھر قدرے توقف کے بعد بولے۔

"تم کہاں ہو......؟"

"میں ملک صاحب کی طرف سے بزنس میٹنگ کے لیے......"

"اعزاز شاہ آئی سی یو میں ہے۔" اسپتال کا بتاتے ہوئے زوار شاہ کی آواز رندھ گئی تھی۔

"کیا......؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"تم جہاں کہیں بھی ہو اس وقت فوراً میرے پاس آؤ۔" وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی آواز کو نارمل نہیں رکھ پائے تھے اور لائن کاٹتے ہی خاموش آنسو آنکھوں کے بند توڑ کر نکل کر اُن کے اپنے گریبان میں جذب ہوگئے تھے۔ وہ زندگی کے کسی موڑ پر کمزور نہیں پڑے تھے لیکن اس مقام پر آکر ان کی ساری ہمت کمزور پڑ رہی تھی۔ زوار شاہ نے اپنی طرف سے اپنی اولاد کو ہر آسائش دی مگر جو توجہ و محبت ان کا حق تھی اس سے وہ محروم ہی رہے اس لیے اب اپنے بیٹے کو آئی سی یو میں دیکھ کر انہیں شدید جھٹکا لگ رہا تھا وہ کس کرب سے گزر رہے تھے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

موبائل کی مسلسل رنگ ٹون پر روزی کی آنکھ کھلی تھی اس نے ایک نظر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا جو گیارہ بجنے کا سندیسہ دے رہی تھی اس نے موبائل اسکرین دیکھی جہاں کوئی اجنبی نمبر جھلملا رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو......روزی......!" دوسری طرف سے بہت بے صبری سے اسے پکار کر تصدیق کی گئی تھی۔

"جی بات کر رہی ہوں۔" اس کی آواز میں نقاہت سی تھی۔

"مجھے بچالو، روزی پلیز مجھے بچالو......تم ہی ہو جو مجھے اس قید خانے سے نکال سکتی ہو۔" روزی اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کرنے لگی جبکہ ذہن تھکا ہوا اور

آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں ورنہ وہ اسے پہچاننے میں ذرا سی دیر نہیں لگاتی۔

''میں بہت اذیت میں ہوں، تم جو کہو گی میں وہی کروں گی! تم میری دوست ہو ناں......'' اس کی آواز میں عاجزی کے ساتھ کیا کچھ تھا روزی کا ذہن اس کے آخری جملے سے بیدار ہوا تھا۔

''وانیہ......''

''ہاں، ہاں روزی میں وانیہ، پلیز مجھے بچالو......'' اس کے پہچان جانے پر وہ رونے لگی تھی جبکہ روزی سوچ رہی تھی کہ اس کی کیا مدد کرے۔

''تم میری واحد دوست ہو جو مجھے رہائی دلا سکتی ہو۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔'' وہ سسکنے لگی نہ جانے اس پر کون سے ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے روزی سوچتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم کہاں ہو؟''

''مجھے زیادہ نہیں معلوم...... بس اتنا پتا ہے کہ رحیم یار خان کے کسی گاؤں میں ایک وڈیرے کی قید میں ہوں۔''

''لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں......'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بولی۔ ''میں بہت آس و امید سے تم سے کہہ رہی ہوں، روزی مجھے بچالو، تم ہی میرا واحد سہارا ہو، میرے ساتھ کیا، کیا ہوا تم نہیں جانتیں، میں ابھی مرنا نہیں چاہتی...... پلیز روزی۔'' وہ کہہ کر چیخی تھی شاید اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کسی نے رکھ دیا تھا روزی اس کی چیخ سے لحہ بھر کو کانپ گئی تھی۔ جو بھی تھا وہ اس کی وجہ سے مصیبت میں نہیں آئی تھی وہ تو اس کو ساتھ لے جانا بھی نہیں چاہتی تھی لیکن کچھ مجبوری کے تحت وہ اس کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئی تھی مگر اب تک وہ کہاں رہی اور کس کی قید میں وہ جان نہیں پائی تھی۔

''میں اس کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' اس نے کمر کے پیچھے تکیہ رکھ کر بیڈ کی پٹی پر چکراتا سر رکھ کر سوچا۔ اس وقت طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ذہن نے تقریباً کام کرنا چھوڑ دیا اس لیے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور جسم متلی کی وجہ سے کمزوری الگ محسوس کر رہا تھا، اس کا کھانے کو تو بہت کچھ دل چاہ رہا تھا لیکن طبیعت کی خرابی صرف سوچ کر رہ جاتی...... وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر آفس جانے کے لیے تیاری کر رہی تھی کہ شدید ترین اسے چکر آئے تھے اور خود کو سنبھالنے کے لیے اسے دیوار کا سہارا لینا پڑا تھا۔

''مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا تھا اور دیوار کا سہارا لیے ہوئے ہی قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ ''لگتا ہے میں نے اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا ہے جب ہی تو میرے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا اور پھر انٹر کام کے ذریعے ملازم کو اپنے لیے جوس لانے کا کہہ کر صوفے پر ہی نیم دراز ہوگئی کچھ دیر بعد ملازم جوس لے کر آیا تو وہ ایک ہی سانس میں پی کر کچھ ہی دیر میں اپنے اندر توانائی محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر آفس کے لیے تیار ہونے لگی لیکن دوسرے ہی لمحے اسے متلی محسوس ہوئی تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی اب اس کی اپنی طبیعت اس کے لیے تشویش کا باعث بن رہی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر واش روم سے نکلتے ہی بیڈ سے موبائل اٹھا کر زوار شاہ کا نمبر ملایا تھا۔

''ہیلو مس تانیہ میں آپ کو ہی کال کرنے والا تھا۔''

''خیریت سر......؟'' اس نے ٹھٹک کر پوچھا تو وہ تفصیل بتانے لگے۔

''اصل میں بیٹا اسپتال میں ہے اور مجھے پتا نہیں مزید کتنے دن آفس نہ آنا پڑے اس لیے آپ کچھ ضروری فائلیں لے کر میرے پاس آ جائیں تاکہ میں وہ بھی دیکھ لوں اور آگے کا لائحہ عمل بھی آپ کو بتا دوں، اس طرح آپ کو مشکل نہیں ہوگی۔'' انہوں نے کہا تو وہ جی کہہ کے رہ گئی۔

''ہاں آفس کا ڈرائیور آپ کو اسپتال لے آئے گا۔''

''او کے سر......'' اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع

کر دیا..... اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر وہ اپنی طبیعت کا بتا کر آفس سے چھٹی کیوں نہیں لے سکی اور اسی بات پر اب وہ اندر ہی اندر جھنجلا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ آفس کے لیے گھر سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

فاخر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈاکٹر نے ڈرگز کا کیوں پوچھا تھا اُسے روزی کے بنگلے پر اپنا جسم سن ہوتا محسوس تو ہوا تھا لیکن وہاں اس نے ہمیشہ کی طرح صرف ڈرنک ہی کی تھی۔ ڈرگز کے استعمال کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اب بھی ڈاکٹر اسے دوائیں دینے کے بعد مختلف سوال جواب کر کے اس کے پاس سے گیا تھا اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ فاطر کی منشیات نہ لینے والی بات سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

دوسری طرف پھوپا جی کا رویہ بھی اس کے ساتھ اب تبدیل ہو رہا تھا، وہ جو تشمیرہ سے اس کے نکاح کی بات کر کے اس پر ذرا سے مہربان ہوئے تھے اب ڈاکٹر کی بات سے شک میں مبتلا ہونے کے ساتھ اپنا لہجہ بھی سرد سا کر لیا تھا۔ اس کی کسی بھی بات کا جواب وہ سیدھا اسے دینے کے بجائے پھپھو کو دے رہے تھے۔ جس سے فاطر الجھنے کے ساتھ پریشان بھی ہو رہا تھا وہ اب جلد از جلد تشمیرہ تک پہنچ کر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں پھوپا جی نے اسے کچھ بتا تو نہیں دیا اور اِدھر پھپھو شوہر کے اس رویے سے اندر ہی اندر بہت خوش و مطمئن ہو رہی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ یہ سب بنگالی بابا کے تعویذ کا کمال ہے جو وہ پچھلے چند ہفتوں سے شوہر کو مختلف چیزوں میں ملا کر کھلا رہی تھیں انہیں بھی موقع نہیں مل رہا تھا کہ وہ بھی بنگالی بابا کے پاس جا کر اُن کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ انہیں کچھ انعامات بھی دے آئیں۔ اس وقت وہ ڈاکٹر کو فاطر کا چیک اپ کرتے دیکھ کر واش روم کا بہانہ کر کے وہاں سے نکلی تھیں، انہیں علم تھا کہ تشمیرہ یونیورسٹی اور تایا جی گھر پر ہی ہوں گے اس لیے جلدی سے گھر چلی گئی تھیں۔

''تمہاری پھپھو کہاں چلی گئی ہیں؟'' تایا جی آفس جانے سے پہلے تائی جی سے کچھ ضروری بات کرنے کے لیے اسپتال آئے تھے اور ان چند دنوں میں انہوں نے پہلی بار خود سے کوئی بات کی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا پھوپا جی کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔

''واش روم گئی ہیں۔'' تایا جی اس کا جواب سن کر کمرے سے نکلنے لگے تو اس نے پکار لیا۔

''پھوپا صاحب، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ ایک لمحے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اب وہ ان سے بات کر کے رہے گا مگر وہ بے نیازی سے بولے۔

''تمہاری کسی بھی بات کا جواب میرے پاس نہیں۔''

''لیکن مجھے یقین ہے کہ میری ہر بات کا جواب صرف آپ کے پاس ہے۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔''

''خوش فہمی ہی سہی لیکن مجھے تشمیرہ......''

''تشمیرہ کو بھول جاؤ......'' وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے شہادت کی انگلی اسے دکھاتے ہوئے بولے۔ ''اور آئندہ اپنی زبان سے اس کا نام بھی مت لینا۔ میں بہت جلد اس کی شادی اپنے دوست کے بیٹے سے کرنے جا رہا ہوں۔''

''اور کیا آپ تشمیرہ کو یہ بتا چکے ہیں؟'' وہ کہہ کر جانے لگے تو فاطر نے زہر خند لہجے نے ان کے قدم روک لیے۔

''یہ آپ کی بھول ہے پھوپا صاحب، میں اتنا کمزور کھلاڑی نہیں ہوں..... آپ کی تشمیرہ خود کو میری محبت سے نہیں بچا سکی اس کے دل میں بارش کی طرح میری محبت برس رہی ہے۔''

''بکتے ہو تم۔'' وہ تلملا کر بولے۔ ''اور اگر ایسا ہے تو میں تمہاری اصلیت اسے بتا کر اس کا دل تمہاری محبت سے خالی کر دوں گا۔''

''جو بھی کریں مگر سوچ لیجیے گا کہ انجام آپ کے حق میں ہی برا ٹھہرے گا۔'' انہوں نے خونخوار نظروں سے فاطر کو دیکھا تھا اور پھر شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے

خبردار کرنے کے انداز میں سر جھٹک کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ جبکہ وہ آگے کی پلاننگ کرنے لگا تھا، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ خود برے انجام کو پہنچنے والا ہے کیونکہ برائی بھی اِک حد تک ہی دنیا میں اپنا وجود رکھتی ہے پھر اسے دوسری برائی بہت آرام سے کھا جاتی ہے۔

وہ روزی کی چال کو سمجھ گیا تھا۔ محبت سے اس کا پانی پلانا۔ ''میرا نام بھی شاطر ہے یاد رکھنا۔''

''کوئی آیا تھا کیا؟'' کافی دیر بعد جب تائی جی واپس آئیں تو اس ڈر سے کہ کہیں وہ ان کے دیر سے آنے کی وجہ نہ پوچھے خود ہی پوچھ کر اسے چونکا دیا تھا۔

''نہیں، نہیں تو......'' اس نے فوراً جھوٹ بولا۔ جبکہ تائی جی کی اس کی طرف پیٹھ تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ رکھی ٹیبل پر رکھے ایک شاپر سے سیب نکال کر پلیٹ میں رکھ رہی تھیں اس لیے اس کے چہرے پر جھوٹ کی پرچھائی اور اس کا چونکنا نہیں دیکھ سکی تھیں۔

''اچھا۔'' وہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

''پھپو، آپ اکیلے ہی سب کچھ کر رہی ہیں میرا مطلب ہے آپ تھک گئی ہوں گی۔''

''ہاں تھک تو گئی ہوں، اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ تو پھر گھر جا کر دونوں آرام کریں......'' پھپو سیب کاٹتے ہوئے بولیں تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آکر ٹھہر گئی۔

''ٹھیک تو میں ہو گیا ہوں بس کچھ زخم تازہ ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ڈاکٹر ابھی چھٹی نہیں دے رہے۔''

''کیسے زخم؟'' پھپو کچھ بھی نہیں تھیں اس لیے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''ارے وہی جو گولی لگی تھی اور ایکسیڈینٹ جو ہوا تھا۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولا تو پھپو سیب کی قاش کاٹ کر اسے اپنے ہاتھ سے کھلانے لگیں۔

''جلدی ٹھیک ہو جائے گا سب......تم پریشان مت ہو۔''

''کیسے پریشان نہ ہوں، جو میری دوا ہے وہ تو سامنے آتی نہیں۔''

''کون......؟ تم کھل کر بات کرو۔''

''تشمیرہ اور کون۔'' وہ کہہ کر دلفریب انداز میں مسکرا رہا تھا جبکہ پھپو کی پیشانی پر بے شمار شکنیں پڑ گئی تھیں۔

''بھول جاؤ اسے......'' ان کے لہجے میں سرد مہری، غصہ اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔ شاید اس کی خودسری اب ان کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی اس لیے خود پر ضبط کرتی ہوئی وہ اس کے پاس سے بھی اٹھ گئی تھیں۔

''اسے بھول کر مر جاؤں گا۔''

''بھول کر اگر مرنا اتنا آسان ہے تو پھر مر جاؤ۔''

''پھپو......'' اسے حیرت ہوئی تھی جبکہ وہ ہاتھ اٹھا کر سخت الفاظ میں بولیں۔

''بس، اب اس موضوع پر مجھ سے مزید بات مت کرنا......'' وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں جبکہ اسے اب اپنی بچھائی گئی بساط کی بازی کمزور لگ رہی تھی اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ پھپو آخر وقت میں آکر اس کی مخالفت کر دیں گی اور اب وہ اپنے سوچ کے گھوڑے دوڑا رہا تھا کیونکہ وہ کسی صورت ہارنا نہیں چاہتا تھا اور اب جب سب کچھ بہت آسان ہو گیا تھا اور اس مقام پر آکر اسے تنہا ہی سب کچھ کرنا تھا تو پھر ہمت ہار کر وہ صرف بزدل اور کمزور ہی کہلاتا اور یہ اسے ہرگز گوارا نہیں تھا۔

☆☆☆

تشمیرہ کے کچے ذہن پہ محبت کی شاطرانہ بساط بچھا کر فاطر بہت سکون میں تھا...... مگر تشمیرہ بے چین تھی۔ ریبال اس کی محبت تھا...... جسے وہ دل کے اندر رکھے ہوئے تھی۔ جو اس کی دھڑکن میں بس گیا تھا...... تنہائی میں اپنی ڈائری سے اس کی باتیں کرتی......

''سنو تم مجھے بھول تو نہیں گئے ناں......'' زندگی تمہارا پیغام لے کر روز میرے پاس آتی ہے۔ تمہارے جذبے، تمہارے دعوے، تمہارے وعدے سب میرے پاس آکر ایفائے عہد کرتے ہیں انتظار کا مژدہ سناتے ہیں۔ میں سراپا انتظار ہوں۔''

(باقی آئندہ)

میرا عشق بھی تو

شمیم فضلِ خالق

میں بے مقصد پارک میں گھوم رہا تھا کہ مجھے وہ نظر آئی، کالے رنگ کی جینز اور سرخ رنگ کی شرٹ کے ساتھ اس نے اسکارف بھی سرخ رنگ کا لیا ہوا تھا، وہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''تم......؟'' میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں، میں...... کیا میرا یہاں آنا منع ہے؟'' وہ منہ بنا کر ناگواری سے بولی۔

''نہیں، منع تو نہیں...... لیکن اس وقت تم کبھی آئی

نہیں ہو......اس لیے پوچھ لیا۔‘‘ میں ہنس کر بولا۔
’’میں اس کتے سے ملنے آئی تھی۔‘‘ وہ دانت کچکچا کر بولی۔
’’کیا......؟‘‘ میں چونک پڑا۔ ’’تم جمشید کو کتا کیوں کہہ رہی ہو۔‘‘
’’کتے کو کتا نہیں کہوں تو کیا کہوں....؟‘‘ وہ اسی بگڑے موڈ کے ساتھ بولی۔
’’ناراض ہو اس سے؟‘‘ میں اس کے لال پیلے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ مزید کچھ بولے بنا بینچ پر بیٹھ گئی۔
’’مجھے بتاؤ، کیا کیا ہے اس نے......؟ میں اس کے اچھی طرح کان کھینچوں گا۔‘‘ میں بھی اپنی بے مقصد سی واک موقوف کر کے اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھا اور نرم لہجے میں پوچھنے لگا۔
’’دیکھو خرم......تم جانتے ہو، میں اس دنیا میں اکیلی ہوں اور اکیلی جان کے ساتھ سو قسم کے پرابلم ہوتے ہیں۔‘‘
’’ہاں تو......لیکن پرابلم کیا ہیں؟‘‘ میں نے استفسار کیا۔
’’چھوٹے موٹے واقعات تو ہوتے رہتے ہیں......کبھی کسی نے گھر میں پتھر پھینک دیے......کبھی راہ چلتے کسی نے راستہ روک لیا......لیکن میں بہادر بنی ان چھوٹے، چھوٹے واقعات کو اگنور کرتی رہی لیکن ابھی چند دن پہلے ایک عجیب واقعہ ہو گیا۔‘‘
’’عجیب واقعہ......؟‘‘ میں واقعی چونک پڑا۔
’’ہاں، اس دن میں یونیورسٹی سے کسی کام کی وجہ سے جلدی گھر آ گئی تو گھر کے اندر اور خاص کر میرے بیڈ روم سے بے ہنگم میوزک کی آوازیں آ رہی تھیں......میں تو سکتے میں رہ گئی......قدم اٹھانے کا یارا......نہ رہا تھا مجھ میں......اتنے میں ایک لڑکا میرے بیڈ روم سے باہر نکلا اور مجھے دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چار پانچ اوباش قسم کے لڑکے تیر کی طرح کمرے سے باہر نکلے اور بھاگ گئے......میں گرتی پڑتی کمرے میں گئی تو کمرا اوندھا پڑا تھا۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہ تھی سگریٹ کی بدبو دماغ الٹائے دے رہی تھی۔‘‘
’’اوہ......ان کم بختوں کی اتنی ہمت......‘‘ مجھے بھی غصہ آ گیا......’’تم نے پولیس کو اطلاع نہیں دی؟‘‘
’’نہیں۔‘‘ وہ تھکی، تھکی آواز میں بولی۔ ’’اکیلی بندی کی کہاں کہیں شنوائی ہوتی ہے، اس لیے میں نے سوچا کہ بس میں اور جمشید جلد ہی شادی کر لیں کہ جہاں میری تنہائی ختم ہو جائے گی وہاں میں سیف بھی ہو جاؤں گی۔‘‘
’’ہاں تو ٹھیک حل ہے یہ تمہارے مسئلے کا۔‘‘ میں نے اپنا سر اثبات میں سہلاتے ہوئے کہا مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے محلے کے لڑکوں کی اتنی ہمت ہوئی۔ ’’ویسے بھی تم دونوں نے تین چار سال پہلے سے منگنی رچا رکھی ہے اور شادی ایک دوسرے سے ہی کرنی ہے تو جلد یا بدیر......کیا فرق پڑتا ہے؟‘‘
’’ہاں......لیکن وہ مان نہیں رہا......کہتا ہے ابھی میرے ایم بی اے کا دوسرا سمسٹر کمپلیٹ نہیں ہوا......پھر جاب تلاش کروں گا، شادی ابھی دور ہے میری پلاننگ میں۔‘‘
’’یہ کیا بات ہوئی بھلا......؟ شادی کر لے......بعد میں اپنی کیریئر کی پروا کرتا رہے......‘‘
’’یہی تو میں اسے سمجھاتی ہوں پر اس کی موٹی عقل میں کوئی بات نہیں آتی۔‘‘ وہ ناک سے سوں، سوں کی آواز نکالتے ہوئے بولی۔
’’اچھا......میں اسے سمجھاؤں گا......تم فکر نہیں کرو۔‘‘ میں اس کے رونے کا ارادہ بھانپ کر جلدی سے بولا۔

☆☆☆

’’جی......تم مینا کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟‘‘ جمشید کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر سامنے بٹھاتے ہوئے میں نے کسی تمہید میں وقت ضائع کیے بغیر کہا۔
’’کب تنگ کیا میں نے اسے......بلکہ وہ مجھ سے بے سروپا فرمائشیں کر، کر کے تنگ کر رہی ہے۔‘‘ وہ

منہ پھلا کر بولا۔

''اس نے کوئی بے سروپا فرمائش نہیں کی...... اپنا حق مانگا ہے اگر شادی اس کی ضرورت ہے تو تم شادی کرلو اس سے...... جلد یا بدیر تم تو اسی سے شادی کرو گے ناں......'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو خرم...... شادی کی فرمائش کوئی آئس کریم یا چاکلیٹ کی فرمائش نہیں کہ وہ کہے اور میں مان جاؤں......'' وہ چہرے پر بارہ بجاتے ہوئے بگڑے موڈ کے ساتھ بولا۔ ''میرے سامنے میرا کیریئر ہے...... میری فیملی ہے، اب میں اس کی طرح چھڑا چھانٹ تو نہیں...... ٹھیک ہے میں نے منگنی اپنی پسند سے کی تھی...... فیملی نے روڑے نہیں اٹکائے لیکن وہ شادی کے لیے تو وہ ایسے نہیں مانیں گے ناں......''

''تم اس کی مجبوری سمجھو یار......'' میں اس کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے بولا۔ ''اس کے اپنے مسائل ہیں جن کا حل یہی ہے کہ اس کا اکیلا پن دور کیا جائے...... اور وہ تمہارے سوا اور کون دور کرسکتا ہے...... تم اس کے منگیتر ہو...... اس سے محبت کرتے ہو۔''

''تو میں نے کب انکار کیا ہے...... ہاں، مجھے اس سے محبت ہے...... اس سے منگنی کر چکا ہوں میں، شادی بھی اسی سے کروں گا لیکن ہر کام کی طرح شادی کا بھی ایک مناسب وقت ہوتا ہے۔ اب میں سب چھوڑ چھاڑ شادی کر کے بیٹھ گیا اور سال بعد بچہ بھی پیدا ہوگیا تو زندگی کیسے چلے گی؟ ایم بی اے کے بعد مجھے اپنے لیے اچھی جاب تلاش کرنی ہے، جب میں عملی زندگی میں سیٹ ہو جاؤں گا تو ہی شادی کی ذمے داری اٹھا سکوں گا ناں ورنہ شادی کے بعد تو مسائل کا ڈھیر لگ جائے گا...... اور ہمارا ایک ساتھ کامیاب زندگی گزارنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔''

اس نے لمبا چوڑا لیکچر دے دیا اور یقیناً اس کی سوچ بھی غلط نہیں تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی باتوں سے اتفاق کیا لیکن مینا کے اپنے مسائل تھے اور میں اس کی وکالت کے لیے آیا تھا...... سو میں اسے سمجھانے لگا۔

''یار جمی...... تم مینا کے بارے میں ٹھنڈے دل سے سوچو...... اس کا تمہارے سوا اس دنیا میں کون ہے جو اس کے مسائل حل کرسکے...... ظاہر ہے وہ اپنے مسئلوں کا حل تم سے ہی چاہے گی۔''

''کیسے مسائل......؟'' وہ بھڑک ہی اٹھا...... ''کہاں کے مسائل؟''

''کیا مطلب......؟'' میں حیرت سے پوچھنے لگا۔ ''کیا اس نے تمہیں ان لڑکوں کے بارے میں نہیں بتایا جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر میں گھس آئے تھے۔''

''جانتا ہوں سب......'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''ڈرامے ہیں سب...... سالی ڈراما کرنے میں ماہر ہے۔'' میں جانتا تھا وہ دونوں آزادانہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے۔ لڑائی جھگڑا بھی کرتے اور اسی تیزی سے مان بھی جاتے تھے...... خیر...... اس کے بعد بھی میں مینا کا مقدمہ لڑتا رہا تھا لیکن جمشید کو کسی طرح قائل نہ کرسکا......

اگلے دن میں مینا کے سامنے جمشید کی کہی باتیں دُہرا رہا تھا اور ایک طرح سے اسے قائل کر رہا تھا کہ جمشید کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا، اس طرح ایمرجنسی میں اس کے لیے شادی کا فیصلہ آسان نہیں ہے۔ اس کی ایک فیملی ہے جو اپنے طور پر اس کی شادی کرے گی، اس کی فیملی اس کی مینا سے منگنی سے بھی خوش نہیں تھی' ان کے خیال میں مینا کی ذات کا پتا تھا نہ خاندان کا...... ایک بوڑھی خالہ تھیں جس نے اسے پالا تھا اور جس دو کمروں کے کوارٹر میں وہ دونوں خالہ بھانجی رہتی تھیں...... مرنے سے پہلے وہ مکان خالہ نے مینا کے نام کردیا تھا اور اب خالہ کے مرنے کے بعد وہ اکیلی اس مکان میں رہتی تھی۔

ہم تینوں اسکول کے زمانے کے دوست تھے۔ مینا اور جمی دونوں تو جانے کب سے اس جذبے کے اسیر ہوگئے تھے جسے محبت کہتے ہیں، میں ان دونوں کا

دوست تھا۔ دونوں اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کرتے تھے...... میری زندگی بھی بہت خالی اور ادھوری سی تھی...... ماں، باپ کے گزر جانے کے بعد چچا، چچی نے پالا تھا۔ پالنا کیا تھا بس احسان تھا ان کا کہ گھر کے کونوں کھدروں میں پڑا رہتا...... بچا کھچا کھالیتا...... چچا کے بچوں کے ساتھ سرکاری اسکول جاتا لیکن پڑھائی کا ازحد شوق تھا سو ابھی اسکول میں تھا کہ چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنی پڑھائی کا خرچہ اٹھاتا رہا...... چچا، چچی بس کھانا دینے اور سونے کی جگہ دینے کے ذمے دار تھے...... باقی ساری پڑھائی میں نے اپنے خرچے پر کی...... پڑھنے کا شوق تھا سو کبھی کسی مشکل کو خاطر میں نہیں لایا...... کلاس میں سب سے اچھے مارکس لیتا، اچھے کالج میں پڑھا، ایم بی اے کیا، تعلیم کے دوران چھوٹی موٹی جابز بھی کیں...... ٹیوشنز کا سلسلہ تو جاری رہا اور اب پڑھائی ختم ہوچکی تھی، جاب تلاش کررہا تھا...... دوستوں میں صرف جمشید اور مینا تھے، وہ دونوں میری جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چچا، چچی کی اپنی اولاد جوان ہوچکی تھی۔ وہ اپنے بڑے بیٹے کی شادی کرنا چاہتے تھے جو میٹرک کرکے کسی ورکشاپ میں کام کررہا تھا اور اچھا کمارہا تھا لیکن گھر میں جگہ نہ تھی وہ باتوں، باتوں میں مجھے کہہ چکے تھے کہ تم اب اپنا انتظام کہیں اور کرلو تاکہ ہم اپنے بیٹے کا گھر بسا سکیں، اب میں سنجیدگی سے کہیں شفٹ ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس مقصد کے لیے ایک پراپرٹی ڈیلر سے بات بھی کرلی تھی کہ وہ میرے لیے کوئی ایسا سستا کمرا تلاش کرے جو ایک دو بندے اور بھی شیئر کرسکتے ہوں دوسری طرف میں جاب کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس دن مینا ملی تو بہت ڈسٹرب تھی بار، بار اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے...... میں نے پوچھا تو وہ ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔

''وہ (گالی) میری ایک نہیں سن رہا...... اسے میری کسی بات کا اعتبار نہیں آرہا...... آج رات بھی مارے خوف کے میری آنکھ تک نہیں جھپکی...... ساری رات کمرے کے کونے میں کھڑی خوف سے کانپتی رہی کیونکہ چھت پر دھم، دھم ہوتی رہی جیسے کوئی چھت پر چل رہا ہو...... لیکن وہ ان سب باتوں کو ڈراما کہتا ہے۔''

میں نے اسے ڈھیروں تسلیاں دیتے ہوئے آخر میں کہا۔

''تمہارا ایم بی اے کمپلیٹ ہوگیا ہے مینا...... تم اپنے لیے جاب تلاش کرو اور اپنی دوسراہٹ کے لیے کوئی ملازمہ رکھ لو...... تمہارے مسئلے کا یہی مناسب حل ہے۔'' وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''کیا کہہ رہے ہو خرم...... مجھے اتنی جلدی جاب کہاں ملے گی...... اور جہاں جاب ملنی مشکل ہے اس سے زیادہ تو نوکرانی ملنی مشکل ہے...... پارٹ ٹائم تو پھر بھی مل جاتی ہیں لیکن فل ٹائم ملازمہ امپاسبل...... اور آج کل ملازمہ کی تنخواہیں...... میری اتنی تنخواہ نہیں ہوگی جتنی وہ مانگے گی...... وہ تو خدا خالہ کا بھلا کرے جنہوں نے مجھے اچھی تعلیم دی...... گھر دیا اور اب بھی ان کی رقم سے گزارہ ہورہا ہے لیکن اتنی گنجائش تو نہیں کہ میں اس رقم سے نوکر رکھتی پھروں۔'' اس نے اپنی زندگی کی حقیقی تصویر کھینچی۔

''ویسے تم جاب تو ڈھونڈ رہی ہو ناں......'' میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... کوشش تو کررہی ہوں...... تم بھی میرے لیے کوشش کرنا ویسے ٹیوشنز تو کررہی ہوں۔''

''ضرور، ضرور......'' میں نے اسے یقین دلایا اور وہ دل گرفتہ سی وہاں سے چل دی۔

☆☆☆

ایک ہفتہ گزر گیا...... جمشید کے بارے میں پتا چلا کہ وہ اٹلی چلا گیا ہے کسی دوست کے توسط سے اسے وہاں جاب مل گئی ہے...... میری کوششوں کے نتیجے میں مجھے ایک نیم سرکاری ادارے میں جاب مل گئی لیکن تنخواہ بہت کم تھی اور ڈیوٹی کافی ٹف...... اب میں رہائش کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا...... اس دن جس پارک میں، میں واک کرتا تھا مینا بھی وہاں آگئی

تھی...... ہماری کافی دنوں بعد ملاقات ہوئی تھی...... میں نے اس سے جمشید کے بارے میں پوچھا۔

''دفعان ہو گیا ہے...... خس کم جہاں پاک......''

وہ کڑوے لہجے میں بولی تو میں نے اس کا دفاع کیا۔

''وہ یہ سب تمہارے لیے کر رہا ہے تم سمجھتی کیوں نہیں۔''

''خوب سمجھتی ہوں...... اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں کہ اب اسے میری ضرورت نہیں رہی...... اگر اسے میری پروا ہوتی تو وہ مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر نہ جاتا۔'' اس نے گلا صاف کیا اور مزید بولی۔ ''اچھا اسے چھوڑو...... آج میں تم سے ایک اہم بات کرنے آئی ہوں۔''

''کہو...... میں سن رہا ہوں۔'' میں ہمہ تن گوش تھا۔

''خرم......!'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ''اگر میں تم سے ایک فیور مانگوں تو تم دو گے؟''

''آف کورس......'' میں بولا۔ ''دنیا میں میرے دو ہی تو دوست ہیں...... ایک تم دوسرا جمی......''

''دیکھو خرم......'' وہ میری بات پر توجہ دیے بغیر بولی۔ ''اگر تم مجھ سے عارضی طور پر شادی کر لو تو میرا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔''

''کک...... کیا......؟'' مجھے زور کا جھٹکا لگا میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا...... کتنی ہی دیر تو مجھ سے بولا ہی نہیں گیا...... بڑی دیر بعد میں نے خود کو بولتے سنا۔

''کیا کہہ رہی ہو...... یہ عارضی شادی کیا ہوتی ہے۔''

''میرا مطلب ہے تم مجھ سے شادی کر لو گے تو میرا مسئلہ حل ہو جائے گا...... پھر جب جمی کی پرابلم حل ہو جائیں گی تو تم مجھے طلاق دے دینا...... اور جمی مجھ سے شادی کر لے گا۔'' اس کی اس بات پر مجھے لگا جیسے میرا دماغ بھک سے اڑ گیا ہو...... غصے سے میرے نتھنے زور، زور سے پھڑکنے لگے۔

''کیا بکواس کر رہی ہو مینا...... تم شادی اور طلاق کو کھیل سمجھتی ہو کیا......؟ جانتی بھی ہو شادی ایک مقدس رشتہ ہوتا ہے دو بندوں کے بیچ...... تم اس طرح کی بات کر کے اس رشتے کے تقدس کو خراب کرنا چاہتی ہو۔'' میں تقریباً چیخ کر بولا۔

''میں کچھ خراب وراب نہیں کرنا چاہتی...... یہ میرے مسئلے کا حل ہے...... اور بس۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔

''جانتی ہو...... لوگ کیا کہیں گے؟''

''دنیا میں لاکھوں کروڑوں شادیاں ہر روز ہوتی ہیں...... اور اسی تناسب سے طلاقیں بھی ہوتی ہیں۔ کہنے سننے کا وقت ہی کسی کے پاس نہیں...... اور پھر میرا اور تمہارا کون ہے جو ہم سے جواب دہی کرے گا۔'' وہ رسان سے بولی۔ لیکن میرا غصہ آسمانوں کو چھونے لگا۔

''تم پاگل ہو...... میں جمی سے بات کروں گا۔'' میں یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

اس نے مجھے نہیں روکا...... جمشید نے اٹلی جا کر مجھ سے رابطہ کیا تھا اور معذرت بھی کی تھی کہ وہ افراتفری میں چلا گیا تھا، مجھ سے ملنے کا ٹائم نہ نکال سکا...... میں نے اس بات کے بعد غصے میں اسے کال کی۔

''جمی...... مینا پاگل ہو چکی ہے، وہ عجیب، عجیب باتیں کرتی ہے۔'' میں نہایت غصے میں تھا۔

''کیا کہتی ہے؟'' وہ جانتا تھا کہ ہم تینوں کے درمیان اکثر لڑائی جھگڑے ہوا کرتے تھے سو وہ بڑے سکون سے بات کر رہا تھا۔

''وہ پاگل کہتی ہے کہ میں اس سے شادی کر لوں اور جب تم اپنا کیریئر بنا لو گے تو میں اسے طلاق دے دوں گا اور تم اس سے شادی کر لو گے...... یہ ہے اس کا پلان۔''

''کیا کہا......؟ کیا بکواس کر رہے ہو۔'' وہ فون پر ہی بڑی زور سے دہاڑا۔

''میں نہیں کر رہا بکواس...... تمہاری وہ چہیتی کر رہی ہے، سمجھانا چاہو تو سمجھا لو اسے۔'' میں بیزاری سے بولا۔

''اسے تو میں سمجھا لوں گا لیکن تم ابھی اس کے قریب ہو...... تم اسے اچھی طرح سمجھا سکتے ہو...... یہ کیا خناس اس کے دماغ میں سمایا ہے۔ بدتمیز (گالی) زمانے بھر کی۔'' وہ حسب عادت اسے گالیاں دینے لگا...... میں نے غصے میں کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ لیکن مینا نہ میرے سمجھانے سے قائل ہوئی نہ

اس کے سمجھانے سے...... اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ شادی اس کے مسئلے کا حل ہے اور یا تو مجھے اس کے ساتھ شادی کرنی ہوگی یا جمی کو...... میں اور جمی اسے سمجھا، سمجھا کر تھک گئے اور جب ہم دونوں اسے سمجھانے میں ناکام ہو گئے تو میں نے جمی کو سمجھانے کی ٹھانی...... میں نے چھوٹتے ہی اسے کہہ دیا۔

''جمی...... تم اپنا کیریئر بنانے کے لیے گئے ہو لیکن مینا بھی تمہارا مستقبل ہے...... اپنے مستقبل کو بچانے کے لیے تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آجاؤ...... اس سے شادی کرلو اور دونوں مل کر اپنا کیریئر بنالو۔''

''کیا...... کیا۔'' وہ ایسے بھڑک اٹھا جیسے میں نے اس کے سر پر بم پھوڑ دیا ہو...... ''کیا بکواس کر رہے ہو...... خدا، خدا کر کے تو میں یہاں آیا ہوں...... تم نہیں جانتے کہ یہاں آنے کے لیے میں نے کیا، کیا پاپڑ بیلے ہیں...... اور ابھی میں نے اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہے...... میرے سامنے صرف مینا نہیں، میری پوری فیملی ہے...... میری دو بہنوں کی اکٹھی شادیاں ہو رہی ہیں...... بھائی انجینئرنگ میں پڑھ رہا ہے...... بوڑھے والدین کے علاج کا خرچہ ہے میرے سر پر تو ذمے داریوں کا ایک پہاڑ ہے جسے میں نے پورا کرنا ہے، مینا کم بخت کی تو سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ میں اسے ذمے داریوں سے پاک زندگی دینا چاہتا ہوں...... اس لیے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

جمی کی ایک، ایک بات سچ تھی...... میں کیا کہتا...... خاموشی سے فون بند کر دیا۔

چند دن سکون سے گزرے...... میں اپنی جاب اور ٹیوشنز میں بزی تھا...... ایک کمرے بلکہ ایک عدد بیڈ کے لیے ڈیلرز سے رابطے میں بھی تھا کہ اس دن وہ پارک میں میرے سامنے بیٹھی تھی...... وہ بہت کمزور اور الجھی، الجھی دکھائی دے رہی تھی۔ چہرے کی تازگی غائب تھی اور چہرے پر شدید مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ میں اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا کہ کچھ دیر بعد وہ بولی۔

''خرم...... میں تم سے آخری بار ملنے آئی ہوں۔''

''کیا......؟'' میں شدت سے چونکا...... ''لیکن تمہاری جاب کا کیا ہوگا اگر تم یہاں سے چلی گئیں تو خدا، خدا کر کے تو تمہیں جاب ملی ہے۔'' میں نے یہی سمجھا کہ وہ اس شہر سے کہیں اور جا رہی ہے...... اسے حال ہی میں ایک گزارے لائق جاب ملی تھی۔

''میں کسی اور شہر نہیں...... اس دنیا سے جا رہی ہوں۔'' اس نے دکھی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''کیا......؟'' مجھے لگا جیسے کسی نے مجھے اٹھا کر بڑے زور سے نیچے پٹخ دیا ہو...... میں بے یقینی سے پاگلوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو...... کیا مسائل کا حل اس طرح تلاش کیا جاتا ہے...... کیا زندگی سے کوئی اور چیز زیادہ قیمتی ہو سکتی ہے۔'' میں نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''تو کیا کروں میں......'' وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ ''اب میں اس خوف کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی...... میری نیندیں روٹھ گئی ہیں...... چین ختم ہو گیا ہے، اب تو دن میں بھی مجھے آہٹیں سنائی دیتی ہیں اور میں کونوں کھدروں میں چھپ جاتی ہوں، کیا زندگی ہے میری؟'' وہ اب بلک، بلک کر رو رہی تھی۔ ''جو حل میں نے بتایا وہ تمہیں منظور ہے نہ جمی کو...... کیا کروں میں...... اب تو یہی آپشن بچا ہے میرے پاس کہ میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دوں اور سارے دکھوں سے نجات پالوں...... کاش تم اور جمی میری جگہ ہوتے تو تب ہی میری اذیت کا اندازہ ہوتا تمہیں بھی اور جمی کو بھی۔''

''نن...... نہیں...... نہیں مینا...... دیکھو تم پلیز...... یہ غلط سلط جذباتی فیصلے مت کرو...... میں...... میں جمی سے بات کرتا ہوں۔ لیکن تم وعدہ کرو...... تب تک تم کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھاؤ گی۔'' وہ روتی رہی اور میں اسے تسلیاں دیتا رہا...... چھوٹتے ہی میں نے جمی سے بات کی تھی۔

''کیا.....کیا کہا.....؟میری بات سن کر وہ اتنی زور سے چیخا کہ مجھے لگا جیسے میں اس کی زوردار چیخ سن کر بہرا ہو گیا ہوں۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ کتنی جذباتی ہے.....جو کہتی ہے اس پر عمل بھی کر گزرتی ہے.....'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔''اور اب اس کا یہی حل ہے کہ تم اپنے کیریئر کو لات مارو اور اپنی محبت کو بچالو۔''

''کیا اول فول بک رہے ہو؟'' وہ جھنجلا کر بولا۔''میں ایک ہزار بار تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔'' پھر وہ اپنے وہاں کے سو مسائل مجھے بتانے لگا۔

''دیکھو خرم..... میں..... میں مینا کو کھونا نہیں چاہتا۔'' آخر میں اس کی آواز بھرا گئی۔'' میں نے صرف مینا کو چاہا ہے.....بے لوث چاہت ہے میری.....اب بھی میں اسی کے لیے یہ ساری تگ و دو کر رہا ہوں.....میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں کی ازدواجی زندگی غربت، مجبوریوں اور ذمے داریوں کے بوجھ کے ساتھ شروع ہو اور آخر میں زندگی تو رہے لیکن محبت نام کی کوئی چیز نہ رہے.....تم، میں اور مینا اچھے دوست رہے ہیں.....اور دیکھو خرم.....اب اس کی زندگی بچانے یا نہ بچانے کے ذمے دار بھی ہم ہی ہوں گے.....میں اپنی مجبوریاں لاتعداد بار تمہیں بتا چکا ہوں.....لیکن تمہاری کوئی ایسی مجبوری نہیں جو تمہاری راہ روک سکے ایسا کرو تم .....تم خرم.....تم مینا سے.....شادی کرلو.....''اس نے اٹکتے، اٹکتے آخر کہہ ہی ڈالا۔

''کیا.....؟''میں ایک دم سے اچھل پڑا.....لگتا تھا دل کے اوپر ریل گاڑی چڑھ گئی ہو.....جس نے میرے وجود کو ہزاروں ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہو.....دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہوگئیں کہ مجھے باہر کی آوازیں آنا بند ہوگئیں.....میرے وجود میں سکت نہیں رہی، بولنے کا یارا نہیں رہا۔

''مینا تمہاری بھی دوست ہے خرم.....تمہیں بھی میری طرح اس کی زندگی پیاری ہوگی.....اور پھر..... اس شادی کا کوئی مقصد نہیں ہوگا.....یہ کاغذی شادی ہوگی بس میرے آنے کا انتظار کرنا ہوگا تمہیں..... اور جیسے ہی میں آؤں گا.....تم مینا کو طلاق دے دو گے.....اور یہ تمہارا ہم دونوں پر احسان ہوگا کیونکہ ہم الجھنوں اور غربت سے پاک زندگی شروع کریں گے۔''وہ عجیب ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

میں تو خود کو سنبھالنے میں ناکام ہو رہا تھا تو اسے کیا جواب دیتا، میری طرف سے جواب نہ پا کر وہ پھر بولا۔

''دیکھو خرم.....تم میری طرح گھر اور فیملی میں الجھے ہوئے نہیں ہو.....تمہاری کوئی ذمے داری بھی نہیں ہے.....تمہاری اپنی زندگی ہے جو تم اپنے طریقے سے جی سکتے ہو کوئی انٹرفیئر کرنے والا نہیں ہے..... ابھی چند دن پہلے تم نے بتایا تھا کہ تم اپنی رہائش کا کہیں اور بندوبست کر رہے ہو اور چچا کا گھر چھوڑ رہے ہو.....بس.....یہ بہترین آپشن ہے تمہارے لیے..... چچا کا گھر چھوڑ کر مینا کے گھر آجاؤ۔ مینا کے گھر میں دو کمرے ہیں، ایک کمرے میں تم رہ لینا دوسرے میں وہ رہ لے گی.....تمہاری موجودگی سے اس کا خوف دور ہوگا اور تمہاری پرابلم بھی حل ہو جائے گی.....تم دونوں ویسے ہی دوست رہو گے جیسے پہلے تھے.....کبھی شوہر نہ بننا کہ مینا میری امانت ہے تمہارے پاس..... اور اتنا میں جانتا ہوں کہ تم ایسے دوست نہیں ہو جو امانت میں خیانت کرے۔''

وہ جانے کیا، کیا کہتا رہا لیکن میرا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا سو میں نے فون بند کر دیا.....

میری عجیب سی فیلنگز ہو رہی تھیں۔ میری زندگی میں.. فی الحال شادی کی کوئی گنجائش نہیں تھی ابھی تو میں زندہ رہنے کے لیے ہاتھ، پاؤں مار رہا تھا.....محنت کر، کر کے میرے اعصاب شل ہو گئے تھے، زندگی کو ایک بھاری بوجھ کی طرح گھسیٹ رہا تھا.....اور اس پر یہ افتاد.....اندھیرے میں امید کی ایک چھوٹی سی کرن یہ تھی کہ ہو سکتا ہے مینا نے جمی کو کونس کر دیا ہو کہ وہ آئے

اور اس کے ساتھ شادی کر لے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ شام کو پارک میں آئی تو بڑے ریلکس موڈ میں تھی......

''جمی نے مجھ سے بات کر لی ہے، وہ مان گیا ہے کہ مجھے تم سے شادی کر لینی چاہیے...... وہ کہتا ہے کہ تم بھی مان گئے ہو...... دیکھو خرم...... ہم دونوں ایسے ہی دوست رہیں گے جیسے اب دوست ہیں...... اور تمہارے اس تعاون کے لیے میں اور جمی ہمیشہ تمہارے احسان مند رہیں گے۔'' وہ عجب انداز میں بول رہی تھی۔

میں خالی، خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا...... مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے خدا نے مجھ سے بولنے کی طاقت ہی چھین لی ہو اور اسی عجیب سی حالت میں چند گواہوں کی موجودگی میں میرا اور مینا کا نکاح بھی ہو گیا۔

☆☆☆

ہم دونوں نکاح کے بعد مینا کے گھر آ گئے...... یہ پانچ مرلے کا ایک منزلہ مکان تھا جس میں دو کمرے تھے جو خاصے کشادہ تھے دونوں کمروں کے ساتھ اٹیچڈ باتھ بھی تھے۔ کمروں کے آگے ایک چھوٹا سا برآمدہ اور ساتھ کچن تھا۔ اندر گھستے ہی مینا نے ایک لمبی سی جمائی لی اور بولی۔

''خرم...... میں تو کئی راتوں سے نیند کو ترسی ہوئی ہوں، میں سونے جا رہی ہوں، اگر تم چائے پینا چاہو تو کچن میں چائے کا سامان موجود ہے اور پھر خالہ کے کمرے میں سو جانا...... میں نے بیڈ پر صاف چادر بچھا دی ہے۔'' وہ اپنے کمرے میں گھس گئی اور اندر سے کنڈی بند کر لی۔ میں کچھ دیر وہیں خالی الذہنی کے عالم میں کھڑا رہا...... پھر اپنا بیگ اٹھا کر خالہ کے کمرے میں گھس گیا...... کمرا صاف ستھرا اور کافی بڑا تھا میں اور خرم، خالہ کی زندگی میں کبھی کبھار کسی خاص موقع پر آیا کرتے تھے...... اور اس وقت کبھی مجھے یہ احساس تک نہیں ہوا تھا کہ کبھی میں مینا کا شوہر بن کر اس کمرے میں بلا کسی کی شرکت کے رہائش اختیار کروں گا۔ سچ تو یہ ہے کہ صاف ستھرا اور کشادہ کمرا دیکھ کر مجھ پر چھائی کوفت کسی حد تک دور ہو گئی...... میں تو ساری زندگی اس بات کے لیے ترسا تھا کہ...... کبھی میرا بھی کوئی الگ کمرا ہوگا...... جس میں اپنی مرضی سے سو اور جاگ سکوں گا...... چچا کے گھر میں بھی مرغی کے دڑبوں جیسے دو کمرے تھے، ایک کمرے میں چچا اور چچی ہوتے تھے، دوسرے کمرے میں، میں چچا کے تین عدد بیٹوں کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ کمرا اتنا تنگ تھا کہ ہم زمین پر سوتے تو نیند میں کبھی میرا پاؤں کسی کے منہ کے اوپر ہوتا تو کبھی دوسروں کا پیر میرے منہ پر اس زور سے پڑتا کہ میرے چودہ طبق روشن ہو جاتے...... میں جل کر سوچتا...... یہ بھی اچھا ہے کہ چچا کی کوئی بیٹی نہیں ورنہ وہ بھی اس کمرے میں گھسیڑ دی جاتی۔ میں خیالوں کی دنیا سے واپس آ گیا۔ میں نے چچا، چچی کو آج بتا دیا تھا کہ میری رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا ہے اور آج میں یہاں سے چلا جاؤں گا...... ان دونوں نے رسمی طور پر بھی مجھے رکنے کے لیے نہیں کہا کہ وہ بھی چاہتے تھے۔

میرا اس وقت چائے پینے کا دل نہیں چاہ رہا تھا بھوک تو ان نامساعد حالات میں ویسے بھی مر چکی تھی...... میں بستر پر گرنے کے سے انداز میں لیٹ گیا تو اتنی جلدی نیند نے دبوچ لیا ورنہ عام حالات میں مجھے نیند کہاں آتی تھی...... صبح اٹھا تو کچھ دیر خالی الذہنی کے عالم میں لیٹا رہا...... بھرپور نیند لی تھی کہ دماغ اب بھی سویا، سویا تھا...... اور سوچ رہا تھا کہ کسی کا پیر میرے منہ پر کیوں نہیں پڑا کہ اچانک میری ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔ مینا کے ساتھ میرا نکاح...... خالہ کا کشادہ کمرا...... مینا کا گھر...... میں ایک جھٹکے سے پلنگ پر اٹھ بیٹھا اور گھبرا کر وال کلاک پر نظر ڈالی۔

''اُف......'' آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی......

میں الٹا سیدھا تیار ہوا اور چائے بنانے اور پینے کا ارادہ موقوف کر کے آفس کے لیے نکل گیا...... کچن میں مینا غالباً اپنے لیے ناشتا بنا رہی تھی...... مجھے کمرے سے باہر نکلتا دیکھا تو آواز دے کر بولی۔

''خرم...... چائے پینی ہو تو آ جاؤ...... ناشتے کے

لیے ابھی کچھ بھی موجود نہیں ہے..... خالی چائے پینی ہو تو آجاؤ۔‘‘

’’نہیں.....‘‘ میں نے عجلت میں کہا۔’’ آفس کو دیر ہو رہی ہے، وہیں پی لوں گا۔‘‘ اس نے اور کچھ نہ کہا میں گھر سے باہر نکل آیا..... آفس میں ذرا..... سر کھجانے کی فرصت ملی تو چپڑاسی سے چائے کے ساتھ بسکٹ منگوائے اور پیٹ کی آگ بجھائی..... معمول کے مطابق پانچ بجے شام آفس سے فارغ ہوا تو خود کو فریش کرنے کے لیے اپنے مخصوص پارک گیا..... وہاں کچھ دیر واک کی..... پھر مقررہ وقت پر ٹیوشنز پڑھانے چلا گیا نو بجے فارغ ہوا تو گھر جانے سے پہلے پیٹ کا بھرنا لازمی ٹھہرا سو اپنے مخصوص ہوٹل جسے ڈھابا ہوٹل کہتے تھے وہاں گیا..... اور لوہے کی کرسی پر کھلے آسمان تلے بیٹھ کر دو عدد سموسے چائے کے ساتھ منگوائے اچانک یاد آیا کہ مینا نے کہا تھا کہ ناشتے کا سامان نہیں ہے، میں نے سوچا کہ اب میں مینا کا چند دن کا مہمان تو نہیں ہوں جو وہ مجھے اپنے پلے سے کھلائے گی..... جانے کتنا عرصہ مجھے اس کے ساتھ رہنا پڑے۔ سو مجھے اس سے سارے اخراجات شیئر کرنے ہوں گے..... یہ کیا کم ہے کہ اس نے مجھے ایک رہائش فری میں دے رکھی تھی..... یہ سوچ ذہن میں آئی تو میں نے ساتھ کی دکان سے چائے کا پیکٹ، دودھ کے پیکٹ اور ایک عدد ڈبل روٹی، چند انڈے اور مارملیٹ کی ایک بوتل خرید لی..... یہ بھی اچھا تھا کہ مجھے آج ہی ایک ٹیوشن کی تنخواہ ملی تھی..... میں گھر آیا تو کافی دیر ہو چکی تھی..... مینا کچن میں کھٹ پٹ کر رہی تھی۔ میری آہٹ سن کر تو باہر آگئی۔

’’تم آگئے خرم..... میں تو ڈر رہی تھی کہ.....‘‘ اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

’’یہ کیا اٹھا لائے؟‘‘ میرے ہاتھ میں سامان دیکھ کر وہ بولی۔

’’اب ہم سارے خرچے ففٹی، ففٹی کی بنیاد پر کریں گے۔‘‘ میں نے لفافے کچن کی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

’’لیکن.....‘‘ وہ قدرے پریشان ہو کر بولی۔ ’’خالہ کی موت کے بعد تو میں نے کبھی ہانڈی روٹی کا جھنجٹ ہی نہیں پالا..... بس اپنا کچن چائے اور ناشتے تک ہی محدود رکھا ہے، ناشتے میں بھی بس چائے اور پاپوں کا ہی ناشتا کیا ہے۔‘‘ وہ لفافے سے جھانکتے انڈوں وغیرہ کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

’’ہاں تو کھانے کا جھنجٹ اب بھی نہیں پالیں گے..... میں تو بس ناشتے کا ہی سامان لایا ہوں۔‘‘

’’یہ انڈے.....؟‘‘ وہ بات ادھوری چھوڑ کر بولی۔

’’اسے پکانے کے لیے۔ آملیٹ وغیرہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے..... ہم اسے ابال کر بھی کھا سکتے ہیں۔‘‘ میں اس کا مطلب سمجھ گیا کہ گھر میں نہ کوکنگ آئل تھا نہ مرچ مسالا..... نہ ہی پیاز، ٹماٹر.....

’’چائے پیو گے؟‘‘ انڈے اور ڈبل روٹی فریج میں رکھتے ہوئے وہ بولی۔

’’نہیں، ڈنر کر کے آرہا ہوں..... بس اب سوؤں گا۔‘‘ میں سچ مچ تھک گیا تھا اور شدت سے نیند کی طلب ہو رہی تھی۔ میں جب اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو پیچھے سے آواز سنائی دی۔

’’شکریہ خرم..... رات کو میں اتنی بھرپور نیند سوئی کہ کیا بتاؤں..... کسی ڈر اور خوف کا شائبہ تک نہیں تھا دل میں..... تھینک یو سو مچ.....‘‘

میں نے ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔ ہماری روٹین جلد ہی سیٹ ہوگئی..... روٹین کیا سیٹ ہونی تھی کہ ہم نے کھانے کا نٹنا ہی نہیں پالا تھا..... میں صبح کا نکلا رات کو ڈنر کر کے گھر آتا تھا..... مینا کا مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ وہ کب آفس کے لیے نکلتی ہے، کب واپس آتی ہے، کیا کھاتی ہے، کب کھاتی ہے۔ یہ تو طے تھا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں پکتی تھی۔ چھٹی والے دن میں دیر سے اٹھتا تھا وہ بھی خاصی دیر سے اٹھتی تھی..... سو ناشتے کی میز پر اکثر ہمارا ٹکراؤ ہو جاتا تھا۔ وہ مجھے بڑے اچھے

موڈ میں ملتی تھی۔ میں بھی ناشتا بنانے میں اس کی مدد کرتا تھا...... وہ اور میں اسی طرح باتیں کرتے تھے جیسے پہلے کرتے تھے...... ہمارے درمیان اس نئے رشتے کی وجہ سے جو جھجک پیدا ہوگئی تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی...... ہم دونوں پہلے جیسے دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے بات چیت کرتے رہتے...... چھٹی والے دن میرے بہت کام ہوتے تھے...... میں اپنے کپڑے دھوتا، اپنے کمرے کی تفصیلی صفائی کرتا...... اپنا باتھ روم صاف کرتا اور اسی طرح کے چھوٹے موٹے ہزاروں کام ہوتے...... شام کو میں اپنی چھوٹی موٹی شاپنگ کرتا، پارک کا جانا تو روزانہ کی روٹین میں شامل تھا لیکن چھٹی والے دن اس کا دورانیہ زیادہ ہوتا...... واپس گھر آتا تو کپڑے سوکھ چکے ہوتے انہیں استری کر کے ہینگرز میں ڈال کر الماری میں رکھ دیتا۔ میں نے نوٹ کیا تھا کہ مینا بھی کم وبیش اسی طرح کے کام کیا کرتی...... ایک دن میں نے اسے کچن کی تفصیلی صفائی کرتے دیکھا تو مجھے شرمندگی ہوئی۔ اسی کچن میں تو میرا بھی چائے پانی چل رہا تھا سو میں نے اسے کہہ دیا کہ ایک چھٹی کو وہ کچن، برآمدہ اور صحن صاف کرے گی جبکہ دوسرے ہفتے کی چھٹی کو میں یہ سب صاف کروں گا...... وہ فوراً مان گئی...... اور اس طرح ہماری روٹین مکمل طور پر اچھے طریقے سے سیٹ ہوگئی۔ شروع، شروع میں جمی کی فون کالز تواتر سے آتی رہیں...... پھر اس نے بتایا کہ وہ بہت زیادہ بزی ہوگیا ہے اس لیے جلدی، جلدی فون نہیں کرسکتا...... مینا کا مجھے علم نہیں تھا کہ وہ اسے کال کرتا ہے کہ نہیں...... مینا نے جمی کے حوالے سے کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی...... شروع، شروع میں جمی مجھ سے کرید، کرید کر میرے یہاں رہنے سہنے اور میری روٹین کے بارے میں پوچھتا رہتا...... میرے تفصیل سے سب کچھ بتانے پر وہ مطمئن ہوگیا...... اب وہ اتنی تفصیلات نہیں پوچھتا تھا۔

☆☆☆

آفس میں میرا ایک کولیگ میرا اچھا خاصا دوست بن گیا تھا۔ ایک طرف اس نے مجھے راز داری سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو وہ میرے لیے اس سے اچھی نوکری ڈھونڈ سکتا ہے جس میں تنخواہ بھی زیادہ ہوگی اور ڈیوٹی بھی اتنی ٹف نہیں ہوگی۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق میں فوراً راضی ہوگیا ویسے بھی میرا وہ کولیگ اکرام اچھا خاصا چلتا پرزہ تھا۔ اور مجھ پر مہربان بھی بہت تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ ”میں کافی وقت سے کوششوں میں لگا تھا کیونکہ یہاں کا باس کام تو جی بھر کر... لیتا ہے لیکن تنخواہ کے نام پر اس کی جان جاتی ہے...... اب جس جگہ میرا کام ہوگیا ہے وہاں ایک اور بندے کی جگہ خالی ہے...... میرے ذہن میں فوراً تمہارا خیال آگیا...... اب تم کل اپنے سارے کاغذات اور سی وی لے آنا...... تاکہ میں اپنے ساتھ تمہارا بھی کام کردوں۔“

”کیا ان کا یہاں ہی آفس ہے؟“ میں نے پوچھا تو وہ بولا۔

”نہیں یار...... ان کا آفس لاہور میں ہے، ہم دونوں مل کر کوئی سستی سی رہائش تلاش کرلیں گے......“

اس کی بات سن کر میرے سارے جوش وخروش پر پانی پھر گیا...... مینا کی وجہ سے میں اس شہر سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔

”تجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے خرم...... میری اطلاع کے مطابق تو تیرا یہاں کوئی سگا رشتہ بھی نہیں...... اور میری طرح تو بھی چھڑا چھانٹ ہے، کوئی زنجیر نہیں قدموں میں۔“ میرے چہرے پر مایوسی دیکھ کر اکرام حیرت سے بولا۔

اکرام اور آفس کے کسی ورکر کو میرے اور مینا کے نکاح کا کوئی علم نہ تھا مینا نے تو نکاح کے بعد سارے محلے میں نکاح کی مٹھائی بانٹ کر محلے والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ اب اکیلی نہیں رہی لیکن مجھے اس کی ضرورت اس لیے نہیں تھی کہ میرے قریب یہ شادی نہیں...... ایک معاہدہ تھا اور میں خود کو شادی شدہ کہلا کر اپنے مستقبل کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اکرام کو کہہ دیا کہ وہ کل تک میرا انتظار کرے کہ میں کل اسے

فائنل جواب دوں گا...... آفس سے فارغ ہوتے ہی میں چائے پینے اپنے مخصوص ڈھابا ہوٹل گیا اور وہیں سے جمی کو کال ملائی...... جمی میری پوری بات سن کر بھڑک اٹھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو...... تم ایک بار پھر وہ حالات پیدا کرنا چاہتے ہو جس نے مینا سے خودکشی کا بھیانک فیصلہ کرایا تھا۔''

''لیکن......'' میں بے بسی سے بولا۔ ''تم بتاؤ میں کیا کروں...... کیا مجھے اپنی زندگی بنانے کا حق نہیں ہے؟''

''دیکھو...... دیکھو خرم...... میں آؤں گا تو آرام سے بھی بیٹھوں گا جب تمہارے لیے اچھی جاب تلاش کر لوں...... آخر تم نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے تو کیا میں تمہارے لیے کچھ نہیں کروں گا...... اتنا تو بے غیرت نہیں ہوں میں...... میرے دوست...... میرے بھائی بس تھوڑا عرصہ اور صبر کر لو......'' اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا میں نے بے دلی سے فون بند کر لیا۔

میں نے اکرام کو انکار کر دیا اور پہلے کی طرح شب و روز پھر سے گزرنے لگے۔ اگرچہ میں اب یہ ڈیوٹی بس بادلِ ناخواستہ ہی نبھا رہا تھا، میں بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد اس مقام تک پہنچا تھا اور چاہتا تھا کہ اس سے اور آگے جاؤں...... لیکن میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ مینا کی وجہ سے میں ترقی کی اس دوڑ میں پیچھے رہ گیا تھا...... شاید ہر آدمی کی زندگی اسی طرح گوناگوں پریشانیوں کا شکار رہتی ہے۔ جیسے میری تھی...... میں اکثر ایسی منفی باتیں سوچتا رہتا...... مینا اور میرے تعلقات نارمل تھے۔ ہم ایک دوسرے سے اچھے سے بات چیت بھی کر لیتے...... کبھی کبھار پارک میں بھی اکٹھے جا کر واک کر لیتے...... چھٹی والے دن اگرچہ ہم سارا دن کام کاج میں گزار لیتے لیکن اس دوران ہماری بات چیت اور ہنسی مذاق بھی چلتا رہتا۔

☆☆☆

اس دن میں ابھی آفس میں تھا کہ بارش شروع ہو گئی...... رات کو جب میں نو بجے گھر پہنچا تو بارش بہت تیز ہو گئی تھی...... ساتھ ہوا بھی بہت تیز چل رہی تھی۔ آسمان کی گڑگڑاہٹ دل سہائے دے رہی تھی، میں بھیگتا بھاگتا گھر میں داخل ہوا اور گیلے کپڑے تبدیل کر لیے اور ابھی بیڈ تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ لائٹ چلی گئی...... ایک چھوٹی سی موم بتی میری دراز میں پڑی تھی۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ اتنی تیز تھی کہ مجھ جیسے توانا مرد کو بھی سہائے دے رہی تھی تو مینا تو بے حد ڈرپوک تھی...... اندر سے پہلے مجھے اس کی بے ساختہ چیخ سنائی دی۔ میں گھبرا کر اس کے کمرے کی طرف بڑھا اور دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

''مینا...... تم ٹھیک تو ہو...... کہاں ہو تم......؟'' اس کی کوئی آواز سنائی نہیں دی تو میں کمرے میں گھس گیا...... اور گھبرا کر اسے آوازیں دینی شروع کیں......

گھپ اندھیرا تھا، بجلی کی تیز چمک کھڑکی سے اندر آ جاتی تو آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہو جاتیں۔ اسی چمک میں نے دیکھا کہ وہ بیڈ کے پیچھے بیٹھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی...... اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

''مینا، مینا باہر آؤ'' میں بے تابی سے اس کے قریب جا کر اسے آوازیں دینے لگا لیکن وہ اسی طرح کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی...... میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے پلنگ کی طرف سے باہر کھینچا۔

''ریلیکس کرو مینا...... میں ہوں ناں......'' وہ کسی خوفزدہ بچی کی طرح میرے سینے سے لگ گئی باہر آسمان کی گڑگڑاہٹ، ہواؤں کا شور اور بارش...... یہ سب کچھ مزید زیادہ ہو گیا تھا۔ لگتا تھا کہ جیسے بارش اب کے برسی تو پھر نہ برسے گی۔ طوفان اور بارش مل کر ماحول کو عجیب ہیبت ناک بنا رہے تھے اور مینا کا خوفزدہ، کانپتا وجود اس گھپ اندھیرے میں میری بانہوں میں تھا اور میں جیسے ہواؤں میں پرواز کرنے لگا تھا...... میرے جذبات اور احساسات اچانک تبدیل ہو کر رہ گئے تھے...... میں نہ دوست رہا نہ کچھ اور...... بس ایک مرد

بن گیا جس کی بانہوں میں اس کی بیوی تھی اور جس سے میں اپنا شرعی حق وصول کرنے کا حقدار تھا اور اس طوفانی رات میں، میں اپنا حق وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا اور تب مینا کو روتا، سسکتا چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں آ گیا...... جذبات کا طوفان تھما تو مجھے احساس ہوا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں، وہ کون سا کمزور لمحہ تھا جس کی گرفت میں آ کر میں اپنے نفس کے تابع ہو کر رہ گیا ورنہ میں تو ایسا بندہ نہیں تھا... کبھی نفس کے آگے خود کو نہیں جھکایا تھا کبھی یونیورسٹی میں کسی لڑکی کے لیے ذرا بھی پسندیدگی دل میں اٹھتی تو میں دل کو بری طرح جھڑک دیتا کہ میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ محبتیں کرتا پھروں...... ابھی مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے، ابھی مجھے بہت جدوجہد کرنی ہے، اپنی زندگی بنانی ہے، میں نے عورت نامی چیز کو اپنی لغت سے فارغ کر رکھا تھا...... لیکن...... میں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے سوچا...... قدرت نے بیٹھے بٹھائے میری لاکھ نہ، نہ کے باوجود ایک عورت کا ساتھ مجھے سونپا...... اور اس لیے تو یہ انہونی ہو گئی اور وہ بھی مینا کے ساتھ۔

''اُف میرے خدایا......'' میں نے ماتھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے خود سے کہا۔ ''مینا کو تو میں نے کبھی عورت سمجھا ہی نہیں...... وہ تو میری ویسی دوست تھی جیسے جمی میرا دوست تھا...... وہ دونوں میرے سامنے رومانس جھاڑتے، اٹکھیلیاں کرتے...... میں بے حسی سے دیکھتا رہتا...... اور میں نے وہ سب مینا کے ساتھ کیا......'' میری پشیمانی کی حد نہیں تھی۔ میرا ضمیر مجھے سمجھاتا کہ تم نے کوئی گناہ نہیں کیا...... وہ تمہاری شرعی بیوی ہے لیکن میں اس کی بات مسترد کر دیتا...... وہ کاغذات کی حد تک میری بیوی تھی...... میرے پاس وہ کسی کی امانت ہے، اب میں جمی کو کیا منہ دکھاؤں گا...... میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا...... یہ کس عذاب میں پھنس گیا تھا میں...... ساری رات میری پلک تک نہیں جھپکی، صبح میں منہ اندھیرے گھر سے نکل گیا...... مینا کا تو میں سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ سارا دن میں آفس میں بھی ڈسٹرب رہا...... اور رات گئے گھر چلا آیا۔ اور پھر یہ روٹین بن گئی...... صبح منہ اندھیرے گھر سے نکلتا...... ڈھابے پر جا کر ناشتا کرتا...... پھر آفس کے ٹائم پر آفس چلا جاتا...... پھر سارا وقت اِدھر اُدھر گھوم پھر کر وقت صرف کرتا اور رات گئے گھر آتا۔ مینا شاید خود بھی یہی چاہتی تھی کہ ہماری ملاقات نہ ہو...... سو اس کی طرف سے بھی خاموشی تھی اور پردہ داری بھی...... لیکن تا کے...... ایک گھر میں رہتے ہوئے ملاقات تو لازمی تھی کبھی نہ کبھی ہونی تھی...... وہ چھٹی کا دن تھا...... میری آنکھ دیر سے کھلی...... خیال تھا ڈھابے پر جا کر ناشتا کروں گا...... جب تیار ہو کر باہر صحن میں آیا تو خلافِ توقع مینا کچن میں کھٹ پٹ کر رہی تھی...... میں آنکھ بچا کر نکلنا چاہتا تھا کہ مینا نے آواز دی۔

''خرم آؤ، ناشتا کر لو تیار ہے۔'' میرے پیر جیسے زمین پر جم کر رہ گئے...... دھڑکنوں کی رفتار تیز ہو گئی...... میں کچھ دیر خالی الذہنی کے عالم میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا...... دل چاہا یہاں سے بھاگ جاؤں...... لیکن ایسا نہ کر سکا۔ اپنے پاؤں بہ مشکل گھسیٹتے ہوئے کچن میں چلا گیا۔ اور اپنے مردہ ہوتے وجود کو سنبھالتے ہوئے کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ مینا نے خاموشی سے میرے آگے چائے کا گرم کپ رکھا ساتھ دو عدد توس گھی میں تل کر رکھے...... میں نے خاموشی سے ناشتا زہر مار کیا...... اس دن ہماری کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن اس کے بعد جب ہم اسی طرح ساتھ ناشتا کرتے رہے تو خاموشی کی یہ دیوار بھی ٹوٹ گئی...... پہلے کی طرح ہم عام موضوعات پر گفتگو کرنے لگے اور پہلے والی روٹین پھر بحال ہو گئی...... مجھے مینا کا تو پتا نہیں تھا لیکن میں حد سے زیادہ گلٹی فیل کر رہا تھا۔ اکثر خود کو لعنت ملامت کرتا رہتا...... مینا کے سامنے تو میں نظریں اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا...... اور رہا جمی تو میرا گئی، کئی بار دل چاہا کہ جمی کا اور میرا جب بھی آمنا سامنا

ہوتو اس سے پہلے میں خودکشی کرلوں کہ کم سے کم میں لعن طعن سے بچ جاؤں...... موت مجھے زیادہ آسان لگتی تھی اس کے سامنے شرمندگی اٹھانے سے...... فون تو میں اس کا اٹھاتا نہیں تھا لیکن کب تک...... ایک دن بالکل بے خیالی میں اس کا فون ریسیو کرلیا...... اس کی آواز فون پر سن کر تو میری روح جیسے جسم سے پرواز کرنے لگی...... وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا۔

''سالے فون کیوں نہیں اٹھاتا میرا......؟''

''کام، کام زیادہ ہوتا ہے آفس میں۔'' میں اٹک اٹک کر بولا۔

''ہاں، ہاں تو، تو جی ایم لگا ہے اپنے آفس کا ناں۔'' وہ طنز کرتے ہوئے بولا میں خاموش رہا......

''یہ بتا روٹین کیسی چل رہی ہے۔'' میں اب تھوڑا حواسوں میں آگیا تھا سو اس کی باتوں کا مختصر جواب دینے لگا...... وہ کچھ دیر باتیں کرتا رہا...... مینا کے لیے اپنی بے قراری کا احوال سناتا رہا پھر اس نے فون بند کردیا...... لیکن اس کے بعد میں اس کا فون اٹھالیتا تھا...... خود سے میں نے کبھی فون نہیں کیا۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا...... میں کسی طرح خود کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہر وقت خود کو کوستا رہتا...... خودکشی کے نت نئے طریقوں پر غور کرتا رہتا...... اور جب وحشت حد سے سوا ہونے لگی تو میں ایک عالم دین کے پاس چلا گیا...... یہ عالم دین میرا اپنا اور جمی کا پسندیدہ تھا...... ہم اس کے درس و تبلیغ شوق سے ٹی وی اور ریڈیو پر سنا کرتے' میں ان سے اکیلے میں ملا اور پوری ایمانداری سے انہیں سارے حالات سے آگاہ کیا...... وہ بڑے سکون سے میری ساری روداد سنتے رہے پھر سنجیدگی سے نرم لہجے میں بولے۔

''شادی ایک مقدس فریضہ ہے، اس فریضے کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا گناہ ہے اور پھر نکاح جیسا بندھن تو اللہ کو حاضر و ناظر مان کر دو فریقوں کے

محبت کے نغمے

یہ جو محبت کے نغمے گنگناتے پھرتے ہیں
دراصل اپنے غم کی دہائی دیتے پھرتے ہیں
جذبوں کی نذر کردیتے ہیں لفظ، لفظ اپنا
دیوانگی کو فرزانگی کرتے پھرتے ہیں
پہنا دیتے ہیں فریادی کو کاغذی پیراہن
نقشِ بے رنگ کو کتابی کرتے پھرتے ہیں
کیا خوب کرتے ہیں تعریف اس حسن کی
جلوۂ عام کو حجابی کرتے پھرتے ہیں
دھوپ چڑھنے لگے جب منڈیروں کی جانب
شام کا رنگ، ہم گلابی کرتے پھرتے ہیں

شاعرہ: طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی

درمیان بندھ جاتا ہے تو اس کے تقدس کا خیال رکھنا دونوں فریقوں کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جب رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوا جائے تو پھر وظیفۂ زوجیت ادا کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے...... سوتم گلٹی کیوں فیل کررہے ہو جبکہ تم نے کسی غیر عورت سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کیا۔ وہ تمہاری شرعی بیوی ہے اور یہ تمہارا حق بنتا تھا...... تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔''

''لیکن حاجی صاحب...... میں نے اپنے دوست سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی امانت کی حفاظت کروں گا۔'' میں پریشانی کے عالم میں کہنے لگا۔

''وہ خاتون جب تمہارے نکاح میں آگئی تو پھر وہ اس کی امانت کیسے ہوئی۔ وہ کوئی روپیہ پیسہ نہیں تھی...... کوئی چیز نہیں تھی، وہ جیتی جاگتی عورت تھی...... اس کے جذبات بھی تھے اور احساسات بھی...... اسی طرح تم بھی دل کے کسی کونے میں یہ احساس تو رکھتے تھے ناں کہ وہ تمہاری شرعی بیوی ہے اور تمہارا اس پر حق ہے۔''

''لیکن...... حاجی صاحب......؟''

''لیکن ویکن نہیں......'' وہ میری بات کاٹتے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



ہوئے بولے۔ ”تمہارا دوست آگ اور تیل کو یکجا کر کے آگ جلتی ہوئی نہیں چاہتا تھا...... لیکن یہ ناممکن تھا...... اب تم جاؤ اور دل میں کوئی پچھتاوا اور پشیمانی مت لاؤ...... تم اپنا شرعی حق استعمال کر چکے ہو...... تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔“ وہ مجھے اس کے علاوہ بھی سمجھاتا رہے...... میں ذاتی طور پر ان سے ریکوئسٹ کر کے ان کی رہائش گاہ پر ملنے گیا تھا...... انہوں نے مجھ سے عام موضوعات پر بھی گفتگو کی...... انہوں نے باتوں، باتوں میں مجھے بتایا کہ ان سے ایک خاتون بھی اس سلسلے میں ملنے آئی تھیں، ان کا مسئلہ بھی یہی تھا جو تمہارا ہے۔ میرے ذہن میں کلک سا ہوا...... کیا خبر مینا بھی یہی مسئلہ لے کر ان سے ملنے آئی ہو۔ بہرحال میں نے حاجی صاحب سے کوئی سوال جواب نہیں کیا...... انہوں نے مجھے چائے پلائی اور بڑی شفقت اور محبت سے مجھے رخصت کیا...... حاجی صاحب سے مل کر میں بہت ریلیکس فیل کرنے لگا...... میرے اندر وہ بے چینی، وہ بے قراری ختم ہوگئی...... جاتے، جاتے انہوں نے روک کر کہا۔

”دیکھو برخوردار...... شادی ایک مقدس بندھن ہے اس کو اپنے فائدے اور نقصان کے لیے استعمال کرنا گناہ ہے، تم طلاق کا خیال دل سے نکال دو...... دل کی پوری آمادگی اور ایمانداری سے اس شادی کے بندھن کو نبھانے کی کوشش کرو...... ویسے بھی نکاح کے دو بولوں کے ساتھ دل کے دروازے ایک دوسرے کے لیے کھل جاتے ہیں...... یہ ہمارا اللہ ہے جو دو بندوں کو محبت کی ایک آہنی ڈور میں باندھ دیتا ہے بس تم خلوص اور ایمانداری سے اپنے قدم آگے بڑھاؤ۔“

ان کی باتوں نے میرے اندر کی کشمکش کا خاتمہ کر دیا...... میں جو اس رات کے بعد مینا کے لیے جو عجیب سے محسوسات اور جذبات محسوس کر رہا تھا...... اور بار، بار میں ان خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کر نہیں پا رہا تھا...... شاید نہیں یقیناً یہ نکاح کے دو بولوں کا اثر ہی تھا...... لیکن فی الحال جب تک میں مینا کے دل کا حال نہیں جان پاتا...... اپنے جذبات مینا سے چھپا کر رکھوں گا کہ محبت کے معاملات یکطرفہ نہیں چلتے...... خیر...... میں پہلے کی طرح اس سے نظریں نہیں ملاتا تھا۔ سر جھکا کر اس کی باتوں کا ہوں، ہاں میں جواب دیتا لیکن مینا بالکل پہلے کی طرح دوستانہ انداز میں باتیں کرتی تھی جیسے ہمارے درمیان وہ رات آئی ہی نہیں ہو۔ جانے اس کے دل میں کیا تھا، میں کوشش کے باوجود کوئی تجزیہ نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆☆

اس دن کی صبح بڑی خوشگوار تھی...... رات کو بارش کھل کر برسی تھی...... صبح بارش تو رک چکی تھی لیکن بادل آسمان پر اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے...... ٹھنڈی، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی...... بڑا سہانا موسم تھا...... میں ناشتا کرنے کچن میں آیا تو مینا ٹوسٹر میں ٹوسٹ سینک رہی تھی...... سینکے ٹوسٹوں کے ساتھ شہد کی بوتل میز پر رکھ کر وہ بولی۔

”کل آفس میں سوات سے کوئی بندہ شہد کی بوتلیں بیچنے آیا تھا...... اس کا دعویٰ تھا کہ بالکل خالص شہد ہے سب نے خریدا تو میں نے بھی ایک بوتل خریدی کہ ناشتے میں استعمال کریں گے...... اب تم چکھ کر بتاؤ کہ واقعی خالص شہد ہے یا نہیں؟“

میں نے خاموشی سے بوتل کا ڈھکنا کھولا اور ابھی ٹوسٹ پر لگانے والا تھا کہ دروازہ بہت زور سے بج اٹھا...... میں نے اور مینا نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا...... اس وقت کون آسکتا ہے، میں نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا تو مینا جلدی سے بولی۔

”تم ناشتا کرو...... میں دیکھتی ہوں۔“ میرا ٹوسٹ ختم بھی ہوگیا لیکن مینا ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی تھی...... مجھے تجسس ہوگیا کہ آخر دروازے پر کون ہے اور اٹھ کر جانے لگا تھا کہ اچانک ہنستا مسکراتا جمشید فریش چہرے کے ساتھ کچن میں داخل ہوا...... اسے دیکھ کر میری روح فنا ہونے لگی...... ساری بہادری،

دھری کی دھری رہ گئی...... پیروں سے جیسے جان نکلنے لگی تھی...... مینا اس کے پیچھے، پیچھے آ رہی تھی...... وہ جھپٹ کر مجھ سے گلے ملا اور مجھے زور، زور سے بھینچنے لگا......لیکن میرے تو جسم میں کوئی طاقت نہ رہی تھی اس لیے کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کر پا رہا تھا جبکہ وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''ارے میرے یار...... کیا تجھے بھی مینا کی طرح یقین نہیں آ رہا کہ یہ میں ہوں...... تمہارا جمی...... جمی کا کوئی جن بھوت نہیں ہوں۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''میں رات کو ہی پہنچا ہوں...... تم لوگوں کو خبر اس لیے نہیں دی کہ تمہیں سرپرائز دینا تھا...... رات کو گھر پہنچا...... والدہ اور بہن، بھائی سب بہت خوش ہوئے...... لیکن مجھے تو تم دونوں سے ملنے کی جلدی تھی...... اس لیے تو اتنی صبح آ گیا...... مینا پلیز ایک کپ چائے دے دو۔'' وہ کہنے لگا۔ مینا تو کچھ بھی کہے بنا چولھے کے آگے کھڑی ہو کر چائے بنانے لگی جبکہ میری دھڑکنیں اتنی تیز تھیں کہ مجھے جمی کی آواز بھی کم سنائی دے رہی تھی...... وہ مسلسل بول رہا تھا۔

''مینا، میں مزید تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا...... میں اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین چاہتا تھا......بس میں چھٹی لے کر آ گیا کہ خرم تمہیں طلاق دے اور تمہاری عدت کا پراسیس شروع ہو......تب تک میں اپنی بہنوں کی شادیوں سے فارغ ہو جاؤں گا اور تمہاری عدت ختم ہو جائے گی تو میری تمہاری شادی ہو جائے گی اور میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔'' ہم دونوں چپ تھے، نہ مینا کچھ بول رہی تھی نہ میں بول رہا تھا تبھی جمی کو کچھ انہونی کا احساس ہوا......وہ قدرے ٹھہر کر کچھ حیرت سے بولا۔

''کیا بات ہے، تم دونوں کو میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟''

میں نے تو حسبِ معمول نظریں جھکا رکھی تھیں...... البتہ مینا نے چائے کا کپ جمی کے سامنے

محبت

میں نے جانا ہے کہ
محبت موسم نہیں جو
اپنی مدت پوری کرے
اور رخصت ہو جائے
محبت ساون بھی نہیں کہ
ٹوٹ کر برسے اور تھم جائے
محبت آگ نہیں کہ
سلگے، بھڑکے اور بجھ جائے
محبت آفتاب نہیں
ابھرے، چمکے اور ڈھل جائے
محبت تو چاند کے مانند ہے
جو بڑھتا ہے، گھٹتا ہے
مگر کبھی فنا نہیں بلکہ
ہمیشہ ساتھ رہتا ہے......

مرسلہ: لاریب، چونیاں

غزل

دشتِ غربت میں ہیں اور رنجِ سفر کھینچتے ہیں
بارِ ہستی ہے جسے خاک بہ سر کھینچتے ہیں
جن چراغوں کو میسر نہیں اس کی محفل
انتظار اس کا سرِ راہگذر کھینچتے ہیں
زندگی پھر تجھے پیش ہے زندانِ دمشق
اشقیا پھر ترے کانوں سے گہر کھینچتے ہیں
روشِ گل پہ، یہ کس وضع کے صیاد ہیں جو
باندھ کر طائرِ خوں بستہ کے پر کھینچتے ہیں
شہر سے جب بھی وہ جائے تو دعاؤں کا حصار
دیدۂ نم مرے تا حدِ نظر کھینچتے ہیں
جانتے ہیں کہ شکستہ ہے طنابِ امید
خیمۂ جاں ترے کوچے میں مگر کھینچتے ہیں

کلام: پروین شاکر

مرسلہ: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

رکھتے ہوئے کہا۔

''تم چائے پیو...... پھر بات کرتے ہیں۔''

''کیا بات ہے؟ کیسی بات......؟'' وہ بہت بے قراری سے بولا...... اس نے بڑا قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا...... برانڈڈ جوتے پیروں میں تھے جو چم چم چمک رہے تھے...... چہرے پر بشاشت اور صحت مندی تھی پہلے سے اس کا وزن کچھ زیادہ لگ رہا تھا اور اس طرح اس کی وجاہت میں بھی اضافہ ہوگیا تھا اور یقیناً دولت میں بھی اضافہ ہوگیا تھا...... لیکن اب ہشاش بشاش چہرے پر قدرے مردنی چھاگئی تھی جس کی وجہ ہمارے رویے تھے۔

''مجھے بتاؤ، کیا بات ہے؟ تم بتاؤ خرم......'' وہ میرے چہرے کے بدلتے رنگوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا...... میں نے سر اور زیادہ جھکالیا۔

''یہ نہیں بتا پائے گا جمی...... پلاننگ میری اور تمہاری تھی، اسے تو ہم نے مہرے کے طور پر استعمال کیا ہے...... یہ تو بیچارہ دوستی کے نام پر لٹ گیا۔'' مینا بولی تھی۔ جمی فق چہرے کے ساتھ کبھی مجھے اور کبھی مینا کو دیکھتا رہا...... پھر جیسے اپنی طرف سے اندازہ لگا کر بولا۔

''میں خرم کی اچھی جاب کے لیے پوری کوشش کروں گا اگر اس نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے تو میں اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا...... بلکہ اگر یہ چاہے تو ہمارے ساتھ بھی جاسکتا ہے...... وہاں میں اس کی جاب کرادوں گا۔'' مینا نے ایک افسوس بھری نظر اس پر ڈالی اور بولی۔

''بات صرف جاب تک محدود نہیں ہے جمی۔''

''پھر...... پھر کیا بات ہے؟'' وہ بدحواس ہوکر بولا۔

''تم بتاتی کیوں نہیں...... صاف بات کیوں نہیں کرتیں...... مجھے ہول اٹھ رہے ہیں...... پلیز کھل کر کہو...... بات کیا ہے؟'' وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں بولا۔

''صاف بات یہ ہے کہ جمی...... ہم نے نہایت غلط طریقہ کار استعمال کیا ہے، شادی ایک مذہبی فریضہ ہے، اس کو پوری دیانت داری کے ساتھ نبھانا چاہیے ناں کہ ہم اسے اپنے نفع نقصان کے لیے استعمال کریں۔'' وہ دم لینے کے لیے رکی...... میرے تمام مساموں سے پسینہ بہہ رہا تھا اور میرا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں، مینا وہی کچھ کہہ رہی تھی جو حاجی صاحب نے مجھے کہا تھا گویا میرا شک صحیح تھا کہ مینا حاجی صاحب کے پاس گئی تھی کچھ دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولی۔

''تم نے اور میں نے ایک ان نیچرل طریقہ استعمال کیا تھا اگر خرم اتنا شریف انسان نہ ہوتا تو نکاح کے فوراً بعد وہ اپنا شرعی حق استعمال کرلیتا...... کہ اس میں کوئی گناہ نہ تھا...... لیکن اس شریف بندے نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ نظریں اٹھا کر بھی میری طرف نہ دیکھے لیکن......''

''لل...... لیکن...... لیکن کیا؟'' وہ وحشت کے عالم میں چلا کر بولا۔

''لیکن...... یہ کہ...... ایک رات ہم دونوں ہی خود پر قابو نہ پاسکے...... اور وہ حد ختم ہوگئی جو ہم دونوں نے نہ پھلانگنے کا خود سے عہد کر رکھا تھا۔''

جمی کا رنگ خطرناک حد تک پیلا پڑ گیا...... اس کی کیفیت دگرگوں ہونے لگی...... وہ آنکھیں پھاڑے ایک مخصوص نقطے کو گھورنے لگا...... ماحول میں ہیبت ناک سناٹا چھا گیا...... مجھے تو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہورہی تھی...... اچانک جمی کے بدن میں حرکت پیدا ہوئی...... اس کا چہرہ غیظ و غضب سے سرخ پڑ گیا...... اس نے میرا گریبان پکڑلیا۔

''ذلیل، خبیث، کتے...... میں نے دوست سمجھ کر اپنی امانت تیرے حوالے کی تھی اور تو...... تو گندی

نالی کے کیڑے..... تو کیا نکلا..... حرام خور..... بتا تیرے ساتھ کیا سلوک کروں..... جان سے تو میں تجھے ماروں گا ہی، زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ دانت کچکچا کر بولا۔ وہ کہہ رہا تھا اور مجھے بری طرح پیٹنے لگا..... جبکہ میں نے ایک بار بھی اس کا ہاتھ نہیں روکا..... چپ چاپ پٹنے لگا..... اس دوران مینا تیزی کے ساتھ آئی اور جمی کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکتے ہوئے بولی۔

''جمی..... اپنا ہاتھ روک لو..... مارنا ہے تو خود کو مارو..... اپنا گریبان پکڑو..... اور ختم کرنا ہے تو مجھے ختم کرو..... کہ یہ تو ہم دونوں کا منصوبہ تھا..... اس بیچارے کو تو ہم نے بطور مہرہ استعمال کیا ہے..... اگر تمہیں اپنا کیریئر عزیز نہ ہوتا تو تم سب چھوڑ چھاڑ مجھ سے شادی کر لیتے..... اور کوئی مسئلہ نہ ہوتا لیکن..... شاید خدا ایسا ہی چاہتا تھا، اب یہ میرا شوہر ہے اور میں اس کی بیوی..... تم جمی، جاؤ اپنا کیریئر مزید وسیع کرو..... اور کسی امیر لڑکی سے شادی کر لو۔''

''نن..... نہیں مینا۔'' جمی گڑگڑا کر بولا۔ ''ایسا مت کہو میں نے تمہارے علاوہ کبھی کسی کے بارے میں سوچا تک نہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہو جمی.....'' مینا آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے بولی۔

''تم جانتے ہو کہ.....''

''ہاں..... ہاں جانتا ہوں۔'' وہ دہاڑتے ہوئے بولا۔ ''اس بات کو میں اپنے کیے کی سزا سمجھ کر قبول کر لوں گا..... لیکن تم سے دستبرداری میں کسی صورت قبول نہیں کر سکتا..... یہ میرے بس میں نہیں ہے..... اور اس کتے سے تو میں ابھی کے ابھی نمٹ لیتا ہوں۔'' وہ خوفناک انداز میں میری طرف بڑھتے ہوئے بولا لیکن مینا کی آواز نے اس کے پاؤں پکڑ لیے..... وہ تیز آواز میں بولی۔

''جمی..... تم میرے سامنے میرے شوہر کو نہیں مار سکتے..... ورنہ..... اگر تم اسے مار، مار کر ختم بھی کر دو گے تو بھی یہ اف تک نہیں کرے گا کیونکہ یہ خود کو تمہاری امانت میں خیانت کا مرتکب سمجھتا ہے..... جبکہ ایسا نہیں ہے..... عورت بطور امانت کسی کو سونپی نہیں جاتی۔''

''مینا خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔'' وہ جیسے گڑگڑا کر بولا۔ ''میری دنیا میں واپس آجاؤ..... جب میں سب کچھ بھلانے کا وعدہ کرتا ہوں تو تمہیں اعتراض کیوں ہے..... تمہیں یاد ہے مینا کہ ہم دونوں نے بھی

ایک دوسرے کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوچا تو پھر...... تم اس کمینے سے محبت کیسے کر سکو گی...... اور تمہارا خود کا کہنا ہے انسان روٹی کے بغیر رہ سکتا ہے لیکن محبت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''اکٹھے رہیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔

''اور...... اور اگر یہ...... تمہیں نہ اپنانا چاہے تو؟'' جمی ایک نئی امید کے ساتھ بولا۔ اس کی نظریں مجھ پر جمی تھیں۔

''بولو خرم...... تم یقیناً ایسا نہیں چاہو گے...... تمہاری منزل مینا نہیں ہے، میں جانتا ہوں، ابھی تمہیں بہت سی منزلیں طے کرنی ہیں...... شادی...... تو تمہاری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوگی ناں...... یہ تم کہتے تھے، یاد ہے ناں......؟'' میں نے پہلی بار نظریں اٹھا کر جمی کی طرف دیکھا...... اس کی آنکھوں میں امید کا ایک جہان آباد تھا...... شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ اب۔ اس نے درست سمت اختیار کی ہے...... میں یقیناً اس کی بات سے اتفاق کروں گا...... ویسے بھی وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کر میں بہک تو گیا تھا اور مینا میرے راستے میں ضرور آئی تھی لیکن وہ میری منزل نہیں تھی...... لیکن وہ غلطی پر تھا...... وہ نہیں جانتا تھا کہ حاجی صاحب کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی تھیں، میں اب تک مینا کے دل کا حال نہیں جانتا تھا لیکن حاجی صاحب سے ملاقات کے بعد میری شدید خواہش تھی کہ میری مینا کے ساتھ شادی برقرار رہے، میں اس بندھن کو دل کی پوری ایمانداری کے ساتھ نبھانا چاہتا تھا لیکن اس کے لیے میں مینا پر اپنا فیصلہ ٹھونسنا نہیں چاہتا تھا، میں چاہتا تھا کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے اس میں اس کی اپنی مرضی شامل ہو...... اب اس کی باتوں سے اس کی مرضی کا علم مجھے ہو چکا تھا اب تو پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... ہاں...... جمی کی مار میں اس لیے سہہ رہا تھا کہ

اس کی امانت میں، میں نے خیانت کی تھی...... اور اس کے لیے مجھے ہر قسم کی سزا منظور تھی...... سو اس کی مار میں نے سزا سمجھ کر قبول کی تھی...... میں نے مینا کی طرف دیکھا وہ نظریں جھکائے میرے جواب کی منتظر تھی...... غالباً وہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ میں اتنا بڑا فیصلہ کسی کے دباؤ میں آ کر دوں۔

''بولو ناں خرم...... چپ کیوں ہو......'' جمی بے چینی سے بولا۔

''میرا فیصلہ وہی ہے...... جو مینا کا ہے۔'' میں نے بڑے سکون سے بہت اطمینان سے جواب دیا۔

''کیا...... کیا...... کیا۔'' وہ غرایا...... ''کیا بک رہے ہو، کیا تم میرے اور مینا کے متعلق کچھ نہیں جانتے...... کیا مینا مجھے بھلا پائے گی...... کیا یہ تمہارے ساتھ ساری زندگی وفادار رہ سکے گی؟ بولو...... بتاؤ...... کیوں اپنی زندگی جہنم بنانے پر تلے ہو...... کیا تم جانتے نہیں کہ میں اور مینا ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔''

''اگر ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہوتے تو تم اپنے کیرئیر کو لات مار کر آتے اور مجھ سے بیاہ کر لیتے...... اتنی آسانی سے مجھے اس کے حوالے نہ کرتے۔'' مینا طنز سے بولی...... کچھ دیر زہریلی سی خاموشی ہمارے بیچ چکراتی رہی اور پھر مینا بولی۔

''جمی...... اچھا ہوگا کہ تم سب کچھ بھلا دو...... جو گزر چکا ہے اور نئی زندگی شروع کر دو...... اور مجھے اور خرم کو بھی اپنی زندگی جینے دو...... کیونکہ......'' وہ ایک لمحہ رک کر بولی۔ ''میں خرم کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔''

''کیا......؟'' میں ہکا بکا رہ گیا...... کچھ دیر تو میں بات کو سمجھ ہی نہیں پایا...... لیکن جب سمجھا تو میرے اندر جیسے سکون کی لہریں اٹھنے لگیں۔ ''میرا بچہ'' مجھے تو سچ مچ یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں بیٹھے بٹھائے ایک عدد بیوی اور ایک عدد آنے والے بچے کا باپ بن چکا ہوں...... کیا مجھ گناہ گار پر خدا اتنا بڑا کرم بھی کر سکتا ہے...... میری زندگی میں اتنا بڑا بدلاؤ بھی آ سکتا

ہے..... میرا دل بڑی زور سے دھک، دھک کر رہا تھا..... ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے تھے..... دوسری طرف جمی بے قراری کی آخری حدوں پر تھا..... وہ مجھے جھنجوڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بولو ناں..... تم بولتے کیوں نہیں..... بات کرو..... کہ اب تمہاری ہاں یا نہ پر ہماری پوری زندگی کا دارومدار ہے۔'' جذبات کی شدت کے باعث وہ ہانپنے لگا تھا..... اس کے چہرے کی سرخی اب سیاہی میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

میں نے اپنا گریبان ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھوں سے آزاد کیا اب مزید میرا بھی صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا..... میں اپنی سزا بھگت چکا تھا اب مزید بزدل بنا نہیں رہ سکتا تھا..... میں نے ایک نظر مینا پر ڈالی جو اب بھی نظریں جھکائے بیٹھی تھی کہ میں اس کی نظروں سے اس کا حال نہ بھانپ جاؤں..... اور ایک، ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

''جو جواب مینا کا ہے وہی میرا ہے..... اب تم چلتے نظر آؤ..... جمی۔''

''کیا؟'' اس کے سر پر جیسے آسمان ٹوٹ کر آن گرا..... وہ پھٹی، پھٹی بے یقین نظروں سے مجھے دیکھنے لگا..... پھر اتنی زور سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی..... اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اور وہ غصے سے بے قابو ہو کر ایک بار پھر مجھے مارنے کے لیے چڑھ دوڑا..... لیکن مینا نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے پیچھے کیا اور سنجیدگی سے کہنے لگی۔

''جمی زیادہ سوال جواب مت کرو..... بس اب اس گھر سے ہی نہیں ہماری زندگیوں سے بھی نکل جاؤ..... تمہاری راہیں جدا ہیں اور ہماری جدا..... جذبات میں آ کر تم مجھے اپنا بھی لو گے تو چند سال بعد کسی دوسرے کا بچہ بھی تمہارے لیے بوجھ ہوگا اور ایک برتی ہوئی عورت بھی پھانس بن کر تمہارے دل میں ہمیشہ چبھتی رہے گی..... اس وقت مجھے چھوڑنے کا فیصلہ تمہارے لیے مشکل ہوگا لیکن بعد میں تم اپنے اس فیصلے پر مسرور ہو گے اب پلیز..... جاؤ اور مزید ڈراما کری ایٹ مت کرو..... کہ بھرا محلہ ہے..... اور ہمیں اسی محلے میں رہنا ہے۔''

وہ کچھ دیر خالی، خالی نظروں سے ہمیں باری، باری دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بغیر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے قدموں کو بہ مشکل گھسیٹتے گھر سے نکل گیا..... ماحول پر بولتا سناٹا طاری رہا۔ مینا سنک کے پاس کھڑی ہو کر چائے کے برتن دھونے لگی تھی، میری طرف اس کی پشت تھی..... میں خاموشی سے اٹھا اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔

''مینا..... میں جمی کی طرح مالدار نہیں ہوں جو تمہارے لیے چاند تارے توڑنے اور لانے کے وعدے کروں..... لیکن میں تمہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا..... اور مجھے امید ہے کہ ہم تینوں..... میں، تم اور ہمارا بچہ ایک آئیڈیل زندگی گزاریں گے..... اور میں تمہیں تمہارے فیصلے پر کبھی شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔''

اس نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور بے اختیار میرے سینے سے لگ گئی..... میں نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا..... وہ میرے سینے سے سر ٹکا کر بولی۔

''میرے خدا نے میری قسمت میں ایک اچھے انسان کا ساتھ لکھا ہے تو میں ہمیشہ تمہاری قدر کروں گی خرم اور جمی نام کا عفریت کبھی ہمارے بیچ نہیں آئے گا..... آج کے بعد ہماری باتوں میں جمی کا نام کبھی بھولے سے بھی نہیں آئے گا۔'' مینا کی قربت مجھے مدہوش کر رہی تھی..... جذبات کی شدت سے میری آواز بند ہو رہی تھی اور میں بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا..... اس کے بالوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے میں کسی اور دنیا میں پہنچا ہوا تھا..... اور آج سے پہلے مجھے زندگی اتنی خوب صورت نہیں لگی تھی۔

ناولٹ

خواہشوں کی بے رنگ تتلیاں

فرح طاہر قریشی

”آج تم نے مجھے کیسے یاد کرلیا......؟“ چٹکی میں پکڑے پان کو منہ میں منتقل کرتے ہوئے شکیلہ خالہ نے اس سے پوچھا تھا۔

”مجھے اپنے بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش ہے خالہ...... بس اسی سلسلے میں آپ کی ضرورت آن پڑی ہے۔“

”تم کس طرح کی لڑکی چاہتی ہو؟“ اس نے وجہ بیان کی تو خالہ نے اس سے پوچھا۔

”جو خوب صورت بھی ہو اور خوب سیرت



بھی......'' اس نے فوراً اپنی ڈیمانڈ بتادی۔

''خوب صورت اور خوب سیرت......؟'' اس کے لفظوں کو دُہراتے ہوئے وہ مزید سوال کرنے پر آمادہ ہوئیں۔

''اور بدلے میں کیا دو گی......؟'' ایسا کہتے ان کی آنکھوں پر بڑی معنی خیزی سی چمک ابھری تھی۔

''اس بات کی فکر مت کریں خالہ جو بھی آپ مانگیں گی وہی آپ کو ملے گا......'' اس نے تسلی بھرے انداز میں ان کا ہاتھ دبا کر گویا اُن کو تسلی دی تھی۔

''ٹھیک ہے، میری نظر میں لڑکیاں تو بہت ہیں انہی میں سے تمہیں کچھ دکھادوں گی۔ بس تم ذرا تفصیل سے بتاؤ تمہیں کس طرح کی لڑکی درکار ہے؟'' پان کو دانتوں تلے کچلتے ہوئے انہوں نے جاننا چاہا۔

''لڑکی کس طرح کی ہو؟'' ناہید نے آنکھیں سکیڑ کر نادیدہ لڑکی کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس نادیدہ لڑکی کا خاکہ پیش کرتی ذیشان سامنے کے کمرے سے باہر آتا دکھائی دیا۔

''لڑکی ایسی ہو جو گونگی ہونے کے ساتھ بہری بھی ہو، بس شرط یہ ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں سلامت ہوں......'' اس کا انداز خاصا سنجیدہ تھا، خالہ نے بڑے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''لڑکے باؤلا ہوا ہے کیا...... گونگی، بہری لڑکی کے ساتھ تیرا کیا جوڑ بنے گا......'' ٹھوڑی پر انگلی رکھے انہوں نے پوچھا تھا۔ انہیں لگا وہ مکمل سنجیدہ ہے۔

''ایسی لڑکی تیرے کس کام آئے گی بھلا؟''

''وہ میرے بہت کام آئے گی خالہ......'' اسی انداز میں کہتا وہ ماں کے برابر میں آبیٹھا تھا۔

''اچھا وہ کیسے......؟'' انہوں نے استفہامیہ اس کی سمت دیکھا۔

''وہ اس طرح کہ گونگی اور بہری ہونے کی وجہ سے نہ تو وہ بول سکے گی نہ سن سکے گی، اس طرح ساس اور بہو والے تمام جھگڑوں سے بچت ہو جائے گی......اور ہمارا گھر امن کا گہوارہ بنا رہے گا......یعنی کہ راوی ہر طرح سے چین ہی چین لکھے گا......'' اپنی شرارتی مسکراہٹ کو لبوں میں دبائے اس نے مصنوعی سنجیدگی سے وضاحت پیش کی تھی جسے سن کر ناہید کی ہنسی چھوٹی تھی جبکہ شکیلہ خالہ نے ناک چڑھالی تھی۔

''لڑکے مجھ سے مخول کرتا ہے اگر میں نے برا منالیا تو، تو بہت پچھتائے گا......'' اگلدان میں تھوک کر انہوں نے انگلی کی مدد سے ہونٹوں کے کنارے صاف کیے تھے۔

''میں اور آپ سے مخول......؟ کیسی بات کرتی ہیں خالہ......؟'' اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔ اس بار اس کی اس حرکت پر خود خالہ بھی مسکرادیں۔

جب ناہید نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ان سے کہا۔

''خالہ اس کی باتوں پر دھیان مت دیں...... یہ تو کچھ بھی بولتا رہتا ہے، آپ مجھے اس کے جوڑ کی بہت پیاری سی لڑکی دکھائیں...... جو صورت کے ساتھ بہترین سیرت کی بھی مالک ہو......'' اس نے ایک بار پھر اپنی ڈیمانڈ بتائی۔

''ٹھیک ہے پھر تم میرے ساتھ چلی چلو، میں تمہیں کچھ لڑکیاں دکھادوں گی ان میں سے جو تمہیں پسند آئے بتادینا پھر آگے کے معاملات دیکھ لیں گے۔''

شکیلہ خالہ کا تو کام ہی یہی تھا۔ وہ اب تک نہ جانے کتنے لڑکے لڑکیوں کی شادیاں کرواچکی تھیں۔ اس کی مشکل بھی چٹکیوں میں حل کردی۔

''بہت شکریہ خالہ...... آپ مجھے بتادیں آپ کے ساتھ کب چلنا ہے؟'' ناہید خوش ہو کر بولی۔

''جب تم جانا چاہو گی میں ساتھ چل پڑوں گی......'' انہوں نے جواب دیا تو ناہید ان کے ساتھ اپنا پروگرام سیٹ کرنے لگی تو ذیشان فریش ہونے کے لیے وہاں سے اٹھ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز ناہید، شکیلہ خالہ کے ساتھ لڑکی دیکھنے

کی مہم پر گھر سے نکل پڑی..... خالہ سب سے پہلے اسے انہی کی برادری سے تعلق رکھنے والی لڑکی کے گھر لے آئی تھیں۔ اور اس وقت وہ ان کے گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی تھیں، کمرا اتنا چھوٹا تھا کہ بہ مشکل اس میں ایک طرف کو چھوٹی سی مسہری رکھی تھی جس کی نچلی طرف تھوڑی سی باقی بچی جگہ پر ڈبل صوفہ رکھا تھا جس پر اس وقت وہ دونوں براجمان تھیں۔ ایک طرف کو صوفے کے سامنے ایک چھوٹی سی میز رکھی تھی۔ اتنے سامان کے بعد کمرے میں بس اتنی سی جگہ بچی تھی کہ بس وہاں دو تین افراد کھڑے ہو سکتے تھے۔ سامنے دیوار پر بنے ریک پر دو گلدان رکھے تھے جن کے درمیان درمیانی سائز کا شیشہ بھی رکھا ہوا تھا۔ دائیں طرف کی دیوار پر اللہ محمد کے نام والے خوب صورت فریم لگے تھے۔ کمرا چھوٹا ضرور تھا مگر نفاست اور صفائی کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ مسہری کی بے شکن سفید چادر کو دیکھتے ہوئے ناہید خاصی خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''جس طرح صفائی کا خیال رکھا گیا ہے خالہ لگتا ہے لڑکی بڑی سلیقہ مند ہے؟''

''ہاں ناہید، میں ان بچوں کو ذاتی طور پر جانتی ہوں، غریب ہیں، زیادہ پڑھی لکھی بھی نہیں ہیں مگر سلیقہ مند اور نفاست تو ان سب میں کوٹ، کوٹ کر بھری ہے۔ تمہیں گھریلو لڑکی چاہیے تھی ناں اسی واسطے میں سب سے پہلے تمہیں اس گھر میں لائی ہوں.....'' وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان تھیں جب کمرے میں لڑکی کی والدہ داخل ہوئیں، وہ دونوں بیک وقت ان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''آؤ نفیسہ..... کہاں رہ گئی تھیں جو اس قدر انتظار کروایا.....'' خالہ نے پوچھا۔

''معاف کرنا خالہ..... آپ لوگوں کو زحمت اٹھانا پڑی..... دراصل میں ایک ضروری کام سے ہمسائی کے گھر گئی ہوئی تھی۔ بچیوں نے ابھی اطلاع دی تو میں فوراً چلی آئی۔ خیر آپ بتائیں، کیسی ہیں آپ.....؟''

معذرت خواہانہ انداز میں کہتے انہوں نے خیریت دریافت کی تھی۔

''ہم خیریت سے ہیں.....تم ان سے ملو..... یہ ناہید ہیں اور تمہاری رضیہ کو دیکھنے کی خاطر آئی ہیں۔'' اسے جواب دیتے ہوئے انہوں نے اپنے آنے کی وجہ بھی بتادی۔

نفیسہ ان کی آمد کا مقصد سمجھ تو گئی تھیں مگر اُن کے منہ سے سن کر مزید خوش ہو گئیں۔

''بہن، آپ کا لڑکا کیا کرتا ہے؟'' ناہید کی طرف متوجہ ہوتی وہ بات کا آغاز کرتے ہوئے وہ بولیں۔ ایک بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے ان کا اس طرح پوچھ گچھ کرنے کا حق بنتا تھا۔

''میرا بیٹا اپنے چچا کے ساتھ گارمنٹس کا کام کرتا ہے، کینٹ بازار میں ہماری اپنی دکان ہے۔'' ناہید نے ان کے سوال کا جواب دیا۔

''اچھا.....'' انہوں نے سر ہلا کر مختصراً کہا جبکہ نظر شکیلہ خالہ کی طرف اٹھائی جس کا مفہوم سمجھ کر انہوں نے کہا۔

''نفیسہ لڑکا اچھا ہے، کماؤ ہے، میں اچھی طرح جانتی ہوں اسے، کافی ہنسوڑ اور خوش اخلاق بچہ ہے، بڑوں کا ادب کرنا جانتا ہے.....اچھے چال چلن کا مالک ہے، تمہاری بیٹی کو ہر طرح سے خوش رکھے گا..... مجھ پر بھروسا ہے تو اس طرف سے مطمئن ہو جاؤ..... اور اس کے علاوہ بھی اگر تم کچھ بھی پوچھ گچھ کروانا چاہو تو کروا سکتی ہو.....'' خالہ نے اپنی طرف سے ان کی تسلی کرنا چاہی تاکہ ان کی فکر ختم ہو جائے.....اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ نفیسہ خالہ کے منہ سے ذیشان کے متعلق اتنی تعریفیں سن کر وہ مطمئن ہو گئی تھیں..... جبھی مسکرا کر بولیں۔

''ایسی بات مت کریں خالہ.....! آپ کی بات پر سو فیصد یقین ہے مجھے.....وہ بس لڑکی کی ماں ہوں ناں اسی لیے اس طرح کہہ دیا۔ آپ برا مت منایئے گا۔''

''برا منانے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے بہن...... یہ تو آپ کا حق ہے، آپ مزید معلومات بھی لے سکتی ہیں۔'' ناہید نے کہہ کر خالہ کی طرف دیکھا۔

''آپ اب بس مجھے اپنی لڑکی سے ملا دیں۔'' ناہید بولی۔

''ہاں ضرور...... میں ابھی بلا کر لاتی ہوں......'' کہنے کے ساتھ وہ اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں۔ خالہ ان کے جانے کے بعد ناہید کو ان لوگوں کے متعلق مزید معلومات سے نوازنے لگیں جب ذرا دیر بعد ایک لڑکی ٹرے ہاتھوں میں لیے اندر داخل ہوئی۔

ناہید پُرشوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ لڑکی نے مسکرا کر ٹرے ان کے سامنے رکھی چھوٹی میز پر رکھی اور خود اُن کے سامنے بیڈ پر ٹک سی گئی۔

''کیسی ہو رائمہ بیٹی......؟'' خالہ نے آنے والی سے حال دریافت کیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں خالہ...... آپ کیسی ہیں؟'' وہ جواب دے رہی تھی جبکہ ناہید خالہ کے منہ سے رائمہ کا نام سن کر ذرا سی مرجھا گئی تھی۔ اسے لگا ہی ان کی مطلوبہ لڑکی ہے......رائمہ اچھی خاصی خوش شکل اور اسمارٹ لڑکی تھی......پہلی نظر میں ہی وہ اسے اچھی لگی تھی...... جبھی اس نے پُرشوق نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''اس کی بہن بھی یقیناً اسی کے جیسی ہوگی......'' اس نے خود کو تسلی دی تھی۔

''آپ کی بہن کہاں رہ گئی؟'' اس نے پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

''آنٹی جی رضیہ بھی آرہی ہے۔'' اسی وقت رضیہ اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہوئی...... اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ جس میں نمکو اور بسکٹ سے بھری پلیٹیں رکھی تھیں...... اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور ٹرے ان کے سامنے رکھ کر اپنی ماں کے برابر میں کھڑی ہوگئی...... ناہید نے تولتی نگاہوں سے اس کا معائنہ کیا تھا...... ایک دم ہی اس کے شوق کا وہ عالم بالکل ختم ہوگیا جو ذرا دیر پہلے رائمہ کو دیکھ کر بیدار ہوا تھا۔ رضیہ، رائمہ کے بالکل ہی الٹ تھی۔ وہ اگر صبح تھی تو وہ رات کے مانند تھی۔

چھوٹے قد اور بھرے، بھرے جسم کے ساتھ سانولی رنگت والی رضیہ اسے اپنے ذیشان کے لیے بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اس سے مایوس ہوکر اس نے اپنی نظر دوبارہ رائمہ کی طرف مبذول کی تھی۔ جواب رضیہ کے ساتھ ماں کے برابر بیٹھی تھی...... اس نے دوسری نظر خالہ کی طرف کی جو نفیسہ کے ساتھ محوِ کلام تھیں۔ اس نے اپنی توجہ کا رخ بھی ان کی طرف موڑ دیا...... اور خود بھی ان کے ساتھ باتوں میں شریک ہوگئی......ان تینوں کو آپس میں مصروف دیکھ کر رائمہ اور رضیہ دونوں ہی کمرے سے چلی گئیں۔

''نفیسہ بہن! بچیاں تو مجھے آپ کی دونوں ہی بہت پسند آئی ہیں مگر رائمہ مجھے زیادہ پسند آئی ہے...... مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ رائمہ کو میری بیٹی بنادیں......'' باتوں کے دوران جب ان کی توجہ اس نے اپنی طرف دیکھی تو سہولت سے اپنا جواب سوال سمیت ان کے سامنے رکھ دیا...... سنجیدہ سی نفیسہ مزید سنجیدہ ہوگئیں۔

''معافی چاہتی ہوں بہن...... میری رائمہ کی نسبت اس کی خالہ کے بیٹے کے ساتھ شروع سے ہی طے ہے۔ اور یہ بات شکیلہ خالہ خود بھی جانتی ہیں، مجھے بس رضیہ کے رشتے کی تلاش ہے۔ جو اگر مل جائے تو ہم دونوں کی ساتھ شادیاں کردیں۔''

ناہید نے ایک طرح سے ان کے سامنے رضیہ کو رد ہی کر دیا تھا اسے جتنا بھی افسوس ہوتا کم تھا۔ مگر وہ اس کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے معذرت خواہانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''اللہ رضیہ کے نصیب کو بلند کرے جو اگر میرے بیٹے کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا تو مجھے اس کو اپنی بیٹی بنا کر بہت خوشی ہوتی۔'' شکیلہ خالہ بالکل چپ تھیں اور ناہید کو خود کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کس طرح کے لفظ ادا کریں

جس سے وہ اس رشتے سے انکار بھی کر دیں اور ان کا دل بھی نہ دکھے۔

''کوئی بات نہیں......'' نفیسہ نے ہنس کر کہا۔

اس سے ان کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں بے بسی خوب نمایاں تھی۔ وہ مزید کچھ بھی نہ کہہ سکی......اب ان کے وہاں بیٹھے رہنے کا کوئی مقصد نہیں بچا تھا اس لیے ان سے اجازت لے کر الوداعی سلام کرتی وہ خالہ کے ساتھ ان کے گھر سے نکل آئی۔

☆☆☆

آج وہ اپنے پرانے ٹرنک میں سے کپڑوں کا ڈھیر نکالے اسے اپنے گرد پھیلائے ہر، ہر کپڑے کا معائنہ کر رہی تھی۔ جب ذیشان اس کی طرف آیا۔

''امی یہ اتنے سارے کپڑے، کس کے ہیں؟''

''یہ سب تیری دلہن کے لیے ہیں......'' مصروف سے انداز میں ناہید نے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

''مگر یہ سب آپ نے کہاں چھپا رکھے تھے؟'' اس کے انداز میں حد درجہ حیرت نمایاں تھی۔ جو بالکل بجا تھی......کیونکہ آج سے پہلے اس نے کبھی ان کپڑوں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی ماں نے اس کی دلہن کے لیے یہ سب بالکل اسی طرح جمع کیا تھا جس طرح کسی لڑکی کی ماں اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان جمع کرتی ہے۔

''ہاں، یہ سب تیری دلہن کے لیے ہیں......میں جب، جب بازار جاتی تھی کوئی نہ کوئی جوڑا خرید لایا کرتی تھی...... اچھا ذرا دیکھ کر بتاؤ یہ کیسے ہیں؟'' سوٹوں کے اس ڈھیر میں سے چند سوٹ اٹھا کر اس نے اس کے سامنے رکھے اور استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''سوٹ تو یہ سب بہت پیارے ہیں ماں......'' وہ اسی ڈھیر کے اوپر نیم دراز ہوگیا۔ پھر شرارت سے اسے چھیڑنے لگا۔

''ویسے امی! جس چاؤ اور مان کے ساتھ آپ ''اس محترمہ'' کے لیے یہ سوٹ خرید لائی ہیں جو اگر وہ ان سوٹوں میں اچھی نہ لگی تو؟''

''ایسے ہی پیاری نہیں لگے گی؟ میں ڈھونڈ کر ایسی بہو لاؤں گی جو ان کپڑوں میں اور تمہارے ساتھ کھڑی پیاری لگے گی۔ بالکل تیرے جوڑ کی......'' اس کے لفظوں میں میٹھی سی مٹھاس اور آنکھوں میں میٹھے سے جذبے لو دینے لگے تھے۔ وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔

''اچھا اگر وہ پیاری بہو لڑائی کرنے والی ہوئی تو؟'' وہ نہ جانے اس طرح کے سوال کیوں کر رہا تھا۔

''وہ لڑائی کیوں کرے گی بیٹا......اس گھر میں میرے اور تمہارے علاوہ تیسرا ہے ہی کون جس سے جھگڑا ہوگا؟ تم اس کے شوہر ہوگے اور میری تو وہ بیٹی ہوگی......پھر ایسے میں لڑائی کا سوال کہاں سے پیدا ہوگا؟'' وہ متبسم سی اسے لاجواب کر گئی۔ ''اور اگر پھر بھی اس نے جھگڑا کیا تو پھر تم تو ہوگے ناں میرے ساتھ؟ تم اسے سمجھا دینا......'' اس کے لہجے میں ممتا کا بہت سا سامان اتر آیا تھا۔

''میری پیاری ماں......'' وہ لاڈ سے اس سے لپٹ گیا تھا۔

ناہید کی کل کائنات اس کا بیٹا ذیشان تھا......شادی کے دو سال بعد ذیشان پیدا ہوا تو اس کا باپ چل بسا تھا......تب اس کے چچا نے ان کا بہت خیال رکھا، دلشاد کے چھوڑے کاروبار کو خود سنبھالا اور ایمانداری سے ان کا حصہ انہیں دیتا رہا...... اب جب ذیشان سمجھدار ہوا تو اس نے اسے بھی اپنے ساتھ لگا لیا......گھر بھی دلشاد اپنی زندگی میں ہی بنا گیا تھا خود اس کی کمی کے علاوہ زندگی میں سکون کی فراوانی تھی۔ ذیشان بڑا ہوا تو ناہید کے دل میں اس کی شادی کا ارمان جاگ اٹھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل وہ بڑی سنجیدگی سے بہو ڈھونڈ مہم میں جتی ہوئی تھی۔

☆☆☆

شکیلہ خالہ اب تک اسے بہت ساری لڑکیاں دکھا چکی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی لڑکی اسے پسند نہیں آئی تھی۔ ہر لڑکی میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر وہ انہیں رد

چلتے چلتے

سفر سے پہلے کی تیاری اور اسٹیشن پہنچنے تک کی صورتِ حال بے حد پُر جوش اور خاصی حد تک مضحکہ خیز بھی ہوتی ہے۔ ٹائم پر پہنچنا، سامان کی فکر، جب تک سیٹ پر بیٹھ نہیں جاتے ایک عجیب طرح کی بے چینی ہوتی ہے جو ٹرین کی روانگی کے بعد ہی اطمینان میں بدلتی ہے۔

خیر خدا، خدا کر کے ٹرین نے روانگی کی سیٹی دی اور آہستہ خرامی سے منزل کی جانب روانہ ہوئی۔ میں نے آیت الکرسی پڑھ کر سب پر پھونک ماری اور اطمینان سے بیٹھ کر اپنے اردگرد نظر ڈالی۔ سیٹوں پر ہماری فیملی کے علاوہ ایک ادھیڑ عمر کی خاتون اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ میں مسکرائی اور سلام کیا۔ انہوں نے بہت خوش اخلاقی سے جواب دیا اور پھر گویا ہوئیں۔

''کہاں جا رہی ہیں کر کے؟'' میں ان کا جملہ سن کر کچھ حیران ہوئی مگر مسکرا کر جواب دیا۔

''لاہور''

''اچھا لاہور...... '' وہ دل سے خوش ہوئیں۔ ''ہم بھی لاہور جا رہے ہیں کر کے۔'' میں پھر حیران ہوئی۔

''کیا کر کے؟'' مگر خاموش رہی...... کچھ دیر وہ اپنی بیٹی سے کچھ کھسر پھسر کرتی رہیں اور اِدھر میں بھی اپنے بچوں اور میاں کے ساتھ محوِ گفتگو رہی...... چونکہ ابھی سفر شروع ہی ہوا تھا اور کسی قسم کی کوئی مصروفیت بھی نہیں تھی۔ اس لیے میں دوبارہ ان خاتون کی جانب متوجہ ہوئی۔ میرے متوجہ ہونے پر انہوں نے پہلے ہم سب کے آپس

کر دیتی تھی۔ نہ جانے اس کو کس طرح کی لڑکی کی تلاش تھی جو سادہ اور بہترین لڑکیوں کو بھی رد کیے جا رہی تھی۔ خالہ خود اس کو اس طرح کی لڑکیاں رد کرتے دیکھ کر بری طرح زچ ہو چکی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آج جب وہ اس کو لڑکی دکھانے لائی تو اسے جتا دیا۔

''دیکھو ناہید......! تم جس رفتار سے لڑکیوں کو رد کیے جا رہی ہو تو یہ سب مجھے پسند نہیں ہے۔ تم نے جو بھی سوچا ہو مگر مجھے یہ سخت برا لگتا ہے کیونکہ ہم اگر کسی کے گھر جاتے ہیں تو ذرا دیر کے لیے سہی مگر اس لڑکی کے دل میں آس و امید کے دیپ جل اٹھتے ہیں...... اور پھر ایسے میں تم جو انکار کر کے چلتی بنتی ہو تو سوچو اُن کے دلوں پہ کیا گزرتی ہوگی؟ بس اب میں بتائے دے رہی ہوں کہ آج میں تمہیں اپنی طرف سے آخری لڑکی دکھانے لائی ہوں، یہ اگر تمہیں پسند آجاتی ہے تو ٹھیک ورنہ آج کے بعد میں تمہیں کوئی لڑکی نہیں دکھاؤں گی۔ پھر تم خود ہی اپنا کوئی اور بندوبست کر لینا۔'' آج خالہ نے حتمی بات کر ہی لی تھی۔

''اب تمہاری قسمت ہے کہ آج بھی تمہاری تلاش ختم ہوتی ہے یا نہیں......'' خالہ نے تو سارے دنوں کی کسر نکالتے ہوئے اسے اچھا خاصا لتاڑ کر رکھ دیا تھا مگر وہ خندہ پیشانی سے مسکرا کر ان کی ڈانٹ سنتی رہی۔

''خالہ آپ ناراض مت ہوں...... مجھے آپ کی باتوں سے اختلاف نہیں ہے مگر میں کیا کروں ان تمام لڑکیوں میں سے مجھے کوئی بھی ذیشان کے جوڑ کی نہیں لگی تھی......'' وہ بولی۔

''اے بی بی! اتنا بھی مت کہو، تمہارا بیٹا کہیں کا گلفام نہیں لگا ہوا ہے جو اس کے لیے شہزادی ہی تلاشی جائے...... ہر کوئی مکمل نہیں ہوا کرتا ہے، ایک آدھ کمی تو ضرور ہوا کرتی ہے۔ تمہیں بھی اس کمی سے سمجھوتا کرنا پڑے گا ورنہ جس رفتار سے تم انکار کرتی آرہی ہو مجھے لگتا ہے ایسے میں تمہیں کوئی بھی لڑکی پسند نہیں آئے گی......'' خالہ اس کی طرف سے کافی بھری دکھائی دے

میں رشتے اسی عجیب وغریب تکیہ کلام کے ساتھ پوچھے۔

''یہ کون ہیں کر کے؟'' میں نے ہر ایک کا تعارف خود ہی کرا دیا۔ ابھی تک ہماری گفتگو چونکہ چھوٹے، چھوٹے جملوں پر مشتمل تھی اس لیے میرے علاوہ کسی کو بھی ان خاتون کے اس عجیب وغریب تکیہ کلام کے بارے میں علم نہیں ہوا تھا...... مگر کیا، کیا جائے کہ وہ خاتون باتوں کی بھی بے حد شوقین تھیں...... میرے تعارف کرانے کے بعد وہ کچھ یوں گویا ہوئیں ''میرا نام سعدیہ ہے کر کے...... یہ میری بیٹی ہے کر کے، میرے تین بچے اور ہیں کر کے...... وہ اپنی پڑھائی کی وجہ سے ساتھ نہیں آئے۔ میری والدہ کی طبیعت خراب ہے ان کو دیکھنے جا رہی ہوں کر کے۔ شاہ فیصل میں گھر ہے ہمارا...... آپ کہاں رہتی ہیں کر کے؟'' میں نے جلدی سے جواب دیا اور اپنے میاں کی جانب متوجہ ہوگئی کیونکہ اتنی طویل بہ آواز بلند تقریر کے بعد باقی تمام جملہ لوگ بھی ان کے اس تکیہ کلام کو سن چکے تھے اور ہنسی ضبط کر کے دھیرے، دھیرے مسکرا کر اپنا دھیان دوسری باتوں میں لگا رہے تھے کہ کہیں زور سے ہنسی نہ آجائے۔

قصہ مختصر کہ اتنا لمبا سفر خاموشی سے تو نہیں کٹ سکتا تھا۔ اس لیے ان کے تکیہ کلام کو سن کر کبھی ہنستے اور انجوائے کر کے ایک دوسرے کو تنبیہی نظروں سے دیکھتے بالآخر سفر تمام ہوا۔ سچ جانیں سفر گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا...... ان کے ''کر کے'' کی وجہ سے ہم ایک خوشگوار سفر گزار کر رخصت ہوئے اور ایک نیا تکیہ کلام سننے کو ملا...... کیا آپ نے اس سے قبل سنا تھا۔ سچ، سچ بتایئے گا۔

تحریر: فرحت احمد، گلشن حدید، کراچی

رہی تھیں۔ ایک بار پھر اسے جھاڑ کر رکھ دیا...... وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکی تھی کہ اسی پل کمرے میں چار لڑکیاں داخل ہوئیں...... تو وہ دونوں ہی ان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''اتنی ساری لڑکیاں......'' ایک پل کو اسے لگا کہ خالہ اسے کسی میرج بیورو میں لے آئی ہیں تبھی اس نے حیران ہو کر اپنے اطراف میں نظر دوڑائی۔ کمرے میں ایک گھر کی سی سیٹنگ دیکھ کر اسے تسلی ہوئی...... تو اس نے ایک بار پھر ان لڑکیوں کی طرف نظر کی...... اس بار اس کی نظر خوب جانچتی ہوئی تھی۔ چاروں لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

''ان میں سے کون سی میرے بیٹے کے لیے ہوسکتی ہے؟'' وہ ایک بار پھر سوچ میں پڑ گئی۔

''لڑکیوں تمہاری امی اور وہ تحریم کہاں ہیں......؟'' خالہ نے اس کی سوچ کے طائر کو زیادہ دور اڑنے نہیں دیا تھا۔ تبھی وہ ان کی آواز سن کر چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

تب خالہ ان لڑکیوں کا تعارف اس سے کراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''ناہید......! یہ تحریم کی چھوٹی بہنیں ہیں۔''

''اتنی ساری بہنیں......؟ میرا! پشان تو ان سے رشتے داریاں نبھاتا ہی آدھا رہ جائے گا۔'' خالہ کی بات سن کر اس کے دل سے ایک دم ہی صدا بلند ہوئی تھی...... جس سے بے خبر خالہ دوبارہ سے ان لڑکیوں سے سوال کر رہی تھیں۔

''ہاں لڑکیوں، تم بتاؤ تمہاری ماں کدھر ہے؟''

''خالہ جی......! امی نماز ادا کر رہی تھیں...... ابھی آتی ہوں گی......'' ان میں سے ایک نے جواب دیا تھا۔

''اچھا......'' خالہ نے ہنکارا بھرا پھر ان سے کچھ اور باتیں کیں اور اس دوران وہ بالکل چپ بیٹھی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ چاروں وہاں سے چلی گئیں...... تو خالہ دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ سب تحریم سے چھوٹی ہیں، ایک بہن اور بھی ہے جو تحریم سے بڑی ہے اور شادی شدہ ہے۔ تحریم دوسرے نمبر پر ہے۔ اس رشتے میں تمہارے لیے آسانی یہ ہے کہ اگر تم تحریم کے علاوہ ان چاروں میں سے کسی کو پسند کرتی ہو تو بھی ان لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی کرنے کے لیے بھی راضی ہو جائیں گے۔"

"پر خالہ بچیاں تو یہ بھی اچھی تھیں مگر میں تحریم کو بھی دیکھنا چاہتی ہوں......" اس نے اپنی خواہش ظاہر کی تو خالہ نے کہا۔

"اگر تمہیں یہ پسند آ گئی ہیں تو پھر تحریم بھی پسند آ جائے گی۔ آ جائے تو دیکھ لینا اسے بھی......" خالہ نے جس انداز میں کہا اس کے لبوں پر بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ امڈ آئی تھی۔ جسے اس نے بہ مشکل دانتوں تلے دبالیا ورنہ جو اگر خالہ کی نظر پڑ جاتی تو ان کا خفا ہو جانا ممکن تھا......

کچھ اور انتظار کے بعد تحریم اپنی ماں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ناہید کی نظر جو سامنے اٹھی تو اٹھی کی اٹھی ہی رہ گئی۔ اس کی نظروں کے سامنے حسن و جمال کا مکمل پیکر کھڑا تھا۔ وہ تو جیسے پلک تک جھپکنا بھول گئی تھی...... تحریم سلیقے سے دوپٹا اوڑھے دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے مکمل اعتماد کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

گلابی میدہ سی رنگت، گلابی پنکھڑی سے لب، ابھرے ہوئے رخسار، ستواں چھوٹی سی ناک، روشن پیشانی اور سب سے بڑھ کر اس کی دل جیت لینے والی مسکراہٹ...... ناہید تو جیسے چاروں شانے چت ہوئی تھی۔ وہ اس کے دل کو اس بری طرح بھائی تھی کہ اس نے بے ساختہ اٹھ کر اسے گلے سے لگا کر خالہ سے کہا۔

"بس خالہ، میری تلاش ختم ہوئی...... یہی ہے وہ ہیرا جس کی مجھے تلاش تھی۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے ناہید، تھوڑا صبر رکھو...... سوچنے اور پرکھنے کا کچھ وقت تو لو...... پھر کوئی فیصلہ کر لینا۔" شکیلہ خالہ نے اس کا اس قدر اتاؤلا پن دیکھ کر کچھ مسکرا کر اچنبھے سے کہا تھا۔

ان کا اشارہ جس طرف تھا وہ سمجھ رہی تھی جبھی مسکرا کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھی اور بولی۔

"سوچنا اور پرکھنا کیسا خالہ...... بس میرے دل نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے، تحریم ہی میری بہو بنے گی۔" واری صدقے جاتے اس نے ہاتھ بڑھا کر پاس کھڑی تحریم کو بھی اپنے برابر بیٹھا لیا۔

تحریم اب بھی اسی انداز میں مسکرا رہی تھی۔ شاید وہ اس حقیقت سے خوب واقف تھی کہ اسے رد کیا ہی نہیں جا سکتا ہے اور ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ ناہید کی پسندیدگی کے بعد اس رشتے کی قبولیت کے ساتھ شادی تک کے تمام مراحل بھی بہت تیزی سے طے پائے تھے۔

آج ذیشان اور تحریم کی شادی تھی...... ناہید حد درجہ خوش تھی۔ من چاہی بہو کو گھر...... لے آنے کی خوشی میں اس نے شکیلہ خالہ کو بطور انعام سونے کی بالیوں سے نوازا تھا۔ آخر کو تحریم جیسی لڑکی ڈھونڈ کر دینے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

رخصتی کے بعد وہ بڑے چاؤ اور محبت کے ساتھ تحریم کو اپنے گھر لے آئی تھی، رسموں کی ادائیگی کے بعد اس نے تحریم کو ذیشان کے کمرے میں پہنچا دیا اور خود باہر آ کر ذیشان کو اس کے کمرے میں جانے کو کہا اور خود اپنے کمرے میں آ گئی...... جہاں اسے آئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب پُر جوش سا ذیشان اس کے پاس آیا اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے گھما ڈالا۔

"امی پیاری امی...... میری دلہن اتنی خوب صورت چُن کر لائی ہیں آپ......" خوشی کے مارے اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ ناہید زور سے ہنس دی تھی۔

"ارے لڑکے باؤلا ہوا ہے کیا...... اس طرح گھما کر کیا میری بوڑھی ہڈیوں کو توڑنا ہے۔" پھر اس نے لاڈ سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"جتنا خوب صورت میرا بیٹا ہے اتنی ہی خوب صورت تو لڑکی لانی تھی ناں مجھے...... تم یہ بتاؤ تمہیں

دلہن پسند آئی؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔
''بہت زیادہ ماں......'' وہ لاڈ سے اس سے لپٹ گیا۔
''اچھا...... اب بس اپنے کمرے میں جاؤ...... اس طرح بہو کو اکیلا چھوڑ آئے' وہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہوگی۔'' اس کے احساس دلانے پر وہ سر کھجاتا وہاں سے نکل گیا تو ناہید بھی خوشی کے احساس تلے دبی شکرانے کے نفل ادا کرنے کے لیے مصلے پر کھڑی ہو گئیں۔

☆☆☆

تقدیر اور وقت دونوں ... اپنی چال اپنے ہی حساب سے چلا کرتے ہیں۔ یہ لازم نہیں ہوتا کہ تقدیر وقت کے ساتھ سمجھوتا کر کے ہر خواب کو تعبیر بخشے......
کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو ادھورے سے شرمندۂ تعبیر رہ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی انسان خوابوں کی طویل فہرست کو اپنی خواہشوں میں جگہ دیے جاتے ہیں۔ ناہید نے بھی بہو کے حوالے سے بہت سے حسین سپنوں کو دیکھ رکھا تھا۔ جن کی تعبیر کی آرزو میں وہ بڑی مگن سی تقدیر کی اگلی چال سے بالکل انجان تھی۔
ذیشان اور تحریم کی شادی کو پندرہ دن گزر چکے تھے۔ دعوتوں کے تمام سلسلے اور شادی کی تمام رسومات اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھیں۔ آج ان دونوں کا دن گھر میں ناہید کے ساتھ گزرنے والا تھا...... اسی وجہ سے وہ خاصی خوش تھی چونکہ وہ صبح خیزی کی عادی تھی سو اپنی عادت کے مطابق وہ صبح سویرے اٹھی، نماز ادا کی تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر اس نے آنگن میں شور مچاتی چڑیوں کو دانہ ڈالا اور پھر تسبیح ہاتھ میں لیے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر درود پاک کا ورد کرنے لگی......
ذیشان کی شادی سے پہلے اس کا یہ ورد اس وقت تک جاری رہا کرتا تھا جب تک ذیشان بیدار نہ ہو جایا کرتا۔ پھر جب وہ بیدار ہو جاتا تو وہ تسبیح رکھ کر اس کے لیے ناشتا تیار کرتی، وہ فریش ہو کر اس کے پاس چلا آتا تو دونوں ماں، بیٹا مل کر ناشتے کیا کرتے تھے...... معمول کے مطابق اس نے آج بھی وہی سب کیا اور اب بیٹے کے ساتھ، ساتھ بہو کی بھی منتظر تھی...... عموماً ذیشان کی صبح آٹھ بجے ہو جایا کرتی تھی مگر آج نو بج جانے کے باوجود بھی وہ سو رہا تھا...... اس کا انتظار مزید بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے سر گھما کر اس کے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا جو ہنوز بند تھا۔ اس کی نگاہ ایک بار پھر مایوس سی پلٹ آئی۔
وہ عمر کے جس حصے میں تھی اس میں زیادہ دیر بھوک برداشت نہیں کی جا سکتی تھی، اس کے باوجود بھی وہ بڑے تحمل سے بہو اور بیٹے کی نیند کھلنے کے انتظار میں ان کے ساتھ ناشتا کرنے کی خواہش میں بھوکی بیٹھی تھی...... مگر اس کا انتظار بڑھتا ہی جا رہا تھا، گھڑی کی سوئیاں نو سے دس پر چلی آئیں...... انتظار کوفت میں بدلنے لگا...... اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ اٹھی اور ان کے کمرے کے دروازے تک چلی آئی۔
ابھی دستک دینے کو اس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ دماغ نے فوراً سرزنش کی......
''بچوں کی نیند خراب مت کرو...... جب نیند پوری ہو جائے گی تو اٹھ جائیں گے۔'' مگر دل نے فوراً دماغ کو جھنک دیا۔
''ان کو نیند زیادہ پیاری ہے اور میں جو اُن کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوں......؟''
''تو پھر تم کچھ کھا لو......'' دماغ کا مشورہ فوراً حاضر ہوا تھا۔
اس نے ذرا دیر کو غور کیا پھر انکار میں سر ہلایا۔
''ہرگز بھی نہیں، میں نے کبھی ذیشان کے بغیر کچھ نہیں کھایا ہے، ہمیشہ اس کے ساتھ کھایا آج بھی اسی کے ساتھ کھاؤں گی۔''
اس نے سر جھٹکا اور خیالات کی رو کے مزید بھٹکنے سے پہلے دروازے کو بجا ہی ڈالا...... ایک بار...... دوسری بار...... تیسری بار کی آدھی دستک کے بعد ذیشان جمائی روکتا دروازہ کھولے نیند سے بھری آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا...... اس کی

پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

''ذیشان ......اتنا سو کر بھی نیند پوری نہیں ہوئی تمہاری؟ میں کب سے تم دونوں کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوں......'' بھوک سے بے حال، دماغ کے پڑھائے سبق نے فوراً اس کے لہجے میں شکوے کے ساتھ، ساتھ غصہ بھی پیدا کر دیا تھا۔

''اوہ امی......آپ کو اتنے انتظار کے بجائے ناشتا کر لینا چاہیے تھا، ناحق اتنی دیر بھوک برداشت کی آپ نے......'' اس کی بات نے پل میں اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

''ذیشان......؟'' اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا...... ''اتنے سے دنوں میں بھول گئے ... کیا میں تمہارے بغیر کچھ کھاتی ہوں...... پھر آج کیسے ناشتا کر لیتی؟'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''میں بھولا نہیں ہوں امی......آپ ہی کے خیال سے ایسا کہہ رہا ہوں......سوری، تھکاوٹ اتنی زیادہ تھی شاید اسی لیے اتنی دیر تک سوتا رہا......'' اس نے وضاحت پیش کر دی جیسے درخور اعتنا جان کرنا ہید نے اس کی سائڈ سے اندر کمرے میں نظر کرتے ہوئے کہا۔

''تحریم اٹھ گئی یا وہ ابھی تک سو رہی ہے؟''

''وہ اٹھ گئی ہے امی......بس ہم فریش ہو کر ابھی آتے ہیں۔''

اس کے انداز میں ماں کے لیے احترام تھا مگر آج کی ان کی اس حرکت نے اس کا دل ذرا سا خراب کر دیا تھا۔ اس لیے خراب موڈ کے ساتھ وہ وہاں سے پلٹ آئی...... اس کے بعد مزید چند منٹوں کے انتظار کے بعد وہ دونوں ناشتے کی ٹیبل پر پہنچے جہاں ناہید ناشتا سجائے ان دونوں کی منتظر تھی۔

''السلام علیکم آنٹی جی......'' بے پروا سے انداز میں سلام کرتی، وہ ذیشان کے برابر والی کرسی پر براجمان ہوگئی۔

''وعلیکم السلام......'' نہ جانے کیوں اس کا انداز اسے بڑی شدت سے محسوس ہوا تھا۔ اس نے کچھ غور سے اس کی طرف دیکھا وہ مزید کہہ رہی تھی۔

''ذیشان بتا رہے تھے کہ آپ ہمارے انتظار میں ابھی تک بھوکی بیٹھی تھیں؟''

''ہاں......'' اس نے مختصر جواب دیا جس پر وہ فوراً بولی۔

''یہ تو غلط بات ہے آنٹی جی......اس عمر میں آپ کا اتنی دیر تک بھوکا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو ناشتا کر لینا چاہیے تھا......'' اس نے ہمدردی کے ساتھ، ساتھ اپنے مشورے سے بھی اسے نوازا تھا۔ چند دن کی نئی نویلی دلہن کے مشورے پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، وہ اعتماد سے بیٹھی اپنی وہی زیر کر دینے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے مسکرا رہی تھی۔

اس کے دل میں ایک دم ہی وسوسوں کے ناگ نے سر اٹھایا تھا...... جس سے گھبرا کر وہ اسے ٹوک دینا چاہتی تھی مگر دوسرے ہی پل اس نے خود پر قابو پا لیا۔

''اب میں اتنی بھی بوڑھی نہیں ہوئی ہوں کہ تم لوگوں کا ذرا سا انتظار نہ کر سکوں......'' کچھ دیر پہلے کی انتظار کی کوفت کو اس نے جیسے فراموش کر دیا تھا۔ تبھی مسکرا کر بولی۔

''جیسے آپ کی مرضی......'' اس نے کندھے اچکائے اور ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کے انداز نے اسے ایک بار پھر چونکنے پر مجبور کر دیا تھا...... اس سے پہلے وہ مزید کچھ سوچتی ذیشان نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کری اور اس سے باتیں کرنے لگا......جس بات نے اسے چونکنے پر مجبور کیا تھا وہ اگر اتنی ہی ہو کر ختم ہو جاتی تو شاید وہ مزید کچھ سوچتی ہی نہیں...... تحریم کی بہت سی باتیں وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ اسے شدت سے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ وہ جب سے رخصت ہو کر اس گھر میں آئی تھی سوائے بننے سنورانے کے اسے شاید کوئی کام دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ذیشان دکان پر جانے کے لیے صبح اٹھ جایا کرتا تھا۔ شروع کے دنوں میں اس نے تحریم کو اپنے ساتھ اٹھانے کی کوشش کی جو بالکل بے سود رہی،

اس لیے وہ اسے اٹھانے کی کوشش ملتوی کر کے پہلے کے سے معمول کی طرح ماں کے بنائے ناشتے سے ناشتا کر کے دکان پر چلا جاتا...... چونکہ تحریم نے ابھی تک کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا سو ناہید ہی جیسے تیسے کر کے باقی کے کام کرتی...جب دس، گیارہ بجے کے قریب تحریم نیند سے بیدار ہوتی فریش ہو کر وہ کچن میں گھستی اور اپنی مرضی کا ہلکا پھلکا ناشتا کر کے واپس اپنے کمرے میں غروب ہو جاتی۔ جہاں آدھا دن وہ اپنی بہنوں اور دوستوں کے ساتھ فون پر باتیں کرتی، اس سے فارغ ہو کر ٹی وی دیکھتی، اس سے بھی اکتا جاتی تو دوبارہ سے سو جاتی...... اور پھر ذیشان کے آنے سے ذرا پہلے اٹھتی اور اچھے سے تیار ہو کر بیٹھ جاتی۔ ناہید کو تو جیسے اس نے کسی گنتی میں لیا ہی نہیں تھا...... اس گھر میں اس کا تعلق صرف اور صرف ذیشان سے تھا...... ناہید کئی دن سے چپ چاپ اس کے رنگ ڈھنگ اور سبھی اطوار ملاحظہ کر رہی تھی۔ جنہیں دیکھ کر کئی بار اس کے دل میں خیال ابھرا تھا کہ کہیں بہو کے انتخاب میں اس نے غلطی تو نہیں کر دی؟ حسین صورت کے لالچ نے اسے مات تو نہیں دے دی......؟ مگر جو بھی تھا، یہ تو طے تھا کہ اگر حسن نے اسے مات دی تو اس میں کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

مگر ناہید اس طرح سر تسلیم خم کر دینے والوں میں سے ہرگز نہیں تھی۔ سو اپنی چپ کو توڑ کر وہ آج اس سے خود بات کرنے کی خاطر اس کے کمرے میں چلی گئی۔ جہاں تحریم شاید ابھی شاور لے کر باہر آئی تھی جبھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی زلفوں کو سنوار رہی تھی۔ گھنے لمبے ریشمی بالوں نے اس کی پشت کو چھپا رکھا تھا...... وہ اس کے نزدیک چلی آئی۔ شیشے میں ابھرتے اس کے عکس کو دیکھ کر وہ سیدھی ہوتی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔

''آنٹی آپ یہاں......؟ سب خیریت ہے ناں......؟'' انداز کی طرح اس کی بات بھی انوکھی تھی۔

''ہاں بیٹا...... سبھی خیریت ہے بس میرا دل کر رہا تھا اس لیے تمہارے پاس چلی آئی۔'' اس کو جواب دیتی وہ سائڈ میں رکھے صوفے پر جا بیٹھی...... تو خود تحریم بھی کچھ محسوس کرتی برش رکھ کر اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ کر اس کی طرف ایسے دیکھنے لگی جیسے دوٹوک کہہ دینا چاہتی ہو کہ جو بات کرنے آئی ہو سیدھی طرح کہو اپنے تاثرات کو بنا چھپائے اس نے ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا...... اسے کچھ نہ بولتے دیکھ کر ناہید نے خود ہی سے بات کا آغاز کر دیا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ آج تم سے میٹھا پکوا کر یہ رسم بھی ادا کر دوں تاکہ اب تم پوری طرح اپنے اس گھر کی ذمّے داری اٹھا سکو......'' اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بنا دوٹوک بات کہہ دی تھی جو اسے ناگوار گزری تھی جبھی وہ ابرو اچکا کر بولی تھی۔

''مگر آنٹی......''

''مگر کیا......؟'' اس نے فوراً پوچھا تھا مگر تحریم نے کچھ سوچ کر اپنے باقی کے لفظوں کو اپنی زبان تلے ہی دبا لیا۔ پھر بولی تو بس اتنا......

''اوکے آنٹی، آپ چلیں میں آتی ہوں......''

ناہید کے لیے اتنا ہی غنیمت تھا کہ اس نے بنا کسی اعتراض کے اس کی بات مان لی تھی۔ وہ اتنے میں ہی خوش ہوتی ان تمام خیالات کو پرے جھٹک گئی جو کب سے اسے تنگ کیے دے رہے تھے۔ ذرا دیر بعد تحریم اپنے کمرے سے باہر آئی اور کچن میں چلی گئی وہ دیکھنے کی غرض سے اس کے پیچھے آئی تو اس نے دیکھا تحریم کچن کو سمیٹ کر سنک کے پاس کھڑی گندے برتنوں کو دھو رہی تھی...... آنکھوں کے ساتھ، ساتھ اس کے دل میں بھی ٹھنڈک اتری تھی۔ کام کرتی تحریم اسے حد سے زیادہ پیاری لگی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہوتی وہ دوبارہ سے اپنے کمرے میں آ گئی...... ذیشان کے آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ تحریم برتن دھو چکی تو وہ دوبارہ سے اس کے پاس کچن میں چلی آئی...... اور اس کے ساتھ مل کر اس سے کھیر پکوائی...... جتنی دیر وہ اس کے ساتھ رہی مسلسل چپ رہی سارے ہی وقت خود ناہید ہی اس سے باتیں کرتی رہی جس کے جواب میں

وہ بس ہوں، ہاں کے سوا اور کچھ نہ بولی۔

اس کے اس انداز کو اس نے کم گوئی سمجھ کر زیادہ توجہ نہیں دی تھی...... سب کام ہو چکا تھا تحریم اپنے کمرے میں جا چکی تھی...... مغرب کی اذان ہو چکی تھی وہ خود بھی نماز کی ادائیگی کی نیت سے اپنے کمرے میں آ گئی اور اب فارغ بیٹھی ذیشان کی آمد کی منتظر تھی...... مگر آج نہ جانے کیا وجہ تھی مغرب کے بعد اب عشا بھی ہو چکی تھی مگر ذیشان کی آمد ابھی تک نہیں ہوئی تھی...... وقت دیکھ کر وہ کچھ پریشان ہو گئی کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا ذیشان ہمیشہ مغرب کے بعد گھر آ کر اس کے سامنے حاضر ہو جایا کرتا تھا...... مگر آج وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ دل میں اٹھتے وسوسوں سے گھبرا کر اس نے کمرے سے باہر آنے کا ارادہ کیا مگر اس سے پہلے وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتی ذیشان اس کے پاس چلا آیا۔

اسے سامنے دیکھ کر اس کے دل کو راحت نصیب ہوئی اور وہ سکون کی سانس بھرتی دوبارہ سے اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

''آج اتنی دیر کیوں لگا دی ذیشان......؟ جانتے ہو میں کس قدر پریشان ہو گئی تھی۔'' اس کے انداز میں بیٹے کے لیے محبت بھری تھی۔ جسے محسوس کرنے کے باوجود بھی ذیشان خاموش سا اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی خاموشی اسی پل میں محسوس ہوئی تھی جبھی اس نے پوچھا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا، اتنے چپ کیوں ہو؟''

ذیشان نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ سے سر جھکا کر بولا۔ ''امی کیا آج آپ نے تحریم سے کام کروایا؟''

''ہاں...... میں نے آج میٹھے کی رسم کروائی اس سے تاکہ اب وہ اپنی ذمے داری کو پوری طرح سنبھال لے......'' اس کے پوچھنے پر وہ بنا سمجھے خوشی، خوشی اسے بتانے لگی مگر ذیشان نے اس کی پوری بات سنے بنا ہی اپنی بات شروع کر دی۔

''امی آپ آئندہ تحریم کو کسی کام کا مت کہیے گا...... وہ جس قدر نازک ہے اس کا اندازہ خود آپ کو بھی ہے اور پھر آج سے پہلے اس نے اپنے گھر میں بھی کبھی کام نہیں کیا اور آج جب یہاں کرنا پڑا تو شدید تھکاوٹ کے باعث اسے بخار ہو گیا ہے۔ جب سے آیا ہوں تکلیف کے باعث اسے بس روتے ہی دیکھا ہے۔'' اس کی بات سن کر وہ دنگ رہ گئی۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ایک ذرا سے برتن دھونے اور کھیر پکانے میں اسے بخار چڑھ آیا؟'' حد درجہ اچنبھے سے اس نے اس کی طرف استفہامیہ دیکھا تھا۔

''جی......'' وہ مختصراً بولا تھا۔ مگر ناہید کو ایک دم ہی تاسف کے ساتھ غصے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''حد ہوتی ہے ذیشان، کیا سوچ کر تم میرے پاس جواب طلبی کرنے چلے آئے؟ وہ جتنی بھی نازک سہی مگر ایک عورت ہونے کے ساتھ، ساتھ وہ اس گھر کی بہو بھی ہے، اسی ناتے اس گھر کی تمام ذمے داری پوری کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے...... تمہاری جوان بیوی تمہیں نازک لگتی ہے اور بوڑھی ماں جو کام کرتی ہے اس کا تمہیں کبھی کوئی خیال نہیں آیا؟''

ذیشان نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے مگر اس نے اسے ٹوک دیا۔

''میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔''

ذیشان لب بھینچ کر رہ گیا۔

''میں تمہاری ماں ہوں بیٹا...... اور جس چاؤ سے میں تمہاری دلہن اس گھر میں لائی ہوں اس سے تم خوب اچھی طرح واقف ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تمہارے اس بدلے رویے پر تمہاری باتوں پر میں کس طرح کا ردِعمل ظاہر کروں کیونکہ تم چاہتے ہو تمہاری بیوی کو کسی کام کا نہ کہا جائے اور بوڑھی ماں ہر کام خود ہی کرتی رہی...... مگر بیٹا اب اتنی ہمت نہیں رہی ہے مجھ میں...... جو سوچ کر میں بہو لائی تھی وہ اگر پورا نہیں بھی ہوتا تو بھی کوئی بات نہیں تمہیں اور تمہاری بیوی کو اگر مجھ سے مسئلہ ہے تو وہ میرے کام نہ کرے کم از کم اپنے اور تمہارے کام تو

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

خود سے کرنے کی ذمے داری اٹھائے......'' اس کے انداز میں دکھ ہی دکھ نمایاں تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے امی...... آپ میری بات کو سمجھ نہیں رہی ہیں جو بات آپ نے محسوس کی ہے، وہ سب اتنے دنوں سے میں نے خود بھی محسوس کیا ہے مگر کچھ بھی کہنے سے پہلے مجھے بہت کچھ باور کروادیا گیا ہے......'' معنی خیزی سے بات کو ادھورا چھوڑ کر اس نے ذرا دیر کے توقف کے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''تحریم اگر کام کرنا نہیں چاہتی ہے تو میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس عمر میں آپ ہمارے کام کریں، اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ گھر کے بھی کاموں کے لیے ایک ملازمہ کا انتظام کردوں......''

''آج سے پہلے بھی اس گھر میں ملازمہ نے کام کیا ہے جو تم نے یہ فیصلہ کیا ہے؟'' اس کو اس کے فیصلے پر اعتراض ہوا۔

''امی وقت کے ساتھ تبدیلیاں تو آتی ہی ہیں۔ اس موقع پر یہ فیصلہ کرنا بہت ضروری ہے اور امی آپ میری ماں ہیں، آپ سے میں اس بات کی امید کرسکتا ہوں کہ آپ میرے فیصلے کو تسلیم کرلیں گی، میری بات کو مان لیں گی۔ تحریم تو...... ہمارے لیے نئی ہے بالکل اجنبی جو ابھی تک خود کو ہمارا حصہ نہیں بنا سکی ہے اس سے میں ابھی کوئی امید نہیں رکھتا ہوں...... اس لیے آپ ہی اپنے اعتراض کو ختم کردیں......'' اپنی طرف سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس نے بہت گہری بات کہی تھی جس نے وقتی طور پر ہی سہی ناہید کے لبوں کو سی دیا تھا...... اس کو بالکل خاموش دیکھ کر ذیشان جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس اٹھ کر چلا گیا۔

خود سے دور جاتے ذیشان کو دیکھ کر بے بسی کے شدید احساس نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا۔ اس خیال نے بڑی زوروں سے اس کے دل کو دہلا دیا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے...... یہ اس کا وہ ذیشان ہرگز نہیں تھا جو ہمیشہ اس کی ہر بات کو مقدم رکھا کرتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی تھا......؟ جس نے آج اپنا فیصلہ سنا کر اس کے لب بند کروادیے تھے...... اسے احساس ہورہا تھا کہ بہت پرکھنے کے بعد بھی بہو کے انتخاب میں اسے بری طرح مات ہوچکی تھی۔ یہ احساس دل میں جاگا تو وہ بے چین سی ہوکر کمرے میں ٹہلنے لگی...... مگر بے چینی تھی جو ختم ہونے کے بجائے مسلسل بڑھتی ہی جارہی تھی۔ معمولی سی بات پر تحریم کے اس ردِعمل کے بعد نہ جانے اب آگے اور کیا کچھ ہونا باقی تھا وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھی مگر حد سے زیادہ فکر مند بھی تھی۔

☆☆☆

بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے ایک بار پھر تحریم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا، اسی وجہ سے اگلے روز وہ ایک بار پھر بہو کے پاس جا پہنچی تھی۔

''تحریم مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''جی کہیے......'' وہ متوجہ سی اس کے سامنے آبیٹھی۔

''کیا تمہیں مجھ سے کوئی مسئلہ ہے؟'' بڑی سنجیدگی سے اس نے استفسار کیا تھا۔

''ارے نہیں آنٹی، مجھے بھلا آپ سے کیا مسئلہ ہوگا؟'' وہ الٹا اسی سے سوال کرگئی۔

''پھر بھی مجھے ایسا لگتا ہے۔'' وہ اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر ذرا دیر کو چپ ہوئی پھر بولی۔

''مجھے بھی تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں بس اتنا چاہتی ہوں تم اچھی بیٹی اور بہو کی طرح اپنے فرائض کو پورا کرتے ہوئے اس گھر کی ذمے داری اٹھالو......'' شروع دن سے کہی جانے والی بات کو اس نے آج پھر دُہرایا تھا...... جسے سن کر تحریم نے بڑے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''دیکھیں آنٹی...... میں کام کرنے کی عادی نہیں ہوں، سچ تو یہ ہے کہ میرے گھر میں میری ماں نے کبھی ہم سے کوئی کام نہیں کروایا ہے۔ ہم نے ہمیشہ لاڈ پیار میں زندگی گزاری ہے...... ہمیں ہمیشہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ ہم کام کرنے کے لیے نہیں عیش کرنے

کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے اب آپ مجھ سے اس طرح نوکروں والے کام کروانے کا سوچیں بھی مت...... ویسے بھی ذیشان نے ملازمہ رکھنے کا کہہ تو دیا ہے۔ انشاء اللہ کل تک ملازمہ بھی آجائے گی۔ اس لیے پلیز آپ ان سب باتوں کو یہیں ختم کردیں۔'' مبالغہ آرائی کی ساری حدیں پار کرتے ہوئے اس نے بڑے فخر سے اپنے پھوہڑپن کا بتایا تھا۔ جسے سن کر ناہید سوائے ہاتھ ملنے کے اور کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے اس خوب صورت، بے حس پتھر سے سر پھوڑنے کے بجائے وہ باہر چلی آئی...... اور کچھ سوچ کر چادر لپیٹتے گھر سے نکل آئی...... اس وقت اس کا رخ شکیلہ خالہ کے گھر کی طرف تھا۔

دس منٹ کی واک کے بعد اب وہ شکیلہ خالہ کے گھر کے باہر کھڑی ڈور بیل پر انگلی رکھ چکی تھی۔ پہلی ہی بیل پر اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ اور اب وہ بڑی دکھی سی شکیلہ خالہ کے سامنے بیٹھی تھی۔

''خیریت ناہید؟ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟'' ہمیشہ کی طرح گال میں پان دبائے بھری آواز میں انہوں نے اس کے آنے کی وجہ دریافت کی تھی۔

''خیریت کا کیا پوچھتی ہو خالہ...... میں بڑی ہی پریشان ہوں......'' ٹھنڈی آہ بھر کے اس نے جواب دیا تھا۔

''ایسا کیا ہوگیا جس نے اتنا پریشان کردیا تمہیں......؟'' انہوں نے ایک بار پھر سوال کیا تھا۔

''تحریم کی وجہ سے پریشان ہوں خالہ...... اسی کے متعلق آپ سے بات کرنے آئی ہوں......''

''آ...... اچھا...... تو کرو بات......'' وہ شاید اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھیں تبھی سیدھی ہو بیٹھی تھیں۔

''تحریم کیسی لڑکی ہے؟'' اس نے بات کا آغاز کیا۔

''کیوں؟ اتنے عرصے میں کیا تم ابھی تک بھی اسے جان نہیں سکیں؟'' خالہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے ایک بار پھر اس سے جواب طلب کرگئی تھیں۔

''کیا مطلب خالہ؟'' اس نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔ ''آپ کا انداز بتارہا ہے کہ آپ تحریم کو بڑی اچھی طرح جانتی ہیں؟''

''ہاں جانتی ہوں۔'' خالہ نے اقرار کیا۔

''ہائے خالہ، جاننے کے باوجود بھی آپ نے مجھے کچھ نہ بتایا اور جان بوجھ کر اس کھائی میں گرنے دیا......؟'' اس کے انداز میں حد درجہ حیرت نمایاں تھی۔

اس کے سوال پر خالہ کی مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی تھی۔ انہیں شاید اس کی بات ناگوار گزری تھی جبھی ایک دم تیز لہجے میں کہنے لگیں۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟ تم شاید اس وقت کو بھول گئی ہو جس وقت تم نے تحریم کو پہلی نظر میں دیکھتے ہی پسند کرلیا تھا۔ تب پہلے ہی مرحلے پر میں نے بہتیرے اشارے کنائیوں میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اتنی جلدی فیصلہ مت کرو کچھ وقت سمجھنے اور پرکھنے کے لیے لو مگر تم تو اس وقت تحریم پر ایسے فدا تھیں کہ اپنی سمجھ بوجھ کو بھی گروی رکھ چھوڑا...... تو پھر تم اب مجھے دوش کیسے دے سکتی ہو......؟'' ہاتھ نچا کر کہتے ہوئے انہوں نے جیسے اسے آئینہ دکھایا تھا۔

''ناہید بیگم میں ہمیشہ سچی بات کرتی ہوں چاہے وہ کسی کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے...... اور سچ تو یہ ہے کہ جب تحریم کے حسن کے آگے عورت ہوکر تم نے گھٹنے ٹیک دیے تھے تو اگر آج بیٹا بھی وہی سب کررہا ہے تو تمہیں برا کیوں لگ رہا ہے......؟ حسن ہمیشہ نزاکت برتتا ہے تو پھر تم کیوں آج اسے مشقت میں جھونکنا چاہتی ہو؟''

ناہید حیرت سے منہ کھولے ان کو دیکھے جارہی تھی جب انہوں نے اسے ٹوک دیا۔

''یوں اس قدر حیرت سے مجھے مت دیکھو...... جتنا کچھ میں تحریم اور اس کے گھر والوں کے متعلق جانتی تھی اس کے بعد میں تمہیں ہرگز بھی ان کے گھر لے جانا نہیں چاہتی تھی مگر صرف تمہاری ہی وجہ سے میں ایسا کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ بڑی اچھی طرح سے ان

لوگوں کے ہر رویے سے واقف ہوں میں...... تحریم کی بڑی بہن کے کام بھی یہی ۔ کام وام کرنے کو تو اپنی توہین سمجھتی ہے شوہر کو پوری طرح قابو میں کر کے سسرال والوں کو تگنی کا ناچ نچوا رکھا ہے...... اور اس سب میں ان کو اپنی ماں کی طرف سے پوری شہ ملتی ہے۔ جس پر ان کا مزید شیر ہو جانا لازمی بات ہے...... تم نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا اس کے باوجود بھی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہاں بھی وہی کچھ ہو رہا ہوگا......"

"خدا کی پناہ! خالہ آپ اتنا کچھ جانتی تھیں...... کاش آپ نے مجھے اشاروں کے بجائے کھل کر بتایا ہوتا تو میں اسی وقت اپنے قدم پیچھے ہٹا لیتی...... کیونکہ مجھے اپنے گھر میں شوکیس کی گڑیا نہیں بہو کی صورت میں بیٹی چاہیے تھی......" اس نے ایک بار پھر گلہ کر دیا۔ جس پر خالہ ایک بار پھر چمک کر بولی تھیں۔

"پھر وہی بات! تم مجھے ہرگز بھی کوئی دوش نہیں دے سکتی ہو...... تحریم کو پسند کرتے وقت یہ تمہارے الفاظ تھے کہ" تحریم ہی وہ ہیرا ہے۔ جس کی تمہیں تلاش تھی......" اس وقت تم تو جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھیں آناً فاناً فیصلہ کیا اور بنا کچھ جانے مہینے کے اندر، اندر شادی بھی کر کے بہو کو گھر لے گئیں...... اب جو ہیرا تم چاؤ سے گھر لے کر گئی تھی اس کے ناز بھی تم ہی اٹھاؤ بس......" بھویں سکیڑے ہاتھ اٹھا کر انہوں نے ایک بار پھر اسے جھاڑ کر رکھ دیا تو وہ منہ لٹکا کر رہ گئی۔

"خالہ مجھے ہرگز بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک متوسط طبقے کی لڑکی ہو کر بھی ان کے یہ حال ہوں گے۔"

"تمہیں ضرور اندازہ ہو جاتا بی بی جو اگر تم ذرا بھی عقل سے کام لیتی ...... مگر تمہیں بھی اب کیا کہوں شاید اس میں قصور تمہارا بھی نہیں ہے' یہ تو دستور ہی چل پڑا ہے کہ ہر کسی کو حسین صورت کی تلاش ہوتی ہے...... بہت دل دکھتا ہے میرا جب حسین صورت کے چکر میں بہترین سے بہترین سگھڑ لڑکیوں کو رد کر دیا جاتا ہے...... تم نے بھی تو یہی سب کیا تھا...... کتنی اچھی، اچھی گرہستن ...لڑکیاں دکھائی میں نے تمہیں مگر تم نے سبھی کو رد کر دیا...... سچ پوچھو تو تب تمہارے اس عمل سے تنگ آ کر جان چھڑانے کی خاطر میں تمہیں تحریم کے گھر لے گئی تھی۔" انہوں نے سنجیدگی سے حقیقت بتائی تھی' وہ بالکل ہی چپ تھی جب انہوں نے دوبارہ سے کہا۔

"تمہیں تو چاند کا ٹکڑا چاہیے تھا۔ اب جب ٹکڑے کے بجائے پورا چاند تمہیں مل گیا ہے تو اسے آسمان پر ہی سجا رہنے دو کیونکہ کوشش کر دیکھو مگر چاند نے کسی صورت نیچے نہیں آنا ہے، جھکنا تمہیں ہی پڑے گا...... اس لیے جھکی رہو ورنہ بیٹے کو پوری طرح کھو دو گی۔" انہوں نے بات کو مکمل کرتے ہوئے آخر میں ایک بار پھر مختصر لفظوں میں جس بات کی طرف اشارہ کر کے اس کی توجہ مبذول کروائی تھی اس بار اس نے ان کے اس اشارے کو بڑی اچھی طرح سمجھ لیا تھا...... اس لیے شرمندہ سی چپ چاپ واپس اپنے گھر چلی آئی۔

☆☆☆

بیٹے کو کھو دینے کا دھڑکا تو اسے کب سے تھا مگر جب سے وہ شکیلہ خالہ سے بات کر کے آئی تھی تب سے اس کی کیفیت ہی الگ تھی یہی وجہ تھی اس دن کے بعد سے اس نے حالات سے سمجھوتا کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جبھی اس نے تحریم کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اور خود اس نے ہر اعتراض کو دل میں دبائے اپنے لبوں پر چپ لگا لی تھی۔

ذیشان نے ملازمہ کا انتظام کر دیا تھا...... جو دن بھر اُن کے گھر میں کام کرتی اور رات میں اپنے گھر چلی جاتی...... تحریم کا معمول وہی تھا...... دل کرتا تو اس سے بات کرتی ورنہ اپنے آپ میں مست رہتی...... البتہ ناہید کا معمول پہلے کی نسبت بدل گیا تھا' ملازمہ کے آ جانے کی وجہ سے اسے فراغت میسر آ گئی تھی...... مگر وہ سارا وقت فارغ گزارنے کے بجائے کچن کے کام میں ملازمہ کے ساتھ مل کر کام کرتی تھی۔

آج کی صبح کا آغاز بھی معمول کی طرح ہوا تھا۔ ذیشان دکان پر جا چکا تھا...... ملازمہ گھر کی صفائی میں مصروف تھی اور وہ خود صحن میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی...... روز کے سے اس معمول میں حیران کن سی تبدیلی اس وقت محسوس ہوئی جب ذیشان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد تحریم بھی نیند سے بیدار ہو کر باہر چلی آئی...... اسے اتنی جلدی بیدار ہوتے دیکھ کر ناہید کو حد درجہ حیرت ہوئی مگر اس نے منہ سے کچھ نہ کہا...... کیونکہ وہ جانتی تھی تحریم اپنی مرضی کی مالک ہے، چاہے گی تو خود بتا دے گی...... اس کا اندازہ درست ثابت ہوا وہ سلام کرتی اسی کے پاس آ بیٹھی۔

''السلام علیکم آنٹی جی......''

''وعلیکم السلام......'' اس نے جواب دیا تو وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی بولی۔

''آنٹی، یہ پروین کہاں ہے؟''

''وہ میرے کمرے کی صفائی کر رہی ہے، تم کیوں اس کا پوچھ رہی ہو، کیا کوئی کام تھا؟'' اس نے استفسار کیا۔

''ہاں تھوڑی دیر تک میری بہنیں آنے والی ہیں...... آپ پروین کو کہہ دیجیے گا وہ میرے ناشتے کے ساتھ ان کا ناشتا بھی تیار کرے...... تب تک میں تیار ہو جاتی ہوں۔'' اس کا موڈ آج کچھ زیادہ ہی خوشگوار تھا...... اس لیے تفصیل سے اسے جواب دیتی جس طرح آئی تھی اسی طرح واپس اندر چلی گئی۔

اس کی بہنوں کے آجانے سے پروین کا کام کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا اس لیے وہ کچھ جھنجلائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، جب تحریم نے اسے لنچ میں بھی اہتمام کرنے کا حکم سنا دیا تو وہ روہانسی ہوئی ناہید کے پاس چلی آئی...... اس کی اتری صورت دیکھ کر اس نے استفسار کیا تھا۔

''کیا بات ہے پروین بیٹا...... کچھ غصے میں دکھائی دے رہی ہو تم......؟''

''کچھ نہیں...... بہت زیادہ غصے میں آنٹی جی......'' منہ پھلائے وہ اسی انداز میں بولی تھی۔

''مگر ہوا کیا ہے؟''

''مجھے تحریم باجی پر غصہ ہے، خود تو اپنی بہنوں کو لیے کمرا بند کیے بیٹھی ہیں اور حکم مجھ پر چلائے جا رہی ہیں کبھی کچھ فرمائش تو کبھی کچھ...... اب لنچ میں اہتمام کرنے کا حکم سنا گئی ہیں...... ذیشان بھائی نے مجھے گھر کے کام کے لیے کہا تھا۔ اس طرح کے فالتو کام نہیں کہے تھے......'' وہ شاید کچھ زیادہ ہی تھک گئی تھی...... جبھی اتنا غصہ کر رہی تھی۔ ورنہ تو وہ ایک اچھی خوش اخلاق لڑکی تھی۔ خوش دلی سے سب کے کام کر دینے والی مگر آج شاید زیادہ کام کی وجہ سے اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا، وہ مہمان ہیں...... اور مہمانوں کے لیے تو یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے...... تم پریشان مت ہو کھانا بنوانے میں، میں تمہاری مدد کر دیتی ہوں......'' حالات نے ناہید کے لفظوں میں ہی نہیں خود اس کی ذات میں بھی نرمی بھر دی تھی...... جس کا واضح ثبوت دیتے ہوئے اس نے پروین کی مدد کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔ گو کہ وہ اپنے ان حالات سے خوش نہیں تھی مگر ہر طرح بول کر اور سمجھا کر دیکھ چکی تھی...... اس کے کچھ بھی کہنے سے گھر میں تلخ سی فضا قائم ہو جاتی تھی۔ جس کی سزا کے طور پر ذیشان اس سے اکھڑ جاتا تھا...... اسے ذیشان سے بھی بہت ساری شکایتیں تھیں جن میں سب سے پہلی شکایت اسے یہ تھی کہ وہ ماں اور بیوی کے درمیان توازن نہیں رکھ پا رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ ماں ہی ان سب حالات سے سمجھوتا کر لے...... اسی لیے وہ سمجھوتا کرنے پر مجبور تھی کیونکہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ہرگز بھی کھونا نہیں چاہتی تھی۔

''نہیں، آپ میری مدد کیسے کریں گی آج تو خود آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

پروین کی آواز نے اسے خیالات کی دنیا سے واپس کھینچا تھا۔ تبھی اس نے بہت سرد آہ بھری۔

''اب اتنی بھی طبیعت خراب نہیں ہے تھوڑی بہت تو تمہاری مدد کروا ہی دوں گی۔'' اس نے کہا اور

ساتھ ہی چلنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر ملازمہ کے ساتھ کچن میں چلی آئی جہاں آکر دونوں نے تحریم کی فرمائشی لسٹ کو تکمیل تک پہنچانے کا آغاز کر دیا...... ابھی انہیں کام کرتے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ناہید اچانک ہی چکر کھا کر گری اور بے ہوش ہوگئی ...... اس کو اس حالت میں دیکھ کر پروین ایک دم بوکھلا گئی...... اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر جب وہ اپنی کوشش میں ناکام ہوگئی تو اس نے تحریم کے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا جس پر اس نے ناگواری سے دروازہ کھول کر اسے ڈپٹا تھا۔

''تمہیں تو دستک دینے کی بھی تمیز نہیں ہے پروین......''

''وہ تحریم باجی، ناہید آنٹی کچن میں بے ہوش ہو کر گر پڑی ہیں، آپ دیکھیں پتا نہیں ان کو کیا ہوا ہے؟'' اس نے پریشانی سے اپنی حرکت کی وجہ بتائی تھی۔ اس کی بات سن کر تحریم کی بہنیں بھی باہر چلی آئیں پھر ان سب نے مل کر ناہید کو اس کے کمرے تک پہنچایا۔ تحریم نے ذیشان کو فون کر کے ناہید کی حالت کی اطلاع دی تھی۔ جسے سن کر وہ فوراً ڈاکٹر کو لیے گھر آیا تھا۔

بنا کوئی سوال جواب کیے وہ ڈاکٹر کو لیے ناہید کے کمرے میں داخل ہوا یہاں وہ سب بھیڑ لگائے کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔ تب ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر بے ہوش پڑی ناہید کا چیک اپ شروع کیا...... پریشان سا ذیشان ماں کے بیڈ کے قریب کھڑا دیکھ رہا تھا...... چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے انجیکشن لگایا اور نسخہ لکھ کر ذیشان کی طرف بڑھاتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''ڈاکٹر صاحب امی کو کیا ہوا ہے؟'' ذیشان کے انداز سے پریشانی اور فکر نمایاں تھی۔

''پریشان ہونے کی بات نہیں ہے ذیشان...... ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اسی لیے ان کی یہ حالت ہوگئی۔ میں نے انجیکشن لگا دیا ہے کچھ دیر تک انہیں ہوش آجائے گا۔ طاقت کی کچھ دوائیاں میں نے لکھ دی ہیں، وہ تم انہیں کھلا دینا...... انہیں کمزوری بہت زیادہ ہوگئی ہے اس لیے انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر نے بڑی تفصیل سے ناہید کی تمام حالت اس کے گوش گزار کی تھی...... جسے سن کر اس نے کہا۔

''اوکے ڈاکٹر...... اور کوئی تو پریشانی کی بات نہیں ہے ناں......؟''

''نہیں، بس یہ اسٹریس بہت زیادہ لے رہی ہیں، کوشش کریں ان کا ذہن سکون میں رہے......'' اپنا سامان سمیٹتے ہوئے اس نے ایک نصیحت کی اور اس کے ساتھ باہر چلا آیا۔

ڈاکٹر کو رخصت کر کے وہ خود دوبارہ سے ماں کے کمرے میں چلا آیا جہاں وہ ابھی تک اسی حالت میں پڑی تھی جبکہ پروین اس کی پائنتی بیٹھی اس کے پاؤں دبا رہی تھی...... وہ قریب چلا آیا۔

''امی کو کیا ہوا تھا پروین جو اس طرح بے ہوش ہو کر گر پڑیں......؟'' اس نے پروین سے سوال کیا تھا۔

''مجھے تو نہیں پتا ذیشان بھائی، آنٹی میرے ساتھ کچن میں کام کرا رہی تھیں جب اچانک یہ چکر کھا کر گر پڑیں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

''تمہیں کتنی بار منع کیا ہے امی سے کام مت کروایا کرو اس کے باوجود بھی تم باز نہیں آتیں۔'' اسے ایک دم ہی غصہ آیا تھا۔

''میں نے اپنی خوشی سے کام نہیں کروایا تھا، بھائی صاحب۔ یہ تو آج تحریم باجی کی بہنیں آئی ہوئی تھیں تو پہلے ان کے لیے ناشتا بنایا پھر تحریم باجی نے لنچ میں بھی اہتمام کا آرڈر دے دیا۔ کام زیادہ تھا اس لیے آنٹی نے کہا یہ میری مدد کر دیں گی...... اسی لیے یہ کچن میں آئی تھیں......'' اس نے لگے ہاتھوں تحریم کی شکایت بھی لگا دی۔

ماں کو اس حالت میں دیکھ کر وہ ویسے ہی فکر مند تھا اب پروین سے یہ سب سن کر وہ ایک دم ہی غصہ ہوتا لب بھینچ گیا...... شاید ناہید کی اس حالت نے

اسے اپنی غلطی اور بے پروائی کا احساس ولا دیا تھا جبھی وہ کچھ سوچ کر غصیلے انداز میں وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں تحریم اسے آتے دیکھ اس کی طرف بڑھی۔

''میں ابھی آپ ہی کے پاس آرہی تھی، آنٹی جی کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس کی بہنیں شاید موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے جا چکی تھیں کمرے میں اس وقت صرف وہ دونوں ہی موجود تھے۔

''تحریم آج آپ نے مجھے بہت زیادہ مایوس کیا ہے۔ جیسے بھی حالات رہے میں نے ہمیشہ امی کو سمجھایا' ان کو سمجھوتا کرنے پر مجبور کیا...... اور آپ کو ہمیشہ ٹائم دیا کہ آپ ہم میں نئی ہیں...... ابھی آپ کو ہمیں سمجھنے کو ہم میں ملنے کو وقت درکار ہوگا...... مگر آپ نے ابھی تک ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کی...... جبھی آج حالات اس نہج پر آپہنچے کہ آپ کے مہمانوں کے لیے کھانا بھی میری ماں بنا رہی تھیں...... ان کی عمر کا کچھ تو خیال کرلیا کریں تحریم......'' کافی دنوں کا بھرا غصہ آج اس نے ایک ساتھ ہی سارے کا سارا اس کے اوپر انڈیل دیا تھا۔ وہ ایک دم بوکھلا کر رہ گئی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ذیشان؟ میں نے آنٹی کو نہیں کہا تھا کہ وہ کھانا بنائیں، یہ پروین کا کام ہے اور میں نے اسے ہی کہا تھا؟'' اس نے اپنی طرف سے صفائی پیش کی تھی۔ مگر وہ اسی طرح بگڑ کر بولا تھا۔

''پروین بھی انسان ہے اس کے لیے اور کام کیا کم ہوتے ہیں جو آج آپ نے اس کے اوپر مزید بوجھ ڈال دیا۔ آپ کی بہنیں آئی تھیں، آپ کو چاہیے تھا کہ آپ خود پروین کی مدد کرتیں......'' آج اس کے پاس اس کے ہر سوال کا جواب تیار تھا...... جبھی وہ جواب طلبی پر اتر آیا تھا۔ مگر تحریم کو اس کا انداز شدید ناگوار گزرا تھا۔ آج سے پہلے کبھی ذیشان نے اس سے اس طرح بات نہیں کی تھی وہ مکمل اس کے قابو میں رہا تھا۔ مگر آج کی اس غلطی نے سب کچھ پل میں بدل کے رکھ دیا تھا...... مگر تحریم کا شمار ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی غلطی جاننے کے باوجود بھی ڈھٹائی سے دوسروں کو غلط قرار دے دیا کرتے ہیں جبھی وہ ڈھٹائی سے بولی تھی۔

''اگر میں پروین کی مدد کروانے کچن میں جا کھڑی ہوتی تو میری بہنوں کو کمپنی کون دیتا؟ اور ویسے بھی آپ کو معلوم ہے میں ان کاموں سے شدید الرجک ہوں......'' اس کے انداز سے عجب نخوت چھلک رہی تھی۔ جس پر ذیشان نے ایک دم تیز لہجے میں کہا۔

''اب بس کردیں تحریم...... کب تک گھر کی ذمے داری سے الرجک رہیں گی آپ؟ اب آپ کو واقعی اپنی ذمے داریوں کو سمجھ جانا چاہیے۔''

ناہید کی حالت نے اسے کچھ زیادہ ہی ڈپریس کردیا تھا نتائج کی پروا کیے بنا وہ وہی سب بول رہا تھا جو کبھی ناہید کہا کرتی تھی۔ جس کو سن کر تحریم کے لیے تو جیسے حد ہی ختم ہوگئی...... اسے صدمہ سا لگ گیا۔

''ذیشان یہ آج آپ کس انداز میں...کس طرح

کی باتیں کررہے ہیں؟ مجھے ہرگز بھی یہ سب پسند نہیں ہے۔'' اس نے ناگواری کا شدید اظہار کیا تھا۔

''اور جو آج آپ نے کیا مجھے بھی وہ ہرگز پسند نہیں ہے۔'' اسی کے سے انداز میں جواب دے کر اسے اکیلا چھوڑے وہ کمرے سے نکل کر دوبارہ ماں کے کمرے میں آ گیا۔ پیچھے اکیلی بیٹھی تحریم کچھ دیر تو جلتی کلستی رہی پھر غصے سے اپنے چند جوڑے بیگ میں ڈالے اس کو بنا بتائے ہی اپنی ماں کے گھر چلی گئی۔

☆☆☆

ناہید کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔ تحریم کو اس طرح ناراض ہو کر گئے تین روز ہو چکے تھے۔ ناہید کی طبیعت سنبھلی تو ذیشان کو اس کی غیر موجودگی کا ہوش آیا...... تو اسے تحریم کی یاد ستانے لگی جس کے نتیجے میں اس نے اسے کال کرنے کی کوشش کی مگر اس کی ہر کال کے جواب میں تحریم نے ہر بار اس کی کال ڈسکنکٹ کر دی...... اس کی حرکت سے اس کی شدید ناراضی صاف ظاہر ہو رہی تھی جسے محسوس کر کے غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی ذیشان کو اس سب معاملے میں اپنا ہی قصور لگنے لگا یہی وجہ تھی کہ وہ ایک دم ہی چپ اور اداس دکھائی دینے لگا تھا۔ ناہید نے اسے اس طرح گم صم دیکھا تو اس کے پاس چلی آئی۔

''کیا بات ہے بیٹا بہت چپ دکھائی دے رہے ہو؟'' وہ اس کی اداسی کی وجہ سمجھ تو چکی تھی مگر پھر بھی اس نے کچھ جاننے کی چاہ میں اس سے سوال کر دیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ بولا تھا۔

''کچھ نہیں امی...... بس ویسے ہی۔'' وہ اسے ٹال رہا تھا۔

''تحریم کی وجہ سے پریشان ہو؟'' وہ ماں تھی بیٹے کی دل کی حالت سمجھ سکتی تھی جبھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر استفسار کیا تھا۔

ذیشان نے لب بھینچ کر اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر سر جھکا کر کہنے لگا۔

''جی امی...... وہ اتنی ناراض ہے کہ میرا فون تک نہیں اٹھا رہی۔''

ناہید نے ایک دم ہی اس کے کندھے سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا تھا۔ بیٹے کی اس درجہ بے بسی نے اسے افسوس میں مبتلا کر دیا تھا...... اس دن کے سارے معاملے سے وہ بھی باخبر ہو چکی تھی اور جانتی تھی کہ ذیشان نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ قصور تحریم کا تھا اور وہی اس سے ناراض ہو کر تکلیف دے رہی تھی...... انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اس سے معافی طلب کر لیتی...... مگر اتنے عرصے میں وہ اسے بہت اچھی طرح جان چکی تھی۔ وہ کبھی جھکنا پسند نہیں کرے گی...... یہ سب سوچ کر کچھ پل کے لیے تو اس کا دل چاہا کہ وہ... خود غرض بن جائے اور اسے اس کی ماں کے گھر ہی رہنے دے...... مگر دوسرے پل بیٹے کی اداسی کا سوچ کر وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی تھی۔

''وہ ناراض ہے جبھی اس طرح کر رہی ہے...... تم خود اسے جا کر لے آؤ۔'' اس کے مشورے پر ذیشان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں اس کی امی کے گھر جاؤں؟''

''ہاں، ورنہ ایسے تو وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ تم شوہر ہو اس کے، مناؤ گے تو مان جائے گی۔'' اپنی طرف سے اسے اجازت دے کر وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود اپنے کمرے میں چلی آئی تھی...... ذیشان نے کچھ دیر اسی طرح بیٹھ کر اس کے دیے مشورے پر سوچا اور پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر گہری سانس لیتا اپنی جگہ سے اٹھا اور تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

جس وقت وہ تحریم کے گھر پہنچا، شام اپنے پر پھیلا چکی تھی...... سب سے سلام دعا کے بعد جب اس کا سامنا تحریم سے ہوا تو وہ ناراضی کا اظہار کرتی منہ پھلا کر سامنے سے ہٹ گئی...... جس سے اس کی پریشانی مزید

بڑھ گئی تھی...... وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا...... جبھی تحمل سے بیٹھا اپنے ساس، سسر کی باتوں کے جواب میں ہوں، ہاں کیے جارہا تھا...... اس کی بے چینی کو وہاں موجود بھی لوگ محسوس کر رہے تھے جب ہی اس کی ساس نے اس سے کہا۔

''ذیشان بیٹا اب تم تحریم سے مل لو...... مگر آئندہ کے لیے احتیاط کرنا، وہ اس سب کی عادی نہیں ہے۔'' ہلکی سی ناراضی سے انہوں نے دبے لفظوں میں اسے جیسے وارننگ دی تھی۔ شاید تحریم نے ساری بات انہیں بھی بتادی تھی۔ ذیشان کو ایک دم ہی شرمندگی نے آن گھیرا...... عجیب سا احساس لیے وہ بنا کچھ بولے اٹھا اور چھوٹی بہن صبا کے ہمراہ تحریم کے کمرے تک چلا آیا۔ جہاں اسے چھوڑ کر وہ واپس ہولی...... وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر چلا آیا...... اسے قریب آتے دیکھ کر تحریم سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

''کیسی ہو......؟'' وہ اس کے قریب بیٹھا اس سے استفسار کر رہا تھا۔

''آپ کو اس سے مطلب......؟'' وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔

''مجھے مطلب نہیں ہوگا تو کسے مطلب ہوگا؟'' وہ ایک بار پھر پوچھ رہا تھا۔

''ہاں...... اس دن دیکھ چکی ہوں آپ کا مطلب......'' وہ ایک دم ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔

''یار...... اب بس بھی کرو ناں...... اس ذرا سی بات کے لیے تم اتنی زیادہ سزا دے چکی ہو مجھے...... اس کے باوجود بھی بے رخی برت رہی ہو۔''

''کیا؟ ذرا سی بات......؟ آپ کے لیے ہوگی وہ ذرا سی بات...... مگر میرے لیے وہ ذرا سی بات نہیں تھی۔ بلاوجہ ہی آپ نے مجھے اتنا ڈانٹ دیا...... اس قدر چلائے مجھ پر...... ایسے تو کبھی میرے پاپا نے مجھے نہیں ڈانٹا اور آپ نے تو......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی تھی۔

دینی معلومات

سوال: وہ کون محترم خاتون ہیں جو ایک نبی کی بیٹی، ایک نبی کی پوتی، ایک نبی کی پڑپوتی...... ایک نبی کی بہن، ایک نبی کی بیوی اور ایک نبی کی ماں ہیں......؟ زیادہ ذہن پر زور نہ دیں جواب حاضر ہے۔

جواب: ان عظیم خاتون کا نام حضرت لیلیٰ ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی، حضرت اسحاق علیہ السلام کی پوتی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پڑپوتی، حضرت یوسف علیہ السلام کی بہن، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ (سبحان اللہ)

مرسلہ: بشریٰ رضوی، کراچی

اس کے موتیوں کی طرح بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر ذیشان ایک دم ہی بوکھلا گیا تھا...... جبھی اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے معذرت خواہ انداز میں بولا تھا۔

''تحریم پلیز تم رونا بند کرو...... اس دن جو کچھ بھی ہوا سب انجانے میں ہوا۔ آئی سوئیر میں نے کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کیا تھا...... امی کی اچانک خراب ہوجانے والی طبیعت نے مجھے اس قدر ڈپریس کردیا کہ میں نے تمہیں اتنا کچھ سنا دیا...... اچھا دیکھو، تم رونا بند کرو...... میں اس دن کے اپنے تمام الفاظ واپس لیتا ہوں...... آئی ایم سوری۔'' آخر میں اس نے اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ لی تھی مگر پھر بھی اس کا رونا بند نہیں ہوا تھا۔

''پلیز تحریم...... میں سوری کر تو رہا ہوں......'' اس کے آنسو اسے تکلیف پہنچا رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح اس کا رونا بند کردے۔

''پلیز......'' بڑی نرمی سے اس نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی البتہ آنسوؤں کی

روانی میں پہلے کی نسبت اب کمی واقع ہوگئی تھی۔

"اچھا بتاؤ...... کیسے معافی ملے گی؟" اس نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

تحریم نے اس بار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولا۔

"ہاں بتاؤ......"

"دو شرطوں پر معافی ملے گی......" اپنی چپ کو توڑتے ہوئے سوں، سوں کرتے ہوئے اس نے ناز سے بھرے انداز میں کہا تھا۔

"دو......؟ لوگ ایک شرط رکھتے ہیں، تم نے ڈائریکٹ دو رکھ دیں؟"

"نہیں قبول تو واپس چلے جائیں......" وہ فوراً ہی ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"ارے نہیں، نہیں تمہاری ہر شرط قبول ہے، تم کہو تو سہی......" وہ اس کے کہنے کا منتظر تھا جب اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"وعدہ کریں آئندہ کبھی مجھ سے اس دن جیسے انداز میں بات نہیں کریں گے...... اور نہ ہی کبھی مجھے ڈانٹیں گے۔" اپنی پہلی شرط بتا کر اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اوکے...... پکا وعدہ آئندہ کبھی نہیں ڈانٹوں گا...... تم اپنی دوسری شرط بتاؤ......" اس نے فوراً ہی اس کی شرط قبول کرلی...... جس سے مطمئن ہو کر وہ دوسری شرط بتانے لگی۔

"دوسری شرط یہ ہے کہ...... ہنی مون ٹرپ کے لیے مجھے شمالی علاقہ جات لے کر جائیں گے۔"

اس کی دوسری شرط سامنے آئی تو ذیشان ایک دم ہی سوچ میں پڑ گیا...... تحریم کے ہمراہ ہنی مون پر وہ خود بھی جانا چاہتا تھا مگر صرف ماں کی وجہ سے اب تک وہ اپنے پروگرام کو ملتوی کرتا رہا تھا۔ مگر اب تحریم کی شرط کی صورت یہ یہ بات سامنے آئی تو ناہید ہی کے خیال سے اسے فوری طور پر ہاں کرنے میں دقت محسوس ہوئی...... اس کی چپ کو محسوس کر کے تحریم نے کہا۔

"کیا ہوا......؟ کیا بہت مشکل شرط رکھ دی؟"

"نہیں...... مشکل تو نہیں ہے۔"

"تو پھر......؟" اس نے فوراً ہی اگلا سوال کر دیا تھا۔ جس کے جوب میں اس نے کہا۔

"ہنی مون کے لیے تو میں نے بھی سوچا تھا...... تحریم مگر پھر امی کے اکیلے ہونے کا سوچ کر میں نے ہر بار اپنا ارادہ ملتوی کر دیا......" اس نے اپنی مشکل بیان کی جسے سن کر وہ پھر سے ناراض ہوتی بولی۔

"مجھے کچھ نہیں پتا...... ہم ہنی مون پر جا رہے ہیں اور بس...... رہیں آنٹی تو ان کے لیے آپ پروین کو کہیے گا وہ ایک ہفتہ کے لیے رات دن آنٹی کے ساتھ رہ جائے گی...... اتنے دن کے لیے آپ اسے ڈبل تنخواہ دے دیجیے گا...... وہ راضی ہو جائے گی۔" اس نے چٹکیوں میں جیسے سارے مسئلے کو حل کر دیا تھا۔

"اور اگر امی نہ مانیں تو......؟" اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ان کو منانا آپ کی ذمے داری ہے......" اس نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔

ذیشان نے کچھ دیر سوچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر کسی فیصلے پر پہنچ کر گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے، میں امی سے بات کرلوں گا۔"

"یہ ہوئی ناں بات......" تحریم فوراً مسکرا کر بولی تھی ۔ اسے مسکراتے دیکھ کر ذیشان نے سکون کی سانس لی۔

"مسکراتی ہوئی اتنی اچھی لگتی ہو خواہ مخواہ میں رو کر اپنا خون جلایا......" وہ اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو آپ کی وجہ سے خون جلا میرا...... ورنہ میں کب کسی کو گنتی میں لیتی ہوں۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا تو اس کے انداز پر ذیشان ایک دم ہی قہقہہ لگا کر ہنس دیا تو خود تحریم بھی مسکرا دی۔

ان کی مشترکہ ہنسی اس بات کی گواہ تھی کہ ناراضی

کے بادل چھٹ چکے تھے اور صلح کا جھنڈا پھر سے ہوا میں لہرا رہا تھا۔

☆☆☆

بیوی کو خوش کرنے کی خاطر اس نے ماں سے بات کرنے کی ہامی بھر تو لی تھی مگر اب وہ مسلسل سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ کس طرح ماں سے بات کرے...... اسی سوچ میں اس نے پورا ایک دن گزار دیا تھا جب تحریم نے اسے اس سے بات کرنے کے لیے پھر سے اکسایا تو وہ آخر کار ماں کے سامنے جا پہنچا۔

''امی مجھے آپ سے پہلے ایک بات کرنی ہے؟''

وہ جو سونے کی تیاری کر رہی تھی اسے سامنے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

''ہاں کہو بیٹا......''

''امی ہم...... میرا مطلب ہے میں اور تحریم ہنی مون ٹرپ پر جانا چاہتے ہیں۔'' اس نے رک، رک کر اپنی بات مکمل کر دی تھی۔

''ویسے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے...... مگر تم لوگوں کے جانے کے بعد میں اکیلی ہو جاؤں گی۔ ذیشان ...... بیماری کی حالت میں، میں اکیلی نہیں رہ سکتی ہوں۔'' اس کا لہجہ خاصا سنجیدہ تھا۔

''اسی خیال سے میں اپنے ارادے کو ملتوی کرتا رہا ہوں امی...... مگر اب پروین ہوگی ناں، میں اسے کہوں گا وہ کچھ دن فل ٹائم یہاں آپ کے پاس گزارے...... اس کے علاوہ میں چچا لوگوں سے بھی کہوں گا۔ وہ آپ کی خبر لینے آتے رہیں گے۔''

''ذیشان کسی دوسرے کی موجودگی مجھے وہ سکون نہیں دے سکتی جو تمہاری موجودگی مجھے سکون دیتی ہے۔ تم میرے بیٹے ہو، بیوی کے ساتھ میرا بھی خیال رکھو۔'' اس کے انداز میں ناراضی جھلکی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی...... میں نے ہمیشہ آپ کا خیال رکھا ہے، اس کے باوجود بھی آپ ایسی بات کر رہی ہیں؟ صرف چند دن کی تو بات ہے، اس کے باوجود بھی آپ اجازت نہیں دے رہی ہیں...... مجھے سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں...... آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو تحریم کا منہ بن جاتا ہے۔ تحریم کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو آپ ناراض ہو جاتی ہیں...... آپ لوگوں کے درمیان تو میں چکرا کر رہ گیا ہوں امی...... نہ آپ سمجھوتا کرنے کے لیے تیار ہیں نہ وہ...... مجھے بتائیں میں کیا کروں......؟'' اس کے لہجے میں تیزی در آئی تھی۔

''جب سے میری شادی ہوئی ہے آپ ناخوش ہی دکھائی دیتی ہیں امی...... ایسا کیوں ہے...... اپنے سبھی اعتراض ختم کر دیں امی میری خاطر......'' اس کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے ناہید ٹکر، ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی کہ بیٹے کی نظر میں وہ قصور وار تھی، وہ ان کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ تھی...... عجب طرح کا دکھ اس کے اندر سرایت کرنے لگا تھا...... اس کی خاموشی محسوس کر کے ذیشان پھر سے بولا تھا۔

''خیر...... ان باتوں نے تو ہمیشہ شاید یوں ہی رہنا ہے...... میں صرف آپ کو یہ بتا رہا ہوں پرسوں ہم ہنی مون کے لیے نکل جائیں گے۔''

شاید نہیں یقیناً وہ اس سے اجازت طلب نہیں کر رہا تھا وہ اسے اپنا فیصلہ سنا رہا تھا...... اور اب سے اسے فیصلہ ہی سنانا تھا اور اسے فیصلہ سننا تھا، وہ بھی چپ چاپ کیونکہ ایک غلط فیصلہ جو وہ کر چکی تھی اس کا خمیازہ اسے ساری زندگی بھگتنا تھا۔ ذیشان اپنی بات مکمل کر کے کب کا جا چکا تھا...... مگر وہ ساکت سی بیٹھی اپنے ارد گرد اڑتی خواہشوں کی ان بے رنگ تتلیوں کو دیکھے جا رہی تھی جن کو کبھی اپنی خواہشوں کے ڈھیروں خوب صورت رنگ دے کر اس نے اڑایا تھا...... جو اپنی اڑان آج بھی بھر رہی تھیں مگر بغیر کسی سمت کے...... کیونکہ خواہشوں کے حسین رنگ اپنے بھی رنگوں کو کھو کر بے رنگ ہو چکے تھے۔



پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں

دلنواز و بے مثال ہم سفر ماہ پارہ صفدر اور صفدر ہمدانی



ہم بے حد ممنون ہیں ماہ پارہ آپا اور صفدر ہمدانی صاحب کے کہ آپ نے بے حد مصروفیت کے باوجود "پاکیزہ کے مہمان" کے لیے وقت نکالا اور پاکیزہ کو شرفِ میزبانی بخشا۔

ماہ پارہ صفدر اور صفدر ہمدانی میں کئی باتیں مشترک ہیں دونوں ہی درویشانہ صفت کے حامل سراپا محبت ہیں۔ علمی و ادبی ماحول میں پروان چڑھے۔ خداداد صلاحیت کے ساتھ، ساتھ شاعری دونوں کو

وراثت میں ملی اور یہی باہمی ذوق شوق دونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لے آیا۔ پہلے دوستی اور پھر محبت یوں ۱۹۷۴ء میں شروع ہونے والا یہ سفر ۱۹۷۵ء میں منگنی اور اگست ۱۹۷۹ء میں شادی کی صورت منزل تک رسائی حاصل کر گیا...... الحمدللہ اور دونوں کے دل میں موجزن باہمی بے لوث اور باعزت محبت نے ۳۷ سالہ ازدواجی زندگی کی رفاقت کا یہ سفر نہایت کامیابی سے طے کیا۔ اور انشاء اللہ محبت کا یہ سدابہار توانا جذبہ آپ کی زندگی کا ہر پل یونہی شاداب رکھے گا آمین۔

باضابطہ ملاقات سے قبل دونوں کا اجمالی تعارف نذرِ قارئین ہے۔ چونکہ خواتین کو تعظیماً اوّلیت دینے کی روایت ہے سو ہم بھی اس خوشگوار روایت پر عمل کرتے ہوئے بات چیت کا آغاز ماہ پارہ آپا سے کرتے ہیں۔

ماہ پارہ زیدی نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگریزی ادب کی سند حاصل کرنے کے بعد اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا۔ آپ پاکستان ٹیلیویژن اور ریڈیو پاکستان کی باوقار، مہذب اور زبان و بیان پر دسترس رکھنے والی مقبول نیوز کاسٹر تھیں۔ ۱۹۹۰ء کے اوائل میں بی بی سی کی اردو سروس کے لیے آپ کا انتخاب کیا گیا یہاں بھی ماہ پارہ نے نہایت محنت، لگن اور تن دہی سے اپنا مقام بنایا۔ اسی دوران آپ نے لندن یونیورسٹی سے وومن اسٹڈیز اینڈ ایجوکیشن میں ماسٹرز کیا۔ آپ کی ریڈیو اور ٹی وی کی یادداشتوں پر مشتمل بی بی سی کی آن لائن سیریز کو خوب پزیرائی ملی۔

ان یادداشتوں کے مطالعے سے ماہ پارہ کا ایک اور ہنر بھی سامنے آیا کہ آپ بہت عمدہ طنز و مزاح نگار بھی ہیں کہ ان مضامین میں طنز کی کسک ہے تو مزاح کی چاشنی بھی۔ کالم نگاری کے ساتھ، ساتھ عالمی اخبار کے لیے آپ کے خبری تجزیے بھی شائع ہو کر پسندیدگی کی سند حاصل کر رہے ہیں۔

صفدر ہمدانی صاحب جامعہ پنجاب سے صحافت میں ایم اے کر کے ۱۹۷۳ء میں بطور پروڈیوسر ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوئے۔ آپ کے والد جناب مصطفیٰ علی ہمدانی ماہرِ نشریات و لسانیات تھے اور آپ نے اپنے والد کے اس ورثے کو بڑے ہنر سے تحفظ دیا۔ صفدر ہمدانی صاحب کی فقیرانہ شان بھی جناب مصطفیٰ علی ہمدانی صاحب کی وراثت ہے۔ ۲۰۰۰ء میں صفدر ہمدانی صاحب ریڈیو پاکستان سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر بی بی سی کی اردو سروس سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف بالخصوص مرثیہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ پہلا شعر تیرہ برس کی عمر میں کہا اور ۲۴ برس کی عمر میں پہلا شعری مجموعہ شائع ہوا۔ ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۲ء تک ریڈیو جاپان سے منسلک رہے اس دوران آپ نے جاپان کی وزارتِ خارجہ کے زیرِ تربیت سفارت کاروں کو اردو سکھانے کی ذمے داری خوش اسلوبی سے نبھائی۔ آپ آج کل لندن سے شائع ہونے والے عالمی اخبار کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ خواتین کو تعظیماً اولیت دینے کی روایت ہے سو ہم بھی گفتگو کا آغاز ماہ پارہ آپا سے کرتے ہیں۔

خوش نوا اور خوش خصال ممتاز نیوز کاسٹر، کالم نگار اور شاعرہ ماہ پارہ صفدر

پاکیزہ ✧...... پہلی مرتبہ صفدر ہمدانی صاحب کو کب اور کہاں دیکھا تھا؟ اور پہلا تاثر کیا تھا؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... لاہور ریڈیو اسٹیشن پر۔ بس عام سے لیکن خوب صورت سے انسان لگے۔

پاکیزہ ✧...... کیا بات دوستی کا سبب بنی؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... یونیورسٹی پروگرام میں ایک غزل کی اصلاح۔

پاکیزہ ✧...... کب احساس ہوا کہ دوستی قلبی تعلق میں ڈھلتی جا رہی ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... جس روز خود انہوں نے اس طرف دھیان دلوایا۔ کبھی اس موضوع پر کوئی شعر سنا دیتے تھے کہ میں سمجھ لوں۔

پاکیزہ ✧...... اس تعلق کو شرعی بندھن میں باندھنے کا خیال کب آیا؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ابتدا صفدر نے کی تھی اور بہت سنجیدگی سے۔ان کے اظہار پر خیال آیا۔

پاکیزہ ✧...... جب صفدر صاحب نے دلی مدعا بیان کیا تو آپ کا فوری تاثر اور جواب کیا تھا؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... میں نے سمجھا عام لڑکوں کی طرح عمومی اظہارِ محبت ہے۔

پاکیزہ ✧...... اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... میری والدہ میری دوست بھی تھیں اس لیے براہِ راست ان کو بتایا۔

پاکیزہ ✧......شادی میں کس کی طرف زیادہ ہلا گُلا ہوا تھا؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... ہماری جانب سے۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سب سے خوشگوار اور سب سے ناگوار رسم کون سی تھی؟

ماہ پارہ صفدر ❖......خوشگوار تو مہندی تھی اور ناگوار مایوں کی قید۔

پاکیزہ ✧......سسرال کا سب سے بہترین رشتہ کون سا ہے۔تجربے کی روشنی میں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ساس اور سسر۔

پاکیزہ ✧......آپ دونوں میں سے کون زیادہ رومینٹک ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......صفدر۔

پاکیزہ ✧...... کیا آپ پہلی نظر کی محبت کی قائل ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......جی نہیں۔ پہلی نظر میں تو دکان سے کوئی چیز نہیں خریدتی، کہاں محبت!

پاکیزہ ✧......محبت کا سب سے خوب صورت رنگ آپ کی نظر میں کون سا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......محبت تو خود کتنے ہی رنگوں کا ایک خوب صورت رنگ ہے۔

پاکیزہ ✧......کیا محبت اظہار سے نمو پاتی ہے؟ آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......جی محبت کی نمو کے لیے اظہار تو کھاد ہے۔

پاکیزہ ✧...... ایک قول ہے'' محبت اور جنگ میں سب جائز ہے'' جبکہ دوسرا قول ہے'' محبت اور جنگ میں جو ہو جائز ہو'' آپ کا نظریہ کیا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......میرا خیال ہے کہ محبت میں صرف محبت ہی جائز ہے باقی وقتی اور فروعی باتیں ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آج کے دور میں موبائل اور انٹرنیٹ پر پنپنے والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گی؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... ننانوے فیصد۔ یہ جا وہ جا۔

پاکیزہ ✧...... کیا تجدیدِ محبت کے لیے سال میں ایک دن (ویلنٹائن ڈے) کافی ہے؟ اور کیوں؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... سچ کہوں اگر محبت واقعی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہے تو کسی تجدید کی ضرورت نہیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ کے خیال میں محبت کی معراج کیا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......

مریضِ محبت کو کہتے سنا ہے
محبت کی معراج بھی ہے محبت

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد آپ کے ہم سفر نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے آپ سے کروایا تھا؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... کام تو صفدر مجھے آج بھی نہیں کہتے کرنے کو عام مردوں کی طرح۔

پاکیزہ ✧......صفدر صاحب جو کھانے کو ملے کھا لیتے ہیں؟ یا اپنی پسند کے مطابق کھانا، کھانا پسند کرتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......اس قدر سادہ ہیں اس معاملے میں کہ الاماں۔

پاکیزہ ✧...... شدید بھوک کے عالم میں ان کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......صبر شکر بلکہ سچ کہوں بھوک لگتی ہی نہیں۔

پاکیزہ ✧......گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ننانوے فیصد ہاتھ بٹاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......خریداری کے سفر میں آپ کے ہم سفر کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ایک سو فیصد۔

پاکیزہ ✧......آپ کے ہم سفر کا سب سے مہنگا اور سب سے سستا شوق کون سا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......

اس مناسبت سے صفدر کا کوئی شوق ہے ہی نہیں۔ وہ بہت قناعت پسند اور جزرس (کفایت شعار) انسان ہیں۔

پاکیزہ ✧......تفریح کے لیے سینما، تھیٹر کا انتخاب کرنا پڑے تب آپ دونوں کا انتخاب کیا ہوگا؟

ماہ پارہ صفدر ❖......صفدر تھیٹر بہت شاذ دیکھتے ہیں، ہاں میری خواہش پر سینما کبھی چلے جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ دونوں کے مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......اب اس کو فیصد میں کیسے بتایا جائے۔ پچاس فیصد سے زیادہ تو ضرور ہے۔ میں دوستوں اور اعزا میں ملنا بہت پسند کرتی ہوں صفدر نہیں۔

پاکیزہ ✧......محض ہم سفر ہونے کے ناتے دونوں ایک دوسرے کے ناپسندیدہ





دائیں سے ماہ پارہ، بیٹی ارم، صفدر ہمدانی، بیٹا

مشاغل میں شریک ہوتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......جی نہیں، ایسا قطعی نہیں۔

پاکیزہ ✧ ......آپ دونوں کا ایک دوسرے کی سالگرہ کے لیے خاص اہتمام کیا ہوتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......اب تو بچے ہماری سالگرہ مناتے ہیں اللہ ان کو زندگی دے۔ ہم ایک دوسرے کو کارڈ اور پھول دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......شادی کی پہلی اور اب تک کی منائی جانے والی آخری سالگرہ پر شریکِ حیات کے رویے میں کیا فرق محسوس کیا؟ اس میں کس کا کردار زیادہ اہم ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......قطعی کوئی فرق نہیں اور یہی صفدر کا کمال ہے۔ شادی چونکہ دو لوگوں کا کام ہے اس لیے ہر کردار میں شریک بھی دونوں ہی ہوتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......شادی سے پہلے مستقبل کے حوالے سے دونوں جانب سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا ہوئے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......یقین جانیں ہم نے ایک دوسرے سے کوئی ایسا وعدہ کیا ہی نہیں۔ ساتھ نبھانے کا وعدہ تھا، ہے اور رہے گا۔ (انشاء اللہ)

پاکیزہ ✧ ......گھریلو معاملات میں آپ کے ہم سفر کس حد تک مداخلت کرتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......معاملات کی نوعیت پر منحصر ہے۔ شاید اسے مداخلت نہ کہوں اپنی رائے کا اظہار کہوں۔

پاکیزہ ✧ ......گھر کا وزیرِ خزانہ کون ہے؟ اطمینانہ پر گھریلو بجٹ کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......ہم دونوں ہی خرچ کرتے ہیں۔ جسے جہاں جو خرچ کرنا ہے۔ لیکن زیادہ تر میں خرچ کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧ ......گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......دونوں کے بلکہ بہت سے معاملات میں بچوں کا فیصلہ بھی۔

پاکیزہ ✧ ......کبھی دونوں نے ایک دوسرے پر اپنی پسند ناپسند مسلط کرنے کی کوشش کی؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......پھر وہی نوعیت والی بات ہے۔ مسلط کرنے میں اور مشورے میں فرق ہے۔ شاید مسلط کبھی نہیں کی۔

پاکیزہ ✧ ......مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ کے ہم سفر اس حوالے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......بیوی سے ویسے کوئی شوہر نہیں ڈرتا یہ فقط مفروضہ ہے اور مردوں نے اپنی حفاظت کے لیے بنایا ہوا ہے۔

پاکیزہ ✧ ......آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے...... اپنے ہم سفر کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......جی نہیں، عورت کا ہتھیار اشک نہیں مسکراہٹ ہے۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟ اور اختلاف دور کیسے کیا جاتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......جس میاں بیوی کے درمیان اختلاف نہ ہو سمجھ لیں وہ آپس میں بات چیت بھی نہیں کرتے۔ اختلاف، لڑائی اور ناچاقی میں فرق ہے۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کے ہم سفر کے مزاج میں غصہ و تیزی زیادہ ہے یا برداشت اور نرمی؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......پہلے تو غصہ بہت تھا اب عمر گزرنے کے ساتھ غصے کا کوٹا کم ہوا ہے۔ احساسات و جذبات کے نرم انسان ہیں اور برداشت بھی ہے۔

پاکیزہ ✧ ......درگزر سے کام لیتے ہیں یا ”سبق تو سکھانا ہی پڑے گا“ پر عمل کرتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......معاملے کی نوعیت پر منحصر ہے۔ سبق اپنے انداز میں ضرور سکھاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......کون زیادہ صاف گو ہے؟ اس صاف گوئی کے اثرات نجی زندگی پر کیسے مرتب ہوتے

ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......صفدر حد سے زیادہ صاف گو ہیں اور اس کاذب دور میں اس خوبی کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں آپ جانتی ہی ہوں گی۔

پاکیزہ ✧......ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا پل یا دور آیا جب آپ کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا؟ تب آپ نے کیا حکمتِ عملی اختیار کی؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ازدواجی زندگی کسی نہ کسی رخ سے مسلسل ہے ہی آزمائش کا نام۔ کبھی چھوٹی کبھی بڑی۔ حکمتِ عملی بھی آزمائش کے مطابق ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......سو فیصد دونوں کی۔

پاکیزہ ✧......میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......قائم ہونا ہو تو پہلے دن ہو جائے نہ ہو تو مرتے دم تک نہیں۔

پاکیزہ ✧......کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ذہنی ہم آہنگی ضروری ہے یا دلی قربت؟

ماہ پارہ صفدر ❖......دونوں کی آمیزش۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سا پل تھا جب اپنے انتخاب پر آپ کو فخر محسوس ہوا؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ایسے بہت سے پل ہیں اور ایسا ہر پل خوب صورت ہے۔

پاکیزہ ✧......عہدِ حاضر کی سب سے بڑی اچھائی اور سب سے بڑی برائی کون سی ہے؟ آپ کے ہم سفر میں کتنے فیصد ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......سب سے بڑی اچھائی بھی صفدر کی برائی ہے۔ سچ بولتے ہیں سچ کی طرح، منافق ہر گز نہیں، تعلقات کے معاملے میں سخت کھرے۔ دنیا دار تو دس فیصد بھی نہیں۔

پاکیزہ ✧......مردوں کی سب سے اچھی اور بری عادت کون سی ہوتی ہے؟ آپ کے ہم سفر ان میں مبتلا ہیں، کس حد تک؟

ماہ پارہ صفدر ❖......یقین کریں صفدر میں اچھی عادات زیادہ ہیں لیکن وہ اپنی سچی طبیعت کی وجہ سے خود کو لوگوں کی نظروں میں برا بنا لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے ہم سفر کی کون سی بات آپ کو بہت خوشی دیتی ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......بہت ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور محبت میں بھی سچ کے قائل۔ اب فیصلہ آپ خود کر لیں۔

پاکیزہ ✧......مایوس جلدی ہو جاتے ہیں یا آس کے دیے روشن رکھتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......عمومی طور پر مایوس جلد ہوتے ہیں اور اس کی ایک وجہ شاعر ہونا بھی ہے۔

پاکیزہ ✧......بھول جانے میں کسے کمال حاصل ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......کس کو بھول جانے میں؟

پاکیزہ ✧......طبعاً کون زیادہ بذلہ سنج اور شرارتی ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖......صفدر۔

پاکیزہ ✧......تدبیر، تقدیر بدل دیتی ہے۔ دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ آپ کا یقین کس پر ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖...... دعا ایک سپلیمنٹ ہے اور اصل چیز تدبیر ہے۔ تدبیر کے بغیر دعا بے معنی ہے۔

پاکیزہ ✧......موسیقی کیسی پسند ہے؟ آپ کون سا گیت اکثر گنگناتی ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......غزل پسند ہے زیادہ تر۔ ایسی غزلیں بہت سی ہیں جو پسند ہیں۔

پاکیزہ ✧......دونوں ہی معروف بھی ہیں اور مصروف بھی ایک دوسرے کو کتنا وقت دیتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖......ان دنوں تو سو فیصد۔ لیکن گزشتہ برسوں میں نوکری سے جو وقت بچتا تھا وہ ایک

دوسرے کے لیے تھا۔

پاکیزہ ✧ ......ایک دوسرے کے پیشہ ورانہ معاملات میں کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......بے انتہا۔

پاکیزہ ✧ ......یہ دلچسپی محض تعریف و تنقید اور مشورہ دینے تک محدود ہے یا بے جا مداخلت بھی اس میں شامل ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......بے جا مداخلت نہیں۔ تعریف بھی ہے تنقید بھی مشورہ اور رائے بھی۔

پاکیزہ ✧ ......آپ دونوں ایک دوسرے کے کام پر جانبداری سے رائے دیتے ہیں؟ غیر جانبداری سے یا خاموشی اختیار کرتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......صفدر رائے دینے میں تلوار کی طرح ہیں اور میں بھی کوئی مصلحت سے کام نہیں لیتی۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کے ہم سفر آپ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......بہت فراخدلی اور ایمانداری سے۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کے ہم سفر کا وہ خاندانی ورثہ جو آپ کے لیے لائقِ فخر ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......مطالعہ اور علم۔

پاکیزہ ✧ ......بحیثیت باپ آپ کے ہم سفر کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......نوے فیصد سے زیادہ خوبیاں ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......اولاد کی اولاد دونوں میں کس سے زیادہ نزدیک ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......دونوں کے۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کی متاعِ عزیز؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......میری محبت...... وہ کسی بھی رنگ میں کسی بھی صورت میں ہو۔ میرا ایک شعر ہے۔

ساتھ ہے اس کا سُر کی دنیا ساتھی ہے آواز
ہم نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھی ہے آواز

پاکیزہ ✧ ......آپ کے عہد کے اور موجودہ صداکاروں کے فنی اور تہذیبی رویے میں کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......فرق محسوس ہونا تو کجا دل دُکھتا ہے۔ زمانہ ہی نہیں بدلا انسان خود بدل گیا ہے تو صداکار کیسے متاثر نہ ہوگا؟

پاکیزہ ✧ ......وطن سے دوری کس پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......مجھ پر۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، کھیل کون سے ہیں؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......ایک سوال میں آپ نے اکیس سوال کیے۔ میرا جواب سب کے لئے محبت اور چاہت ہے۔

پاکیزہ ✧ ......ایک فقرہ، مصرعہ یا شعر جو آپ کے ہم سفر کے باطن کو ظاہر کردے؟

ماہ پارہ صفدر ❖ ......خود صفدر کا ہی شعر ہے۔

سچ کی عادت نے کیا رُسوا مجھے
دو قدم چلتے نہیں ہیں دوست بھی

پاکیزہ ✧ ......اپنے شریکِ حیات کے لیے کون سا پیغام دیں گی؟

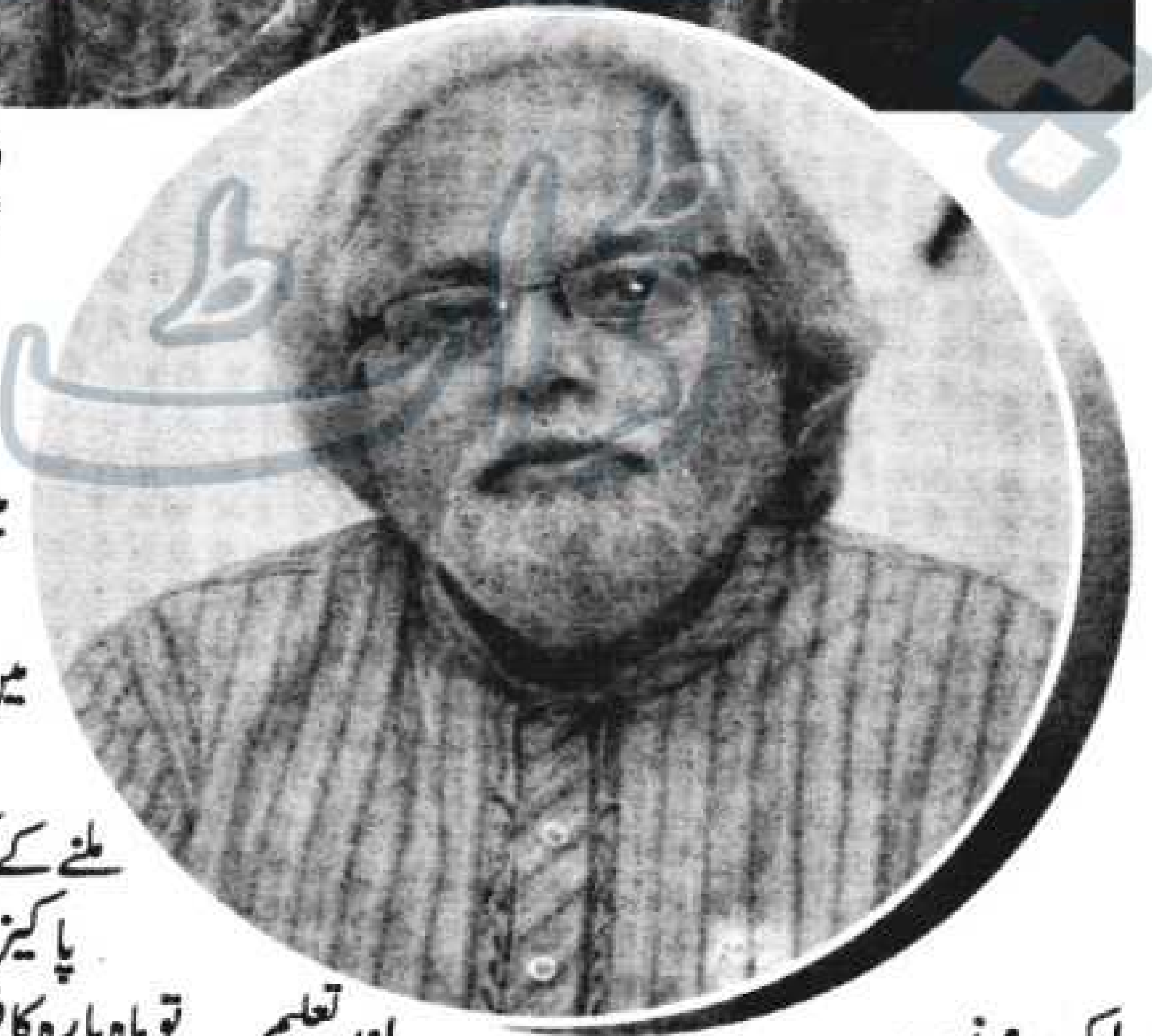
ماہ پارہ صفدر ❖ ......صفدر جی تھوڑی سی دنیا داری بھی سیکھ لو یار۔ یہ دنیا تو ایسی ہی تھی ایسی ہی ہے اور ایسی ہی رہے گی خود کو کیوں اس چکی کے دو پاٹ میں پیستے ہو۔

آواز و قلم کی دنیا کا
گوہر سنج ممتاز صداکار
شاعر اور صحافی صفدر ہمدانی

پاکیزہ ✧ ......پہلی مرتبہ ماہ پارہ کو کب اور کہاں دیکھا تھا؟ اور پہلا تاثر کیا تھا؟

صفدر ہمدانی ❖ ......لاہور ریڈیو پر ۱۹۷۴ء میں۔

دائیں سے داماد ندیم زیدی، ماہ پارہ زہرا بیٹی گود میں نواسہ حسنین محمد صفدر، بیٹا اس کے آگے نواسہ عباس رضا صفدر ہمدانی



صفدر ہمدانی ❖ ......۷۴ء کے وسط میں احساس ہوا اور ۷۵ء میں منگنی ہوگئی۔

پاکیزہ ✧ ......اس تعلق کو شرعی بندھن میں باندھنے کا خیال کب آیا؟

صفدر ہمدانی ❖ ......خیال تو شاید ان سے ملنے کے کچھ عرصے بعد ہی آگیا تھا۔

پاکیزہ ✧ ......جب آپ نے دلی مدعا بیان کیا تو ماہ پارہ کا فوری تاثر اور جواب کیا تھا؟

صفدر ہمدانی ❖ ......انہوں نے کچھ کہے بنا ایسے دیکھا جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ پاگل ہو گئے ہو کیا۔

پاکیزہ ✧ ...... اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

صفدر ہمدانی ❖ ......مراحل کب تھے۔ صرف ایک مرحلہ تھا۔ والد اور والدہ سے براہِ راست بات کی

ایک مہذب اور تعلیم یافتہ خاتون ہونے کا۔

پاکیزہ ✧ ......کیا بات دوستی کا سبب بنی؟

صفدر ہمدانی ❖ ......مزاج، تہذیب، اندازِ گفتگو، اردو دوستی اور شعر گوئی۔

پاکیزہ ✧ ......کب احساس ہوا کہ دوستی قلبی تعلق میں ڈھلتی جا رہی ہے؟

اور انہوں نے کہا کہ اچھا کہو کب رشتہ لے کر جانا ہے۔

پاکیزہ ✧......شادی میں کس کی طرف زیادہ ہلا گلا ہوا تھا؟

صفدر ہمدانی ❖......ماہ پارہ کے گھر والوں کی طرف سے۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سب سے خوشگوار اور سب سے ناگوار رسم کون سی تھی؟

صفدر ہمدانی ❖......خوشگوار رسم رخصتی۔ اس لیے کہ جیسے احساسِ فتح ہو۔ سب سے ناگوار رسم مہمانوں کی زیادتی اور کھانوں کا زیاں۔

پاکیزہ ✧......شادی کی رسومات کے دوران پیش آنے والا کوئی یادگار واقعہ؟

صفدر ہمدانی ❖......میں جینز پر سفید کرتہ پہن کر گیا تھا جو اُن دنوں فیشن تھا۔ میرے سسر نے سمجھا کہ میں جینز پر شرٹ پہننا بھول گیا۔ انہوں نے میرے بھائی کو علیحدگی میں بلا کر کہا کہ صفدر شرٹ پہننا بھول گیا ہے۔

پاکیزہ ✧......سسرال کا سب سے بہترین رشتہ کون سا ہے تجربے کی روشنی میں؟

صفدر ہمدانی ❖......ساس، سسر اور سالیاں بتدریج۔

پاکیزہ ✧......دونوں میں سے کون زیادہ رومینٹک ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......من کہ مسمی صفدر راز ہمدان

پاکیزہ ✧......کیا آپ پہلی نظر کی محبت کے قائل ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖......قطعی نہیں۔

پاکیزہ ✧......محبت کا سب سے خوب صورت رنگ آپ کی نظر میں کون سا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......خود بیوی اور پھر اولاد۔

پاکیزہ ✧......کیا محبت اظہار سے نمو پاتی ہے؟ آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......بالکل، سو فیصد اظہار ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧......ایک قول ہے ''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے'' جبکہ دوسرا قول ہے ''محبت اور جنگ میں جو ہو جائز ہو'' آپ کا نظریہ کیا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......محبت میں جائز ناجائز کا کیا سوال۔ محبت تو فاتح عالم ہے۔

پاکیزہ ✧......آج کے دور میں موبائل اور انٹرنیٹ پر پہنپنے والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گی؟

صفدر ہمدانی ❖......

پل میں تم کو چاہا
پَل میں چھوڑ دیا

پاکیزہ ✧......کیا تجدیدِ محبت کے لیے سال میں ایک دن (ویلنٹائن ڈے) کافی ہے؟ اور کیوں؟

صفدر ہمدانی ❖......محبت تو شجرِ سایہ دار ہے جو روز بروز نمو پاتا ہے گویا اس کی تجدید روزانہ ہوتی ہے۔ ایک دن کا کیا سوال۔

پاکیزہ ✧......آپ کے خیال میں محبت کی معراج کیا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......محبت کا پالینا ہی محبت کی معراج ہے۔ شاید معراج دین اس سے متفق نہ ہو۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد آپ نے ماہ پارہ سے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

صفدر ہمدانی ❖......میری تو آج تک ہمت نہ ہو سکی ان سے کوئی کام کہنے کی۔ اس لیے کہ وہ میرے کہے بغیر ہی مطلوبہ کام کر چکی ہوتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کو جو کھانے کو ملے کھا لیتے ہیں؟ یا اپنی پسند کے مطابق کھانا کھانا پسند کرتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖......جو مل جائے صبر شکر کے ساتھ اور نہ بھی ملے تو بھی اللہ کا شکر۔

پاکیزہ ✧......شدید بھوک کے عالم میں آپ کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......بھوک لگے تو بتا سکوں گا ناں!

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

پاکیزہ ✧......گھر کے کاموں میں آپ ماہ پارہ کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......سرکار ایک ہاتھ نہیں دس ہاتھ بٹاتا ہوں اور کام تو وہ بڑھاتی ہیں جب کبھی کچن میں آجائیں تو۔

پاکیزہ ✧......تفریح کے لیے سینما، تھیٹر کا انتخاب کرنا پڑے تب آپ دونوں کا انتخاب کیا ہوگا؟

صفدر ہمدانی ✧......تھیٹر لگ بھگ نہیں دیکھتا لیکن ماہ پارہ اور بچوں کے کہنے پر کوئی اچھی فلم دیکھنے چلا جاتا ہوں۔

مصطفیٰ علی ہمدانی

اولیں ناشر اعلان قیام پاکستان

پاکیزہ ✧......خریداری کے سفر میں آپ اپنی ہم سفر کا کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......نوکری کی تے نخرہ کی......سو فیصد ساتھ۔

پاکیزہ ✧......آپ کی ہم سفر کا سب سے مہنگا اور سب سے سستا شوق کون سا ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......ماہ پارہ کو میڈیا اور فلم انڈسٹری کی ننانوے فیصد خواتین کی طرح نہ میک اپ کا شوق اور نہ زیور کا، تو اب سستے مہنگے کا کیا سوال۔

پاکیزہ ✧......دونوں کے مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......پچاس فیصد سے زیادہ ہی ہے۔

پاکیزہ ✧......محض ہم سفر ہونے کے ناتے دونوں ایک دوسرے کے ناپسندیدہ مشاغل میں شریک ہوتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......ہم سے ناپسندیدہ مشاغل کا کیا تعلق؟

پاکیزہ ✧......شاہ خرچی میں کون بے مثال ہے اور کفایت شعاری میں کون بے نظیر؟

صفدر ہمدانی ✧......شاہ خرچ کوئی بھی نہیں، ہاں میں شاید ضرورت سے زیادہ کفایت شعار ہوں۔

پاکیزہ ✧......آپ دونوں کا ایک دوسرے کی سالگرہ کے لیے خاص اہتمام کیا ہوتا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... گھر میں بہترین کھانا بنتا ہے یا پھر بچے ریستوران لے جاتے ہیں۔ بچے اور نواسے تحائف دیتے ہیں اور ہم ایک دوسرے کو کارڈ اور پھول۔

پاکیزہ ✧ ...... شادی کی پہلی اور اب تک منائی جانے والی آخری سالگرہ پر شریکِ حیات کے رویے میں کیا فرق محسوس کیا؟ اس میں کس کا کردار زیادہ اہم ہے؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... میرے خیال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پہلے بھی سادگی تھی اب بھی سادگی اور کردار تو ظاہر ہے دونوں کا اہم ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... شادی سے پہلے مستقبل کے حوالے سے دونوں جانب سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا ہوئے؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... نہ تارے توڑنے کا وعدہ ہوا نہ جان دینے کا۔ اس لیے زندگی محفوظ ہی محفوظ ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... گھریلو معاملات میں آپ کس حد تک مداخلت کرتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... مداخلت تو شاید نہیں کرتا ہاں اپنی رائے کھل کر دیتا ہوں۔

پاکیزہ ✧ ...... گھر کا وزیرِ خزانہ کون ہے؟ اہلِ خانہ پر گھریلو بجٹ کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... وزیرِ خزانہ تو پارو بیگم ہیں میں وزیرِ بے محکمہ ہوں۔ سچ کہوں ماہ پارہ بہت کمال کی منصوبہ بند ہیں۔ ہزار روپے میں بھی گزارہ کر سکتی ہیں اور دس لاکھ میں بھی۔

پاکیزہ ✧ ...... گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... دونوں کے...... بلکہ بعض اوقات بچوں کے فیصلے بھی۔

پاکیزہ ✧ ...... کبھی دونوں نے ایک دوسرے پر اپنی پسند ناپسند مسلط کرنے کی کوشش کی؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... مسلط نہیں کی، ہاں اظہار ضرور کیا ہے اور جہاں ضروری ہوا مشورہ بھی دیا۔

پاکیزہ ✧ ...... مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے اس حوالے سے آپ کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... شریف مرد کسے کہتے ہیں؟ وہ تو خود شریف نامی مرد بھی نہیں۔ ویسے مرد کے بیوی سے ڈرنے والی بات سارا ڈراما ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، ماہ پارہ اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... آنسو؟ سرکار ان کے پاس اس سے زیادہ کارآمد ہتھیار ہیں جن میں سے ایک مسکراہٹ ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟ اختلاف دور کیسے کیا جاتا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... تلفظ اور صحتِ لفظی سمیت اختلاف کے کئی موضوعات ہیں۔ اختلاف گفت وشنید سے ہی دور ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... ماہ پارہ کے مزاج میں غصہ و تیزی زیادہ ہے یا برداشت اور نرمی؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... برداشت اور نرمی۔ غصہ تو میرا تھا لیکن پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا۔

پاکیزہ ✧ ...... درگزر سے کام لیتی ہیں یا ''سبق تو سکھانا ہی پڑے گا'' پر عمل کرتی ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... بے حد درگزر سے کام لیتی ہیں۔ نوے فیصد سے زیادہ بدلے کی قائل نہیں۔ میں دوست سے نہیں ملتا وہ دشمن سے بھی ملتی ہیں۔

پاکیزہ ✧ ...... کون زیادہ صاف گو ہے؟ اس صاف گوئی کے اثرات نجی زندگی پر کیسے مرتب ہوتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖ ...... صاف گو تو میں ہی ہوں زیادہ کیونکہ میرے دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں۔ لیکن پارو مجھ سے زیادہ دنیادار اور دنیا شناس ہیں۔

پاکیزہ ✧......ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا پل یا دور آیا جب آپ کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا؟ تب آپ نے کیا حکمتِ عملی اختیار کی؟

صفدر ہمدانی ❖......میں تو نہیں لیکن پارو شاید میری وجہ سے آزمائش سے گزری ہوں۔

پاکیزہ ✧......گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......دونوں کی یکساں ذمّے داری ہے۔

پاکیزہ ✧......میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......یوں تو اس رشتے میں پائداری کا نسخہ ہی اعتبار ہے جو ہوگیا تو ہوگیا ورنہ میاں بیوی کے رشتے کی اوقات ہی کیا ہے ایک کاغذ کا ٹکڑا۔

پاکیزہ ✧......کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ذہنی ہم آہنگی ضروری ہے یا دلی قربت؟

صفدر ہمدانی ❖......دونوں کی متناسب آمیزش۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سا پل تھا جب اپنے انتخاب پر آپ کو فخر محسوس ہوا؟

صفدر ہمدانی ❖......ایسے جانے کتنے ہی لمحے ہیں اب تک کی ازدواجی زندگی میں۔

پاکیزہ ✧......عہدِ حاضر کی سب سے بڑی اچھائی اور سب سے بڑی برائی کون سی ہے؟ آپ کی ہم سفر میں کتنے فیصد ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......اس عہد کی سب سے بڑی اچھائی ہر عہد کی طرح سچ بولنا ہے جو عنقا ہے اور سب سے بڑی برائی منافقت ہے جو کامیابی کی کلید ہے۔ ماہ پارہ منافق ہرگز نہیں لیکن مُصلحت کوش ہیں جبکہ مجھے مُصلحت کے ہجّے بھی معلوم نہیں۔

پاکیزہ ✧......خواتین کی سب سے اچھی اور بری عادت کون سی ہوتی ہے؟ آپ کی ہم سفر ان میں مبتلا ہیں؟ کس حد تک؟

صفدر ہمدانی ❖......یہ بہت معروضی سا سوال ہے اور پھر بھلا کیا ضروری ہے کہ آپ کے ہر سوال کا جواب ضرور دیا جائے۔

پاکیزہ ✧......ماہ پارہ کی کون سی بات آپ کو بہت خوشی دیتی ہے اور کون سی پریشان کردیتی ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......ان کا بھولے سے کبھی میرے شعر کی تعریف کرنا۔ ہاں خاموشی بہت پریشان کرتی ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی ہم سفر مایوس جلدی ہو جاتی ہیں یا آس کے دیے روشن رکھتی ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖...... مایوسی نام کی چیز سے وہ واقف ہی نہیں۔ آہنی خاتون ہیں۔

پاکیزہ ✧......بھول جانے میں کسے کمال حاصل ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......تم بھلائے نہ گئے ہائے بھلائے نہ گئے۔

پاکیزہ ✧......طبعاً کون زیادہ بذلہ سنج اور شرارتی ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......میں اور صرف میں۔

پاکیزہ ✧......تدبیر تقدیر بدل دیتی ہے۔ دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ آپ کا یقین کس پر ہے؟

صفدر ہمدانی ❖......تدبیر تو تقدیر کی کلید ہے۔ دعا بھی اس وقت کارگر ہوگی جب بندہ خود کوئی تدبیر کرے گا۔

پاکیزہ ✧......موسیقی کیسی پسند ہے؟ آپ کون سا گیت اکثر گنگناتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖......مجھے سا کن جھیل والی موسیقی پسند ہے۔ صحرائی چولستانی گیت......

پاکیزہ ✧......دونوں ہی معروف بھی ہیں اور مصروف بھی، ایک دوسرے کو کتنا وقت دیتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ❖......دونوں کے پاس وقت ہی وقت ہے اب اور وہی ایک دوسرے کے لیے ہے، جو بچ جائے وہ بچوں اور نواسوں کے لیے۔

پاکیزہ ✧......ایک دوسرے کے پیشہ ورانہ معاملات میں کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......صرف معاملات ہی کیوں جناب ایک دوسرے میں بھی ابھی تک دلچسپی لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... یہ دلچسپی محض تعریف و تنقید اور مشورہ دینے تک محدود ہے یا بے جا مداخلت بھی اس میں شامل ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......عدم مداخلت اور عدم مداخلت تاہم تعریف کے ساتھ تنقید اور مشورے کا تڑکا بھی۔

پاکیزہ ✧...... آپ دونوں ایک دوسرے کے کام پر جانبداری سے رائے دیتے ہیں، غیر جانبداری سے یا خاموشی اختیار کرتے ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......غیر جانبداری سے۔جی چاہے جان چلی جائے۔

پاکیزہ ✧......مقابلتاً کون اپنے ہنر میں زیادہ طاق ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......دونوں اپنے، اپنے ہنر میں لاثانی۔

پاکیزہ ✧......ماہ پارہ آپ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتی ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......جی کرتی ہیں لیکن منہ پر اکثر نہیں دوسروں کے سامنے کرتی ہیں۔

پاکیزہ ✧...... ماہ پارہ کا وہ خاندانی ورثہ جو آپ کے لیے لائقِ فخر ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......تہذیب، زبان، احترام اور محبت۔

پاکیزہ ✧...... بحیثیت ماں آپ کی ہم سفر کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......خوبیاں ہی خوبیاں اور وہ بھی بے شمار اور سچ کہوں تو خامیاں دو فیصد بھی نہیں۔

پاکیزہ ✧......اولاد کی اولاد دونوں میں کس سے زیادہ نزدیک ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......دونوں کے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی متاعِ عزیز؟

صفدر ہمدانی ✧......جانِ عزیز، اس کے بچے اور پھر ان کے بچے۔

پاکیزہ ✧......آپ کے عہد کے اور موجودہ صداکاروں کے فنی اور تہذیبی رویّے میں کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

صفدر ہمدانی ✧......ایک مکمل دفتر چاہیے اس موضوع کے لیے اور پھر کیوں میری دُکھتی رگ کو مزید درد دینا چاہتی ہیں آپ؟

پاکیزہ ✧......وطن سے دوری کس پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے؟

صفدر ہمدانی ✧...... ماہ پارہ پر۔ میرا تو یہ بھی وطن ہے وطنِ ثانی۔

پاکیزہ ✧......آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، کھیل کون سے ہیں؟

صفدر ہمدانی ✧......یہ تو حلیم نما سوال ہے اور میں حلیم کے بجائے نہاری زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بلکہ یہ سوال مکمل آزاد نظم ہے ذرا پھر پڑھ کے دیکھیں۔

پاکیزہ ✧......ایک فقرہ، مصرعہ یا شعر جو آپ کے ہم سفر کے باطن کو ظاہر کر دے؟

صفدر ہمدانی ✧...... ماہ پارہ سراپا محبت ہیں۔

اس نے سمیٹا مجھ کو میرے بکھرے پن کو دور کیا
اس کی محبت مجھ کو صفدر چھاؤں جیسی لگتی ہے

پاکیزہ ✧......اپنی شریکِ حیات کے لیے کون سا پیغام دیں گے؟

صفدر ہمدانی ✧......

صفدر میرے نام سے اس کے نام کی ہو تکمیل
وہ نہ ہو تو صفدر بھی بس تنہا صفدر ہو
تجھ سے ہو آغاز کہانی تجھ پہ آخر ہو
جی چاہے وہ شعر لکھوں جو تیری خاطر ہو

دائیں سے حمیرا طارق، انجم انصار، ڈاکٹر فاطمہ، ذیشان رسول، نزہت اصغر، عذرا رسول، یاسمین رشید، شائستہ اعجاز اور ہما بیگ

قصہ ایک خوشگوار شام کا

نزہت اصغر



ذیشان اور فاطمہ کا پاکیزہ قارئین کے لیے ایک خصوصی پوز

عزیز قارئین! ادارہ پاکیزہ نے حسبِ روایت اپنی معزز مصنفات کے سنگ ایک خوب صورت نشست کا اہتمام کیا جس کی خاص بات پاکیزہ کی روحِ رواں محترمہ عذرا رسول کے فرزند ذیشان رسول اور ان کی بیگم فاطمہ ذیشان کی خوشگوار آمد تھی۔ اگر میں یہ کہوں کہ...... یہ خوب صورت شام عذرا صاحبہ کے بہو بیٹے کے نام تھی تو کچھ غلط نہیں ہوگا......

ذیشان رسول کی قابلیت اور مدبرانہ صلاحیتوں سے تو آپ واقف ہی ہیں، ان کی بیگم ڈاکٹر فاطمہ ذیشان بھی ایک نہایت قابل، متحرک، ذہین اور فعال ایڈیٹر بھی ہیں جو طب کے شعبے سے متعلق ایک میگزین سے وابستہ ہیں۔



دائیں سے آمنہ حماد، انجم انصار، ڈاکٹر فاطمہ ذیشان، ذیشان رسول، نزہت اصغر، عذرا رسول، سیما مناف اور صبیحہ شاہ

اگرچہ اس مرتبہ ان دونوں کا قیام فقط تین ہفتے کے لیے تھا۔ مگر اس دوران انہوں نے جہاں رشتے داریاں بہ احسن طریقے سے نبھائیں۔ وہیں ذیشان رسول نے دفتری امور بھی نمٹائے اور فاطمہ ذیشان نے اپنے میگزین کے پاکستان ایڈیشن کو بھی سپروائز کیا اور پھر رائٹرز اور قارئین کی فرمائش بھی پوری کی یعنی...... ہائی ٹی میں بھرپور شرکت کر کے جو مورخہ 20 دسمبر کو منعقد کی گئی تھی۔ تقریباً تمام مدعوئین سن سیٹ کلب ڈی ایچ اے کراچی میں وقت کی پابندی کے ساتھ موجود تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس مرتبہ رفعت سراج صاحبہ سب سے پہلے ہی موجود تھیں یعنی عذرا صاحبہ سے بھی پہلے اور ان کی اس پابندیِ وقت کو خوب سراہا گیا۔ بلکہ عذرا صاحبہ نے یہ تک کہا ”لو جی آج آپ میزبان ہوگئیں کہ ہمارا ابھی استقبال کر رہی ہیں، بہت اچھا لگا رفعت......!“ اور جناب اس بات کا افسوس رہا کہ رفعت کو ان کے مداحوں نے کچھ ایسے گھیرا اور ان پر ان کے ناول کے حوالے سے تعریفوں کے پھول برسائے کہ وہ گروپ فوٹو میں آنے سے رہ گئیں۔ واقعی رفعت کارواں ناول قارئین پاکیزہ سے بے انتہا پسندیدگی کی سند پا رہا ہے۔ ان کا اسلوب نگارش اور جذبات و مکالمہ نگاری کمال کی ہے اس کے لیے رفعت سراج کو ہماری طرف سے بھی ڈھیروں مبارک باد...... رضوانہ پرنس اور فرح بھی تصویروں میں نہ آسکیں چلیں آئندہ سہی، رائٹرز اپنی، اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کے لیے کیک وغیرہ اور پھولوں کے تحفے لائی ہوئی تھیں۔ ذیشان رسول سب کے ہی پیارے ہیں اور ان کی بیگم بھی ان کے ناتے سب کی پیاری ہیں۔ ویسے بھی فاطمہ بے حد نفیس، سادہ اور ملنسار طبیعت کی لڑکی ہے۔ ایم بی بی ایس کے بعد میڈیکل ایجوکیشن میں اسپشلائزیشن کر کے بھی ان کی ملنساری اور عاجزی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ گفتگو کرنے میں نہایت دھیما اور من موہنا سا انداز سب کو ہی پسند آتا ہے۔

عذرا رسول صاحبہ مشرقی روایات کے تحت چونکہ اپنی بہو کو ہر دم بنا سنورا اور دلہن بنا ہی دیکھنا چاہتی ہیں تو فاطمہ خصوصاً پاکستان میں اس بات کا بہت دھیان



رائٹر عقیلہ حق، ذیشان، فاطمہ و عذرا رسول کے ہمراہ

رکھتی ہے اور بھئی کیوں نہ بجے سنورے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں شادی کو...... ہماری دعا ہے فاطمہ اور ذیشان اپنے والدین کے سائے تلے سدا بجے بنے خوش آباد رہیں، آمین۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی ہائی ٹی کی کہ جس میں اپنی پاکیزہ میں تحریروں کا جادو جگاتی رائٹرز اپنی ظاہری شخصیت کا بھی جادو جگا رہی تھیں...... خوب صورت ملبوسات، دلکش جیولری اور دیدہ زیب بیگز اور کلچر سنبھالے مصنفات اپنے افسانوں کی ہیروئنوں سے کسی صورت کم نہیں لگ رہی تھیں اور کیوں نہ لگتیں آخر یہی تو ایک سے بڑھ کر ایک مناظر اور کردار نگاری میں رنگ بھرا کرتی ہیں۔ خوب صورت پُرلطف گفتگو سے مزین اس محفل کو فاطمہ ذیشان نے بہت انجوائے کیا۔ تمام رائٹرز سے مل کر انہیں دلی مسرت ہوئی اور رائٹرز اور دیگر مہمانوں نے بھی اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا۔ مہمانوں میں فاطمہ اور ذیشان تو تھے ہی خوش، محترمہ عذرا رسول بھی بڑے خلوص و محبت بھرے الفاظ نذرِ مصنفات کر رہی تھیں۔ مدیرہ انجم انصار، آمنہ حماد اور ہم چونکہ میزبانوں میں سے تھے



ذیشان رسول، فاطمہ ذیشان، عذرا رسول، شاعرہ اور مصنفہ ناہید فاطمہ حسنین

(دائیں سے) بینا عباس اور بنین عباس اپنے پیارے بھائی، بھائی کے ہمراہ

اس لیے فرداً فرداً سب کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ شرکا میں رفعت سراج، عطیہ عمر، رضوانہ پرنس، صبیحہ شاہ، عقیلہ حق، اختر شجاعت، ناہید فاطمہ حسنین، ڈاکٹر ممتاز ضیا ان کی بہن اور پیاری بھانجی، رضوانہ منظر، بنین عباس، حمیرا طارق، سیدہ باقر، بینا عباس، یاسمین رشید اور شائستہ اعجاز شامل تھیں۔ رضوانہ پرنس کی پیاری دوست اور ڈراما رائٹر فرح جو کہ بی بی سی سے تعلق رکھتی ہیں بھی ان کے ساتھ آئی تھیں۔

ہماری پیاری عظمیٰ آفاق کی کمی محسوس ہوئی وہ کسی مصروفیت کے باعث نہ آسکیں۔ ان کے علاوہ افسر سلطانہ، سیما رضا ردا نے بھی عین وقت پر معذرت کر دی۔ غزالہ رشید سے کوشش کے باوجود مستقیماً رابطہ نہ ہو سکا تھا۔ اور صائمہ اکرم، عتیقہ محمد بیگ، رخ چوہدری، ناہید چوہدری، کلثوم عباس، اپنی دیگر مصروفیات کے باعث نہ آپائیں جبکہ آنے کی ہامی تو یقیناً بھری تھی خیر ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی اور تسنیم ماپارا کی بیٹی بچی کی پیدائش کے... سوا مہینے بعد ماں کے ہاں آئی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے پہلے ہی معذرت کر لی تھی۔ (معذرت قبول ہے نانی جان)

بہر حال تھوڑے وقت میں بہت عمدہ تقریب کے انعقاد پر عذرا رسول مبارک باد کی مستحق ہیں کہ وہ پاکیزہ مصنفات اور قارئین کو ایک جگہ مل بیٹھنے کے مواقع فراہم کرتی رہتی ہیں۔ اور جناب قارئین آپ کو ہائی ٹی کے مینیو کی تفصیل بتاتے ہیں کہ جسے عذرا رسول اپنی رائٹرز اور دوستوں کی فرمائش پر مرتب کرواتی ہیں جس میں خوش ذائقہ چکن حلیم ضرور شامل ہوتا ہے۔ وہ بھی پورے مسالوں اور سلاد کے ساتھ اس کے ساتھ چکن سینڈوچز، گرما گرم فرائز، مزیدار خستہ سموسے، پیسٹریز، گلاب جامن، چائے، ڈرنکس وغیرہ، وغیرہ..... دوستانہ ماحول میں دلچسپ بات چیت کے ساتھ چائے اور لوازمات سے انصاف کرنے کا الگ ہی لطف ہوتا ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ذیشان رسول اور فاطمہ ذیشان کی معیت میں ادارہ ایسی ہی ہزاروں خوشگوار شاموں کے منانے کے مواقع فراہم کرتا رہے۔ (الٰہی آمین)

بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ......!

☆حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو...... یا الٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے...... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆پیاری بہنو......! یہ بات ہم بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے بچے سب سے اہم ہیں...... ہم ان کے حال و مستقبل کو روشن سے روشن ترین بنانے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں...... ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ اس کا بچہ اپنی کلاس میں سب سے زیادہ نمایاں رہے...... اور ہر، ہر شعبے میں آگے اور آگے جائے...... میں نے ایسی بچیاں بھی دیکھی ہیں جو اپنی کلاس میں تیسری اور چوتھی پوزیشن حاصل کر کے بھی رو رہی ہوتی تھیں کہ ان کے گھر والے ناراض ہوں گے کہ فرسٹ کیوں نہیں آئیں۔ مجھے حیرت ان ماؤں پر بھی ہوتی ہے جو خود ہر فن مولا ہونے کے باوجود اس حقیقت سے نظریں چراتی ہیں کہ ہر بچے کی ذہنی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی، کسی کی کم ہوتی ہے اور کسی کی بہت زیادہ کم...... ایک آٹھویں کلاس کی لڑکی جب اپنے سالانہ امتحان میں فیل ہوئی تو اس نے اپنی سہیلی سے کہا...... میں اپنی رپورٹ کارڈ لے کر گھر گئی تو میری امی مجھے بہت ماریں گی...... تم مجھے اپنے گھر میں چھپالو، اس لڑکی نے کہا میں تو تمہیں اپنے گھر میں نہیں چھپا سکتی، ہاں اپنے محلے میں کسی کے گھر میں کہہ دوں گی...... وہ لڑکی جب ان کے گھر گئی تو وہ اسی دن یہ گھر چھوڑ کر علاقہ غیر جارہے تھے۔ اور وہ لڑکی ان کے ساتھ چلی گئی...... یوں گھر والوں کے جاہلانہ رویے کی وجہ سے ایک لڑکی اپنے گھر سے دربدر ہوگئی، یہ کوئی جھوٹا واقعہ نہیں ہے۔ سوفی صد سچا واقعہ ہے۔ اسی طرح پانچویں جماعت کے بچے کی خودکشی کی کوشش کی خبر تو آپ اخبارات میں بھی پڑھ چکے ہوں گے دراصل ہم لوگوں نے اپنے بچوں سے ان کا بچپن چھین لیا ہے اور اس میں کوئی ایک نہیں ہم سب ذمے دار ہیں...... اور سب سے زیادہ ہماری مائیں جو دوسروں کی حرص میں مری رہتی ہیں، نہ اپنے بچے کو جانتی ہیں اور نہ ہی پہچانتی ہیں کہ اس کا ذہنی معیار یا استعداد کیا ہے؟ اور وہ کس حد تک آگے جاسکتا ہے۔ اور ہمیں اپنے بچوں کا ذہنی تناؤ ہرگز نہیں بڑھانا ہے۔ اگر آپ کا بچہ بی گریڈ میں بھی میٹرک پاس کر لیتا ہے تو آپ اس کا ماتھا چوم کر یہ کہیں...... ماشاء اللہ...... تم نے تو میرا دل خوش کر دیا ہے۔ تم نے تو میری توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی ہے تو یقین کیجیے وہ فرسٹ ائیر میں اپنا رزلٹ مزید بہتر کرنے کی کوشش کرے گا/کرے گی۔

☆پیاری بہنو! سرگرمیوں اور اپنے محبت سے لبریز خطوط پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درود ابراہیمؑ پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے (ابھی پڑھ لیں) اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆محترمہ عذرا رسول کے صاحبزادے ذیشان رسول اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر فاطمہ ذیشان نے کراچی میں اپنے قیام کے دوران کئی شادیوں میں بھرپور شرکت کی اور اپنے عزیز و اقارب سے ملاقاتیں کیں...... اب وہ لندن واپس جاچکے ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆گزشتہ دنوں مسقط سے ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا بیٹا کاشف اپنی فیملی کے ساتھ ان کے پاس کراچی آئے ہوئے تھے۔ اور اس دوران ان کے بڑے بیٹے آصف اپنی فیملی کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کر کے آئے۔ (ماشاء اللہ)

☆ گزشتہ دنوں ہمارا بیٹا ضیا، بہو اور پوتی بھی اچانک ہی امریکا سے آئے اور پھر عمرے کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب گئے۔ اب وہ ماشاء اللہ واپس امریکا جا چکے ہیں۔

☆ شاعرہ فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی دو ماہ کے لیے اپنے بیٹے اور بہو کے پاس بنگلا دیش جا رہی ہیں۔ ماشاء اللہ۔

☆ معروف شاعرہ اور ناول نگار فریدہ جاوید فری کے بیٹے کی شادی لاہور میں خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ (مبارکاں)

☆ مستقل قاری بینش عباس، کراچی کے بھائی حسن عباس کی شادی گزشتہ دنوں بخیر وخوبی انجام پائی۔ (مبارکباد)

☆ گیارہ جنوری کو اسلام آباد کے ایک خوب صورت لان میں میری پیاری بھتیجی صفیہ سہیل کے نکاح کی تقریب ہوئی۔ جس میں عزیز واقارب کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ (بھائی سہیل انصار اور نادرہ بھابی کو دلی مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ کوثر خالد، جڑانوالہ کا پہلا حمدیہ اور نعتیہ مجموعہ حوضِ کوثر کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے، مبارک باد۔ 80 صفحات کی اس کتاب کی قیمت بے حد کم ہے یعنی صرف سو روپے چھوٹی بحر میں لکھی گئی نعتیں آپ کے دل کو چھو لیں گی کہ یہ عام فہم ہیں بے حد سادگی سے لکھی گئی ہیں۔ یہ خوب صورت کتاب حاصل کرنے کے لیے آپ اس نمبر پر فون کر سکتی ہیں 0322.7940087

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری شہلا ظفر، کراچی جگر کے عارضے میں مبتلا ہیں۔

☆ پاکیزہ کی قاری ستارہ شیخ، سندھ ان دنوں بسترِ علالت پر ہیں۔

☆ پاکیزہ کی قاری ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی کی ٹانگ کی تکلیف ہنوز باقی ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ امینہ عندلیب، سلانوالی کو ابھی آپ کی دعاؤں کی شدید ضرورت ہے۔

☆ امریکا میں مقیم پاکیزہ قاری غزل خاں کی طبیعت آپ سب کی دعاؤں کے طفیل بہت بہتر ہو رہی ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ذکیہ ایوب، کراچی بیمار ہیں۔

☆ مصنفہ نسرین نبیل سیال، گجرات کا اکلوتا پوتا موسیٰ چار سال کا ہے اور اس کے دل میں سوراخ ہے، بچے کا آپریشن اسی ہفتے ہو رہا ہے اس کی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ گزشتہ دنوں مصنفہ فریدہ اشفاق کی آنکھوں کا آپریشن ہوا۔ اب وہ بہتر ہیں۔

انتقالِ پُرملال

☆ معروف قلمکار سلیم فاروقی انتقال کر گئے۔ مرحوم ایک کہنہ مشق لکھاری تھے۔ ان کی تحریریں سدا ان کی یاد دلاتی رہیں گی...... ادارہ پس ماندگان کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار سدرہ کلثوم مروت، ضلع لکی مروت کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ریحانہ پروین طویل علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔

نوٹ: تمام مرحومین کے بلندیِ درجات کے لیے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی سے۔ ”نئے سال کا پاکیزہ ملا آپ سب کو نیا سال مبارک ہو محترمہ عذرا رسول صاحبہ کا پیغام بھی پڑھا“ میں محترمہ کی تہ دل سے مشکور وممنون ہوں کہ انہوں نے میری تحریروں کو پسند کیا اور اپنے رسالے میں جگہ دی۔ اور اب میرے مضامین اللہ اور اس کا نور کو قسط وار شائع کرنے کی نوید سنائی ہے۔ میں انجم انصار کی بھی بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور خوشی وغم میں برابر کی شریک رہیں۔“ ”کتاب اللہ جلالہ اور اس کا نور“ کے بارے میں ایک وضاحت کرنا چاہوں گی۔ اس کتاب میں کل بیس مضامین ہیں جو کہ بے حد مختصر ہیں، مختصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مضامین چند باتوں پر ریسرچ کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ ریسرچ قرآن حکیم پر کی گئی ہے لہٰذا حوالہ بھی صرف اور صرف قرآن حکیم ہی کا ہے۔ یہ مضامین بڑے نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ قرآن حکیم میں بڑی سے بڑی بات کو نہایت مختصر انداز میں

بیان کیا گیا ہے۔ میں نے اپنی جانب سے کچھ نہیں لکھا۔ یہ ایک ریفرنس بک ہے جو لوگ کسی بھی حوالے سے قرآن حکیم پر کام کریں گے وہ اس کا حوالہ دے سکیں گے۔ دوسرے لوگوں کے لکھے ہوئے مضامین اسی لیے طویل ہوتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے ان کی لکھی ہوئی باتیں اتار لیتے ہیں اور حوالہ ڈال دیتے ہیں اور جن کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے ان کے لکھنے والے بھی اپنی جانب سے کچھ نہیں لکھتے ان کے پاس بھی حوالے ہی ہوتے ہیں۔ میری اس کتاب میں بس یہی خاص بات ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حوالہ صرف قرآن پاک کا ہے۔ اس کتاب کے مختصر مضامین پڑھ کر آپ لوگوں کو بہت سی نئی باتوں کا پتا چلے گا جو کہ شاید اب تک آپ نہیں جانتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت وکاوش کو قبول فرمائے۔ (آمین) مجھے آپ سب کی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔ میرے لیے دعا کریں۔'' (ذکیہ بہن آپ کے ان بیں مضامین کو ہم نے اپنی قسط کے حساب سے یکجا بھی کیا ہے اور ہمیں بھی یقین ہے کہ ان کو پڑھ کر بہت سی بہنوں میں قرآن پاک کو ترجمے کے ساتھ پڑھنے، سمجھنے اور اپنے، اپنے لحاظ سے ریسرچ کرنے کا شوق بھی پیدا ہوگا۔ اور آپ کی یہ کتاب ایک خصوصی ریفرنس بک کا کام بھی دے گی، انشاء اللہ)

٭ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''بہنوں کی محفل پڑھ کر جتنا مزہ آتا ہے اسی قدر اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ جو کبھی کبھی ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس مرتبہ مجھے کچھ کہنا ہے پڑھ کر مجھے اپنے دل کی آواز لگی آپ نے سو فیصد درست لکھا ہے پتا نہیں چار دن کی زندگی ہم دلوں میں بغض، نفرت اور حسد لے کر کیوں گزارنا چاہتے ہیں اللہ من حیث القوم ہم پر اپنا رحم کرے۔ گم شدہ محبت سسپنس لے کر آگے بڑھ رہی ہے اور مزہ آرہا ہے، رضوانہ پرنس بہت اچھا لکھتی ہیں مگر مجھے پتا نہیں کیوں negativity اچھی نہیں لگتی بہت عمدہ افسانہ مگر اینڈ نے مزہ نہیں دیا، کیا تھا جو وہ اماں کی طرح ماہین کو بھی اپنے رویّے کی بدصورتی کا احساس دلا دیتیں۔ ثنا عمران کا ہلکا پھلکا افسانہ بھی اچھا لگا۔ شیریں حیدر ہمیشہ بہت اچھا لکھتی ہیں مگر اتنے سارے رشتے؟ مجھے تو نام ہی یاد رکھنے میں دشواری ہو رہی تھی اور پھر سلسلے وار ناول بہت اچھا لکھا ہے مگر پڑھنے کے لیے ٹائم کہاں سے لاؤں...... اُم ایمان کے فرق نے بہت مزہ دیا اتنا خوب صورت اختتام ویل ڈن ام ایمان...... یہ دوغلی پالیسی عموماً ماؤں کی زندگی کا حصہ رہتی ہے بہو کے لیے کچھ بیٹی کے لیے کچھ...... چلو پھر سے مسکرائیں، بشریٰ سیال نے خوب لکھا مگر سمیعہ کا کردار کیا تھا اور صبا کی ناراضی کیوں تھی سمیعہ کی انٹری تو کسی ویمپ کی طرح ہوئی تھی مگر ...... سارے فسانے میں اس کا ذکر ہی نہیں تھا۔ یعنی اس کا تو کوئی رول ہی نہیں تھا پھر صبا کی خفگی......؟ اختر شجاعت کی تحریر ہمیشہ ایمان افروز ہوتی ہے۔ شینا کی شادی نے مزہ دیا۔ نگہت غفار کو بھی بیٹے کی شادی مبارک ہو۔ جلترنگ میں بھابی نے نند کو خوب بھگو، بھگو کر مارا بلکہ تاک، تاک کر نشانہ بازی کی مزہ آیا۔ روحانی مشورے میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور بہت سوں پر عمل بھی کرتی ہوں۔ وقت سے لڑ کر بلکہ کشتم پچھاڑ کر کے بہنوں کی محفل میں شریک ہو رہی ہوں۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ پروین افضل شاہین۔ ''خوب صورت سرورق سے سجا سالِ نو کا پاکیزہ میرے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کا اداریہ ہم سب کا ضمیر جھنجوڑ رہا تھا ہمیں واقعی حقوق کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو اپنی رحمت سے معاف کرسکتا ہے مگر یہ جو لوگوں کے ہم پر حقوق ہیں، یہ معاف نہیں ہوں گے جب تک وہ شخص ہمیں معاف نہیں کرے گا' یہ قرض ہم پر واجب رہے گا۔ افسانوں میں کہہ رہی ہے زندگی، فرق، بریت پسند آئے۔ مضامین میں شمع ہدایت تو ہمیشہ اچھا ہوتا ہی ہے اس کے علاوہ شادی کا احوال بھی زبردست رہا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نند فریدہ جاوید فری، اینہ عندلیب، شہلا ظفر، پروین عذرا تشنہ کو مکمل صحت وتندرستی عطا فرمائے۔ جنید جمشید سمیت جو بھی بدقسمت طیارے میں سوار تھے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ آپ نے پہلے ایک بار کہا تھا کہ پاکیزہ کا ہر سلسلہ جو کہ مستقل ہے اسے انعامی کر دیا جائے گا جو کہ ابھی تک نہیں ہوئے صرف بزم پاکیزہ ہی انعامی ہے۔ پلیز جو بھی سلسلہ انعامی شروع کریں اس میں حافظ کا ملتانی سوہن حلوے کا انعام ضرور ہو۔'' (بیٹا میٹھا نقصان دیتا ہے ہم بہت جلد دیگر انعامات بھی شروع کریں گے)

٭ نازش آفریدی، پشاور سے۔ ''میں اکثر گنگناتی ہوں میں فرح طاہر قریشی ملتان کا شعر پسند آیا۔ خوش ذائقہ سے گاجر کھیر کی ترکیب نوٹ کی۔ حسن نکھار یے تو ہر ماہ اپنے پاس ٹپس نوٹ کرتی ہوں۔ روحانی مشورے کی غصے والی دعا

مجھے اپنے بھائی کے لیے چاہیے تھی جو فوراً نوٹ کی۔ شمع ہدایت سے ہمیشہ ہدایت لیتی ہوں۔ شادی کے احوال میں نگہت غفار آنٹی کے بیٹے کی شادی کا حال پسند آیا۔ ناولوں اور افسانوں میں امرت کا آغاز تھا جو پسند آیا۔ تبصرہ ذرا کہانی کھلنے پر ہوگا۔ آپ کا ناول بہت، بہت زبردست جا رہا ہے۔ اس بار میں صبا اور شہلا کے لیے پریشان ہوئی مگر شکر ہے کہ شہلا کی تو بچت ہوگئی لیکن صبا پر دل ڈر رہا ہے کہیں ندیم اسے چھوڑ نہ دے۔ رفعت سراج آنٹی کی معلومات کتنی وسیع ہیں۔ بے ساختہ منہ سے ایک واہ ہی نکلتا ہے ان کے لیے۔ ان کا ذخیرۂ الفاظ اور مکالمے بہت بہترین ہوتے ہیں، لیڈی صوفیہ اور پرنس کے کردار مجھے پسند آرہے ہیں۔ بات پسند کی ہو رہی ہے تو پسند مجھے من جانباز م بھی آرہا ہے۔ آرمڈ فورسز سے متعلق سحر ساجد کی معلومات بھی وسیع ہیں شاید وہ ایسی کسی فیملی سے ہوں۔ یہ عشق ہے جاناں، چند روپوں کی خاطر اور گلاب رُتوں کا ہم سفر کوئی خاص تحریریں نہ تھیں۔ رضوانہ پرنس کی کہہ رہی ہے زندگی مناسب تھی لیکن کبھی صرف میز سے سرلگ کر کسی کو مرتے تو نہیں دیکھا آج تک...... ویسے میرے دکھ عجیب ہیں کے لیے بھی کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں میرے۔ ہوسکتا ہے کسی اور کو پسند بھی آئی ہو۔ (رضوانہ پرنس کے افسانے ہوں یا انٹرویوز بے حد پسند کیے جاتے ہیں اسی طرح ہر تحریر کو پسند یا ناپسند کرنے کی ہر شخص کی اپنی وجوہات بھی ہوا کرتی ہیں)۔ ہاں آنٹی ایک بات بتانا بھول گئی پچھلے ماہ کے پرچے میں بہنوں کی محفل کے اختتام پر جو دعا آپ نے بہنوں کے لیے لکھی تھی وہ بہت زبردست اور جامع تھی کہ میرے اسکول کی پرنسپل نے مجھے میلاد میں دعا پڑھنے کو کہا تو میں نے من وعن وہی دعا پڑھ لی اور دل سے آپ کے لیے بہت دعا نکلی۔" (دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

سحر جاوید، پنجاب سے۔ "پاکیزہ اپنے نام کی طرح شائستہ ادب کا آئینہ دار ہے جو آج کے مشینی دور میں بھی کتاب سے کسی قدر رشتہ جوڑے رکھنے میں معاون و مددگار ہے۔ میرا پاکیزہ سے رشتہ کتنا پرانا ہے یہ بتانا ذرا دشوار ہے۔ عرصہ دراز سے خاموش قاری ہوں۔ 2013ء میں خط لکھا تھا اور اپنی کہانی بذریعہ میل بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ آپ نے منظور بھی کرلی لیکن ایم فل کی مصروفیات اور مقالے کی تکمیل تک کہانی ادھوری ہی رہی۔ اب جو مکمل ہوئی تو سوچا قسمت آزمائی کی جائے۔ سنا ہے کہ نئے لکھاریوں کے لیے پاکیزہ کا دامن وسیع ہے۔ ناول کا پہلا حصہ پیشِ خدمت ہے۔ دوسرا ابھی مکمل ہو چکا ہے۔" (اس محفل میں خوش آمدید، آپ اپنے ناولٹ کا دوسرا حصہ بھی بھیج دیجیے)

ماہ نور خان، بہارہ کہو سے۔ "2017ء کا دسمبر بھی گزر گیا۔ کسی کے لیے خوشیاں اور کسی کو غم دے گیا۔ سالِ نو کے لیے ڈھیروں دعائیں ہیں کہ اراکین پاکیزہ، قارئین، مصنفین سمیت تمام مسلمانانِ عالم دین و دنیا کی بھلائی کے لیے کام کریں الٰہی آمین، ماہنامہ پاکیزہ اپنے تمام جدید اور پرانے رنگوں کے ساتھ خوب صورت ترین رسالہ ہے۔ تمام مصنفات بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ ہر ماہ کبھی کوئی شادی کا حال، کبھی غم کی کیفیات کبھی کوئی تقریب تو کبھی کسی کا تعارف اتنی ورائٹی اور کہیں نہیں پائی جاتی اس کے لیے مدیرہ اعلیٰ، مدیرہ اور معاونین سب ہی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر تمام بہنوں کی شرکت سے سجی بہنوں کی ایسی محفل کہ سب سے پہلے یہی پڑھتی ہوں بعد ازاں دینی صفحات تاکہ پہلے حال احوال معلوم کرلوں۔ میں نے اس دفعہ مجموعی طور پر تبصرہ پورے رسالے پر کیا ہے۔ آئندہ الگ، الگ کہانیوں پر ضرور کروں گی۔" (تبصرے کا شکریہ)

نگینہ ضیا بخش، کراچی سے۔ "دسمبر کا پاکیزہ خوب صورت ترین ٹائٹل سے سجا ایے ون رہا...... تمام افسانے اور ناولٹ بے حد پسند آئے۔ اب بات ہوجائے سلسلے وار ناولوں کی سب سے پہلے گم شدہ محبت، باجی آپ کے ناول کا سسپنس بہت عمدہ ہے۔ آخر میں دل دھڑک کر رہ جاتا ہے کہ آگے کیا ہوگا...... اس ماہ رفعت سراج کے ناول کی قسط نے بھی ہمارا دل جیت لیا۔ مکمل ناول بھی اچھا رہا...... مستقل سلسلے تو ہیں ہی شاندار...... نگہت سیما کا انٹرویو اچھا تھا...... اگر ان کی تصویریں بھی ساتھ ہوتیں تو اور اچھا لگتا...... امینہ عندلیب آپ کے لیے میں بہت دعائیں کرتی ہوں۔ شائستہ زریں کا سروے پسند آیا اور سب سے زیادہ دکھی تحریر رضوانہ پرنس کی تھی...... میں مضمون پڑھ کر بہت روئی۔" (جی میں بھی روئی تھی)

رفعت مبین رفی، امریکا سے۔ "میں چار سال سے یہاں ہوں مگر ہر ماہ باقاعدگی سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں اور بے حد نوازش کہ میں نے جو آپ کو اپنی تحریریں ارسال کی تھیں آپ ان میں سے وقتاً فوقتاً لگاتی رہتی ہیں۔ میری بہن ہاجرہ

خاتون جو یہیں رہتی ہیں وہ بھی آپ کی زبردست فین ہیں۔ اداریہ، روحانی مشورے ایسے سلسلے میں جو دل و دماغ کی بہار ہیں، ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی تحریروں کے بھی ہم فین ہیں۔ تمام مصنفات اور بہنوں کی محفل کے اراکین کو ہمارا سلام پہنچادیں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے اوراس مرتبہ ذکیہ بلگرامی کا مضمون بھی شامل ہے۔)

بھ تو قیر انور ہاشمی، منڈی بہاؤ الدین سے۔'' ایک وقت تھا جب پاکیزہ کی بہنوں کی محفل میں میرا تبصرہ صائمہ اکرم اور فائزہ افتخار کے ساتھ، ساتھ لگا کرتا تھا۔ اب برسوں بعد میں اس محفل میں شامل ہورہی ہوں..... شادی ہوئی، تین بچوں کی ماما ہوں، تینوں بچے اسکول میں پڑھتے ہیں، اب ذرا فرصت ملی ہے اور میں اب دوبارہ اپنی اس محفل میں آنا چاہتی ہوں۔'' (خوش آمدید میری گڑیا..... مجھے وہ دور یاد آگیا..... جب صائمہ اکرم اور فائزہ افتخار کے تبصروں کی ایک دھوم تھی.....اور تم بھی پیش، پیش رہا کرتی تھیں..... اللہ آپ کو اور میری تمام بہنوں کو سلامت رکھے۔ تمہارے آنے سے دلی خوشی ہورہی ہے)

بھ عظمیٰ زہری، اوستہ محمد سے۔'' بہنوں کی محفل میں آکر ایک سکون سا ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے اپنے گھر آئے ہیں، بس لگ بھگ بہت ساری بہنوں کے تاثرات یہی ہیں اور ہاں بھئی اپنا گھر ہی تو ہے جو اپنی ہر بات ہم ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں۔ کچھ نئی بہنیں بھی نظر آرہی ہیں دو تین ماہ سے۔ ارم کمال کے لیٹر بہت اچھے ہوتے ہیں بس ویسے شہزادی کائنات صاحبہ کہاں ہیں آج کل محفل میں نہیں آرہی، آجاؤ بھئی کمی سی لگ رہی ہے ویسے آپی میں نے پچھلے ماہ عندلیب جی کا نمبر مانگا تھا کہ میں ان سے پرسنلی بات کرنا چاہتی ہوں مطلب ان کی طبیعت پوچھنا چاہتی ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو جلد صحت کاملہ عطا کرے آمین.....نگہت سیما آنٹی کا انٹرویو بہت اچھا تھا۔ کمال ہے وہ پانچویں جماعت سے لکھ رہی ہیں سلام ہے انہیں عمیرہ احمد صاحبہ جلدی سے ایک سلسلے وار ناول کے ساتھ آجائیں بہت شدت سے انتظار ہے۔'' (آپ کی فرمائش پہنچائی جارہی ہے آپ مجھے فون کرکے اپنی عندلیب کا نمبر لے لیں 0213696477 9)

بھ فریدہ ہاشمی، کراچی سے۔'' رسالہ ابھی ملا ہے، صرف اداریہ اور دین کی باتیں پڑھی ہیں۔ ہمیشہ کی طرح بہت اچھی باتیں کی ہیں یہی کہہ سکتی ہوں شعور ذات کی یہ کاوشیں مبارک ہوں۔ بہنوں کی محفل میں سعدیہ ملک کا خط شائع ہوا ہے۔ بہت اچھا ہوا۔ خاص کر آپ کا جواب پڑھ کر مزہ آگیا۔ جی خوش ہوگیا۔ فضول اعتراض کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دینا بہت ضروری ہے۔'' (نوازش)

بھ لائبہ خان، لاہور سے۔'' سمپل سے ٹائٹل سے سجا پاکیزہ انتہائی خوشگوار تاثر دے رہا تھا۔ سب سے پہلے اپنی فیورٹ رائٹر نگہت سیما کا انٹرویو پڑھا۔ نگہت جی کے بارے میں بہت کم کہیں اور پڑھنے کو ملا سو شکریہ پاکیزہ بہت مزہ آیا تفصیلی ملاقات میں ان کے بارے میں اتنا کچھ جان کر..... افسانوں میں شیریں حیدر کے میری ماں نے ایمان تازہ کردیا۔ واقعی ایسی مائیں ہوں تو سارا معاشرہ سدھر جائے۔ نائلہ آپی میں بہنوں کے پیار کو مریم جہانگیر نے اچھے انداز میں بیان کیا۔ دلِ ناداں میں tit for tat انداز خوب سبق آمیز لگا۔ ہاجرہ ریحان کا افسانہ سیڑھی بھی ہر بار کی طرح بہترین تھا۔ آپ کو ہر بار اپنے مقصد کے لیے سیڑھی بنانے والے کے منہ پر ایسا ہی تھپڑ لگنا چاہیے۔ آدھی صدی بعد خوب صورت انداز میں لکھا خوب صورت ناول تھا۔ بس اینڈ پر ہیروئن کا اتنی مدت کے بعد اتنا سخت اور بے لچک رویہ کچھ معقول نہ لگا۔ بہنوں کی محفل میں قیصرہ حیات نے بالکل ٹھیک کہا، میں بھی ان سے متفق ہوں۔ جاتے تنگ میں پاکستانی شادیوں کا دلچسپ احوال اور لین دین کی پریشانیاں پڑھ کر ہم پریشان کم اور ہلکے پھلکے زیادہ ہوگئے۔ یہی

التماس برائے دعائے مغفرت

☆ ہماری ہر دلعزیز مصنفہ رفعت سراج کے والدِ محترم محمد سراج الدین مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ مرحوم ایک ادب دوست ہونے کے ساتھ، ساتھ فعال سماجی شخصیت بھی تھے.....وہ نہ صرف اپنے اہلِ خانہ کے لیے بلکہ تمام رشتے داروں اور ملنے جلنے والوں کے لیے بھی ایک شجرِ سایہ دار تھے۔ ادارۂ مصنفہ اور ان کے متعلقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ پروردگارِ عالم مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

تو ایک طنز و مزاح کے لکھاری کی خوبی ہے کہ بات کہہ بھی جائے اور لطف بھی برقرار رہے۔'' (اس محفل میں خوش آمدید آپ کا افسانہ قابلِ اشاعت ہے اور باری آنے پر شائع ہو جائے گا۔ہاں تبصرے کا شکریہ)

☆ شاہانہ بنت قمر، کراچی سے۔'' آپ سے مختصر بات ہوئی مگر بہت اچھا لگا۔ اپنی مصروفیت کے باوجود جس طرح آپ نے میری بھیجی گئی کاوش پر بات کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی اسی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ میں اور کاوش بھیج رہی ہوں اگر آپ کو پسند آئے اور قابلِ اشاعت لگے تو برائے مہربانی اسے شامل کر لیں۔'' (پیاری شاہانہ میں معذرت خواہ ہوں آپ کی یہ کہانی شائع نہیں ہو سکے گی۔ دوبارہ کوشش کریں)

☆ شاہینہ مبارک نالہ سے۔'' جنوری کے پاکیزہ میں سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ کی اچھی، اچھی باتیں پڑھیں۔ رضوانہ پرنس کی زندگی یہی کہہ رہی ہے کہ اپنے بڑوں سے محبت کرو اور ان کا احترام کرو..... نگہت سیما میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ افسانہ اچھا لگا، شیریں حیدر کے ناول کی ابھی ابتدا ہے اچھا ہے بعد میں رائے دوں گی۔ گم شدہ محبت کی ابتدائی سطروں نے ہی اپنے شکنجے میں لیا اور پوری قسط بھرپور رہی باجی آج کل ٹی وی ون سے آپ کا سوپ محبت ہم سفر میری دکھایا جارہا ہے۔ آپ نے بتایا بھی نہیں..... (بیٹا یہ میرا پرانا سوپ ہے اور ان دنوں ری پیٹ ہو رہا ہے تو کیا ذکر کرتی) نفیسہ سعید کا ناولٹ بھی مکمل ہو گیا ہے۔ ہاجرہ ریحان تو پاکیزہ کی باقاعدہ لکھاری بن چکی ہیں اور ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں۔ اسی طرح شائستہ زریں کا سروے ہمیشہ عمدہ ہوتا ہے۔ فروری سے ذکیہ بلگرامی کا نیا سلسلہ شروع ہو رہا ہے اس کے لیے شدت سے منتظر ہوں۔'' (پسندیدگی کا شکریہ.....اور ذکیہ بلگرامی کا خوب صورت سلسلہ پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں)

☆ ساجدہ ظفر، کمالیہ سے۔'' ابھی پاکیزہ بھی پورا نہیں پڑھ سکی فی الوقت تو بہنوں کے بلڈ پریشر کے متعلق ایک نہایت آسان اور آزمودہ ٹوٹکا تحریر کر رہی ہوں گی کیونکہ بلڈ پریشر آج کے دور کا بہت اہم مرض ہے عرض ہے کہ جن بہنوں کا بلڈ پریشر کم یا زیادہ ہوتا ہو۔ وہ ایک گول مقناطیس کہیں سے ڈھونڈ لیں۔ مقناطیس چھلے کے مانند اندر سے کھوکھلا ہو۔ اس میں ڈوری ڈال کر گلے میں لٹکا لیں اگر بلڈ پریشر ہائی ہوتا ہو تو نارمل رکھے گا اور کم ہوتا ہو تو بھی نارمل رکھے گا۔ یہ میرا آزمایا ہوا نسخہ ہے۔ میں خود ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ ہوں اور مہینے میں دو چار بار ضرور مسئلہ بنتا تھا مگر جب سے مقناطیس گلے میں لٹکایا تھا ایک ڈیڑھ ماہ گزر گیا اور الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔'' (ارے واہ آپ تو ایک نیا طریقۂ علاج متعارف کروا رہی ہیں مگر بہنیں عمل کرنے سے پہلے اپنے، اپنے ڈاکٹر سے بھی مشورہ ضرور کریں)

☆ مصباح رضا سعید، فیصل آباد سے۔'' رفعیہ ابدالی صاحبہ مکہ مدینہ گئیں تو بہت خوشی ہوئی بے تحاشا آنسوؤں کے ساتھ احوال پڑھا۔ بہت مبارک ہو رفیعہ جی اس کے بعد جو صفحہ کھلا وہ تھا عظمیٰ آفاق صاحبہ شادی پہ شرکت کرنے جارہی ہیں تو کچھ بھی کھولے بغیر ہم نے بچے تیار کیے اور عظمیٰ کا پلو پکڑا اور پیچھے، پیچھے شادی میں چل دیے وہاں تو بہت مزہ آیا عظمیٰ سب کا تفصیل سے تعارف کروا رہی تھیں۔ کھانے تک ٹھہرے کھانے کے مزہ کر کے گھر آ گئے۔ شکریہ عظمیٰ جی دسمبر کا پاکیزہ کھولا تو رضوانہ پرنس صاحبہ سامنے اپنے شہزادے بھائی کا بتا رہی تھیں۔ پڑھ کر بہت دکھ ہوا بہت ہی دکھ ہوا اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مصلحت ہی ہوگی جو کرتا ہے بس ہم نہیں سمجھتے۔ اللہ رضوانہ جی اور ان کے گھر والوں کو صبر دے اور بھائی کو جنت میں جگہ دے، آمین..... آپی جی پاکیزہ کے ساتھ ایک مسئلہ ہے اگر ہو سکے تو حل کر دیں۔ مہربانی ہوگی آپ کی ہاں تو مسئلہ یہ ہے کہ اتنے دن گھنٹے انتظار کر کے پاکیزہ آتا ہے تو منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی حل کریں۔ کچھ بڑا، کچھ موٹا تازہ کر دیں۔ آپی جی نو جنوری کو میری سالگرہ ہے۔ وش کر دیں۔ دعا دے دیں۔ میری بیٹی حمنہ حور سلام کہہ رہی ہے، کہتی ہے آنٹی سے کہو حمنہ حور ٹھیک ٹھاک..... جب بھی کسی کی کال آتی ہے تو یہ جملہ ہی بولتی ہے۔ حمنہ نور ٹھیک ٹھاک.....'' (تاخیر سے ہی سہی مگر سالگرہ کی دلی مبارک باد..... انشاء اللہ حمنہ نور جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ اور خوب باتیں کیا کرے گی، آمین)

☆ ظل شاہین، رحیم یار خان سے۔'' اس بار چونکہ ہماری موسٹ فیورٹ رائٹر نگہت سیما کا انٹرویو ہے تو ہم نے افسانوں کی جانب آنے سے پہلے انٹرویو پڑھا اور بے حد دلچسپ لگا..... پھر مستقل سلسلے بھی پڑھ ڈالے۔ پاکیزہ ڈائری کے

معیار کا گراف بلند ہوتا جا رہا ہے۔ حمد و نعت تو ہمیشہ ہی بہترین ہوتی ہیں دیگر چیزیں بھی اب معیاری ہوتی ہیں۔ گم شدہ محبت کی قسط پڑھی۔ دلچسپی اور محویت کا یہ عالم تھا کہ مجھے صفحات کم لگے۔ کہانی آگے بڑھ رہی ہے۔ شہلا بیچاری پر ترس آ رہا ہے کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے اس کے ساتھ پھر مکمل ناول آدھی صدی کے بعد پڑھا۔ عنوان میں تجسس تھا مگر کہانی میں نہیں دو تین دہائیاں قبل شاید اسی قسم کی محبتیں ہی ہوا کرتی تھیں۔ محبت کا ایک مشرقی اور روایتی انداز کہ دل میں ایک بار ہی کسی کی محبت کا تارا چمکتا تھا اگر مقدر مہربان ہو تو زندگی میں دھنک رنگ بھر جاتے اور اگر ظالم سماج یا معاشرتی اقدار راہ میں حائل ہو جائیں تو پھر زندگی گزرتی نہیں اسے گزارہ جاتا ہے مگر وہ محبت کا تارا تا دمِ مرگ دل کے کسی کونے میں ٹمٹماتا رہتا ہے۔ ہاں موسیقی اور ٹیپ ریکارڈر بھی اس مشرقی محبت کا ایک جز ہوا کرتے تھے۔ کہانی کا اینڈ ڈرامائی کیا گیا اور طوالت بھی غیر ضروری تھی۔ ثمینہ عظمت کا فیصلہ اچھی تحریر تھی۔ شیریں حیدر نے ایک اصول پرست، مشفق ماں کا کردار بھرپور انداز میں پیش کیا بہترین اصلاحی تحریر ہے اماں کی لاڈلی میں تربیت کا فقدان نظر آیا اور رشتوں کے عدم توازن کے ساتھ، ساتھ انسان کا اپنا بخت بھی شاملِ حال ہوتا ہے۔ نائلہ آپی، مریم جہانگیر نے جاندار تحریر لکھی جو کہ سچ لگ رہی ہے۔ ہاں واقعی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں، چیزوں کو ترتیب سے رکھنا اور بکھری چیزوں کو سمیٹنا میرا بھی جنون ہے۔" (تفصیلی تبصرے کا شکریہ اور دیکھو خط تاخیر سے ملنے کے باوجود میں نے شامل کیا ہے کہ میں کسی کی بھی محنت ضائع نہیں کیا کرتی ہوں)

✉ دُرِ ثمن بلال، سرگودھا سے۔ "سب سے پہلے تو میں نہایت قابلِ احترام محترمہ عذرا رسول صاحبہ کا نہایت شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے ہمیں اپنے جذبات و احساسات کو لفظوں کا روپ دے کر کہانی بننے اور پھر اس کہانی کو قارئین تک پہنچانے کا ایک پاکیزہ اور خوب صورت پلیٹ فارم مہیا کیا...... عذرا آپی! اللہ آپ کو ہمیشہ اپنی خوشیوں بھری زندگی میں خوش و خرم رکھے، آمین۔ اب بات کروں گی نہایت اعلیٰ اخلاق کی مالک پیاری انجم آپی کی...... آمنہ حماد، نزہت اصغر اور اپنے چہیتے قارئین کی۔ جنہوں نے میری ایک معمولی اور چھوٹی سی کاوش اے عشق ترے ہیں کھیل عجب کو اس قدر کھلے دل سے سراہا، مجھے اتنی عزت، پیار و محبت سے نوازا...... مجھے اتنا وام ویلکم کیا یقین مانیے میں تو آپ سب کی ان پُرخلوص چاہتوں کی مقروض ہو کر رہ گئی ہوں۔ انجم آپی آپ کی بھرپور حوصلہ افزائی، پیار و محبت نے مجھے شدت سے یہ احساس دلایا کہ میں نے پاکیزہ کے لیے لکھنے میں اتنی تاخیر کیوں کی...... بہت کم ادارے ایسے ہیں جو رائٹرز کو اتنا پیار اور عزت سے نوازتے ہیں، ان میں سرِ فہرست پاکیزہ ڈائجسٹ ہے۔ اس کہانی کے سلسلے میں جب بھی میری انجم آپی سے بات ہوئی انہوں نے جس محبت سے میری ہر بات سنی میری رائے کا از حد احترام کیا، مجھے جس کھلے انداز میں سراہا مجھے جتنی عزت سے نوازا...... یقین جانیے کبھی، کبھی ان بے لوث چاہتوں کے سامنے لفظوں کا کال پڑ جاتا ہے۔ بے بسی محسوس ہوتی ہے، محبتیں بلند اور لفظ چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ اور پھر وہ بے بسی اور خاموشی آنکھوں میں پانی بن کر تیرنے لگتی ہے۔ جیسے اس وقت میری آنکھوں میں تیر رہی ہے...... ایک بار پھر ادارہ پاکیزہ ڈائجسٹ اور اپنے تمام قارئین کا بے حد شکریہ...... ڈیئر قارئین آپ کی قیمتی آرا میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے، میں آپ کی تعریف و تنقید کو آپ کے ایک، ایک جملے اور لفظ کو بہت غور سے پڑھتی ہوں اور ہمیشہ یاد رکھتی ہوں۔ میری کچھ بہنوں کا مجھ سے یہ بھی شکوہ رہا کہ میں نے اس کہانی کو بہت بولڈ انداز میں لکھا...... ان تمام بہنوں کا شکوہ سر آنکھوں پر...... مگر میں ان سب کو بتانا چاہتی ہوں کہ جس طرح ایک بہتے چشمے کا پانی اپنے راستے کا خود تعین کرتا ہے کہ اس نے کس جگہ سے پھیل کر گزرنا ہے اور کس جگہ سے سمٹ کر گزرنا ہے اسی طرح کہانی خود یہ طے کرتی ہے اسے رائٹر کے قلم سے سطحِ قرطاس پہ کس انداز و بیاں سے منظرِ عام پر آنا ہے۔ سارہ کا کردار اخبار میں چھپی ایک ایسی ہی خبر کے نتیجے میں تخلیق ہوا تھا جس نے میرے دل کو دہلا کر رکھ دیا گیا۔ محبت کے نام پر لڑکیوں کی زندگی برباد کرنا، انہیں زندہ درگور کرنا آج کل نوجوان لڑکوں کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے اور بنتِ حوا اپنے ماں، باپ کی برسوں سے کمائی ہوئی عزت کو اپنے پیروں تلے روند کر ان جھوٹی محبتوں کے فریب میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھتی ہے۔" (آپ کی آرا پہنچائی جا رہی ہے)

✉ رفعت محمد یونس، ملتان سے۔ "زندگی کی جب تک گاڑی چل رہی ہے خوشی اور غم ساتھ، ساتھ ہیں، پیاری بہنوں ہمیشہ خوش اور خوشحال رہو۔ میں کافی سال سے بیمار ہوں۔ جسمانی قوت اتنی نہیں بلکہ چلنے پھرنے کی ہمت بھی اتنی نہیں لیکن قوتِ ارادی بہت زیادہ ہے، کہتے ہیں عمل کا دار و مدار نیت پر ہے اس لیے میں نے اپنی نیت اللہ اور اس کے رسول کے

احکامات کو سامنے رکھتے ہوئے گزارنے کا فیصلہ کیا ہے اور یہ امید رکھتی ہوں کہ اللہ میری نیت کو سامنے رکھتے ہوئے جو بھی میرے حق میں بہتر کرے گا بہتر ہوگا، پیاری باجی آپ سے گزارش ہے کہ میرا خط پلیز ضرور شائع کیجیے تاکہ میری حوصلہ افزائی ہو۔" (گڑیا اللہ آپ کے ارادوں کو مضبوطی ادا کرے اور آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، آمین)

✉ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ "ٹائٹل بہت ہی دلفریب اور اٹریکٹو تھا۔ اداریہ زندگی کے ہر رنگ کو اجاگر کرتا ہے واقعی یہ زندگی گل رنگ ہے اس میں قسم قسم کے لوگ ہیں۔ سب سے پہلے اپنا موسٹ فیورٹ ناول گم شدہ محبت پڑھا۔ صبا بیچاری عجیب دوراہے پر آکھڑی ہوئی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نئی محبت پاورفل ہے یا پرانی...... یہ کہاں بچیں کہ دل ہے اپنی مخصوص طرز پر رواں دواں ہے پرنس کی زندگی میں کوئی ہنگامہ لائیں تو مزہ دوبالا ہو۔ بھرم اور میری جیسی بہن، بھائی جیسی تحریریں لگیں۔ جبکہ سنبل کی سزا بالکل ٹھیک تھی ایسی عورتوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہ عشق ہے جاناں، انتظار کی کوفت کا شکار ہوگئی اس کے علاوہ کھیل کھیل میں چھوٹی، اک ذرا سی لغزش سبق آموز اور اعلیٰ پائے کی تحریریں رہیں پہلی محبت میں ارمغان بہت ہی برا لگا سب الٹے کام کرکے آخر میں معافی مانگتے مرد زیرو سے بھی بدتر لگتے ہیں سب سے مسحور اور دل میں اتر جانے والا ناول وہی تو ہے اللہ پر سو فیصد توکل اور یقین کامل کی داستان تھی۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندوں کو نوازتا ہے جو اس پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ جلترنگ نے ہمیشہ کی طرح سوئٹ ڈش کا کام دیا بہنوں کی محفل میں بڑی چہل پہل اور رونق تھی اور یہ ساری رونق انجم باجی کے مرہون منت ہے اور محبتوں کا یہ سفر میری دعا ہے طویل سے طویل تر ہو، آمین۔" (تبصرے کا شکریہ...... دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

✉ ارم ناز، پنجاب۔ آپ کی جانب سے آپ کی ٹیچر مس انعم سلیم کو ان کی سالگرہ کی مبارک باد پہنچائی جارہی ہے۔ ہاں آپ شاعری کے بجائے نثر پر توجہ دیں۔

✉ رابعہ خان، راول پنڈی۔ آپ کی جانب سے آپ کی امی کو سالگرہ مبارک ہو۔ آپ بہت پیاری بیٹی ہو جو اپنی امی کا اتنا خیال رکھتی ہو۔

✉ سدرہ کلثوم، مروت۔ (صوبہ سرحد) آپ کی سالگرہ 14 فروری کو ہے۔ آپ کو ڈھیر ساری مبارک باد آپ ہم سے ہرگز ناراض نہ ہوا کریں...... آپ کی تحریریں ضرور شامل ہوا کریں گی۔

☆ صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ۔ اللہ آپ کو صحت دے اور آپ کو تمام پریشانیوں سے بچا رکھے...... پاکیزہ کے بارے میں اپنی آرا باقاعدگی سے بھیجا کریں۔

✉ سلمیٰ منور، کراچی۔ ہاں یہ بات تمہاری کافی حد تک درست ہے کراچی میں سردی ہونے اور پھر بارش بھی ہوجانے پر لوگوں کے عزیز واقارب بیرون ممالک سے فون کرکے مبارک باد دے رہے ہیں اور میک اپ کے سامان کے ساتھ، ساتھ سوئٹرز بھی بطور امداد کے بھیج رہے ہیں کہ کراچی والے نہ گرم کپڑے بناتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس سوئٹر ہوتے ہیں۔

✉ رفاقت جاوید، اسلام آباد۔ بہت بہت مبارکاں، اسلام آباد میں تمہارے ناول کے حوالے سے بہترین رائٹر کا ایوارڈ دیا جارہا ہے۔ جب یہ تقریب سجائی جائے تو اس کا مختصراً احوال اپنی خوب صورت تصویر کے ساتھ ارسال کردینا......

✉ خالدہ نسیم، لاہور۔ بھئی آپ نے تو کہا تھا کہ جنوری میں کراچی بھی آئیں گی تو پنجاب کی سردی اور عزیزوں کی شادیوں میں اتنی مگن ہوگئی ہیں کہ کراچی آنا کینسل کردیا ہے۔

✉ امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔ "رضوانہ پرنس مجھ سے تو آپ کا دکھ برداشت نہیں ہورہا۔ شہزادے بھائی کی رحلت پر مضمون پڑھا اور میں بہت روئی۔ آپ کے ایک، ایک لفظ پر آنسو گرتے رہے۔ بھائی کا یوں اچانک چلے جانا بہت ناقابلِ برداشت دکھ ہے۔ لکھتے ہوئے آنسو ٹپک رہے ہیں...... اللہ تعالیٰ کی رضا یہی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آپ سب بہن، بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ (جزاک اللہ) اور اب باری ہے ہماری مسکراتی، مسکراتی سی باجی عذرا رسول اور کھلکھلاتی شوخ اور چنچل عظمیٰ آفاق کی۔ عذرا باجی آپ سال میں دوبار تو اس پیارے سے گھر میں آئیں۔ اپریل سالگرہ کے موقع پر ملاقات ہوتی ہے اتنا طویل انتظار......؟ ایسا نہ کریں، عظمیٰ آفاق سعید

آپ کہاں گم ہیں؟ کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟ اس خوب صورت پاکیزہ گھر میں جھانک لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، خوش رہیں، اس گھر کے بہت سے گیٹ ہیں ماشاء اللہ ڈائری گیٹ کے علاوہ محفل گیٹ، اس پاکیزہ محل کا سب سے بڑا گیٹ ہے مزے کی بات اس گیٹ پر نہ کوئی واچ مین، نہ سکیورٹی گارڈ گیٹ کھولیں آ جائیں۔ ہر مزاج کے لوگ پیارے، پیارے ہنستے مسکراتے آپ کی خوب مہمان نوازی کریں گے، آپ آتی جاتی رہا کریں۔ اور ہاں اس گھر کی جو میزبان ہیں ان کی تو کیا بات ہے انجم باجی کون ہے، کہاں سے آئی ہیں کچھ غرض نہیں بس غرض ہے بے لوث محبت۔'' (پیاری گڑیا محبت کا جواب محبت ہی ہوا کرتا ہے۔ آپ سمیت سب پاکیزہ بہنیں مجھ سے جتنی محبت کرتی ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ میں ان کا تو حق بھی ادا نہیں کر پاتی۔ اللہ آپ سب کو سلامت رکھے، آمین۔)

✉ زلیخاں بی بی، نواں کوٹھ شہداد پور سے۔'' آپ کے رسالے میں بہت اچھی چیزیں ہوتی ہیں مگر آج کل دو ناول ذوق شوق سے پڑھ رہی ہوں۔ رفعت سراج اور انجم انصار، وہ تو رسالے کی ایڈیٹر بھی ہیں۔ رفعت سراج صاحبہ کا ناول کبھی کبھی بہت اونچی پرواز کرتا ہے اور پھر کم...... ادھر انجم انصار صاحبہ کا ناول بھی کبھی، کبھی زچ بھی کرتا ہے۔ اس میں عامر صاحب کا کردار غیر حقیقی لگتا ہے۔ کبھی، کبھی تو پڑھتے، پڑھتے غصہ آنے لگتا ہے۔ دفتر کی سیاست سے بات شروع ہو کر کہاں پہنچی۔ اب سیمار رضا ردانے بھی منی ناول شروع کیا جو سمجھ ہی نہیں آرہا...... ہم چار سہیلیاں مل کر پڑھتی ہیں اور ایک دوسرے کو سمجھاتی ہیں۔ آپ پاکیزہ میں اور دوسری لکھنے والیوں کے ناول بھی ضرور چھاپیں۔ ہاں دین کی باتیں، اختر شجاعت کا مضمون اور ذکیہ باجی کے مضمون بہت اچھے ہوتے ہیں۔ کبھی، کبھی ٹی وی اور فلم کے بھی حالات بتایا کریں۔ اچھا میری باتوں کا برا نہ منائیے گا۔'' (زلیخاں بی بی آپ کو اور آپ کی تمام سہیلیوں کو خوش آمدید، آپ ہمارے ناول اور تمام افسانے خوشی، خوشی پڑھا کریں۔ اور غصے کو اٹھا کر کسی ڈبے میں بند کر دیں۔ اور وہ ڈبا کہیں باہر پھینک دیں۔ ہاں آپ کی فرمائش بھی نوٹ کر لی گئی ہیں)

✉ سلمٰی عمر، کھارادر، کراچی سے۔'' باجی میں کئی سال سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں یہ ہر لحاظ سے ایک مکمل رسالہ ہے۔ آپ رائٹرز کے انٹرویو ہر مہینے لگایا کریں۔ ابھی تو ڈھیر ساری باقی ہیں۔ مجھے سائرہ رضا، نمرہ اور عمیرہ احمد کی تحریریں اچھی لگتی ہیں آپ ان کی بھی لگایا کریں۔ عمیرہ احمد کا عکس آج بھی پڑھتی ہوں......'' (تبصرے کا شکریہ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے)

☆☆☆

پیاری بہنو! بہنوں کی محفل کے صفحات کا کوٹا ختم ہوا...... آیئے پہلے درود پاک پڑھتے ہیں اور پھر وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہیں۔ یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، اے کریم یا اللہ...... ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز بغیر حساب کتاب لیے ہمارا نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے، اے سلامتی دینے والے ہمیں ہر قسم کے شرور سے بچا...... ارضی و سماوی آفات سے بچا...... ناری قوتوں سے بچا...... لاعلاج بیماریوں اور جان لیوا پریشانیوں سے بچا...... یا اللہ ہمیں خیر عطا فرما اور ہمیں ہمیشہ عافیت والی زندگی عطا فرمانا تاکہ ہم تیرے دین کو ساری دنیا میں پہنچا سکیں اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے۔ (آمین ثم آمین)

یا مجیبُ، یا مجیبُ، یا مجیبُ آخر میں ایک بار پھر درود ابراہیمی پڑھ لیں۔

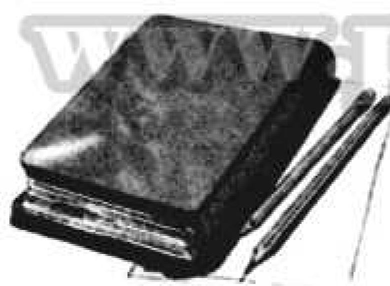
دعا گو

آپ کی اپنی باجی انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

میرے آقا کرم کی نظر کیجیے
عیب جتنے بھی ہیں سب چھپا لیجیے
بحرِ عصیاں میں ڈوبی رہی زندگی
حشر میں بات بگڑی بنا دیجیے
رحمتوں کا خزینہ ہے ذات آپ کی
اپنی رحمت کے صدقے بچا لیجیے
پھٹ چکا دامنِ جان و دل یا خدا
تسبیح کُن سے دامن پھٹا سی جیے
اے خدا، اے خدا اب تو کعبہ دکھا
جی چکے، جی چکے، جس قدر بھی جیے

شاعرہ: ناہید عزمی، کراچی

نعتِ رسولؐ

سب کچھ خدا سے مانگ لو عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
دونوں جہاں سنوار لو عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
پھول کھلیں چمن، چمن مہکے ہر اک کلی، کلی
نعتِ نبیؐ لکھو اگر عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
دل کی سیاہی ڈھل گئی شامِ الم بھی ڈھل گئی
روشن حیات ہو گئی عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
وہ اِک نگاہِ شوق تھی لمحوں میں سرنگوں ہوئی
روضے پہ جب پڑی نظر عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
دل کو سرور مل گیا روح بھی پُرسکوں ہوئی
صل علیٰ کہا تھا جب عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
نور کی اِک کرن ملی روشن ہوئی تھی کائنات
ساری حیات جب کٹی عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
سجدے کروں میں رات دن بھیجوں درود اور سلام
جان بھی دوں تو کچھ نہیں، عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
غیر خدا کے سامنے کرنا کبھی نہ سر کو خم
دل میں رہے نہ کوئی غم عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
اے دلِ مضطرب تجھے کیوں نہ سکھاؤں ایک بات
سیرتِ مصطفیٰ پہ چل عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
موت ہے کیا حیات کیا عقدہ کبھی نہ کھل سکا
پا لے تو رازِ زندگی عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر
کیسی ملی حیات تو میرا نصیب دیکھیے
چپکے سے آنکھ موند لی عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

فرمانِ الٰہی

بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا تو بے شک اس کے لیے جہنم ہے (اور وہ ایسا عذاب ہے کہ) نہ وہ اس میں مر سکے گا اور نہ ہی زندہ رہے گا۔

(سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۷۴)

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

استغفار کی برکت

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے عراق کے کسی گاؤں میں رات ہو گئی۔ میں ایک مسجد میں گیا مگر اُدھر کے چوکیدار نے مجھے نکال دیا۔ میں مسجد کے باہر فرش پر سو گیا، چوکیدار نے مجھے پاؤں سے گھسیٹ کر مسجد سے دور کر دیا۔

وہ شخص چلتے پھرتے ہر کام کے دوران ہر وقت استغفار پڑھتا تھا۔ صبح میں نے اس سے پوچھا۔

”کیا آپ کو استغفار کا کوئی فائدہ ہوا؟“

اس نے کہا۔ ”جی میری ہر دعا قبول ہوئی ہے، سوائے اس کے کہ میری ملاقات امام احمد بن حنبلؒ سے

ہو جائے۔''

میں نے کہا۔'' میں ہی احمد بن حنبلؒ ہوں اور تم دیکھو کہ مجھے گھسیٹ کر تمہارے پاس لایا گیا ہے۔''

مرسلہ: ماہ زیب، چونیاں

غزل

درد کے قصے لکھتی ہوں
سارے لمحے لکھتی ہوں
جن پر چلنا سیکھا تھا
وہ سب رستے لکھتی ہوں
جو بھی رشتے ٹوٹ گئے
ان کے بارے لکھتی ہوں
بوجھل آنکھیں رہتی ہیں
بوجھل چہرے لکھتی ہوں
دل کے کورے کاغذ پہ بھی
موسم بھیگے لکھتی ہوں
جو بھی ملنے آتے ہیں
لوگ بھی اچھے لکھتی ہوں
تمثیلہ میں ان کی خاطر
کیسے مصرعے لکھتی ہوں

کاوش: تمثیلہ لطیف، پسرور

رات کے پچھلے پہر

رات کے پچھلے پہر
میں نیند سے جاگ گئی
آنکھوں میں آنسو تھے
اور دل درد سے تھا بوجھل
خیالوں کے تھپیڑے تھے
اور میری تنہائی تھی
میں سوچتی رہی
اور اپنے خالی ہاتھوں کو
دیکھتی رہی......
میری زندگی کا محور
میرے جینے کا مرکز
وہ لوگ ہی تو تھے
جن سے تھی میری حیات
وہ کر کے مجھے تنہا، اکیلا
میری بند مٹھی سے
کیسے پھسل گئے

از: سیما محمد عالم، کراچی

عورت کی زندگی

عورت کی پوری زندگی ان تین جملوں پر محیط ہے۔وہ پیدا ہوئی، اس نے مصیبتیں برداشت کیں۔
اور مر گئی......

ہومر

مرسلہ: ظل شاہین، رحیم یار خان

ویلنٹائن ڈے

چلو میں مان لیتی ہوں
تمہارا ہر کہا ساجن
محبت کے جزیرے میں بہت ہی خاص ہے یہ دن
ہمیں اس کو بہت ہی منفرد کر کے منانا ہے
مگر ایک بات بتلاؤ
محبت کے نتیجے میں وہ ''ننھی'' سی محبت کی
''نشانی'' کون رکھے گا؟

شاعرہ: ناہید عزمی

مرسلہ: کوثر، کراچی

دنیا بھر کی خواتین کے رونے کے انداز

☆ مغرب کی خواتین چہرہ ڈھانپ کر روتی ہیں۔
☆ عراق کی خواتین چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا کر روتی ہیں۔
☆ اٹلی کی خواتین اپنے سر کو دوسرے کے کندھے پر رکھ کر روتی ہیں۔
☆ ناروے کی خواتین بیٹھ کر آہ و زاری کرتی ہیں۔
☆ امریکا کی خواتین سر کو گھٹنے پر مار کر روتی ہیں۔
☆ فرانس کی خواتین ٹشو پیپر ہاتھ میں لے کر آنسو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



بہاتی ہیں۔

☆ جاپان کی خواتین چیخ چنگھاڑ کر روتی ہیں۔

☆ آسٹریلیا کی خواتین اکیلے کے بجائے کورس میں روتی ہیں۔

☆ نیوزی لینڈ کی خواتین آنسو بہانا پسند نہیں کرتیں صرف رونی صورت بناتی ہیں۔

☆ برطانیہ کی خواتین کھڑے، کھڑے آنسو بہاتی ہیں۔

☆ انڈیا کی خواتین بال بکھیر کر بین کر کے روتی ہیں۔

☆ پاکستان کی خواتین یہ تمام انداز اپنا لیتی ہیں لیکن خاص انداز یہ ہے کہ خود نہیں روتیں بلکہ اپنے سسرال والوں کو آٹھ، آٹھ آنسو رُلاتی ہیں۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

ٹھہر اے زندگی

ٹھہر اے زندگی
شاید مجھے وہ رات مل جائے
کوئی سوغات مل جائے
گزر جاؤں میں جس کو تھام کر ہر دشت و صحرا سے
مجھے وہ ہاتھ مل جائے
میں دُہراؤں جسے تا زندگی خاموش راتوں میں
مجھے وہ بات مل جائے
کوئی سوغات مل جائے
ٹھہر اے زندگی
زمیں سے آسمان تک نور میں ڈوبی ہوئی اِک روشنی چمکے
میں سجدے میں گروں اس دم
اسی سے لو لگاؤں......اور
اسی کی بن کے سو جاؤں، سکوں پاؤں
عجب کیا ہے کہ سب یوں ہو
اگر وہ رات مل جائے
کوئی سوغات مل جائے
ٹھہر اے زندگی
شاید مجھے وہ رات مل جائے

شاعرہ: ذکیہ بلگرامی
مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

اقوال زریں

☆ مصائب سے مت گھبراؤ کیونکہ ستارے اندھیرے میں چمکتے ہیں۔

☆ کسی سے اتنی نفرت نہیں کرو کہ اسے اپنی زندگی بیزار لگنے لگے۔

☆ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔

☆ علم حاصل کرو اس کے لیے تمہیں خواہ چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

☆ عورت کو چاند بن کر نہیں بلکہ سورج کی طرح ہونا چاہیے کہ لوگ دیکھ کر نظریں ہٹا لیں۔

مرسلہ: سمیرا گل ناز یوسف، کراچی

اب کے سال کچھ ایسا کرنا

اپنے پچھلے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
پچھلی یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اِک کاغذ لے کر بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اِک، اِک پل کا اِک، اِک موڑ اکٹھا کرنا
ساری صبحیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اِک، اِک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
اگر خوشیاں بڑھ جائیں تو
پھر تو تم کو میری طرف سے نیا سال مبارک ہو
اور اگر غم بڑھ جائیں تو مت بیکار تکلف کرنا
پھر تم ایسا کرنا جاناں......! میری خوشیاں تم لے لینا
مجھے اپنے غم دے دینا
اب کے سال کچھ ایسا کرنا
(سب کے لیے 2017 خوشیاں لائے)

مرسلہ: آنسہ جواد، ڈی آئی خان



جلترنگ

انجم انصار

ایسی بھابی!

لوگ کہتے ہیں کہ آج کل لڑکیوں کی شادی بڑی مشکلوں سے ہوتی ہے۔ بالکل غلط کہتے ہیں۔ میری تو سب بہنوں کی بڑی آسانی سے شادیاں ہوتی چلی گئیں۔ ہینگ لگی نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آیا۔

بڑی آپا نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور فٹ سے شادی ہوگئی۔

چھوٹی باجی بہ مشکل کوچنگ سینٹر میں تین ماہ پڑھنے گئی ہوں گی۔ کھٹ سے شادی ہوگئی۔ سر راشد جو پڑھاتے تھے اُن ہی کا رشتہ آگیا۔

چھوٹی آپا نے فرید بھائی کی مہندی میں بڑے آفت ڈانس کیے تھے۔ ابھی مہندی کی تصویریں بھی نہیں آئی تھیں کہ ان کے رشتے تابڑتوڑ آگئے۔ حد تو یہ تھی کہ موی بنانے والا جو فرید بھائی کے دوست کا چھوٹا بھائی تھا، اس تک کا رشتہ آگیا۔

تینوں بہنوں سے نمٹ کر اماں جب فلیٹوں میں آکر بسیں تو فلیٹوں میں پھیلنے والے عشق کے وائرس نے میرا فرض بھی جلدی بھگتا دیا اور یوں اماں سب بیٹیوں کے فرض سے جلد فارغ ہوگئیں۔

سسرال میں میرا صرف ایک ہی دیور تھا۔ لاڈ پیار کی وجہ سے بہ مشکل میٹرک ہی کر پایا تھا مگر شکل صورت کا اچھا تھا...... چہرے سے پڑھا لکھا لگتا تھا، ساس نے جب رقت زدہ لہجے میں کہا کہ شکور کی شادی اگر تم کرادو تو میں اپنے سونے کے کڑے دے دوں گی تو اسی وقت سے میں اپنی کلائیوں میں ان کڑوں کا وزن محسوس کرنے لگی تھی۔

''میٹرک پر تو کوئی اچھا رشتہ کراچی جیسے شہر میں نہیں مل سکتا۔'' ایک دن میں نے اپنے شوہر سے کہا۔

''پڑھنے کا وہ شوقین ہی نہیں ہے، تو ہم کیا کریں؟''

''پھر تو جھوٹ بولنا پڑے گا، جب رشتہ ہوگا۔''

''شادی جیسے معاملے میں جھوٹ بولنا اچھا نہیں ہوتا۔''

''یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔''

اور پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ شکور کی شادی میں نے کروائی اور سونے کے کڑے میرے بازوؤں میں چمکنے لگے۔

شکور کے سسرال والے ہم سے ملتے نہیں ہیں، نہ ملیں اس کی ہمیں پروا بھی نہیں ہے۔

شکور کی شادی کی ایک راز کی بات آپ بھی سن لیجیے...... جو بے شک ہر کسی سے کہہ دیجیے گا، ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہوسکتی ہے۔

لڑکی والوں نے جب شکور کی تعلیم پوچھی تو میں نے روانی میں انہیں بتایا۔ ماشاء اللہ ہمارا شکور بے کام ہے، اگر وہ اسے بی کام سمجھے تو ہمارا کیا قصور؟ میں نے تو بے کام بتایا تھا کہ کوئی کام نہیں کرتا ہے، سچ کہا ہے کہ لوگوں نے جوڑے تو لکھے ہوتے ہیں، بس ڈھونڈنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی مہارت سے، محنت سے، ایسی ہوگی کوئی بھابی، مجھ جیسی......

☆☆☆

اس سادگی پر

میں ان کے ہاں پہلی مرتبہ گئی تھی۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ ان کی بیٹی، میرے بیٹے میں کچھ زیادہ ہی

دلچسپی لے رہی تھی۔
میاں جی نے ٹیلی فون کے بل پر اس کے موبائل نمبر پر دائرے لگاتے ہوئے کہا۔
''ناصرہ! تم گھر میں رہنے والی عورت ہو کر اتنی بے خبر رہتی ہو کہ اعجاز نے اس ماہ اکیاسی مرتبہ اس موبائل نمبر پر ڈائل کیا ہے۔''
''پڑھنے والے بچے اب ٹیلی فون پر بھی پڑھتے ہیں۔'' میں نے لمبا چوڑا بل دیکھ کر میاں کا غصہ ہلکا کرنے کی کوشش کی۔
''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اعجاز نے یہ فون کسی لڑکے کو کیا ہو؟''
''تو پھر کس کو کیے ہوں گے؟'' میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اکلوتا سپوت اگر اس طرح ہاتھوں سے نکل جائے تو غصے سے زیادہ دکھ کی بات تھی۔
''یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ یہ کون محترمہ ہیں؟''
اعجاز سے پوچھا تو اس نے بے پروائی سے بتا دیا۔
''نیٹ کی یہ دوستی ٹیلی فون تک آ گئی ہے، سبین میری بہت اچھی دوست ہے۔''
''تم نے اس کو دیکھا ہے؟''
''ہاں! نیٹ پر اس کی تصویریں دیکھی تھیں پھر ایک بار ہم باہر بھی ملے ہیں۔''
''کیسی ہے وہ؟'' میں نے اپنے سارے دکھ چھپا کر اس سے پوچھا۔
''مجھے تو اچھی لگتی ہے، آپ بھی دیکھ لیں، ہوسکتا ہے آپ کو اچھی نہ لگے۔''
''مجھے اچھی کیوں نہیں لگے گی؟''
''وہ کہہ رہی تھی کہ اکلوتے بیٹے کی ماں کے دماغ زیادہ خراب ہوتے ہیں۔'' اعجاز نے ہنس کر مجھے دیکھ کر کہا۔
''وہ مجھے پاگل سمجھتی ہے یا تم بھی؟'' غصہ دبانا اب ناممکن تھا۔
''امی! یہ تو مذاق تھا..... آپ خواہ مخواہ سیریس ہو گئیں۔''
''اس سے کہنا ایسے ہولناک مذاق آئندہ نہ کرے۔''
''کہہ دوں گا اور کوئی حکم......؟''
''میں کل اس کے گھر جاؤں گی۔''
''رشتہ لے کر؟''
''نہیں، صرف دیکھنے کے لیے کہ وہ کیسی ہے؟ اس کے گھر کے لوگ کس قماش کے ہیں۔''
''وہ لوگ ہم سے بہت بڑے ہیں۔'' وہ زعم بھرے لہجے میں بولا۔
''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''
''اُن کا گھر ہمارے گھر سے بڑا ہے۔''
''بڑے گھر میں رہنے سے لوگ بڑے نہیں ہو جاتے۔''
''یہ کیا بات ہوئی بھلا! بڑی، بڑی ڈگریاں لے کر بندہ عالم فاضل ٹھہرایا جاتا ہے۔''
''بڑی، بڑی باتیں کرنے والے دانشور کہلاتے ہیں۔''
''بڑی خوشیاں اور بڑے غموں میں زندگی کا جھولا الٹ پلٹ جاتا ہے تو بڑے مکان کی اہمیت چھوٹی کیسے ہوسکتی ہے؟'' اعجاز مجھ سے بحث پر آمادہ تھا۔
''پہلے میں ان لوگوں سے مل لوں پھر میں تمہاری کسی بات کا جواب دوں گی۔''
اپنی بڑی بہن کے ساتھ جب اعجاز کے ہمراہ میں سبین کے گھر پہنچی تو بڑے تپاک سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ بیٹے کو میں اس وجہ سے ساتھ لے کر گئی تھی کہ وہاں کی چھچھوری باتوں کو اس کے سامنے پہنچاؤں۔
سبین واقعی بڑی پیاری سی لڑکی تھی یا شاید اس نام کی لڑکیاں سب ہی بڑی پُرکشش ہوتی ہیں۔
ان کے گھر والے سیدھے سادے لوگ تھے یا وہ ہر بات ہر ایک کے سامنے کرنے کے عادی تھے۔
''رفو! کباب نہیں تلے تم نے؟'' ماں نے

بڑی بیٹی سے کہا جو چائے کے لوازمات میز پر رکھ رہی تھی۔

''بس......! یہی ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا نہیں لگ رہا، جاؤ کباب بھی تل کر لے آؤ۔''

''بھائی جان کل آفس کیا لے کر جائیں گے؟''

''قیمہ لے جائے گا وہ، جاؤ لے آؤ۔''

اور آخر وہ تل کر لے آئی، کچے قیمے کے کباب تھے۔ شاید اس لیے سب کچے سے تھے۔

ایک سات آٹھ سال کا بچہ گنجا سا بیٹھا تھا اور مسلسل ریں، ریں کر رہا تھا۔ اس کے گنجے سر پر لاتعداد چوٹوں کے نشان تھے۔ دادی اسے چمکارتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''بڑا ضدی ہے میرا شانی......! اسے جب غصہ آجائے تو جو چیز سامنے آجائے اس پر سر مار دیتا ہے۔ دیوار سامنے سے ہٹ جائے مگر یہ نہیں ہٹے گا۔ اب کل رات اسے اپنے نانا پر غصہ آگیا۔ وہ بیچارے کل آئے تھے، اس کے لیے کیلے اور آئس کریم لے کر نہیں آئے۔ ایسا ان کے کانا ہے کہ وہ بلبلا کر رہ گئے۔ اور اب یہ پوچھ رہا ہے کہ یہ جو آنٹی آئی ہیں تو کیلے اور آئس کریم لائی ہیں یا نہیں تو میں نے سمجھایا کہ بیٹے یہ پہلی دفعہ آئی ہیں۔ تمہیں جانتی بھی نہیں ہیں، اس لیے کیلے اور آئس کریم لانے کے بجائے کیک لے آئیں اور کیک سے تو اسے سخت چڑ ہے اور سچی بات ہے کہ کیک مجھے بھی نہیں اچھا لگتا۔ حالانکہ ہماری سبین بہت شوق سے کھاتی ہے۔ ایک دن اس نے چاکلیٹ کیک کالے سے رنگ کا میرے منہ میں دے دیا کہ امی کھالو، بہت مزے کا ہے، میں نے اسی وقت تھوک دیا۔ اللہ توبہ! اس قدر بدمزہ، مجھے تو اس میں سے تمبا کو کی خوشبو آرہی تھی۔ اچھا، آپ یہ دہی بڑے تو لیں۔ میں نے خود بنائے ہیں۔ اس لیے اچھے بنے ہیں۔ لڑکیوں کا کام تو مرضی کا ہوتا ہے، اپنی خوشی سے کریں گی تو ہر کام اچھا ہوگا اور مارے باندھے کریں گی۔ تو بس، اللہ کی پناہ، کل بڑی بیٹی نے چپاتیاں ایسی بنائیں جیسے تافتان...... میرے جیٹھ کھانے پر آئے تھے۔ میں تو دھک سے رہ گئی۔ روٹیاں صبح سب مائی کو دیں اور رات کو نان منگوائے۔ اعجاز آپ کا بیٹا تو بہت اچھا ہے، سبین اس کی بہت تعریفیں کرتی ہے اور سارے مشورے اس سے کرتی ہے۔ بھئی کمپیوٹر نے تو میری بچی کو بہت اچھا دوست دے دیا۔ اچھا آپ کا یہ ایک ہی لڑکا ہے، آپ تو ہر وقت اسی کی خبر گیری میں لگی رہتی ہوں گی۔ اکیلے بیٹے کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہماری مرحومہ خالہ نے تو اپنی کسی بیٹی کی شادی اکلوتے سے نہیں کی۔ حالانکہ بڑے اچھے، اچھے رشتے آئے مگر انہوں نے یہی کہا کہ اکیلے کے ساتھ ماں، بہنوں کی چوکسی بہت ہوتی ہے اور ساری کی ساری توقعات اسی سے ہوتی ہیں۔''

''آپ کی خالہ نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔'' میں نے الوداعی نظر ان کے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''مگر میں ان کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتی۔'' انہوں نے اعجاز کو چبھتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سبین کو یوں دیکھا جیسے ایک ساتھ دونوں کی بلائیں لے رہی ہوں۔

''اعجاز! ابھی بیٹھنا ہے یا چلو گے؟''

''امی! چلیں!'' وہ مجھ سے پہلے کھڑا ہوگیا۔

''اعجاز! آج نیٹ پر میں نو بجے ملوں گی۔'' چلتے وقت سبین رغبت بھرے لہجے میں اعجاز سے کہہ رہی تھی۔

''میرے کمپیوٹر میں وائرس آگیا۔ نیٹ آورز بھی ختم ہوگئے ہیں، بات نہیں ہو سکے گی۔''

میرا بیٹا اس کو دیکھے بغیر کہہ رہا تھا اور میں از خود سرشاری ہوگئی تھی۔

☆☆☆



☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

جو میرا نصیب تھا ٹل گیا، جو چھنا ہے مجھ سے میرا نہ تھا
تیرا دل یہ رمز سمجھ گیا تو کوئی کمی نہ رُلائے گی

☆حمنیٰ قندیل......کمالیہ

بدن میں آگ لگی ہے اور آنکھ روتی ہے
کہیں ہے دھوپ تو کہیں بارشوں کا موسم ہے

☆صبا نور، لیہ

عجب رسم ہے چارہ گروں کی محفل میں
لگا کے زخم نمک سے مساج کرتے ہیں
غریب شہر ترستا ہے اِک نوالے کو
امیرِ شہر کے کتے بھی راج کرتے ہیں

☆ناعمہ تحریم......ملیر ہالٹ

اپنے غم سے کہو ہر وقت مرے ساتھ رہے
ایک احسان کرو اس کو مسلسل کر دو
مجھ پہ چھا جاؤ کسی آگ کی صورت جاناں
اور مری ذات کو سوکھا ہوا جنگل کر دو

☆سنبل اعوان......لاہور

اسے کہو کہ ستم میں وہ کچھ کمی کر دے
کہ ظلم توڑنے والے بھی سوگ کرتے ہیں
تم اپنے دکھ پہ اکیلے نہیں ہو افسردہ
تمہارے چاہنے والے بھی سوگ کرتے ہیں

☆جمیلہ لوہی......بلوچستان

اِک طرزِ بے مثال سے آگے نکل گیا
اِک شان سے کمال سے آگے نکل گیا
پرواز کا مظاہرہ وہ جوش میں کیا
میں طائرِ خیال سے آگے نکل گیا

☆زینت عبدالصمد......میر پور ساکرو

دل نے اکثر یہ تمنا کی ہے
تیری آواز کو چھو کر دیکھوں

☆جبیں نیاز......ملتان

ہم سے بھی کیا ہو سکا محبت میں
تم نے تو خیر بے وفائی کی

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر

خیالوں میں تجھے لا کر کئی منظر بناؤں گا
تو تتلی ہے تو رنگوں سے میں تیرے پر بناؤں گا
مرا تو کج کلاہوں سے بغاوت کا ارادہ ہے
تری دستار سے اونچا میں اپنا سر بناؤں گا

☆توقیر ہاشمی......منڈی بہاؤالدین

شجر کٹتے چلے جاتے ہیں دل کی بستیوں میں
تیری یاد کی چڑیا آشیانہ ڈھونڈتی ہے

☆نگہت غفار......کراچی

کس طرح چاہوں کہ جب لوٹ کے آنا چاہوں
اپنے ہمراہ گیا وقت بھی لانا چاہوں
مرحلہ ترکِ تعلق کا بہت مشکل ہے
اور ابھر آیا ہے جو نقش مٹانا چاہوں

☆عرشیہ جنید......کراچی

روح کے صحرا میں اکثر گھومتا رہتا ہوں میں
خود کو گم کر کے ہمیشہ ڈھونڈتا رہتا ہوں میں

☆ماہ زیب......چونیاں

شہر سنسان ہے صحرا کی طرح
اب وہ ہنگامۂ احباب کہاں
سطحِ دریا تو ہے ہموار مگر
بستیاں ہو گئیں غرقاب کہاں

☆مسز تسنیم...... جہلم

آئے تو یوں کہ جیسے ہمیشہ تھے مہرباں
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے

☆نجمہ اصغر...... کراچی

تمنا آبرو کی ہے اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں سے الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

☆تسنیم کوثر...... کراچی

سارے ماحول میں خوشبو ہے تیری یادوں کی
ہم نے غم خانے کو پھولوں سے سجا رکھا ہے

☆نفیسہ آرا...... راس الخیمہ

سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
اِک تیری یاد تھی ایسی کہ بھلائی نہ گئی

☆نیلوفر خان...... بہارہ کہو

یہ اشک، یہ آہیں، یہ حسرت، یہ آٹھ پہر کی بے چینی
بس ایک نہیں، دو چار نہیں احسان تمہارے اور بھی ہیں

☆ریحانہ ابڑو...... شہداد پور

بہکا تو بہت بہکا، سنبھلا تو ولی ٹھہرا
اس خاک کے پتلے کا ہر رنگ نرالا ہے

☆مہرین ضیا...... کیماڑی

ڈوبی ہوئی خلوص میں جس کی نگاہ تھی
مجھ کو اسی کی چاہ تھی اور بے پناہ تھی

☆شمع...... فیصل آباد

ڈر رہے ہو تم عدو کے وار سے
مجھ کو تو خطرہ ہے پہریدار سے
پھول تو سب آزمائے جا چکے
دل لگا کر دیکھ لو اب خار سے

☆کوثر خالد...... جڑانوالہ

اسیر کر لیا ہے دل کو اس کی سیرت نے
نہیں ہے اچھا کوئی خوبرو مجھے اس سے
خیال و خواب بھی خوشبوئے حسن میں ڈوبے
میں کھو گیا ہوں کہاں کر کے گفتگو اس سے

☆لاریب...... چونیاں

تم اِک چاک گریباں دیکھ کے ہم کو رسوا کرنے لگے
اچھا کیا جو ہم نے تم سے دل کے چاک چھپائے ہیں
چین کہاں لینے دیتی ہے درد کی میٹھی، میٹھی آگ
ہم نے چھپ کر دامنِ شب میں کتنے اشک بہائے ہیں

☆ایمان چوہدری...... فیصل آباد

مجھے یقیں تھا کہ خود سے بھی زیادہ چاہتے ہو تم
مگر اسی وہم نے میری زندگی برباد کر دی

☆نازنین آفریدی...... پشاور

کل بچھڑنا ہے تو پھر عہدِ وفا سوچ کے باندھ
ابھی آغازِ محبت ہے گیا کچھ بھی نہیں
میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے
تو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

☆فاطمہ حسن...... اسلام آباد

ہر روم مرا چیخ رہا ہے شبِ فرقت
ایسے میں مرے یار ترا پیار کہاں ہے
بدلی ہے نہ بدلے گی تری سرد نگاہی
جلتے ہوئے سینے میں وہی آہ و فغاں ہے

☆یاسمین کنول...... پسرور

نہ رنج کا کوئی لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

☆نفیسہ حسین...... اسلام آباد

حیرت نہ کیجیے یہ اصولِ تضاد ہے
دھوکا وہیں پہ ہوگا جہاں اعتماد ہو

☆حوریہ جمیل...... لاہور

ہر اِک شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر ان کی شال آ جائے
انہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

☆☆☆

منتخب غزلیں

ماہ فروری اردو ادب میں اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ جہاں یہ ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ معروف شاعر فیض احمد فیض کا ماہ پیدائش ہے وہیں ایک اور مقبول و عظیم انقلابی شاعر جوش ملیح آبادی کی وفات کا ماہ بھی ہے۔ اسی مناسبت سے ان شعراء کا خوبصورت کلام نذرِ قارئین ہے۔

قُرب کے نہ وفا کے ہوتے ہیں
سارے جھگڑے اَنا کے ہوتے ہیں

بات نیّت کی ہے صرف ورنہ
وقت سارے دعا کے ہوتے ہیں

بھول جاتے ہیں ، مت برا کہنا
لوگ پُتلے خطا کے ہوتے ہیں

وہ بظاہر جو کچھ نہیں لگتے
ان سے رشتے بلا کے ہوتے ہیں

وہ ہمارا ہے اس طرح سے فیضؔ
جیسے بندے خدا کے ہوتے ہیں

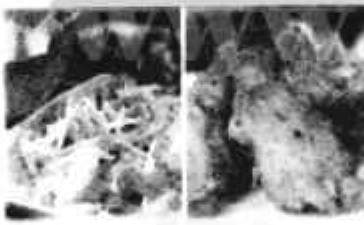
کلام : فیض احمد فیض

(13 فروری 1911ء ۔ 20 نومبر 1984ء)

ساری دنیا ہے ایک پردۂ راز
اُف رے تیرے حجاب کے انداز
موت کو اہلِ دل سمجھتے ہیں
زندگانیِ عشق کا آغاز
مر کے پایا شہید کا رتبہ
میری اس زندگی کی عمر دراز
کوئی آیا ، تری جھلک دیکھی
کوئی بولا ، سنی تری آواز
ہم سے کیا پوچھتے ہو ہم کیا ہیں؟
اِک بیاباں میں گم شدہ آواز
تیرے انوار سے لبالب ہے
دل کا سب سے عمیق گوشۂ راز
آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب
جوشؔ ہمتائے حافظِ شیراز

کلام : جوش ملیح آبادی

(5 دسمبر 1898ء ۔ 22 فروری 1982ء)



خوش ذائقہ
پاکیزہ بہنیں

نیسٹی چکن فنگر

اشیا: چکن بون لیس، ایک کلو۔ اسٹرپس کی شکل میں کاٹ لیں۔ ٹماٹر، دو سو گرام۔ لیموں کا رس، دو ٹی اسپون۔ ادرک پسا ہوا، ایک ٹی اسپون۔ سویا ساس، دو ٹی اسپون۔ سرخ مرچ، حسبِ پسند۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: ٹماٹر بلینڈ کرلیں۔ پھر اس میں ادرک، سویا ساس، مرچ، لیموں کا رس اور نمک اچھی طرح شامل کردیں۔ چکن کو دو گھنٹے کے لیے مسالے میں لپیٹ کر رکھ لیں۔ اب ایک کڑاہی میں اسے پندرہ منٹ تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب گل جائے تو پھر دس منٹ کے لیے گرم اوون میں رکھ دیں اور ابلی ہوئی سبزی جیسے مٹر، گاجر اور آلو یا فرنچ فرائز کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: نازنین آفریدی، پشاور

مچھلی کا سالن

پیاری بہنو! فرائنڈفش کی ترکیبیں تو بے شمار ہیں آج میں آپ کو مچھلی کے سالن کی ترکیب بتاتی ہوں جو ہماری بزرگ خواتین محنت سے بناتی تھیں۔

اشیا: مچھلی کے قتلے بارہ عدد۔ دہی، آدھا پاؤ۔ نمک، مرچ، حسبِ ذائقہ۔ لہسن پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ پیاز، دو درمیانی۔ ٹماٹر، دو درمیانے۔ میتھی دانہ، آدھی چائے کا چمچ۔ کڑی پتا، چار عدد۔ سوکھی میتھی، ایک کھانے کا چمچ۔ پسا ہوا سفید زیرہ، ایک کھانے کا چمچ۔ ہلدی ایک چائے کا چمچ۔ تیل حسبِ ضرورت۔

ترکیب: ٹماٹر اور پیاز چھیل کر ثابت ابال لیں۔ اور پیس لیں۔ اب ایک چھلی ہوئی دیگچی میں میتھی دانہ تیل میں ڈال کر کڑکڑائیں پھر کڑی پتا ڈال دیں ساتھ ہی لہسن، نمک، زیرہ، مرچ، ہلدی ڈالیں اور تھوڑا مسالا پک جائے اور تیل چھوڑنے لگے تو مچھلی کے قتلے ڈال دیں اب کچھ دیر بعد دہی پھینٹ کر ڈال دیں۔ پانی اتنا ڈالیں کہ قتلے نظر آئیں اب درمیانی آنچ پر رکھ دیں۔ بار بار چمچ نہ چلائیں۔ دیگچی کو صافی سے پکڑ کر ہلائیں، تیاری پر ہرا دھنیا، ہری مرچ کاٹ کر ڈال دیں۔ پندرہ سے بیس منٹ میں سالن تیار ہے۔

مرسلہ: زریں زبیر کوٹھاری، کراچی

چکن ان ریڈ سوس

اشیا: چکن، ایک کلو۔ سرکہ، آدھا کپ۔ لہسن، چوپڈ، دو کھانے کے چمچ۔ اولیو آئل، دو کھانے کے چمچ۔ کالی مرچ پاؤڈر، حسبِ ذائقہ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ریڈ سوس کے لیے۔

ٹماٹو پیوری، چار کپ۔ کٹی سرخ مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ براؤن شوگر، دو چائے کے چمچ۔ لہسن، (چوپڈ) دو کھانے کے چمچ۔ پزا سوس، دو کھانے کے چمچ۔ اولیو آئل، دو کھانے کے چمچ۔ ٹماٹو کیچپ، تین کھانے کے چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: چکن کو سرکہ، کالی مرچ، نمک اور لہسن لگا کر تین سے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پین میں تھوڑا سا پانی ڈال کر چھلنی رکھیں اور اس میں چکن ڈال کر اتنی دیر اسٹیم دیں کہ چکن گل جائے۔ ریڈ سوس کے لیے پین میں اولیو آئل گرم کرکے لہسن ہلکا فرائی کریں پھر سرخ مرچ اور ٹماٹو کیچپ شامل کرکے بھونیں۔

اب ٹماٹو پیوری...... پزا سوس، براؤن شوگر اور نمک ڈال دیں اور گاڑھا ہونے پر چولھے سے اتار لیں۔ ریڈ سوس تیار ہے۔

پین میں اولیو آئل گرم کرکے چکن ہلکا فرائی کریں اور ریڈ سوس شامل کردیں۔ تین سے چار منٹ پکا کر چولھے سے اتارلیں۔ خشکہ چاول کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: زرینہ خان، بہارہ کہو

رس ملائی

اشیا: خشک دودھ، ایک کپ۔ انڈا، ایک

عدد۔ سبز الائچی، ایک عدد (دانے نکال لیں) آئل، ایک چائے کا چمچ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ بادام، پستہ، چوپڈ، ایک کھانے کا چمچ۔ چینی، آٹھ کھانے کے چمچ۔ دودھ، ایک لیٹر۔ کیوڑا، چند قطرے۔

ترکیب: خشک دودھ، انڈا، آئل اور بیکنگ پاؤڈر اچھی طرح مکس کر کے چھوٹے، چھوٹے بالز بنالیں۔ دودھ میں چینی اور سبز الائچی شامل کر کے گرم کریں۔ جب دودھ ابلنے لگے تو بالز شامل کر کے ہلکی آنچ پر دس منٹ پکائیں اب کیوڑا مکس کر کے اتارلیں۔ ٹھنڈا ہونے پر بادام اور پستہ چھڑکیں اور سرو کریں۔

مرسلہ: بتول رضا...... جرمنی

اسپائسی فش ساتے

اشیا: وائٹ فش فلے، آدھا کلو۔ (قیمہ سا بنالیں) ہرا دھنیا، چوپڈ، آدھا کپ۔ پیاز، ایک درمیانہ۔ ہری مرچ، دو سے تین عدد۔ ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا (چوپڈ) ایک درمیانہ۔ اسکیورز، حسبِ ضرورت۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: تمام اجزا گرائنڈ کر کے آمیزہ تیار کرلیں اب اسکیورز کے گرد لپیٹ کر لمبے کباب بنالیں۔ جیسے سیخ کباب۔ پین میں تھوڑا سا آئل گرم کر کے کباب الٹ پلٹ کر کے تلیں اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

مرسلہ: فضہ بتول، بہارہ کہو

برمی گوشت

اشیا: بون لیس بیف (پارچے)، ایک کلو۔ ادرک لہسن پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔ خشک دھنیا، ایک کھانے کا چمچ۔ ثابت سرخ مرچ، 10 عدد۔ دہی، آدھا کپ۔ پیاز، 50 گرام (چوپڈ)۔ زعفران، چٹکی بھر۔ کیوڑا، ایک چائے کا چمچ۔ آئل، حسبِ ضرورت۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: خشک دھنیا اور سرخ مرچ توے پر بھون لیں اور پیس لیں۔ گوشت پر ایک کھانے کا چمچ ادرک لہسن پیسٹ اور نمک لگا کر الگ رکھ دیں۔ پین میں آئل گرم کر کے پیاز ہلکا فرائی کریں۔ اب اس میں باقی ادرک لہسن پیسٹ ڈال کر ہلکا سا بھونیں پھر دہی، زعفران، کیوڑا، بھنی ہوئی مرچیں اور دھنیا ملا کر مسالا تیار کرلیں۔ پارچوں کو رول کر کے دھاگے سے باندھ کر اس مسالے میں ڈپ کریں۔ اب انہیں پین میں رکھ کر ڈھکن کو گندھے ہوئے آٹے سے بند کردیں اور ہلکی آنچ پر پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ تیار ہونے پر لچھے دار پیاز کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: ماہم شاہد، کراچی

سردیوں کے ٹوٹکے

☆ موسم سرما میں بار، بار ہاتھ دھونا، کریم لگانا پھر کچن میں آنا...... اس کے لیے بہتر ہے کہ ہاتھوں کی نرمی کے لیے خصوصی طور پر روغنِ زیتون، روغنِ بادام یا تل کا تیل لگایا جائے اس طرح آپ آٹا گوندھنے، سبزی کاٹنے یا میرینیشن میں مصنوعی کریم کی آمیزش سے بچ جائیں گی۔

☆ سنک بند ہونے کی صورت میں ایک دیگچی میں تیز گرم پانی کر کے اس میں ایک پیالی کپڑے دھونے والا سوڈا حل کریں پھر اسے بند سنک میں ڈالیں...... سنک فوراً کھل جائے گا۔

☆ باورچی خانے کا پنکھا خصوصیت سے یا دوسرے پنکھے بھی صاف کر کے کناروں پر ذرا سا مٹی کا تیل لگادیں تو زنگ سے بچ جائیں گے۔

☆ ہمیشہ رات کو کچن اچھی طرح صاف کر کے ہر چیز ڈھانپ کر رکھیں۔ کچرے کا ڈسٹ بن بھی خالی کر کے رکھیں تاکہ رات بھر میں بھنگے نہ ہوں اور فرش پر مٹی کے تیل کا پوچا لگائیں۔

☆ قلفہ یا کلفہ ایک ساگ ہے اور موسم سرما کا تحفہ بھی...... یہ جگر کی تمام بیماریوں کے لیے مفید ہے، اسے سادہ یا دیگر سبزیوں، دالوں اور گوشت کے ساتھ بھی کھایا جاتا ہے۔



بزمِ پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ امبر مظاہر...... نصیر آباد، کراچی

سوال: باجی میں شیخی کیسے بگھاروں؟

جواب: جن جن کو کلسانے اور جلانے کا کیڑا آپ کے دماغ میں ہے، ان کے ہاں جا کر جو منہ میں آئے بک دیں۔ اور یہ سوچے بغیر کہ وہ آپ کو کیا، کیا نا قابلِ اشاعت گالیوں اور کوسنوں سے سرفراز کر رہے ہیں۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

سوال: وہ کہتے ہیں سال 2017ء کے کسی بھی مہینے میں، میں تمہاری جھیل سی آنکھوں میں ڈوب جاؤں گا، کیا واقعی......؟

جواب: آپ اُن سے کہیں...... ایسی زحمت نہ کریں کیونکہ ان کے ڈوبنے کے لیے تو صرف چُلّو بھر پانی ہی کافی ہوگا۔

☆ ثمینہ وحید...... پنجاب

سوال: آج کل خواتین ایک دوسرے سے کن امور پر زیادہ حسد محسوس کرتی ہیں؟

جواب: یہ اپنی، اپنی ترجیحات ہیں، کوئی کسی کی خوب صورتی سے جلتا ہے کوئی کسی کے پیسے، کوئی کسی کی اولاد سے اور کوئی کسی کی ہر دل عزیزی سے جلتا ہے تو کوئی کسی کی دریا دلی سے...... غرض یہ وہ خامیاں جو ہر ایک کی اپنے، اپنے حساب سے ہوتی ہیں مگر جلنے اور کلسنے والی خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔

☆ امامہ تجمل...... کراچی

سوال: آ بیل مجھے مار...... بیل کو مارنے کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: بعض لوگوں کا طرزِ گفتگو ہی جھگڑالو سا ہوا کرتا ہے، ایسے لوگوں کی بے ڈھنگی باتوں کو آ بیل مجھے مار...... سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسے ٹی وی کے کسی ٹاک شاک میں حصہ لینے کا مطلب ہی اب یہی رہ گیا ہے کہ آ بیل مجھے مار...... زیادہ تر مہمان جھگڑنے کے لیے ہی ایسے ٹاک شوز میں شرکت کیا کرتے ہیں۔

☆ عظمیٰ زہری...... اوستہ محمد، بلوچستان

سوال: یہ ایٹم بم کہاں پائے جاتے ہیں؟

جواب: گفتگو کے بم تو ہر گھر میں پائے جاتے ہیں اور ہر صوبے میں۔

☆ صبا نور...... لیہ

سوال: باجی میں اس وقت کوفتے بنا رہی ہوں، اس کا سائز کتنا ہونا چاہیے؟

جواب: فنائل کی گولی سے بڑا اور موتی چور کے لڈو سے قدرے چھوٹا۔

☆ رفعت خادم حسین...... ملتان

سوال: سپنوں میں روز آیا کرو، دل میرا نہ چرایا کرو، کون کہتا ہے؟

جواب: کوئی پاگل ہی کہتا ہوگا۔

☆ فلک بنت ندیم...... حیدر آباد

سوال: انسان کے منہ میں 32 دانت ہوتے ہیں اونٹ کے منہ میں 34 گھوڑے کے منہ میں 40 اور کتے کے منہ میں 42 دانت ہوتے ہیں اور مچھر کے منہ میں کتنے ہوتے ہیں؟

جواب: بڑی فارغ ہو، جب اونٹ، گھوڑے، کتے کے دانت گن چکی ہو تو مچھر اور مکھی کے بھی گن لو۔

☆نسرین یاسین..... لطیف آباد

سوال: خوشامدی اور چاپلوسی کرنے والے لوگوں کی کیا پہچان ہوتی ہے؟

جواب: اُن کے ساتھ مکھن کا کنستر ہمیشہ ہوتا ہے اور یہ ابن الوقت ہوا کرتے ہیں، اگر آپ کی ذات سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا تو یہ آپ کو پہچانیں گے بھی نہیں۔

☆انیسہ حامد..... کراچی

سوال: میں نے بادام، چلغوزے، مونگ پھلی لے لی ہے مگر کراچی میں سردیاں ہی نہیں آرہی ہیں؟

جواب: ڈرائی فروٹس اور لے لو..... سردی اللہ ضرور دے گا۔

☆لیلیٰ..... اوستہ محمد، بلوچستان

سوال: غریب کون ہوتا ہے؟

جواب: جس کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ ہو..... وہ کنجوس ہو، نیت خراب ہو اور غیبتوں کی دنیا میں رہنے والا ہو۔

☆نور افشاں..... شکار پور

سوال: میں نے بے شمار خواتین سے ان کی خوش لباسی کا راز پوچھا تو یہی کہا کہ وہ اپنے بجٹ کا بڑا حصہ اپنے کپڑوں پر خرچ کرتی ہیں اور آپ کیا کرتی ہیں؟

جواب: میں تقاریب میں ایک سوٹ کئی مرتبہ پہننے میں اپنی توہین نہیں سمجھتی ہوں، میں واقعی کپڑے کم بناتی ہوں مگر میرے بیٹے، میری بیٹی، میری بہوئیں مجھے شاید اسی لیے کپڑے گفٹ کرتے ہیں۔

☆صائمہ سجاد بنگش..... کوہاٹ

سوال: ہمیشہ کریڈٹ وہ خود لے جاتی ہیں؟ کون بھلا؟

جواب: اکثر سسرال کی خواتین۔

☆نسیم منظر..... بفرزون، کراچی

سوال: دیواروں سے باتیں کب کی جاتی ہیں؟

جواب: جب کسی فارغ شخص پر پاگل پن کا دورہ پڑتا ہوگا تو وہ انسانوں کے بجائے دیواروں سے باتیں کرتا ہوگا۔

☆گلناز گل..... ملتان

سوال: کون سی چیز انسان کو زندہ درگور کردیتی ہے؟

جواب: اولاد کا دکھ۔ (اللہ کسی دشمن کو بھی نہ دے)

☆مسز عالم..... کراچی

سوال: وہ کہتے ہیں کہ موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو؟ آخر وہ محل کہاں ہے؟

جواب: ان کی آنکھوں میں..... بات کرنے سے پہلے ان سے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھ لیا کرو۔

☆شمیم احمد..... ملیر، کراچی

سوال: الفت کے سودے کے لیے ساس کی خدمت کرو اور نفرت کی جھولی بھرنے کے لیے کس کی خدمت کریں؟

جواب: نفرت کا حصول بہت آسان ہے، وہ تو فری میں مل جاتی ہے، برائی کی جانب قدم بڑی آسانی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔

☆زینب شاہدہ..... کراچی

سوال: آج کل لوگ دل سے زیادہ سوچتے ہیں یا دماغ سے؟

جواب: دماغ سے اب تو دل میں بھی دماغ گھس آیا ہے۔

☆ناصرہ..... پنجاب

سوال: مہکی صدائیں، تجھ کو بلائیں، آخر کس کو؟

جواب: اپنے میکے والوں کو..... اپنے پیاروں کو۔

☆شائستہ اعجاز..... کراچی

سوال: لڑکوں سے ان کی بری عادت پوچھو تو فوراً بتادیں گے لیکن اگر یہی سوال لڑکیوں سے کیا جائے تو؟

جواب: وہ اپنی ایسی عادتیں بتائیں گی جو دراصل خوبیاں ہوں گی۔ وہ کہتی ہیں، میں بڑی جلدی بے وقوف بن جاتی ہوں۔ جو کہے میری مدد کرو میں فوراً کردیتی ہوں اور ایک بری عادت رات کو اس وقت تک نہیں سوتی جب تک سارے گھر کا جھاڑو پوچا نہ لگالوں وغیرہ..... یہ سب مکاریاں ہوتی ہیں گفتگو کی۔

☆☆☆



حسن نکھاریے

مہ جبیں

موسم سرما سے متاثرہ دلکش و حسین بہنوں کے لیے کئی نسخے حاضر ہیں۔ آج کل وطنِ عزیز میں سردی عروج پر ہے تو اس کے بچاؤ کی ترکیبیں بھی گھر، گھر ہو رہی ہیں۔ کہیں خشک میوہ جات کھائے جا رہے ہیں تو کہیں پائے، سوپ اور نہاری کی بہار ہے۔ نازک اور حساس جلد رکھنے والی حسینائیں اپنے حسن کو برقرار رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ آئیں ہم بھی آپ کو چند نسخے بتاتے ہیں۔

☆ فریش دودھ کی بالائی سے فیضیاب ہوں اور رات میں چہرے، ہاتھوں، پیروں اور ہونٹوں پر ذرا سا عرقِ لیمو اور عرقِ گلاب شامل کر کے اچھی طرح مساج کریں۔ بیسن دودھ میں گھول کر اس سے چہرہ اور ہاتھ دھوئیں۔

☆ نہانے سے پہلے روغن زیتون سے پورے جسم کا اچھی طرح مساج کریں اور پھر گرم پانی سے نہائیں مگر تیز گرم نہ ہو۔

☆ گلیسرین، عرق گلاب اور عرقِ لیمو کا آمیزہ صدیوں سے موسم سرما کی خشکی دور کرنے کے لیے آزمودہ رہا ہے آپ بھی ایک شیشے کی بوتل میں بنا کر رکھ لیں اور استعمال کریں۔

☆ ناریل کے تیل میں موم ملا کر پھینٹ کر رکھ لیں اور رات سونے سے قبل اسے پیروں بالخصوص کہنیوں، ایڑیوں اور گھٹنوں پر ملیں۔

☆ سردیوں میں بالوں میں انڈے، دودھ، دہی اور لسی سے مساج کریں اور پھر نیم گرم پانی سے دھو لیں بال گرنے، ٹوٹنے اور خشکی سے محفوظ رہیں گے۔

☆ زیتون کا تیل اور روغنِ بادام نرمی کے ساتھ انگلیوں کی پوروں سے آنکھوں کے اردگرد گولائی میں لگائیں، کچے دودھ پر آنے والے جھاگ کو نکال کر آنکھوں کے اردگرد لگانے سے جلد پُر رونق ہو جاتی ہے اور سیاہ حلقے دور ہو جاتے ہیں۔

☆ موسمی پھلوں یعنی مالٹے، کینو کی ہر قسم اور سبز پتوں والی سبزیوں کو روز کی خوراک میں شامل رکھیں۔

☆ زیادہ چکنی جلد والے موئسچرائزنگ کریم کا باقاعدہ استعمال کریں بجائے کولڈ کریم کے...... کیونکہ موئسچرائزنگ کریم روغنیات اور پانی کے خاص تناسب کے ذریعے بنائی جاتی ہے، اس جلد پر زائد چکناہٹ محسوس نہیں ہوتی۔

☆ موسم سرما میں ہاتھوں پیروں کی انگلیاں سوجن کا شکار ہو جاتی ہیں اس کے لیے نمک ملے گرم پانی میں ہاتھ پیر رکھیں۔ اس سے دن بھر کی تھکن بھی اتر جاتی ہے۔

منہ کے اندر کا حسن نکھاریے

پیاری اور خوشبودار بہنو! ہم جلد کی ظاہری صفائی کے لیے تو نسخے بتاتے ہی ہیں آج اندرونی صفائی کے لیے بھی کچھ ٹوٹکے عرض کرتے ہیں۔

☆ بے حد خوب صورت شکل صورت...... اور جب بات کرتے ہیں تو بدبو کے بھبکے آئیں تو کیسا محسوس ہوگا...... اس کے لیے ضروری ہے اور خاص طور پر محفلوں میں جانے سے پہلے دانت اچھی طرح برش کریں...... رنگ برنگے چیونگم چبانے کے بجائے سبز الائچی، پودینے اور یوکلپٹس کے تازہ پتے، لونگ، لیمن گراس، ذرا سی مقدار میں چبانے سے افاقہ ہوگا۔ اگر سانس میں بدبو ہے تو ڈاکٹر سے بھی ضرور معائنہ کروائیں...... رات ضرور برش یا منجن کر کے سوئیں۔ لونگ، الائچی، لیمن گراس، دارچینی، پودینہ ابال کر اس کے پانی سے غرارے کریں۔

☆ لونگ کے نیم گرم تیل میں نمک ملا کر انگلی سے دانتوں پر ملیں۔

روحانی مشورے

ادارہ



اللہ کی حفاظت میں

جب بھی شوہر گھر سے کہیں بھی جائے، دفتر، بازار، دوستوں میں، اس کو رخصت کرتے ہوئے آپ ہمیشہ فی امان اللہ کہا کریں۔ جیسے پچھلے وقتوں کی خواتین دعاؤں کے حصار کے بغیر کسی کو گھر سے نکلنے ہی نہیں دیا کرتی تھیں۔ اور یہ کتنی پیاری دعا بھی ہے کہ جب آپ اپنی امانت اللہ کے حوالے کردیں گے تو اللہ ہی محافظ ہے اور وہی آپ کی امانت کی حفاظت کرے گا۔

آج بہت کم بیویاں ایسی ہوں گی جو شوہر کو گھر سے رخصت کرتے وقت ایسے الفاظ کہتی ہوں گی۔ پہلے بیویاں شوہر کو اپنے گھر کے دروازے تک رخصت کرتی تھیں، آج کی بیویاں تو شوہر کے جانے کے بعد ملازماؤں سے پوچھا کرتی ہیں۔ تمہارے صاحب کب گئے تھے۔

اور یہی وجہ بھی ہے کہ ایسے شوہروں کی حفاظت بھی نہیں ہو پاتی۔ پھر ایسی بیویاں پریشان پھرا کرتی ہیں کہ اُن کے شوہروں کی دلچسپیاں باہر زیادہ ہیں۔ پیاری بہنو......! جب آپ نے اپنی امانت اللہ کے حوالے کی ہی نہیں تو پھر...... یہ واویلا کیسا......؟

اچھی اور نیک بیویاں ہمیشہ اپنے شوہر اور بچوں کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے اونچی آواز میں دعا دیتی ہیں اور اپنی امانت اللہ کے حوالے کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر یقین ہمارے کاروبارِ حیات کی ضمانت ہے۔

پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے

☆ نماز کی باقاعدگی کے ساتھ روزانہ سات حم۔ گیارہ مرتبہ اول وآخر درود پاک کے ساتھ پڑھیں۔ یہ قبر کے عذاب اور گناہوں سے بچنے کے لیے افضل ہیں۔ اچانک کسی مصیبت کے نازل ہونے پر گھر کے سب لوگ مل کر پڑھیں۔ اگر آپ راستہ بھول جائیں یا کوئی بات بھول جائیں یا کسی کامیابی کے لیے خواہش مند ہوں تو سات حم باقاعدگی سے پڑھیں۔ (کم از کم تین ماہ) یہ سات حم کی ساتوں سورتیں سورۂ مومن سے لے کر سورۂ احقاف تک ترتیب وار پارہ ۲۴، ۲۵ اور ۲۶ میں موجود ہیں۔

لالچی داماد کا کیا کریں

جن گھرانوں میں بیٹیوں کو زیادہ جہیز دیا جاتا ہے...... اور شادی کے موقع پر شان و شوکت خوب زیادہ دکھائی جاتی ہے...... ان کے داماد اگر مال و دولت میں ان سے کم ہوں تو وہ لالچی ہو جاتے ہیں۔ وہ چاہتے کہ جس طرح شادی کے موقع پر ان کو جس طرح نوازا گیا، شادی کے بعد بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے...... اور ان کو ہمیشہ ہی نیا، نیا دولھا ہی سمجھا جائے۔ تب وہ اپنی بیوی سے یہی کہتے ہیں کہ میکے سے یہ مانگ کر لاؤ اور وہ مانگ کر لاؤ...... اور ایسے لوگوں کا منہ کسی صورت نہیں بھرتا۔

ایسے لالچی لوگوں کو سدھارنے کے لیے جہاں انہیں ان کی ذمے داریوں کا احساس دلانا چاہیے...... اس کے ساتھ حاجت کے نفل پڑھ کر پانچ تسبیح ان اسما کی پڑھیں۔

یا حلیمُ، یا علیمُ، یا علیُ یا عظیمُ

اور پھر سجدہ ریز ہو کر دعا مانگیں کہ پاک پروردگار ایسے لوگوں کا لالچ ختم کردے...... اور ان میں حلیمی اور ذمے داری عطا فرما...... اور انہیں رزق بھی بے حساب دے، آمین۔

خانگی سکون اور طمانیت کے لیے

روزانہ شکرانے کے نفل ادا کریں۔ آیات حرزِ جیح

شام پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ روزانہ صدقہ دیں۔(حسب استطاعت) گھر میں بلندی پر پرندوں کے لیے باجرہ اور پانی رکھنا اپنا معمول بنالیں۔ کسی یتیم کی باقاعدگی سے مدد کریں۔ گھر میں سلام کو پھیلائیں۔ گھر میں اگر دس مرتبہ بھی داخل ہوں تو بلند آواز میں بسم اللہ پڑھ کر سلام کر کے اور ایک بار سورۂ اخلاص پڑھ کر یا پڑھتے ہوئے داخل ہوں۔ انشاء اللہ تمام پریشانیاں دور ہوں گی اور گھر کی فضا میں ہمیشہ خوشی رچی رہے گی......!

غم اور مشکل کا علاج

حدیث پاک میں ہے کہ جو آدمی ہمیشہ استغفار پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل آسان کر دیتا ہے اور ہر غم دور کر دیتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔(ابو داؤد) آپ سب استغفار کی تسبیح صبح شام پڑھا کریں۔

پریشانیاں جب پیچھا لے لیں تو

ایسے تمام لوگ اپنا صدقہ حسب استطاعت صبح شام دیں۔ چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح یا علیُّ پڑھا کریں۔ اس کے ساتھ، ساتھ دن میں ایک بار سورۂ محمد بھی پڑھیں۔ عمل کی مدت تین ماہ ہے۔

خیر و برکت کے لیے......

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد دس بار سورۂ اخلاص (پوری) پڑھتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی اور مغفرت لازم کردے گا...... اور اس کے گھر خیر و برکت بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا فیض پڑوسیوں کو بھی پہنچے گا۔

بداخلاق کو تمیز دار یا فرمانبردار بنانے کے لیے

سب سے پہلے تو اپنے گھر کے ماحول کو پاکیزہ بنائیں...... گھر میں حلال کمائی آتی ہو، گھر کے بڑے گالم گلوچ کرنے کے عادی نہ ہوں۔ ہر کام بسم اللہ پڑھ کر کرنے کی عادت ڈالیے۔ پانی پر بسم اللہ سمیت سورۂ فاتحہ دم کر کے پانی پئیں اور پلائیں۔ اکتالیس مرتبہ سورۂ شمس (30 واں پارہ) کو پڑھ کر پانی پر دم کر کے گھر کے افراد کو پلائیں انشاء اللہ ان کی بد زبانی ختم ہو جائے گی۔ پنجگانہ نماز خود بھی پابندی سے پڑھیں اور سب کو تاکید بھی کرتے رہیں۔

جب ہڈیاں کمزور ہو جائیں اور ہڈیوں میں درد ہونے لگے

ہمیشہ ہڈی والا گوشت کا سالن چپاتی کے ساتھ کھائیں، زیتون کے تیل پر 41 بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر اول و آخر درود ابراہیمیؑ دم کر کے اپنی ہڈیوں پر دھیمے ہاتھ سے مالش کریں اور جب بھی دوا کھائیں اس پر کم از کم تین بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر کھائیں۔

کام ہو جائے گا......!

بعض دفعہ کاموں میں اڑچن آجاتی ہے...... روزانہ استغفار کثرت سے پڑھیں اس کے ساتھ، ساتھ ہر نماز کے بعد پانچ تسبیح یا رؤف یا رحیم پڑھا کریں۔ بسم اللہ پڑھ کر ہر کام کیا کریں۔ آپ کا ہر کام خود بخود ہو جائے گا۔

پیارا سا بیٹا ہو......!

جب آپ کو اولاد کی خواہش ہو، اسی دن سے اچھی قسم کی کشمش اور مصری کھانا شروع کر دیں اور پانی گلاس کے بجائے کٹورے میں پئیں...... یہ ایک بہت پرانا ٹوٹکا ہے۔ حمل ٹھہر جانے کے بعد جب حاملہ عورت بلا تعداد (کھلا پڑھیں) چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے...... تھوڑی، تھوڑی دیر بعد یہ دعا پڑھتی رہیں۔ جب تک الٹرا ساؤنڈ سے پتا نہ چلے باقاعدگی سے پڑھیے بلکہ وضع حمل تک جاری رکھیے۔ دعا یہ ہے۔

رَبِّ ھَبْ لِی مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا

☆☆☆







شوابے ہومیو کلینک

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

دانت اور مسوڑھے

مسز کامران...... ہری پور ہزارہ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے مسوڑھے خراب ہو رہے ہیں اور دانتوں پر سے اپنی جگہ چھوڑ رہے ہیں۔ نچلے دانتوں میں Plaque میل کی وجہ سے دانتوں میں خلا آگیا ہے اور وہ کمزور ہو رہے ہیں۔ کوئی ایسی دوا تجویز کریں کہ مسوڑھے اپنی جگہ اصل حالت میں واپس آسکیں اور دانت مضبوط ہو جائیں۔ دو دفعہ دانتوں کی صفائی کرائی مگر Plaque پھر بن جاتا ہے اس کے لیے میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب۔ ہر کھانے اور ناشتے کے بعد دانتوں کو ڈینٹ ایڈ ٹوتھ پاؤڈر سے برش کریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ استعمال کریں۔ Fragraria 30, Calendula 30, Merc.Sol 6 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ رات لیں۔ سونے سے پہلے بھی برش کریں اور اس کے بعد Calendula Q کی کلیاں اور غرارے بھی کریں، آدھا گلاس نارمل پانی میں 10 قطرے ڈال کر۔ پھر ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

مارچ 2017ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ______________

پتا: ______________

____

عضلات کا ڈھیلا پن

صبا نور.........اورنگی ٹاؤن

ڈاکٹر صاحب میں اپنے ایک مسئلے کی وجہ سے کافی پریشان ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے کچھ مہینے پہلے معدے میں السر ہوگیا تھا جو کافی علاج کروانے پر شکر ہے اللہ کا کہ ٹھیک ہوگیا۔ مگر کافی دوائیں کھانے کی وجہ سے نہ جانے کیوں میرا جسم بہت لوز جیسے کہ لٹک گیا ہے خاص کر بازوؤں کے اوپر کا حصہ، پلیز کوئی ایسی دوا تجویز کردیجیے کہ میرا جسم سخت ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے آپ سب انسانیت کی خدمت کررہے ہیں (آمین)

جواب۔ بی بی اپنی غذا کو متوازن بنائیں یعنی اس میں دودھ، انڈا، مٹن، بیف، مچھلی کا گوشت، سبزیاں دالیں اور فروٹ بھی شامل ہوں، تلی ہوئی بھنی ہوئی تیز مرچ مصالحوں اور بہت زیادہ میٹھے سے پرہیز کریں۔ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد پانی نہ پیا کریں، شربت اور کولڈ ڈرنکس سے مکمل پرہیز کریں، کھانے کی ہر چیز کو خوب اچھی طرح چبا کر کھائیں۔ جاگنگ، رسی کودنا اور سائیکلنگ کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Rhustox 30, Calc. Phos 30 کے 5 ,5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں، دو ماہ بعد حال بتائیں۔

بچیوں کے مسائل

اُم فاطمہ.........اسلام آباد

میری دونوں بیٹیوں کا مسئلہ یہ ہے کہ انہیں ایام بے قاعدگی سے آتے ہیں اور بہت کم آتے ہیں۔ بڑی بیٹی کا وزن بھی زیادہ ہے۔ برائے مہربانی دونوں کے لیے کوئی ایسی دوا تجویز کریں کہ دونوں کا مسئلہ حل ہوجائے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ (آمین)

جواب۔ وزن کی زیادتی، کھانے پینے میں بے اعتدالی، کاہلی ہارمونز کی خرابی اور یہ تمام وجوہات ایام کی کمی یا تکلیف دہ ہونے کی ہیں۔



بچیوں کو بھاگ دوڑ کرنے والے گیم کھلائیں۔ غذا متوازن دیں لیکن چکنی اور میٹھی اشیاء سے پرہیز کرائیں، خون کی کمی دیکھنے کے لیے CBC profile کرائیں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Magnesium Phosphoricum Pentarkan Ptk 60 ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ دیں اور ساتھ Calc. carb 30, Pulsatilla 30 کے 5 ,5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں، 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

بچے کی پیدائش کے بعد پیٹ اور وزن کا بڑھنا

مسز ارشد.........اوکاڑہ

محترم۔ میرا بے بی 4 ماہ پہلے آپریشن سے ہوا ہے۔ تب سے میرے وزن میں مسلسل اضافہ ہوگیا ہے۔ پیٹ بھی بڑھ گیا ہے۔ میرے لیے کوئی ایسی دوا تجویز کردیں جو ورزش کے بغیر فائدہ دے سکے۔ کیونکہ واک کے لیے میں گھر سے... باہر نہیں جاسکتی اور اس دوا کا کوئی سائیڈ ایفکٹ بھی نہ ہو۔ میرا دوسرا مسئلہ بواسیر اور نظر کی کمزوری ہے۔ بواسیر کی ابھی شروعات ہے۔ خون کبھی کبھی آتا ہے لیکن درد بہت ہوتا ہے اور میری نظر کی عینک کا نمبر 2.5+ ہے۔ برائے کرم ان تمام مسئلوں کی دوا الگ الگ تجویز کریں تاکہ بعد میں بھی کام آسکے۔

جواب۔ صبح ناشتے، دوپہر، رات کو کھانے میں کیا لے رہی ہیں؟ یہ پہلا بی بے ہے؟ بے بی سے پہلے کتنا وزن تھا۔ گھر کے کیا کیا کام کرتی ہیں؟ بچے کو فیڈ کراتی ہیں؟ وزن کم کرنے کے لیے جاننا ضروری ہے کہ (۱) آپ کے مختلف ہارمونز کا لیا لیول ہے؟ Thyroid, Prolactin, Estrogen, Progeston, Insulin (۲) ڈائٹ کنٹرول (۳) ورزش (۴) ادویات کا انتخاب۔ اس لیے یہ کچھ زیادہ آسان کام نہیں ہے اور قدرے مہنگا بھی ہے۔ اس بارے میں جب آپ

From Nature.
For Health.

ہمیں تفصیل بھیجیں گی تو ہم آپ کو دوا تجویز کر دیں گے۔ بواسیر کے لیے پہلی بات یہ کہ قبض نہ ہونے دیں۔ اس کا فوری علاج یہ ہے کہ کھانے میں فائبر زیادہ لیں، سیب گاجر چقندر کھیرا ککڑی سلاد کے پتے اور تمام پھل، پانی کا استعمال بڑھائیں، چلنا پھرنا ضرور کریں۔ وزن کو کنٹرول رکھیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Aesculus Pentarkan کے 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ آنکھوں کے لیے گاجر سیب بادام سونف مصری کا استعمال کریں۔ اور اس کے لیے Calc-Flour 30, Calc.Phos30, Physostigma30 کے 5,5 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں، 2 ماہ بعد حال بتائیں۔

دمے اور پیریڈ کا مسئلہ

س۔۔۔۔۔۔۔۔۔لاہور

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری شادی کو 3 سال ہو گئے ہیں اور ماہواری کا بہت مسئلہ ہے، میں نے ہر طرح کا علاج کرایا ہے۔ ڈاکٹری اور ہومیو پیتھک، حکمت کا بھی مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔ اسی وجہ کوئی اولاد نہیں کیونکہ pyly cystic ovaries کا مسئلہ ہے۔ میرا جسم بھی دن بدن بہت موٹا ہوتا جا رہا ہے۔ چہرے پر بال بھی آنے لگے ہیں اور چڑچڑا پن بھی بہت ہو گیا ہے۔ اکثر پاؤں پر بھی سوجن رہتی ہے۔ میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے دمے کی بھی تکلیف ہے۔ پہلے مجھے کبھی اتنا محسوس نہیں ہوا لیکن تقریباً 2 سال سے مجھے دمے کی پرابلم زیادہ ہو گئی ہے۔ ڈاکٹری علاج بھی کرا رہی ہوں، Inhaler وغیرہ بھی لیتی ہوں۔ میں اپنے الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ بھی ساتھ بھیج رہی ہوں۔

جواب۔ بی بی دمہ کب سے ہے اور اس کے لیے کیا کیا ادویات لے چکی ہیں نہیں لکھا، عموماً کارٹی زون ادویات ہی استعمال کرائی جاتی ہیں۔ انہیلر ہو یا گولی یا ٹیکا ان کے استعمال سے وزن بڑھتا ہے۔ ہڈیاں کمزور ہوتی ہیں اور مینسز پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اپنی غذا کا خاص خیال رکھیں، سبزیاں اور پھلوں کا استعمال بڑھائیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Grindelia Pentarkan Ptk 51, 10 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر 3 مرتبہ لیں۔ Magnesium Phosphoricum Pentarkan Ptk60, کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور Kali Carb 30 کے 5,5 قطرے آدھے کپ پانی سے دن میں 3 مرتبہ لیں، دو ماہ بعد پھر الٹرا ساؤنڈ کرا کر اپنا تفصیلی حال بھیجیں۔

سردی سے حساسیت

عنبرین۔۔۔۔۔۔۔۔۔اوبھاڑی، ماوڑی

تقریباً میں 15 سال کی تھی جب سے میرے ساتھ یہ مسئلہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ سردیاں شروع ہوتے ہی میرے ہاتھ پاؤں نیلے پڑ جاتے ہیں۔ زیادہ سردی میں انگلیوں کی پوریں سن ہو جاتی ہیں۔ اب دو سال سے یہ ہو رہا ہے کہ میرے ہاتھ کی انگلیوں پر زخم بننا شروع ہو گئے ہیں وہ ایسے کہ پہلے انگلیوں کی پور بالکل نیلی پڑ جاتی ہیں پھر اس میں لال لال نشان بنتے ہیں پھر اس میں پھوڑے کی طرح پیپ بھر جاتی ہے جب اس میں سے پیپ نکلتی ہے تو اتنا گہرا زخم بن جاتا ہے کہ دو ڈھائی ماہ سے پہلے ٹھیک نہیں ہوتا۔ درد بھی بہت ہوتا ہے، پانی والا کام بھی نہیں کر سکتی، زخم پر خارش بھی ہوتی ہے۔ شوگر بھی چیک کروائی وہ بھی نارمل ہے، ڈاکٹرز نے کہا کہ آپ کو دل کا مسئلہ ہے، ہارٹ اسپیشلسٹ کے پاس گئی انہوں نے ECG کی ایکو کیا، اللہ کا شکر ہے ہارٹ فنکشن بھی ٹھیک ہے ۔ میں غیر شادہ شدہ ہوں۔ ڈاکٹر صاحب میں بہت زیادہ پریشان ہوں برائے مہربانی میرے لیے ایسی دوا تجویز کیجیے جو مجھے اس بیماری سے نجات دے۔

جواب۔ متوازن غذا کا استعمال کریں 6 سے 8 گلاس پانی روزانہ پیا کریں۔ کسی قسم کا نشہ نہ کریں کولڈ ڈرنکس وغیرہ نہ پیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی

مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں سب سے پہلے Sulphur 200 ایک خوراک لیں۔ ایک دن وقفہ کے بعد Graphites Pentarkarn Ptk 50 کی ایک گولی 3 مرتبہ روزانہ لیں جب بھی ہاتھ دھوئیں، ناخنوں میں Calendula Q ڈالیں اور چکنی کریم ہاتھوں پر ملیں، ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں۔

ذہنی وجسمانی کمزوری

بابر شہزاد........چک 63، فیصل آباد

میں ایک طالب علم ہوں۔ میں جسمانی، اعصابی اور دماغی طور پر بہت ہی کمزور ہوں، میں پہلے بھی دوائیں کھا چکا ہوں لیکن ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا، میری عمر تقریباً 20 سال ہے پہلے میٹرک کے امتحان میں فیل ہو چکا ہوں اور اب دوبارہ میٹرک میں ہوں، بار بار سبق یاد کرتا ہوں یاد نہیں ہوتا، خوراک جیسی بھی کھالوں جزو بدن نہیں بنتی، جسم انتہائی کمزور ہے۔ کسی کام کو کرنے کا دل نہیں کرتا۔ ہر وقت سستی، کاہلی کا شکار ہوں۔ اجابت بڑی سخت آتی ہے گولیوں کی شکل میں اور زبان بھی خشک رہتی ہے، معدے کی طرف سے کچی بلغم ریشے دار مواد ہر وقت منہ میں آتا رہتا ہے۔ کھانسی بھی نہیں ہے، آنکھوں کے گرد حلقے اور چہرے پر چھائیاں بھی ہیں، پیٹ میں مختلف آوازیں آتی ہیں گڑگڑاہٹ جیسی۔

جواب۔ بیٹا سب سے پہلے تم اچھی صحبت اپناؤ یعنی اچھے دوست بناؤ، خراب دوستوں سے دور ہو جاؤ، گھر میں ماحول اچھا ہونا چاہیے، ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر، سب سے بالکل الگ رہیں، مقصد امتحان میں کامیابی کو بنائیں، پانچ وقت نماز کی پابندی کریں، مسجد جا کر پڑھیں، قرآن کی تلاوت کریں کم از کم ایک رکوع۔ روزانہ اس طرح پڑھیں جیسے آپ نے کل کسی کو پڑھانا ہے اس طرح سمجھ کر پڑھیں گے تو سمجھا ہوا جلد یاد ہوتا ہے۔ کھانا ہلکا پھلکا خوب اچھی طرح چبا کر کھائیں، کھانے کے دوران پانی نہ پئیں اور نہ فوراً بعد، کھانے میں فروٹ اور سبزیوں کا استعمال کریں۔ صبح شام چہل قدمی کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Cheldonium 30, Arsnic Alb 30, Anacardium30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔



بچوں سے لاڈ پیار

محمود...... بھاولپور

میری بیٹی جس کی عمر سات سال ہے چار سال سے نظر کی شدید کمزوری کا شکار ہے جس کی وجہ سے اسے عینک لگانی پڑتی ہے۔ مختلف ڈاکٹر اور اسپیشلسٹ کو دکھایا جن کے مطابق تقریباً 14 سال تک اس کی نظر مزید کمزور ہونے کا امکان ہے۔ صبح سو کر اٹھتی ہے تو اس کے سر میں درد ہو رہا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کبھار متلی کی شکایت بھی کرتی ہے۔ اس کے پیٹ میں کیڑے ہیں۔ ہمیشہ اوندھا سوتی ہے اور سوتے میں دانت بھی پیستی ہے۔ رنگت زرد ہے، چڑچڑی بھی بہت ہے۔ اور ڈرپوک بھی ہے۔ حساس بھی بہت زیادہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پر سوار کر لیتی ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ ایسی بہترین دوا کا انتخاب کیجیے کہ اس کی نظر نہ صرف بہتر ہونے لگے بلکہ بالکل ٹھیک ہو جائے۔ پاکیزہ کے توسط سے آپ نے انسانیت کی خدمت کا جو بیڑا اُٹھایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

جواب:۔ بیٹی سے زیادہ لاڈ نہ کریں نقصان ہوگا۔ کیونکہ بچے زیادہ لاڈ پیار سے بگڑ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ والدین ان کی ہر فرمائش کو پورا کریں گے۔ اور جب کبھی کسی بھی وجہ سے والدین ایسا نہیں کرتے تو بچے چڑچڑے اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اچھی تربیت کا تقاضا ہے کہ احتیاط کریں۔ آنکھوں کے ڈاکٹر سے ضرور ملیں تا کہ پتا چلے کہ یہ کتنی کمزور ہو چکی ہیں۔ اگر وہ چشمہ لگانے کا مشورہ دے تو ضرور لگائیں۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو آنکھوں پر اور زیادہ خراب اثر پڑے گا۔ بیٹی کے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

معاملے میں عینک سے کچھ نہیں ہوتا۔ دودھ میں بادام، مصری، سونف کو پیس کر صبح وشام دیں۔ اس کے علاوہ گاجر کا استعمال زیادہ سے زیادہ کروائیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Physostigma 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں صبح دیں اور دن میں تین مرتبہ Calc Phos6,Calc Flour 30, Cina 30 کے 5,5 قطرے ایک کپ پانی میں دیں۔ تین ماہ بعد حالت بتائیں۔

نارمل ڈلیوری

عقیل احمد کھوکھر............کنری

محترم سر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری بیوی کے ہاں بچے آپریشن سے ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ زچگی کی تکلیف نہیں ہوتی، تکلیف بھی ہوتی ہے مگر ہمارے ہاں پورے ڈویژن میر پور خاص میں ڈاکٹرنیوں نے یہ ٹرینڈ بنایا ہوا ہے، نارمل ڈلیوری کرواتی ہی نہیں نہ ہی کوشش کرتی ہیں۔ سو اب میرے گھر 5 سال کے وقفے کے بعد امید ہوئی ہے اس سے پہلے دو آپریشن ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں نارمل نہیں ہوگا آپریشن ہوگا۔ پیسوں کا انتظام کرلو۔ قیمتی مشورے سے مستفید فرمائیں، اللہ پاک آپ کو آپ کے اہل وعیال کو کروڑوں خوشیاں عطا فرمائے۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسی ہومیوپیتھی میڈیسن بتا دیں جس سے مجھ غریب کا مسئلہ حل ہوجائے۔

جواب۔ ہوسِ زر کی وجہ سے اب بہت سارے مسئلے کھڑے ہو رہے ہیں، وقت، محنت اور توجہ سے بہت سارے مسئلے حل ہوجاتے ہیں۔ لیکن ہماری سوچ کچھ اور ہوتی ہے۔ آپ اپنی بیگم کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Caulophylum 30 کے 7 قطرے آدھ کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ ڈلیوری سے ایک ہفتے پہلے دیں اور آخری دن Pulsatilla 200 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 سے 4 مرتبہ دیں۔ انشاء اللہ ڈلیوری نارمل ہو جائے گی۔ اسی نوے فیصد چانس ہے باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

کولیسٹرول و بلڈ پریشر

سر بلند خان............کوہاٹ

ڈاکٹر صاحب میری بیوی کا کولیسٹرول بڑھا ہوا ہے، آٹھ مہینے سے لگاتار ڈاکٹری علاج کرا رہے ہیں مگر کوئی فرق نہیں پڑا ہے اس لیے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ یوٹرس کا آپریشن ہوچکا ہے بظاہر بالکل صحت مند ہے مگر کولیسٹرول کم نہیں ہو رہا ہے جب سے آپریشن ہوا ہے۔ پہلے سر میں درد ہوتا تھا بعد میں بلڈ پریشر بڑھ گیا۔ اب کولیسٹرول متواتر 200 سے اوپر رہتا ہے۔

جواب۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ یوٹرس کا آپریشن کیوں ہوا تھا۔ بچے کتنے ہیں، وزن بھی نہیں لکھا اور حساسیت بھی نہیں بتائی۔ کولیسٹرول کم کرنے اور بلڈ پریشر پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ورزش کی جائے۔ جسم کو دھوپ دکھائی جائے کم از کم 15 منٹ، سبزیوں اور فروٹ کا بھی استعمال بڑھائیں۔ چکنی، میٹھی، مرغن، بھنی ہوئی اشیا، مرغی اور انڈے سے پرہیز کریں، نمک کا استعمال بھی کم سے کم کریں (نمک جب بھی استعمال کریں آئیوڈین والا ہو) ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ استعمال کے بعد بلڈ پریشر اور کولیسٹرول بتائیں۔ Viscum Pentarkan Ptk 89 کے 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں اور Calc.Carb 30 کے 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں صبح شام دیں۔